اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مُرتّبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر ۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارلعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

	﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾	

موجُودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ فتنے اور ان کا حل

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرورِ انفسنا و مِن سیئاتِ اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشھد أنّ سیّدنا و مولانا محمّدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً کثیراً۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اِس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتلایا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچھے نہیں ہیں۔

اِن فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

اِن فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا''[1]۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھویں سے نہیں بچ

سک گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب وفراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق وفجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے، آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا باجہ عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہو چکی ہے۔[۱]

اِن فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

۱؎ ان ساری علامات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: الاشاعة لاشراطِ الساعة من ۷ تا ۸۶

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم ہونے نہیں پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اِس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آ جاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آ گیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کے برابر کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علاماتِ قیامت اور اِس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آ چکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آچکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہوسکتا ہے، کل بھی ہوسکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت أنا و الساعة كهاتين"[۱] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیینِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے،

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں[۱]۔ (یعنی یہ بتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)...... لیکن آپ ﷺ کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق و في رواية رائعين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) ''میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

---

[۱] مشکوۃ المصابیح، ج ا ص ۱۱ بحوالہ بخاری ومسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اِس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آچکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں کبھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اِس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آرہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اِن فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ اِن فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہو گیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا[1]۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آئی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انّ الاسلام بدأ غریباً و سیعود کما بدأ فطوبی للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو اس دنیا میں اجنبی تھا کہ اس کے عقائد اور احکام

[1] ترمذی، باب الفتن رقم الحدیث ۲۲۶۱ "یاتی علی الناس زمان الصابر علی دینه کالقابض علی الجمر"

لوگوں کے لئے اچھنبے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کیے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الٰہ الّا اللّٰہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جارہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جارہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کمابدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اِس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر ''بن لادن''، ''بن لادن'' کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اِسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن اِن واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبی للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دو حل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔ پہلی چیز عزم و ہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم و ہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دُعا کرتے رہیں۔ یہ دُعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ دُعا یہ ہے:

﴿اللّٰهم انّا نعوذُبك مِن الفتن مَا ظَهَر مِنها وَمَابَطن﴾

”اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں“۔

یہ دُعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

یاد آئے تو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی اِن فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّه رب العالمين

چھ افضل اعمال

موضوع: چھ افضل اعمال
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿چھ افضل اعمال﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجھاد فی سبیلہ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسھا عند أھلھا و أکثرھا ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّھا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ذات تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی الگ الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی، ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اِس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! أی الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللّٰہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دِل میں ہوتا ہے، یہ دِل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اس پر

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ وبلوچستان میں اور نہ سرحد وپنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جاکر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہورہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوجاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، اُحد، اُحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کردیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہو تو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہو رہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل "جہاد" کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر کے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹا دیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کر دیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

چوتھا افضل عمل: ہنر مند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ "فان لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعين صانعا أو تصنع لأخرق "کسی ہنر مند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو"۔

کسی ہنر مند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن وحدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ان الدین عنداللّٰہِ الاسلام﴾ (آل عمران،۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ﴾ (آل عمران،۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً﴾

(المائدہ،۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتلایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت وکاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور وطریقے بیان نہیں کیے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادات میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترکِ دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح و صفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ کام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین و دنیامیں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیاکو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کیے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی، غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کرکے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اُسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کررہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگا۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپؐ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گذارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوھ لیتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو ایسے گذرے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ لگایئے کہ کہاں دل لگی ہورہی ہے، اور بیوی بچوں کی دل جوئی ہورہی ہے اور دوسرے سارے کام ہورہے ہیں لیکن اذان کے وقت اس طرح حالت ہوجاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین اور دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنر مند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتلایا گیا، وہ کسی ہنر مند کی مدد کرنا ہے۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنر مند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کررہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جاکر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایسا نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دارالعلوم میں بھی ہوسکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دار العلوم میں بھی کرسکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہورہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کررہا ہے تو اس کی مدد کردو، اور کچھ نہیں کرسکتے تو صرف پندرہ، بیس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکار کی مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کرلیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنالے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خاص ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کرلیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی تپش کو مرتکز اور جمع کر کے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب کی دعوت بھی کی، چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ خود تو ایسا آلہ بنا سکتے تھے لیکن اس کو ملکی یا عالمی پیمانے پر ترقی یافتہ قسم کا آلہ بنا کر پھیلانے کیلئے تجربات، وسائل اور سازوسامان کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ کہا بھی تھا کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ہمیں پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، انہوں نے بہت اچھا آلہ ایجاد کیا ہے، اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی سرپرستی کی جائے تو اس سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور جو انگریز کے واسطے کے بغیر آئے، وہ قابل اعتبار نہیں، نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی نقالی

دوسرے لوگوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقالی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے میرے دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہت بڑے پیمانے پر بجلی تیار کی جارہی ہے، اس سے کارخانے چل رہے ہیں اور کئی بستیاں اس سے بجلی حاصل کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد وہی انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کرسکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی، نتیجہ یہ کہ دوسرے لوگ یہ ٹیکنالوجی حاصل کرلیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنر مند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص لوہار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو اُسے اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک دو خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوادے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنر مند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کردو، اسے کوئی چیز سکھادو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اُسے کپڑے سینا سکھادو، سویٹر بُننا نہیں جانتی، اسے سویٹر بُن دو یا کوئی اور کام ہے جس کی کسی کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتا، جبکہ تم اس کو جانتے ہو تو تم اس کیلئے یہ کام کردو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے تک پہنچنے کا جذبہ پیدا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کمالوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنالوں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب[1] میں بھی لکھے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنا رہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ہمیں

---

[1] ''حیات مفتی اعظم'' ادارۃ المعارف، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ م

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلّہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لارہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے اور پانی کا گھڑا بھر کر لارہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر ٹیکا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوادوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوادوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اسی بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھا لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتلایئے آپ کا گھر کہاں ہیں؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دوازے پر پہنچا تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جاکر پردہ کروائیں، میں اندر جاکر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینا شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا'' اماں لاؤ، میں پانی بھر دیتا ہوں'' چنانچہ میں نے ڈول نکال نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اُسے سر پہ اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہلے نکلتا تھا تا کہ اُسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی اور میں دیو بند ہوا(کسی سفر میں نہ ہوا، بیمار نہ ہوا) بلا ناغہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے سٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے سٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتی کہ اس زمانے میں اس سٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس سٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی اور صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانویؒ سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہوکر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہورہا تھا کہ کچھ اورلوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس سٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپالیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جاکر کہا قلی آ گیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھاؤ۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے سٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، کھڈے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آ گیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تکف شرك عن الناس یعنی ''اپنے شر کو دوسروں سے روک لو''۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اِس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہوگے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہو اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو یہ کہ بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہوگیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ حکم اتنا عجیب وغریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے کتنے جھگڑے، فساد، مصیبتیں، اذیتیں اور پریشانیاں صرف اسی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہوا، دشمنی پیدا ہوگئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص ہی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ نباشد
کسے رابا کسے کارے نہ نباشد

ترجمہ: ''جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی شرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا''۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت وآرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت وآرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے، اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا روح رواں اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ''اپنے شر کو لوگوں سے روکو''۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبرا: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت ومعیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اور غور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔ بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر ۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آدابِ معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہو جائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرك عن الناس﴾

یعنی "اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو"

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں بیان فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

"مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے
دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے"۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل

سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نوپارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہوتو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہوتو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کر دی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور مہارت کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانور پنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اُسے بھگو دیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہو جائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا، وہ اسی کی جگہ ہوگئی،

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اُسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آدابِ معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اُس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اُسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اُسے تکلیف ہوگی، اور اگر اُسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تو لیہ استعمال کیا اور اُسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھرام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کر ڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جاکر شہداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تاکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا دی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جارہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ قبھانے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کرلیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہوجائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ''ہمیشہ'' کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے، اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہوگیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کر دیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہوگیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رینج تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اولاً تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑ جائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہوجاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ ''قلۃ الکلام'' (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہوجاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے گولے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے گولے نکالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کر کے پھر گولوں کو دھو کر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ "دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچا دی تو یہ بے ادبی ہے۔" چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کسی بُت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن اٹھا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اُس کو کہنی ماری، اِدھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آگئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لیکر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کردیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دو گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جا رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی، میں مسجد کی طرف جا رہا ہوں، کسی نے دیکھا تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آ گیا اور سلام کر کے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جا رہا ہے تو اسے سلام تو کر لیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کر رہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہو کر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہو جائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آ کر

بیٹھ گیا اور دوسرا دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کر رہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا، بے خیالی میں مَیں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہوجائیں تو اپنی لائن خود لگا لیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بنالو، خود بخود لائن بناتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اولاً تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کرلیا۔

اِن باتوں پر عمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پر عمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنگ مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔
۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم، امابعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنہا و سیئہا، فوجدت فی محاسنِ اعمالہا الأذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی أعمالہا النخاعۃ تکون فی المسجد لاتدفن۔

و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجہٍ طلیق۔

(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اِس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت وسکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقاً من طرقِ الجنة“ (سنن دارمی، کتاب العلم)

”جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجالس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے، دوسرا نہیں کرسکتا تو تیسرا کرلے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الی اللہ بعدد أنفاس الخلائق﴾

''اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد''۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید دو احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمائیے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگائیے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

اِن سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے اعمال نہیں کرسکتا تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہرحال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آرہے ہیں، ان میں سے سب یا کچھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستہ میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (منہ یا ناک سے) بلغم نکالا اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمد و رفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نو پارکنگ (Noparking) لکھا ہوتا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کر دے جہاں بس آ کر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہوکر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

"مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کو تکلیف نہ پہنچے"

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کر سکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹا دے۔

اِس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگر چہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان بں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے۔ (مسلم، کتاب یمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اِسی وجہ سے ہوگئی کہ اس درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ ، ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی ۔ نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، کترا کر گذرنا بھی چونکہ ، تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرما دی۔

سلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۳۷

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

جو کڑا وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے، چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی نہیں؟ موقع مل سکے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے کہ نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اُسے کل پر نہ چھوڑا جائے۔

مسجد میں تھوکنا، ایک بُرا عمل:

اور اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اُسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اُسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادمِ مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادمِ مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرض منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے، اِس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کردیں:

اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کردیں۔

آج سے عمل شروع کردیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللّٰہ عنه قال قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًا ولو أن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جان بخشی کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آجائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتا تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کہیں گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحکِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پیاری اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنالے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنا لے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اُسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کرلیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اِس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتیٰ کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

ہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اِس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرہ میں شہد ہی شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰه رب العالمین

محبّتِ رسُول اَور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: عبدالمنتقم سلہٹی صاحب
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ.ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد! ﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہرحال، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

''تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔''

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لایؤمن عبد حتی اکون احب الیه من ماله واهله والناس اجمعین﴾

''کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جن میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں سازوسامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظم اور محبت رسول ﷺ

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہروقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب "بدر" نامی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے ساز و سامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس مشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت اللہ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آرہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یا رسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفارہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آرہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آرہا ہے، فلاں کا بیٹا آرہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہوجائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمت للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کررہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال ودولت سے اور تمام عزیز واقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہونگے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یارسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

''یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں''۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لاوالذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیك من نفسك﴾

''پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانك الان واللّٰه احب الی من نفسی﴾

''کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں''۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانك﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر یہی بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آ گیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اورشاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدان احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور لوہے کی دوزرہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی ساتھ گیا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہونگے۔ منافقین کئی سو تھے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہورہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے بھی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھادیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے تاکہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجائے، اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، البتہ شروع میں فتح ہوگئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہٹنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعت امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہورہی ہے، تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہورہی ہو، اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اکثر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے، چنانچہ دشمن نے دیکھ لیا کہ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کررہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہو کر بیٹھ گئے، لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جارہی تھیں اور یہ آواز لگارہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بے تحاشا رورہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کررہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہوگیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کردی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہوگیا، تمہارا فلاں شہید ہوگیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوجائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دوعالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنالیا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کرڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہر طرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جانثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق ومحبت کی جو داستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابودجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابودجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ وچہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیر ارادی طور پر اگر میں ذرا سا ہل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں ہلنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت ودانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر اور ادنی سی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابودجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور نیزوں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے شہید ہورہے تھے اور زخمی ہوکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہوکر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور کھسکتے کھسکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ کر گر پڑے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہوگیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام ومقتدا اور ہمارے ماوی وملجا یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ نہتے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ٦ لاکھ فوج سے

برسر پیکار ہیں۔ یہ لڑائی کس وجہ سے ہے؟ کیا روپے پیسے کی وجہ سے ہے؟ مال غنیمت کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جارہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کررہی ہے کہ میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے ہوکر آئے تھے۔ انہوں فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان لڑکوں نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہرطرح کے اسلحہ سے لیس فوج ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! لڑو، اگرچہ تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمدللہ! اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کا اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کردیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمدللہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''رنگیلا رسول۔'' العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق ومحبت کے کچھ تقاضے

اس عشق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز ہمیں کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کردیا مثلاً فرمادیا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہے دل میں کتنی ہی طلب ہو، لیکن اگر حرام مال آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد اور بیویوں کو ہر ایسے کام سے روکنا پڑے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لائے اور صرف حلال آمدنی لائے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گذارا کرنا پڑے تو ہم انشاء اللہ روٹی چٹنی سے گذارا کریں گے، لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں۔ اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں، تو ہم پیوند لگے کپڑے پہنیں گی لیکن اپنے رسول کو ناراض کر کے اپنے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اتنی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت ایسی عطاء فرمائے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ یا اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے اور ایک سوال کردیا، آپ نے پوچھا کہ :ماعددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتلاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب وسنت موکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''المرء مع من احب ''یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کرلے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تابانہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے حاجی صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کردینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس واسطے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کرلیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑگئی، مٹی کو سونا بنادیا، دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کرلیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ کتنی بڑی بشارت مل گئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت وقوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دار العلوم کراچی
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں اب تک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتی کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچتا ہے اللہ کو ان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفاء نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگرچہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگالیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بناء پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کردیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اورصرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلارہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کردیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئے اب تم اس دنبے کو ذبح کردو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہوجاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا:

﴿ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہوجا''

(سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۲۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہوجاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اسی مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کار ڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوا اور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روز مرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوجائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضۂ قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے ''تقدیر پر اعتقاد رکھنا''۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ رکھنے کو'' یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ بدھ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کو تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتا تا رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرنا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرنا ہے، لیکن ایک مومن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ وقدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مومن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے۔ یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہو کر تمہیں سلام کر رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنائیں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مومن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ ودیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیئے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔"

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہئے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت وکوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہوجاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہورہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھدیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کرسکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کردیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کررہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہوکر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ ملتی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لولگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلاتا ہے اور دین ودنیا کی کامیابیوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکرادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اورغم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر وصبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملاجی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اور ہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہوتو اللہ کا شکرادا کرتی ہو (کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابروشاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر عیش وآرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا ؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی ، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو، اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟انہوں نے کہا عیش کرو گے، تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے خلاف تھا اس نے کہا ”حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل“ ”اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام نہ لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہو جائے، تب کہو "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروادے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لایؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہوکر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللّٰہ ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کتب

اللّٰــه مقــادیـر الـخـلائق قبل ان خلق السموٰت والارض بخمسین الف سنة ﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں"۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عـن عبـداللّٰه ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ ان قـلـوب بـنـی آدم کـلـهـا بیـن اصبـعین من اصابع الرحمن کـقـلـب واحـد یصـرفه کیف یشاء ثم قال رسول اللّٰه ﷺ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العلمین

اسلام میں غلامی کا تصور

موضوع: اسلام میں غلامی کا تصور
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم، کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اسلام میں غلامی کا تصور﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدهٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جناده رضی الله عنه قال: قلت یارسول الله، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان بالله و الجهاد فی سبیلهٖ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسها عند أهلها و أکثرها ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول الله ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرك عن الناس فانّها صدقة منك علی نفسك"۔ (متفق علیه)

بزرگان محترم اور برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

غلامی کے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کردیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کا بہت چرچا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت دعویدار ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کررہا ہے اور جن لوگوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اس کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اس کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اُسے اپنا غلام بنالیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہر اعتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اُسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کر دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنویں میں جاکر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنویں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کر پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر آگئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلہ والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلہ میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانہ میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے اِدھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آرہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکو ڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کرکے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کرلیا۔

اصل امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں کچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکا دکا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی لمبائی ہے کہ اگر نیو یارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جاکر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کار آمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جواُن کے کام کا نہ ہو، اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلتا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جوانہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید وفروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں، ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگر چہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کر لی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

ممالک کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگادی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیاتو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیئے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جو آگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی کیا کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی نتیجہ یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنالیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیامیں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کہا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دو صورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑایا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آچکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روادار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنالو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن............

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، اکڑوں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تاکہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتی کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنادیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ قوانین بھی مقرر فرما دیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ''خون بہا'' کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ ''ظہار'' ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا'' أنتِ علی کظھرِ أمیّ'' ''تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو'' یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتے تو پے درپے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اُسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فکفارتہٗ إطعام عشرۃ مساکین من أوسط ماتطعمون أھلیکم أو کسوتھم أو تحریر رقبۃ۔ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ أیام﴾۔ (المائدہ:۸۹)

یعنی ''دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں جوڑے پہناؤ یا غلام آزاد کرو''۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہوتو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

''تو آزاد ہے'' کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بنایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' تو وہ آزاد ہوجاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہوجاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہر صورت میں غلام آزاد ہوجاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہو لیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہوگیا کہ تم آزاد ہوتو وہ غلام آزاد ہوجائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہوگیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسی کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اُسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہوجائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہوجائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہوجاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں روسیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد ہورہا تھا اور مجاہدین اپنے سر دھڑ کی بازی لگارہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان روسیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آجائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کردیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی میں بدستور کمی واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ برداشت نہ کرسکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہہ بند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہہ بند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کر لیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنوں اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کر لیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾

''یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کُل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کر کے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نومسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آرہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اُس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا چنانچہ آپؓ اس شہر میں اسی حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اُسے آزاد کردیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اُسے آزاد کردے!'' اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کردیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا ''اللہ کی پناہ' اللہ کی پناہ'' لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ ''رسول اللہ کی پناہ' رسول اللہ کی پناہ'' پہلے غصہ کی وجہ سے اس صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شائد غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب ''رسول اللہ کی پناہ'' کا جملہ بولا تو اس صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنادیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنوعباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنو عباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنوعباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیر نگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنوعباس جن کا تذکرہ پہلے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنوعباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابوجعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافۃ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہوگئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جا کر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خراج تو یہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنادیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربِّ العلمین

صدقہ کرنے کے آسان طریقے

موضوع: صدقے کی آسان قسمیں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم الله الرحمن الرحیم

﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾

خطبہ مسنونہ!

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم، امابعد

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ: ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا للنبی صلی الله عليه وسلم: يارسول الله، ذهب اهل الدثور بالأجور يصلون كما نصلی و يصومون كما نصوم و يتصدقون بفضول اموالهم۔ قال: أوليس قدجعل الله لكم ما تصدقون ، ان بكلّ تسبيحةٍ صدقة و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن منكر صدقة و فی بضع احدكم صدقة۔ قالوا: يارسول الله، أياتی أحدناشهوته و يكون لهٗ فيها أجرٌ؟ قال: "أرء يتم لووضعها فی حرام أكان عليه وزر؟ فكذلك اذا و ضعها فی الحلال كان لهٗ اجرٌ۔

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحديث ۱۰۰٦)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یصبح علٰی کل سلامی من أحدکم صدقۃ، فکل تسبیحۃٍ صدقۃ و کل تحمیدۃٍ صدقۃ، و کل تھلیلۃٍ، وکل تکبیرۃ صدقۃ، و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن المنکر صدقۃ و یجزی من ذلک رکعتان یرکعھما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من غدا الی المسجد أوراح، اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلّما غدا اوراح" (متفق علیہ)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اِس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ اِن سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں اِن چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مال دار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب ہمیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کرتے ہیں، ان کا ثواب انہیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتلائے۔ اور سمجھایا کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کرسکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿ان بكل تسبيحة صدقة، و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و امرٌ بالمعروف صدقة و نهي عن المنكر صدقة و في بضع أحدِكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتادیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کر سکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات کہہ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اِن کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگ مگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کرسکتا تو سبحان اللہ، الحمد للہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کرسکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر وثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتلا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اُسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطبِ اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے الٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اِسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دِل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دِل دکھا دیا، اُسے ذلیل و رسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو اس میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور مجھے یا آپ کو اِس کا کیا اختیار حاصل ہوتا، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿قُولا لهٗ قولاً لينا﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا''

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "أنا ربكم الأعلى" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے زیادہ مصلح نہیں، جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دُعا بھی کر لیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دِل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اِس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ ”فی بضع أحدِکم صدقة“

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اورانہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

''یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ و خیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ و خیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اِس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بنک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضها السمٰوٰت والارض﴾ (ال عمران:۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین وآسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

و عـن ابـی ذر ایـضـاً رضـی اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فـکـل تسبیـحةٍ صـدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، وکـل تـکبیـرۃ صـدقة، و أمـر بالمعروف صدقة و نهی عن الـمـنـکـر صـدقة و یـجـزی مـن ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواه مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا اِن سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ سَلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ کُلُّ خُطْوَةٍ یَّخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اُٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹادے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گذشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اِس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اِسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر اُسے ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دِل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اُسے اھلاً و سھلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسمیں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الی المسجد أوراح اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

''جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں''

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر﴾

(اخرجہ احمد و الستۃ سوی النسائی وابوداود)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دِل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا''

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اِس حدیث اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دِن وہ شام اِس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا'' (صحیح مسلم رقم:۱۰۰۷ ج ۲ ص ۶۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العالمين

فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج

موضوع: فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

مقام: جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له ونشھدان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له ونشھدان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسوله:

اما بعد!

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

یہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اللہ پاک نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسراف فضولی خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشوونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشوونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کردیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مال مفت دل بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنُ﴾

''بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔

(سورہ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پہننے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو یا جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کر رہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کرلے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو۔ جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہادیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ اور خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، ادھر رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔ اور پانی میں بہادیا گیا ہو، اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جونہی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جانوروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد وترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخير خير من السكوت والسكوت خير من املاء الشر﴾ (بیہقی)

” اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔''

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء کو رگڑ رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کردینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہو تب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہیئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کو ادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہوجاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کررہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آگیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آرہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے وگرنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت توا کارت کرے ہی گی دنیا کو بھی بربادی کا نمونہ بنادے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ناسمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کردیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہوکر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر سنور جائے گا۔ جب ابھی سے ہی تربیت درست نہ ہوگی تو پھر کیسے سنورے گا؟ بلکہ آج کل تو ہمارے معاشرے کے مطابق اس کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بعض اوقات سنگین واقعات کا پیش خیمہ بنتی ہیں جن میں والدین الگ تکلیف کا شکار ہوتے ہیں اور اولاد بھی مصائب میں گھر جاتی ہے۔

ایک قاتل کا پیغام

مشہور ہے کہ ایک قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جب اس کو تختہ دار پر چڑھانے لگے تو اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے جواب میں کہا ''میری ماں کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ ماں! آج تیری وجہ سے تیرا بیٹا پھانسی پر چڑھ گیا ہے۔'' پوچھنے والے نے حیرت سے کہا کہ بھئی کیا قتل کا حکم تیری ماں نے تجھے دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو میرے والد کی قمیص کھونٹی سے لٹک رہی تھی، میں نے اس میں ایک روپیہ نکال لیا۔ ماں نے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ پھر اگلے دن دو روپے نکال لئے ماں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی دوسری چوریاں کرنے لگا، لیکن ماں نے علم ہونے کے باوجود کچھ نہ کہا۔ اس طرح بڑے ہو کر مجھے چوری کی عادت ہوگئی اور چوری سے ڈاکے مارنے لگا۔ انہی ڈاکوں میں ایک دفعہ مجھ سے قتل ہوگیا جس کی سزا آج مجھے پھانسی کی صورت میں دی جارہی ہے۔ اگر میری ماں مجھے پہلے ہی دن ایک روپیہ نکالنے پر منع کردیتی تو آج میرے گلے میں پھانسی کا پھندا نہ ہوا۔

تو دیکھئے کہ ایک ماں کے صرف ایک روپے سے نہ روکنے کی وجہ سے بیٹے کی آخرت تو خراب ہوئی دنیا میں بھی ذلت کی موت مرا۔ اور اس کے بعد ماں کو کیسے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتدأ غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہئے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی واسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

واخر دعوانا اَن الحمدللّٰہ رب العالمین

دوقومی نظریہ

موضوع: دوقومی نظریہ جس پر پاکستان بنا

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

باہتمام : محمد ناظم اشرف

مقام: جامعہ ریاض العلوم۔ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دوقومی نظریہ﴾

بعداز خطبۂ مسنونہ! امابعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ ''ہم نے دوقومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبودیا ہے''۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ ''اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا''۔ دوقومی، یا دوملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿هُوَالَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌوَ مِنكُمْ مُؤمِنٌ﴾

''اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ اس پر سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہوگئے اور بعض مومن رہے'' (سورۃ تغابن۔۲)

اس آیت کے لفظ ''فَمِنكُمْ'' میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ''پس'' یا

''پھر'' کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق وآفرینش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ ﴾

'' ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے(جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن ص۳۶۴ ج۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے'' کافر اور مومن'' جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برداری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

'' مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں''۔

(سورۃ الحجرات۔۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنادیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا یَرِثُ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾

"مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿لَا یَتَوَارَثُ اَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی﴾

"دومختلف ملّتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے" (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کرکے فیصلہ کردیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسرپیکار رہا جائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک، انصاف، ہمدردی، خیر خواہی، مداراۃ، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کردی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگر چہ وہ ہم سے برسر پیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْاقف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

''اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ۔۸)

صلح کر لینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان سے صلح (ترک جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔قرآن حکیم ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے(ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا)

(معارف القرآن صفحہ۲۷۱ ج ۴) (سورۃ الانفال ـ ۶۱)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواہر الفقہ ص۲۰۴ تا ۲۱۷ جلد۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت ومصلحت ان سے خرید وفروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار ومشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص۱۸۳ تا ۱۸۶، ص۱۸۸ تا ص۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ ألا من ظلم معاهدا أو انتقصهٗ أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيامة﴾۔ (مشکوۃ المصابیح ۳۵۴)

خبردار جو شخص کسی معاہد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لیکر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (ناحق) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن گواہی دوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ان اللّٰه تعالى لم يحل لكم ان تد خلوا بيوت أهل الكتاب إلّا بـاذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثما رهم﴾ (ابوداؤد کتاب الامارۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا''۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذیٰ ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَہٗ خَصَمْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص۱۵۸ ج۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ ط﴾

''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوچکی تھی، ان خاتون کا نام "قبیلہ ہے") تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہوتو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ وردالمختار ص ۳۴۱۔ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملّی تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسا میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

بنا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن حکیم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوالَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰیٓ اَوْلِیَآءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ط﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بنانا وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلاشبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ج﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۱)

غیر مسلموں کو اپنا رازدار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آ مَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْابِطَا نَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط﴾

”اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۱۸)

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ”قَدِاتَّخَذْتُ اذًا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ“ یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص۱۵۹ ج۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبیؒ جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور داد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ” اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود ونصاریٰ کو راز دار وامین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہو گئے۔ (حوالہء بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور ملی تشخص گڈ مڈ ہونے لگیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳۱)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ اس قوم میں سے سمجھا جائے گا''۔

جو کافر حالت کفر میں مرگئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن حکیم نے ممنوع فرمادیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

''نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں''۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿رَبِّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطاء فرمادے کیونکہ انہیں (حقیقت) معلوم نہیں''۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسرپیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

یا مسلمانوں کیلئے خطرہ بنیں، ان سے تو ہمیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ز کَفَرۡنَا بِکُمۡ وَبَدَا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗۤ﴾

''ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو ''مومن اور کافر'' دو ملتوں میں تقسیم کرکے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملّی نظریہ پر مبنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاءؑ سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملّی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خود مختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اُس دوملّی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے چومکھی لڑکر پاکستان حاصل کیا۔

دوملّی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق کتے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار ’’ایمان اور کفر‘‘ پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ ’’مومن اور کافر‘‘ ان دوملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دوملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا بٹوارہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِصبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان، رنگ وزبان اور ملک ووطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ وخاندان بدل دے۔زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسم کی گئی پھر ۔ کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریقِ مِلَل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن وسنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات واحادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان ،نسب اور قبیلہ ، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو، تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ وزبان اور ملک وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہاں کفروہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق ومالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، اُن سے الگ ایک ''مسلم برادری'' قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگالیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دو صحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للأنصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یا لَلْمُهَاجرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابَالَ دَعوَى الجَاهِلِيَّة ﴾

"یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟"

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دَعُوهَا فَاِنَّهَا مُنتِنَة ﴾

"ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور کفر کی) بدبو ہے"

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، امیر وغریب اور عرب وعجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کر ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک ووطن، رنگ وزبان اور نسب وقبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرکے ان کو باہم

ٹکرادیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ......سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو ''عربی قومیت'' کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہوکر ''مسلم ملت'' کی طرف واپس آرہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملت واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرجِعُوا بَعدِی کُفَّاراً یَّضرِبُ بَعضُکُم رِقَابَ بَعضٍ﴾

''میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو''

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرماچکے ہیں کہ:

﴿اِذَا التَقَی المُسلِمَانِ بِسَیفَیهِمَا فَقَتَلَ اَحَدُ هُمَا

صَاحِبَه فَالقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِی النَّارِ﴾

''جب دومسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کرڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی۔ حدیث ۴۱۲۴)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جارہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہئیے کہ:

﴿لَیسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی العَصَبِیَّة وَ لَیسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ علٰی عَصَبِیَة﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص میں ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے''

(سنن ابی داؤد حدیث ۵۱۲۱ کتاب الادب، باب فی العصبیة)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جَم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف وکرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حَرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملادے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آجائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکرو فریب کا تانا بانا بُن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازار گرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضا نے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کردیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہوجائے گا جو نہ ملک کے دشمن ہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دین اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم اور حق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

”وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین“

عَقِیدۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

موضوع: عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سنٹرل جامع مسجد برمنگھم (برطانیہ)
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ﴾

نحمدونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گذر جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جا کر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہٰذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ "یرقق بعضها بعضا" یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمائیے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالباً ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ 'میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

فقہی مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے، امت محمدیہ علی صاجہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں'' فرمایا کہ تم میری خیرت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑ گئی ہے اور نیند بھی، والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ملحدین کی تکفیر کا اصول

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روز گار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگا دیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دوررس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف ''اکفار الملحدین'' بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''اکفار الملحدین'' ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہوجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہولیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہوجائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کردیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیااور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جومعنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرراور متعین کردیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام ''ختم نبوت'' ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سودس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دوسو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یادرکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن ''صراط مستقیم'' کے اندر جو لفظ ''صراط'' ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ ''مستقیم'' کو نہیں مانتا، یا اس کی ''ر'' کو نہیں یا اس کی ''ط'' کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا،

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

"کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں

سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہو گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا کم ازکم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم ازکم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کردیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو "بارہ مولا" پر قبضہ کرچکے تھے اور اگلے روز "سری نگر" میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحبؒ تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ، حضرت میں تواب جارہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہوجاوں گا ورنہ شہید ہوجاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرمادیجئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہوجاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرمادیجئے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہرحال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کردی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کردیا، پولیس آ گئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہوسکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جارہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جارہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے ''مارشل لاء'' وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کردے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کرلیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کرلیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کررکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی ماردو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کررہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کرکے

کہتے گولی یہاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہوجاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

﴿رحمهم الله اجمعين﴾

مخلصانہ قربانیوں کے اثرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آجاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہوجاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دس دس آمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہو رہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہو رہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی۔ فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جا رہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہو رہے تھے، قربانی آج دی جارہی تھی؟ اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہو رہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہو گیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانان برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آ گئی ہے،

برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل وکرم سے اس فتنے کی سرکوبی کرکے وہاں سے اسے جلا وطن کردیا ہے۔ اب یہ فتنہ اور فراڈ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آ گیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلارہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنامنے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کررہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے، لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کردیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گی، پرمٹ ویزہ دلوا دیں گے، تم اس فارم پر دستخط کردو، اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ ''احمدی'' ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ بندۂ خدا تم کفر نامہ پر دستخط کررہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کررہے ہیں۔ دل میں تو ہمارے ایمان ہے، لیکن یاد رکھئے جو شخص کھلا ہوا صریح کلمۂ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جارہے ہیں۔ اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آ گئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے

والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کردیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنے نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہوسکتے ہیں کئے جائیں، اپنی تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی وناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

محمد عربی انسائیکلوپیڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ڈاکٹر ذوالفقار کاظم کے شاندار قلم سے قرآنِ حکیم سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی مستند حوالاجات کے ساتھ سوالاً جواباً لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی سب سے مفصل، مدلل اور ضخیم کتاب۔

قرآنِ حکیم

اِنسائیکلوپیڈیا

(جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بھرپور معلومات موجود ہیں)

تاریخ قرآن ☆ نزول قرآن ☆ جمع قرآن ☆ مقامات نزول ☆ اسماء القرآن ☆ انبیائے قرآن ☆ قصص القرآن ☆ علوم القرآن ☆ احکام قرآن ☆ مضامین قرآن ☆ آیات قرآن ☆ قرآنی دعائیں ☆ قرآن اور آسمانی کتب ☆ قرآن اور اقوام عالم ☆ قرآن اور معاشرتی نظام ☆ قرآن کے تراجم وتفاسیر ☆ قرآن کا انداز بیان ☆ معجزات قرآن ☆ عجائبات قرآن ☆ قرآن کی پیشگوئیاں ☆ تعلیمات قرآن ☆ قرآن کے بارے میں تاثرات ونظریات ☆ قرآن اور امہات المومنینؓ ☆ قرآن اور صحابہ کرامؓ ☆ قرآن اور انسان ☆ قرآن اور فرشتے ☆ قرآن اور جنات ☆ نباتات قرآنی ☆ حیوانات قرآنی ☆ معدنیات قرآنی ☆ قرآن اور کائنات ☆ قرآن اور سائنس ☆ قرآن اور ماحولیات ☆ قرآن اور سیرۃ النبیؐ ☆ قرآن اور صفات الٰہی ☆ ان کے علاوہ بہت سے دیگر موضوعات

☆ دینی مدارس، سکولوں اور کالجوں کے طلباء و اساتذہ کے لئے مختصر وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ۔

☆ قرآن کوئز پروگراموں اور دوسرے معلوماتی مقابلوں اور امتحانات میں شرکت کرنے والے خواتین وحضرات کے لئے انتہائی اہم کتاب۔

ناشر: بیت العلوم ۔ ۲۰ نابھ روڈ چوک پرانی انارکلی لاہور ۷۳۵۲۴۸۳

بیت العلوم کی مطبوعات ایک نظر میں

- ☆ محمد عربی ﷺ انسائیکلوپیڈیا
- ☆ قرآن حکیم انسائیکلوپیڈیا
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے دن اور رات
- ☆ اسلامی احکام اور ان کی حکمتیں
- ☆ مقالات عثمانی
- ☆ تاریخ المشاہیر
- ☆ فضائل اہل بیتؓ صحابہؓ کرام وتابعینؒ
- ☆ اصلاحی تقریریں — ۳ جلد
- ☆ اصلاحی مواعظ — ۳ جلد
- ☆ بیان الفوائد فی حل شرح العقائد
- ☆ تیسیر النحو شرح ہدایت النحو
- ☆ اللہ کا ذکر
- ☆ اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق
- ☆ اصلاح کی فکر کریں
- ☆ اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو؟
- ☆ اسلام اور عقل
- ☆ اسوہ حسنہ اور انسانی حقوق
- ☆ اتباع سنت ﷺ کی برکات
- ☆ اللہ کے لیے جینا مرنا
- ☆ استخارہ کا مسنون طریقہ
- ☆ بدعت ایک گمراہی
- ☆ پڑوسیوں کے حقوق
- ☆ توبہ کی حقیقت واہمیت
- ☆ توبہ اور اس کی شرائط
- ☆ توکل کی حقیقت
- ☆ تقویٰ کیا ہے؟
- ☆ جنت کا آسان راستہ
- ☆ جنت کے حالات
- ☆ جہاد کشمیر اور ہماری ذمہ داری
- ☆ حب جاہ ایک باطنی بیماری
- ☆ خدمت خلق
- ☆ ختم بخاری شریف
- ☆ خودکشی کی شرعی حیثیت
- ☆ دوقومی نظریہ
- ☆ دینی مدارس اور نفاذ شریعت
- ☆ دین کیا ہے؟

- ☆ ذکر اللہ کے فضائل
- ☆ رمضان کس طرح گزاریں
- ☆ ریاکاری اور اس کا علاج
- ☆ راہ امن
- ☆ سود اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ
- ☆ سچ اور جھوٹ
- ☆ صدقہ وخیرات کے فضائل
- ☆ صلوٰۃ التسبیح کے فضائل ومسائل
- ☆ صبر اور اس کی حقیقت واہمیت
- ☆ طلبائے دین سے فکر انگیز خطاب
- ☆ عورت کی عظمت
- ☆ علم پر عمل کریں
- ☆ علاج الامراض
- ☆ عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اسکا تحفظ
- ☆ عقیقہ کے احکام ومسائل
- ☆ فضائل خلفائے راشدینؓ
- ☆ فضیلت علم وعلماء
- ☆ فکر آخرت
- ☆ فلسفہ حج وقربانی
- ☆ فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
- ☆ قربانی اور ذوالحجہ کے فضائل ومسائل
- ☆ کام چوری اللہ کا ایک عذاب
- ☆ کھانا اور سنت نبوی ﷺ
- ☆ کھجور کی اہمیت وافادیت
- ☆ مستحب کام اور ان کی اہمیت
- ☆ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاؤ
- ☆ مغربی دنیا میں دینی رجحان
- ☆ مصیبت پر صبر کریں
- ☆ موت کو یاد رکھیں
- ☆ مال وجاہ کی محبت
- ☆ ماہ رمضان کے فضائل ومسائل
- ☆ مسلم تاجر کی ذمہ داری
- ☆ محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے
- ☆ محبوب نبی ﷺ کی محبوب دعائیں
- ☆ نیت اور اس کی کرشمہ سازیاں
- ☆ نفلی عبادات کی اہمیت

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۴۸۳

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر ۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ”دارالعلوم کراچی“ کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔
ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ”بیت العلوم“ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

	﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾	

موجودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ فتنے اور ان کا حل

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰه نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن به و نتوکل علیه و نعوذ باللّٰه من شرورِ انفسنا و مِن سیئاتِ اعمالنا، من یهده اللّٰه فلا مضل له ومن یضللهٗ فلا هادی لهٗ و نشهد ان لا اله الّا اللّٰه وحدہٗ لا شریك لهٗ و نشهد أنّ سیّدنا و مولانا محمّدًا عبدہٗ ورسولهٗ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و علیٰ آله و صحبه اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اِس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتلایا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

---

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچھے نہیں ہیں۔

اِن فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

اِن فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا"[1]۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھویں سے نہیں بچ

سک گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب وفراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق وفجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کرسکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے، آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا باجہ عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہوچکی ہے۔[1]

اِن فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

---

[1] ان ساری علامات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: الاشاعة لاشراطِ الساعة من ۷ تا ۸۶

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم ہونے نہیں پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اِس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آ جاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آ گیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کے برابر کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علاماتِ قیامت اور اِس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آ چکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آچکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہوسکتا ہے، کل بھی ہوسکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت أنا و الساعة کھاتین"[۱] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیینِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے،

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں[1]۔ (یعنی یہ بتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)...... لیکن آپ ﷺ کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق و في رواية رائعين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) ''میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

[1] مشکوۃ المصابیح، ج ۱ ص ۱۱ بحوالہ بخاری ومسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اِس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں کبھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اِس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آرہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اِن فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ اِن فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہو گیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا[۱]۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آئی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انّ الاسلام بدأ غریباً و سیعود کمابدأ فطوبیٰ للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو اِس دنیا میں اجنبی تھا کہ اس کے عقائد اور احکام

[۱] ترمذی، باب الفتن رقم الحدیث ۲۲۶۱ "یاتی علی الناس زمان الصابر علی دینه کالقابض علی الجمر"

لوگوں کے لئے اچھنبے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کیے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الہ اِلَّا اللہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جا رہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جا رہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کمابدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اِس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر ''بن لادن''، ''بن لادن'' کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باوجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اِسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن اِن واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبیٰ للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دو حل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔ پہلی چیز عزم و ہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم و ہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دُعا کرتے رہیں۔ یہ دُعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ دُعا یہ ہے:

﴿اللّٰهم انّا نعوذُبكَ مِن الفتن مَا ظَهَرَ مِنها وَمَابَطن﴾

''اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں''۔

یہ دُعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

یاد آئے تو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی اِن فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمين

چھ افضل اعمال

موضوع: چھ افضل اعمال
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿چھ افضل اعمال﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد:
"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجھاد فی سبیلہ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسھا عند أھلھا و أکثرھاثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّھا صدقة منك علی نفسك"۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ذات تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی الگ الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی، ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! أی الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دِل میں ہوتا ہے، یہ دِل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اس پر

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ وبلوچستان میں اور نہ سرحد وپنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جاکر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہو رہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوجاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، أحد، أحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ(اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کردیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہوتو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہورہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل ''جہاد'' کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرکے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹا دیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کردیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

چوتھا افضل عمل: ہنر مند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ "فان لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعين صانعا أوتصنع لأخرق "کسی ہنر مند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو"۔

کسی ہنر مند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن وحدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ ان الدین عنداللہِ الاسلام﴾ (آل عمران،۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ﴾ (آل عمران،۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾

(المائدہ،۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتلایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت وکاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور وطریقے بیان نہیں کیے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادات میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترکِ دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح و صفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ کام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین ودنیامیں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیاکو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کئے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی، غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اُسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگا۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپؐ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گذارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوھ لیتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو ایسے گذرے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ لگائیے کہ کہاں دل لگی ہورہی ہے، اور بیوی بچوں کی دل جوئی ہورہی ہے اور دوسرے سارے کام ہورہے ہیں لیکن اذان کے وقت اس طرح حالت ہوجاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین اور دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنر مند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتلایا گیا، وہ کسی ہنر مند کی مدد کرنا ہے۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنر مند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کررہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جاکر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایسا نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دارالعلوم میں بھی ہوسکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دار العلوم میں بھی کرسکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہورہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کررہا ہے تو اس کی مدد کردو، اور کچھ نہیں کرسکتے تو صرف پندرہ، بیس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکار کی مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کر لیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنالے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خاص ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کر لیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی تپش کو مرتکز اور جمع کر کے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب کی دعوت بھی کی، چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ خود تو ایسا آلہ بنا سکتے تھے لیکن اس کو ملکی یا عالمی پیمانے پر ترقی یافتہ قسم کا آلہ بنا کر پھیلانے کیلئے تجربات، وسائل اور سازوسامان کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ کہا بھی تھا کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ہمیں پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، انہوں نے بہت اچھا آلہ ایجاد کیا ہے، اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی سرپرستی کی جائے تو اس سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور جو انگریز کے واسطے کے بغیر آئے، وہ قابل اعتبار نہیں، نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی نقالی

دوسرے لوگوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقالی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے میرے دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہت بڑے پیمانے پر بجلی تیار کی جارہی ہے، اس سے کارخانے چل رہے ہیں اور کئی بستیاں اس سے بجلی حاصل کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد وہی انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کرسکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی، نتیجہ یہ کہ دوسرے لوگ یہ ٹیکنالوجی حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنر مند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص لوہار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو اُسے اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک دو خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوا دے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنر مند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کردو، اسے کوئی چیز سکھادو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اُسے کپڑے سینا سکھادو، سویٹر بُننا نہیں جانتی، اسے سویٹر بُن دو یا کوئی اور کام ہے جس کی کسی کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتا، جبکہ تم اس کو جانتے ہو تو تم اس کیلئے یہ کام کردو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے تک پہنچنے کا جذبہ پیدا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کمالوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنالوں۔

والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب[1] میں بھی لکھے ہیں۔ والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنارہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ہمیں

[1] ''حیات مفتی اعظم'' ادارۃ المعارف، کراچی سے چھپ چکی ہے۔م

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلّہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لارہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے اور پانی کا گھڑا بھر کر لارہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر ٹیکا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوادوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوادوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اسی بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتلایئے آپ کا گھر کہاں ہیں؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دوازے پر پہنچا تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جاکر پردہ کروائیں، میں اندر جاکر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینا شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا'' اماں لاؤ، میں پانی بھر دیتا ہوں'' چنانچہ میں نے ڈول نکال نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اُسے سر پہ اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہلے نکلتا تھا تاکہ اُسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی اور میں دیو بند ہوا(کسی سفر میں نہ ہوا، بیمار نہ ہوا) بلاناغہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے سٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے سٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتی کہ اس زمانے میں اس سٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس سٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی اور صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانویؒ سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہوکر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہورہا تھا کہ کچھ اورلوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس سٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپالیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جاکر کہا قلی آ گیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھاؤ۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپرایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے سٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، کھڈے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آ گیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تكف شرك عن الناس یعنی ''اپنے شر کو دوسروں سے روک لو''۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اِس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہوگے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہو اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو یہ کہ بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہوگیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ حکم اتنا عجیب وغریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے کتنے جھگڑے، فساد، مصیبتیں، اذیتیں اور پریشانیاں صرف اسی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہوا، دشمنی پیدا ہوگئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص ہی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ نباشد
کسے رابا کسے کارے نہ نباشد

ترجمہ: ''جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی شرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا''۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت وآرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت وآرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے، اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا روح رواں اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ''اپنے شر کو لوگوں سے روکو''۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبرا: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت ومعیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اورغور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر ۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آدابِ معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہو جائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرك عن الناس﴾

یعنی ''اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو''

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں بیان فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے''۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول و فعل

سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نوپارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہوتو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہوتو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کردی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور مہارت کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانور پنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اُسے بھگودیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہوجائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا، وہ اسی کی جگہ ہوگئی،

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اُسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آدابِ معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اُس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اُسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اُسے تکلیف ہوگی، اور اگر اُسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تو لیہ استعمال کیا اور اُسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھرام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کر ڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جا کر شہداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تا کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا دی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جارہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ قبھانے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کرلیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہوجائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ''ہمیشہ'' کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے، اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہوگیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کردیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہوگیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رینج تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اولاً تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑ جائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ ''قلة الکلام'' (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہو جاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے گولے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے گولے نکالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کر کے پھر گولوں کو دھو کر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ "دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچا دی تو یہ بے ادبی ہے۔" چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کسی بُت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن اٹھا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اُس کو کہنی ماری، اِدھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آگئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لیکر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کر دیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دو گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جارہا ہے اور جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی، میں مسجد کی طرف جارہا ہوں، کسی نے دیکھا تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آگیا اور سلام کرکے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جارہا ہے تو اسے سلام تو کرلیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کررہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہوکر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کررہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہوجائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آکر

بیٹھ گیا اور دوسرا دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کر رہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا، بے خیالی میں مَیں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہوجائیں تو اپنی لائن خود لگالیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بنالو، خود بخود لائن بناتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اولاً تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کرلیا۔

اِن باتوں پر عمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پر عمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنگ مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔
۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم، امابعد!
قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنها و سیئها، فوجدت فی محاسنِ اعمالها الأذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی أعمالها النخاعة تکون فی المسجد لاتدفن۔
و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق۔
(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اِس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت و سکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقاً من طرقِ الجنة“ (سنن دارمی، کتاب العلم)

”جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجالس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کر سکتا تو دوسرا کر لے، دوسرا نہیں کر سکتا تو تیسرا کر لے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الی اللہ بعدد أنفاس الخلائق﴾

''اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد''۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید دو احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمائیے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگائیے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

اِن سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے اعمال نہیں کرسکتا تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہرحال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آرہے ہیں، ان میں سے سب یا کچھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستہ میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (منہ یا ناک سے) بلغم نکالا اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹادے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمد و رفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نو پارکنگ (Noparking) لکھا ہوتا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کردے جہاں بس آکر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہوکر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کو تکلیف نہ پہنچے"

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کرسکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹادے۔

اِس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگر چہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان بں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا جائے۔ (مسلم، کتاب یمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اِسی وجہ سے ہوگئی کہ اس درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ ، ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی ۔نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، کترا کر گذرنا بھی چونکہ ،تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

سلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۷۳

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

جو کڑا وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے، چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی نہیں؟ موقع مل سکے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے کہ نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اُسے کل پر نہ چھوڑا جائے۔

مسجد میں تھوکنا، ایک بُرا عمل:

اور اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اُسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اُسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادم مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادمِ مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرض منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے، اس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کر دیں:

اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کر دیں۔

آج سے عمل شروع کر دیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللّٰه عنه قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جان بخشی کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آ جائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آ جائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتا تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کہیں گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحکِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پیاری اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنالے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آرہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنالے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اُسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کرلیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اِس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتیٰ کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

ہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اِس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرہ میں شہد ہی شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد لله رب العالمين

محبّتِ رسُول اَور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: عبدالمنتقم سلہٹی صاحب
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ.ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ امابعد! ﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہر حال، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین﴾

"تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔"

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیه من ماله واهله والناس اجمعین﴾

''کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جن میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں ساز و سامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنی اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہروقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب "بدر" نامی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے ساز و سامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس مشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیئے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت اللہ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آ رہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یا رسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفارہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آ رہا ہے، فلاں کا بیٹا آ رہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہو جائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمت للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کر رہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال و دولت سے اور تمام عزیز و اقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہونگے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یارسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

''یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں''۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لاوالذی نفسی بیده حتی اکون احب الیك من نفسك﴾

''پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانك الان واللّٰه احب الی من نفسی﴾

''کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں''۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانك﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر یہی بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آ گیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اورشاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدان احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور لوہے کی دو زرہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی ساتھ گیا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہونگے۔ منافقین کئی سو تھے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہو رہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے بھی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھادیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے تاکہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجائے، اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، البتہ شروع میں فتح ہوگئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہٹنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعت امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہورہی ہے، تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہورہی ہو، اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اکثر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے، چنانچہ دشمن نے دیکھ لیا کہ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کررہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے۔اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہوکر بیٹھ گئے، لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جارہی تھیں اور یہ آواز لگارہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بے تحاشا رورہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کررہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہوگیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کردی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہوگیا، تمہارا فلاں شہید ہوگیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوجائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دوعالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنالیا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کرڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہرطرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جانثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق ومحبت کی جوداستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابودجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابودجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کر سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ وچہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیرارادی طور پر اگر میں ذرا سا ہل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں ہلنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت ودانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر اور ادنی سی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابودجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور نیزوں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے شہید ہورہے تھے اور زخمی ہوکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہوکر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور کھسکتے کھسکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ کر گر پڑے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہوگیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام ومقتدا اور ہمارے ماوی وملجا یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیارہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ نہتے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ٦ لاکھ فوج سے

برسر پیکار ہیں۔ یہ لڑائی کس وجہ سے ہے؟ کیا روپے پیسے کی وجہ سے ہے؟ مال غنیمت کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جا رہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کر رہی ہے کہ میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے ہو کر آئے تھے۔ انہوں فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان لڑکوں نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہر طرح کے اسلحہ سے لیس فوج ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! لڑو، اگرچہ تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمدللہ! اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کا اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کردیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمدللہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''رنگیلا رسول۔'' العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق ومحبت کے کچھ تقاضے

اس عشق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز ہمیں کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کر دیا مثلاً فرمادیا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہے دل میں کتنی ہی طلب ہو، لیکن اگر حرام مال آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد اور بیویوں کو ہر ایسے کام سے روکنا پڑے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لائے اور صرف حلال آمدنی لائے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گذارا کرنا پڑے تو ہم انشاء اللہ روٹی چٹنی سے گذارا کریں گے، لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں۔ اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں، تو ہم پیوند لگے کپڑے پہنیں گی لیکن اپنے رسول کو ناراض کر کے اپنے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اتنی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت ایسی عطاء فرمائے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ یا اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے اور ایک سوال کردیا، آپ نے پوچھا کہ :ماعددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتلاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب وسنت موکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''المرء مع من احب ''یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کرلے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تابانہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے حاجی صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کردینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس واسطے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کر لیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑ گئی، مٹی کو سونا بنا دیا، دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کر لیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ کتنی بڑی بشارت مل گئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت وقوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں اب تک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتیٰ کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچتا ہے اللہ کوان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفاء نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگر چہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگالیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کررہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بناء پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کردیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اور صرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلارہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کردیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئے اب تم اس دنبے کو ذبح کردو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہوجاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا:

﴿ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہوجا''

(سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۲۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہوجاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اسی مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کار ڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوااور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوجائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضہ قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے ''تقدیر پر اعتقاد رکھنا''۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ رکھنے کو'' یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ بدھ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کو تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتا ، رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرنا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرنا ہے، لیکن ایک مومن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ وقدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مومن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے۔ یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کرنہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہوکر تمہیں سلام کررہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہورہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنائیں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جاچکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مومن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ ودیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیئے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔"

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہیئے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت وکوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہوجاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہورہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھدیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کرسکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کردیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کررہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہوکر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ ملتی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لولگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلاتا ہے اور دین ودنیا کی کامیابیوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکرادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اورغم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر وصبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملاجی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اورہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہوتو اللہ کا شکرادا کرتی ہو(کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابروشاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر عیش وآرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا ؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو، اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا عیش کرو گے، تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے خلاف تھا اس نے کہا "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" "اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام نہ لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہو جائے، تب کہو "حسبی اللہ ونعم الوکیل" گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروا دے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی "حسبی اللہ ونعم الوکیل" بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لایؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہو کر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللہ ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللہ ﷺ کتب

اللّٰـه مقـاديـر الـخـلائق قبل ان خلق السمٰوٰت والارض بخمسين الف سنة ﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں''۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عـن عبـدالـلّٰه ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ ان قـلـوب بـنـی آدم كـلـهـا بيـن اصبعين من اصابع الرحمن كـقـلـب واحـد يـصـرفه كيف يشاء ثم قال رسول الله ﷺ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے''۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العلمين

اسلام میں غلامی کا تصور

موضوع: اسلام میں غلامی کا تصور
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم، کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں غلامی کا تصور

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہٖ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہا ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللّٰہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

بزرگان محترم اور برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً "وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو"۔

غلامی کے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کر دیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کا بہت چرچا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت دعویدار ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کر رہا ہے اور جن لوگوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اس کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اس کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اُسے اپنا غلام بنالیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہرا عتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اُسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کر دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنویں میں جاکر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنویں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر آگئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلہ والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلہ میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانہ میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے اِدھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آرہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکو ڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کر کے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کرلیا۔

اصل امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں کچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکا دکا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی لمبائی ہے کہ اگر نیو یارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جاکر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کار آمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جواُن کے کام کا نہ ہو، اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلتا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو انہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کردیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید وفروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں، ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگرچہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کرلی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

ممالک کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگادی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیا تو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیئے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جو آگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی کیا کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی نتیجہ یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنالیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کہا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دو صورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑایا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آ چکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روادار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنالو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن............

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، اکڑوں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تاکہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتی کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنادیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ قوانین بھی مقرر فرمادیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ''خون بہا'' کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ ''ظہار'' ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا" أنتِ علی کظهرِ أمیّ" ''تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو'' یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتے تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اُسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فکفارتہٗ إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة۔ فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾۔ (المائدہ:۸۹)

یعنی ''دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں جوڑے پہناؤ یا غلام آزاد کرو''۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہوتو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

''تو آزاد ہے'' کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بنایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ ''تو آزاد ہے'' تو وہ آزاد ہوجاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہوجاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہر صورت میں غلام آزاد ہوجاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہو لیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہوگیا کہ تم آزاد ہو تو وہ غلام آزاد ہوجائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہوگیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسی کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اُسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہوجائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہوجائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہوجاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کیے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں روسیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد ہو رہا تھا اور مجاہدین اپنے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان روسیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آجائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کردیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی میں بدستور کمی واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ برداشت نہ کرسکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہہ بند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہہ بند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کر لیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنوں اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کر لیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾

''یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کُل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کر کے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نومسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آ رہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اُس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا چنانچہ آپؓ اس شہر میں اسی حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اُسے آزاد کر دیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اُسے آزاد کر دے!'' اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا ''اللہ کی پناہ' اللہ کی پناہ'' لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ ''رسول اللہ کی پناہ' رسول اللہ کی پناہ'' پہلے غصہ کی وجہ سے اس صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شائد غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب ''رسول اللہ کی پناہ'' کا جملہ بولا تو اس صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنادیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنوعباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنوعباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنوعباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیرنگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنوعباس جن کا تذکرہ پہلے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنوعباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابوجعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافۃ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہوگئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جا کر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خراج تو یہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنا دیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِ العلمین

صدقہ کرنے کے آسان طریقے

موضوع: صدقے کی آسان قسمیں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾

خطبہ مسنونہ!

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الكريم، امابعد

عن ابی ذر رضی اللہ عنه: ان ناساًمن اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قالواللنبی صلی الله علیه وسلم: يارسول اللّٰه، ذهب اهل الدثور بالأجور يصلون كما نصلی و يصومون كما نصوم و يتصدقون بفضول اموالهم۔ قال: أوليس قدجعل اللّٰه لكم ما تصدقون ، ان بكلّ تسبيحةٍ صدقة و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن منكر صدقة و فی بضع احدكم صدقة۔ قالوا: يارسول اللّٰه، أياتی أحدناشهوته و يكون لهٗ فيها أجرٌ؟ قال: ”أرَء يتم لووضعها فی حرام أكان عليه وزر؟ فكذلك اذا و ضعها فی الحلال كان لهٗ اجرٌ۔

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحديث ۱۰۰۶)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یصبح علٰی کل سلامی من أحدکم صدقۃ، فکل تسبیحۃٍ صدقۃ و کل تحمیدۃٍ صدقۃ، و کل تھلیلۃٍ، وکل تکبیرۃ صدقۃ، و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن المنکر صدقۃ و یجزی من ذلک رکعتان یرکعھما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من غدا الی المسجد أوراح، اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلّما غدا اوراح" (متفق علیہ)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اِس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ اِن سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں اِن چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مال دار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب ہمیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کرتے ہیں، ان کا ثواب انہیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتلائے۔ اور سمجھایا کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کرسکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿ان بكل تسبيحة صدقة، و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و امرٌ بالمعروف صدقة و نهى عن المنكر صدقة و فى بضع أحدِكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتادیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کر سکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات کہہ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اِن کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگ مگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کرسکتا تو سبحان اللہ، الحمد للہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کرسکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر وثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتلا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اُسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطبِ اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے الٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اِسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دِل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دِل دکھا دیا، اُسے ذلیل و رسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو اس میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور مجھے یا آپ کو اِس کا کیا اختیار حاصل ہوتا، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہا السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿قُولا لهُ قولاً لينا﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا''

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "أنا ربكم الأعلى" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہا السلام سے زیادہ مصلح نہیں، جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دُعا بھی کر لیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دِل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اِس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ "فی بضع أحدِکم صدقة"

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اورانہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

''یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ وخیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ وخیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اِس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بنک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضھا السمٰوٰت والارض﴾ (ال عمران:۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تھلیلةٍ، وکل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نھی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعھما من الضحی" (رواہ مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا اِن سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ سَلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْہِ صَدَقَةٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْہِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِہٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْھَا مَتَاعَہٗ صَدَقَةٌ وَ الْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ کُلُّ خُطْوَةٍ یَّخْطُوْھَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اُٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹادے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گذشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اِس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اِسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر اُسے ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دِل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اُسے اھلاً و سھلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسمیں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الى المسجد أوراح اعد اللّٰه لهٗ فى الجنة نزلًا كلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

''جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں''

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادى الصالحين مالاعين رأت ولا أذن سمعت ولاخطر على قلب بشر﴾

(اخرجه احمد و الستة سوى النسائى وابوداود)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دِل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا''

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اِس حدیث اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دِن وہ شام اِس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا'' (صحیح مسلم رقم:۱۰۰۷ ج۲ ص۶۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه ربّ العالمين

فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج

موضوع: فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
مقام: جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ:

امابعد!

﴿ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

یہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اللہ پاک نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسراف فضولی خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشوونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشوونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کردیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مال مفت دل بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾

"بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔

(سورہ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پہننے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو یا جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کررہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کرلے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو۔ جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہادیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ اور خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، ادھر رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔اور پانی میں بہادیا گیا ہو، اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جونہی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جانوروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد وترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخیر خیر من السکوت والسکوت
خیر من املاء الشر﴾ (بیہقی)

” اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔‘‘

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء کو رگڑ رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کردینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہو تب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہیئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کو ادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہو جاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کر رہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آ گیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے وگرنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت تو اکارت کرے ہی گی دنیا کو بھی بربادی کا نمونہ بنا دے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ نا سمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہو کر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر سنور جائے گا۔ جب ابھی سے ہی تربیت درست نہ ہوگی تو پھر کیسے سنورے گا؟ بلکہ آج کل تو ہمارے معاشرے کے مطابق اس کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بعض اوقات سنگین واقعات کا پیش خیمہ بنتی ہیں جن میں والدین الگ تکلیف کا شکار ہوتے ہیں اور اولاد بھی مصائب میں گھر جاتی ہے۔

ایک قاتل کا پیغام

مشہور ہے کہ ایک قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جب اس کو تختہ دار پر چڑھانے لگے تو اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے جواب میں کہا" میری ماں کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ ماں! آج تیری وجہ سے تیرا بیٹا پھانسی پر چڑھ گیا ہے۔" پوچھنے والے نے حیرت سے کہا کہ بھئی کیا قتل کا حکم تیری ماں نے تجھے دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو میرے والد کی قمیص کھونٹی سے لٹک رہی تھی، میں نے اس میں ایک روپیہ نکال لیا۔ ماں نے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ پھر اگلے دن دو روپے نکال لئے ماں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی دوسری چوریاں کرنے لگا، لیکن ماں نے علم ہونے کے باوجود کچھ نہ کہا۔ اس طرح بڑے ہو کر مجھے چوری کی عادت ہوگئی اور چوری سے ڈاکے مارنے لگا۔ انہی ڈاکوں میں ایک دفعہ مجھ سے قتل ہوگیا جس کی سزا آج مجھے پھانسی کی صورت میں دی جارہی ہے۔ اگر میری ماں مجھے پہلے ہی دن ایک روپیہ نکالنے پر منع کر دیتی تو آج میرے گلے میں پھانسی کا پھندا نہ ہوا۔

تو دیکھئے کہ ایک ماں کے صرف ایک روپے سے نہ روکنے کی وجہ سے بیٹے کی آخرت تو خراب ہوئی دنیا میں بھی ذلت کی موت مرا۔ اور اس کے بعد ماں کو کیسے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتداٴ غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہئے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی واسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

واخر دعوانا اَن الحمدللّٰہ رب العالمین

دو قومی نظریہ

موضوع: دوقومی نظریہ جس پر پاکستان بنا

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

باہتمام : محمد ناظم اشرف

مقام: جامعہ ریاض العلوم۔ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دوقومی نظریہ﴾

بعد از خطبۂ مسنونہ! امابعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ ''ہم نے دوقومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے''۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ ''اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا''۔ دوقومی، یا دوملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿ هُوَالَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌوَ مِنكُمْ مُؤْمِنٌ ﴾

''اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ اس پر سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن رہے'' (سورۃ تغابن۔۲)

اس آیت کے لفظ ''فَمِنكُمْ'' میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ''پس'' یا

''پھر'' کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق وآفرنیش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ﴾

'' ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے(جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن ص۴۶۳ ج۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے'' کافر اور مومن'' جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برداری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

'' مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں''۔

(سورۃ الحجرات۔۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنادیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿لَا يَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى﴾

''دومختلف ملّتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے'' (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کر کے فیصلہ کردیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسرپیکار رہاجائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک ، انصاف ،ہمدردی، خیر خواہی ، مداراۃ ، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کردی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگر چہ وہ ہم سے برسر پیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْاقف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

''اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ۔۸)

صلح کر لینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان سے صلح (ترک جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔قرآن حکیم ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کردے گا)

(معارف القرآن صفحہ ۲۷۱ ج ۴) (سورۃ الانفال ۔ ۶۱)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواھرالفقہ ص ۲۰۴ تا ۲۱۷ جلد ۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت ومصلحت ان سے خرید وفروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار ومشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ألا من ظلم معاهداً أو انتقصهُ أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيامة﴾۔ (مشکوۃ المصابیح ۳۵۴)

خبردار جو شخص کسی معاھد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لیکر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (ناحق) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن گواہی دوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ان اللّٰه تعالى لم يحل لكم ان تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلّا باذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم﴾ (ابوداؤد کتاب الامارۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا''۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذیٰ ذِمِّیًّا فَاَنَا خَصْمُہٗ وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَہٗ خَصَمْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص۱۵۸ ج۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْ کُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِ جُوْ کُمْ مِنْ دِیَا رِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ ط﴾

''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہوچکی تھی، ان خاتون کا نام ''قبیلہ ہے'') تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہوتو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ وردالمختار ص ۳۴۱۔ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملّی تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسا میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

بنا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن حکیم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بنانا وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلا شبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَاءَ ج﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۱)

غیر مسلموں کو اپنا رازدار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آ مَنُوا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط﴾

''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۱۸)

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''قَدِاتَّخَذْتُ اِذًا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ '' یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص۱۵۹ ج۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبیؒ جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور داد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ'' اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود ونصاریٰ کو راز دار وامین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہو گئے۔ (حوالہء بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور ملی تشخص گڈمڈ ہونے لگیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳۱)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ اس قوم میں سے سمجھا جائے گا''۔

جو کافر حالت کفر میں مر گئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن حکیم نے ممنوع فرمادیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

''نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں''۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿رَبِّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

''اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطاء فرمادے کیونکہ انہیں (حقیقت) معلوم نہیں''۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسرپیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

یا مسلمانوں کیلئے خطرہ بنیں، ان سے تو ہمیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾

''ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو ''مومن اور کافر'' دو ملتوں میں تقسیم کرکے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملّی نظریہ پر مبنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاءؑ سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملّی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خود مختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اُس دوملّی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے چوکھی لڑکر پاکستان حاصل کیا۔

دوملّی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق کتے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار ''ایمان اور کفر'' پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ ''مومن اور کافر'' ان دوملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دوملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا بٹوارہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِصبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان؟ رنگ وزبان اور ملک ووطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ وخاندان بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔ غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسم کی گئی پھر ۔ ، کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریقِ مِلَل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن وسنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات واحادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب اور قبیلہ، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو، تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ وزبان اور ملک وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہاں کفروہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق ومالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، اُن سے الگ ایک ''مسلم برادری'' قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگالیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دو صحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للاَ نصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یـا لَلْمُهَا جرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابَالَ دَعوَی الجَاھِلِیّة ﴾

"یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟"

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دَعُوهَا فَاِنَّهَا مُنتِنَة ﴾

"ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور کفر کی) بدبو ہے"

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، امیر وغریب اور عرب وعجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرودیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کرڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک ووطن، رنگ وزبان اور نسب وقبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرکے ان کو باہم

ٹکرادیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ......سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو ''عربی قومیت'' کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہوکر ''مسلم ملت'' کی طرف واپس آرہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملت واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرجِعُوا بَعدِی کُفَّاراً یَّضرِبُ بَعضُکُم رِقَابَ بَعضٍ﴾

''میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو''

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرما چکے ہیں کہ:

﴿اِذَا التَقَی المُسلِمَانِ بِسَیفَیهِمَا فَقَتَلَ اَحَدُ هُمَا

صَاحِبَه فَالقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِی النَّارِ﴾

''جب دومسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کرڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی۔ حدیث ۴۱۲۴)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جارہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہیئے کہ:

﴿لَیسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی العَصَبِیَّة وَ لَیسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ علٰی عَصَبِیَة﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص میں ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے''

(سنن ابی داؤد حدیث ۵۱۲۱ کتاب الادب، باب فی العصبیۃ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جَم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف وکرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حَرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملادے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آجائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکرو فریب کا تانا بانا بُن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازارگرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضانے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کردیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہوجائے گا جو نہ ملک کے دشمن نہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دین اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم اور حق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین
”وصلی اللہ علی النبی الکریم
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین“

عَقِیدۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

موضوع: عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سنٹرل جامع مسجد برمنگھم (برطانیہ)
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ﴾

نحمدونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گذر جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جا کر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہٰذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ ''یرقق بعضها بعضا'' یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمایئے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالبًا ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ 'میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

فقہی مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں" فرمایا کہ تم میری خیرت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑ گئی ہے اور نیند بھی، والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ملحدین کی تکفیر کا اصول

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روز گار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگا دیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دوررس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف "اکفار الملحدین" بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "اکفار الملحدین" ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہوجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہو لیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہوجائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کردیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا اور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کردیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام ''ختم نبوت'' ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذّاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن ''صراط مستقیم'' کے اندر جو لفظ ''صراط'' ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ ''مستقیم'' کو نہیں مانتا، یا اس کی ''ر'' کو نہیں یا اس کی ''ط'' کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا،

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

"کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں

سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہو گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کم از کم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم از کم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کر دیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو ''بارہ مولا'' پر قبضہ کر چکے تھے اور اگلے روز ''سری نگر'' میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحبؒ تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ، حضرت میں تو اب جارہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہوجاوں گا ورنہ شہید ہوجاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرمادیجیئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہوجاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرمادیجیئے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہرحال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کردی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کردیا، پولیس آ گئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہوسکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جارہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جارہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے ''مارشل لاء'' وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کردے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کرلیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کرلیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کر رکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی ماردو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کررہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کرکے

کہتے گولی یہاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہوجاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

﴿رحمهم الله اجمعين﴾

مخلصانہ قربانیوں کے اثرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آجاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہوجاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دس دس آمیوں کی جماعت میں تقسیم کرکے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

> "اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

> "اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہو رہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہو رہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی۔ فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جا رہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہو رہے تھے، قربانی آج دی جا رہی تھی؟ اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہو رہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہو گیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانان برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آ گئی ہے،

برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل وکرم سے اس فتنے کی سرکوبی کر کے وہاں سے اسے جلا وطن کر دیا ہے۔ اب یہ فتنہ اور فراڈ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آ گیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے، لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کر دیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گی، پرمٹ ویزہ دلوا دیں گے، تم اس فارم پر دستخط کر دو، اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ "احمدی" ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ بندۂ خدا تم کفر نامہ پر دستخط کر رہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کر رہے ہیں۔ دل میں تو ہمارے ایمان ہے، لیکن یاد رکھئے جو شخص کھلا ہوا صریح کلمۂ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آ گئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے

والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کردیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنے نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہوسکتے ہیں کئے جائیں، اپنی تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی وناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

محمد عربی انسائیکلوپیڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ڈاکٹر ذوالفقار کاظم کے شاندار قلم سے قرآنِ حکیم سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی مستند حوالاجات کے ساتھ سوالاً جواباً لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی سب سے مفصل، مدلل اور ضخیم کتاب۔

قرآنِ حکیم

اِنسائیکلوپیڈیا

(جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بھرپور معلومات موجود ہیں)

تاریخ قرآن ☆ نزول قرآن ☆ جمع قرآن ☆ مقامات نزول ☆ اسماء القرآن ☆ انبیائے قرآن ☆ قصص القرآن ☆ علوم القرآن ☆ احکام قرآن ☆ مضامین قرآن ☆ آیات قرآن ☆ قرآنی دعائیں ☆ قرآن اور آسمانی کتب ☆ قرآن اور اقوام عالم ☆ قرآن اور معاشرتی نظام ☆ قرآن کے تراجم وتفاسیر ☆ قرآن کا انداز بیان ☆ معجزات قرآن ☆ عجائبات قرآن ☆ قرآن کی پیشگوئیاں ☆ تعلیمات قرآن ☆ قرآن کے بارے میں تاثرات ونظریات ☆ قرآن اور امہات المومنینؓ ☆ قرآن اور صحابہ کرامؓ ☆ قرآن اور انسان ☆ قرآن اور فرشتے ☆ قرآن اور جنات ☆ نباتات قرآنی ☆ حیوانات قرآنی ☆ معدنیات قرآنی ☆ قرآن اور کائنات ☆ قرآن اور سائنس ☆ قرآن اور ماحولیات ☆ قرآن اور سیرۃ النبیؐ ☆ قرآن اور صفات الٰہی ☆ ان کے علاوہ بہت سے دیگر موضوعات

☆ دینی مدارس، سکولوں اور کالجوں کے طلباء و اساتذہ کے لئے مختصر وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ۔

☆ قرآن کوئز پروگراموں اور دوسرے معلوماتی مقابلوں اور امتحانات میں شرکت کرنے والے خواتین وحضرات کے لئے انتہائی اہم کتاب۔

بیت العلوم کی مطبوعات ایک نظر میں

- ☆ محمد عربی ﷺ انسائیکلوپیڈیا
- ☆ قرآن حکیم انسائیکلوپیڈیا
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے دن اور رات
- ☆ اسلامی احکام اور ان کی حکمتیں
- ☆ مقالات عثمانیؒ
- ☆ تاریخ المشاہیر
- ☆ فضائل اہل بیتؓ صحابۂ کرام وتابعینؒ
- ☆ اسلاحی تقریریں ۳ جلد
- ☆ اصلاحی مواعظ ۳ جلد
- ☆ بیان الفوائد فی حل شرح العقائد
- ☆ تیسیر النحو شرح ہدایت النحو
- ☆ اللہ کا ذکر
- ☆ اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق
- ☆ اصلاح کی فکر کریں
- ☆ اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو؟
- ☆ اسلام اور عقل
- ☆ اسوہ حسنہ اور انسانی حقوق
- ☆ اتباع سنت ﷺ کی برکات
- ☆ اللہ کے لیے جینا مرنا
- ☆ استخارہ کا مسنون طریقہ
- ☆ بدعت ایک گمراہی
- ☆ پڑوسیوں کے حقوق
- ☆ توبہ کی حقیقت واہمیت
- ☆ توبہ اور اس کی شرائط
- ☆ توکل کی حقیقت
- ☆ تقویٰ کیا ہے؟
- ☆ جنت کا آسان راستہ
- ☆ جنت کے حالات
- ☆ جہاد کشمیر اور ہماری ذمہ داری
- ☆ حب جاہ ایک باطنی بیماری
- ☆ خدمت خلق
- ☆ ختم بخاری شریف
- ☆ خودکشی کی شرعی حیثیت
- ☆ دوقومی نظریہ
- ☆ دینی مدارس اور نفاذ شریعت
- ☆ دین کیا ہے؟
- ☆ ذکر اللہ کے فضائل
- ☆ رمضان کس طرح گزاریں
- ☆ ریاکاری اور اس کا علاج
- ☆ راہ امن
- ☆ سود اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ
- ☆ سچ اور جھوٹ
- ☆ صدقہ وخیرات کے فضائل
- ☆ صلوٰۃ التسبیح کے فضائل ومسائل
- ☆ صبر اور اس کی حقیقت واہمیت
- ☆ طلبائے دین سے فکر انگیز خطاب
- ☆ عورت کی عظمت
- ☆ علم پر عمل کریں
- ☆ علاج الامراض
- ☆ عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اسکا تحفظ
- ☆ عقیقہ کے احکام ومسائل
- ☆ فضائل خلفائے راشدینؓ
- ☆ فضیلت علم وعلماء
- ☆ فکر آخرت
- ☆ فلسفہ حج وقربانی
- ☆ فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
- ☆ قربانی اور ذوالحجہ کے فضائل ومسائل
- ☆ کام چوری اللہ کا ایک عذاب
- ☆ کھانا اور سنت نبوی ﷺ
- ☆ کھجور کی اہمیت وافادیت
- ☆ مستحب کام اور ان کی اہمیت
- ☆ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاؤ
- ☆ مغربی دنیا میں دینی رجحان
- ☆ مصیبت پر صبر کریں
- ☆ موت کو یاد رکھیں
- ☆ مال وجاہ کی محبت
- ☆ ماہ رمضان کے فضائل ومسائل
- ☆ مسلم تاجر کی ذمہ داری
- ☆ محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے
- ☆ محبوب نبی ﷺ کی محبوب دعائیں
- ☆ نیت اور اس کی کرشمہ سازیاں
- ☆ نفلی عبادات کی اہمیت

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں
- سنت کا مفہوم اور اتباع سنت کی اہمیت
- سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث
- حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں
- دینی تعلیم اور عصبیت
- دو کمزور — یتیم اور عورت
- دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی تک
- اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں
- تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت
- عظمتِ مدارسِ دینیہ

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور- فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد چہارم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب اصلاحی تقریریں
جلد چہارم
مقرر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
ضبط وترتیب مولانا اعجاز احمد صمدانی
باہتمام محمد ناظم اشرف
ناشر بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون:۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چار درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد چہارم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالامال کردے۔

واللہ المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم اور سوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد چہارم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیرملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

محمد ناظم اشرف

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

اصلاحی تقریریں

(جلد چہارم)

فہرست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار اہم نصیحتیں

﴿سنت کا مفہوم اور اتباع سنت کی اہمیت﴾

سنت کا مقام اور فتنہ انکارِ حدیث

حج کے بعد زندگی کیسے گذاریں؟

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں

﴿دو کمزور۔ یتیم اور عورت﴾

دار العلوم دیوبند سے دار العلوم کراچی تک

دینی تعلیم اور عصبیت

تغیر پذیر حالات میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

﴿عظمتِ مدارسِ دینیہ﴾

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُس کے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷-۳۵۲۴۸۳

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر ۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

موجودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿موجودہ فتنے اور ان کا حل﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرورِ انفسنا و مِن سیئاتِ اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ و نشھد أنّ سیّدنا و مولانا محمّدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اِس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتلایا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچھے نہیں ہیں۔

اِن فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

اِن فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا''[۱]۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھویں سے نہیں بچ

سک گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب وفراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق وفجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے، آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا باجہ عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہو چکی ہے۔[۱]

اِن فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

---

[۱] ان ساری علامات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: الاشاعة لاشراطِ الساعة من ۷ تا ۸۶

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم ہونے نہیں پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اِس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آجاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آگیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کے برابر کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علاماتِ قیامت اور اِس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آچکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آچکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہوسکتا ہے، کل بھی ہوسکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت أنا و الساعة کھاتین" [۱] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیینِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے،

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں[۱] (یعنی یہ بتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)...... لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق و في رواية رائعين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) ''میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۱۱ بحوالہ بخاری و مسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اِس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں کبھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اِس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آرہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اِن فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ اِن فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہوگیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہوگیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا[1]۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آئی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انّ الاسلام بدأ غریباً و سیعود کمابدأ فطوبی للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو اِس دنیا میں اجنبی تھا کہ اس کے عقائد اور احکام

[1] ترمذی، باب الفتن رقم الحدیث ۲۲۶۱ "یاتی علی الناس زمان الصابر علی دینہ کالقابض علی الجمر"

لوگوں کے لئے اچھنبے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کئے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الہ الاّ اللہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جارہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جارہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کمابدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اِس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر ''بن لادن''، ''بن لادن'' کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اِسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن اِن واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبیٰ للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دو حل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔ پہلی چیز عزم و ہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم و ہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دُعا کرتے رہیں۔ یہ دُعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ دُعا یہ ہے:

﴿اللّٰھم انّا نعوذُبكَ مِن الفتن مَا ظَھَرَ مِنھا وَمَابَطن﴾

"اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں"۔

یہ دُعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

یاد آئے تو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی اِن فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدلله رب العالمين

چھ افضل اعمال

موضوع: چھ افضل اعمال
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھ افضل اعمال

خطبہ مسنونہ

نحمدهٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہٖ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہاثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ذات تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی الگ الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی، ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اِس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! أی الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللّٰہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دِل میں ہوتا ہے، یہ دِل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اس پر

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ وبلوچستان میں اور نہ سرحد وپنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جا کر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑ جاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہو رہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوجاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، أحد، أحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کردیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہو تو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہورہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل ''جہاد'' کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرکے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹا دیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کردیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

چوتھا افضل عمل: ہنر مند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ "فان لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعين صانعا أو تصنع لأخرق "کسی ہنر مند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو''۔

کسی ہنر مند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن وحدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ان الدین عنداللّٰہِ الاسلام﴾ (آل عمران،۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه﴾ (آل عمران،۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی
ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾

(المائدہ،۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتلایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت وکاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور وطریقے بیان نہیں کیے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادات میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترکِ دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح و صفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ کام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین و دنیا میں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیا کو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کئے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی، غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اُسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگا۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپؐ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گذارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوہ لیتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو ایسے گذرے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ لگائیے کہ کہاں دل لگی ہورہی ہے، اور بیوی بچوں کی دل جوئی ہورہی ہے اور دوسرے سارے کام ہورہے ہیں لیکن اذان کے وقت اس طرح حالت ہوجاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین اور دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنر مند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتلایا گیا، وہ کسی ہنر مند کی مدد کرنا ہے۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنر مند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جا کر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایسا نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دار العلوم میں بھی ہو سکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دار العلوم میں بھی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہو رہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کر رہا ہے تو اس کی مدد کر دو، اور کچھ نہیں کر سکتے تو صرف پندرہ، بیس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکار کی مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کرلیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنالے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خاص ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کرلیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی تپش کو مرتکز اور جمع کر کے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب کی دعوت بھی کی، چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ خود تو ایسا آلہ بنا سکتے تھے لیکن اس کو ملکی یا عالمی پیمانے پر ترقی یافتہ قسم کا آلہ بنا کر پھیلانے کیلئے تجربات، وسائل اور ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ کہا بھی تھا کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ہمیں پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، انہوں نے بہت اچھا آلہ ایجاد کیا ہے، اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی سرپرستی کی جائے تو اس سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور جو انگریز کے واسطے کے بغیر آئے، وہ قابل اعتبار نہیں، نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی نقالی

دوسرے لوگوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقالی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے میرے دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہت بڑے پیمانے پر بجلی تیار کی جا رہی ہے، اس سے کارخانے چل رہے ہیں اور کئی بستیاں اس سے بجلی حاصل کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد وہی انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کرسکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی، نتیجہ یہ کہ دوسرے لوگ یہ ٹیکنالوجی حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنر مند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص لوہار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو اُسے اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک دو خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوا دے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنر مند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کر دو، اسے کوئی چیز سکھا دو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اُسے کپڑے سینا سکھا دو، سویٹر بُننا نہیں جانتی، اسے سویٹر بُن دو یا کوئی اور کام ہے جس کی کسی کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتا، جبکہ تم اس کو جانتے ہو تو تم اس کیلئے یہ کام کر دو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے تک پہنچنے کا جذبہ پیدا فرما دیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کما لوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنا لوں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آ رہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب[1] میں بھی لکھے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنا رہا ہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ہمیں

---

[1] ''حیات مفتی اعظم'' ادارۃ المعارف، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ م

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلّہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لارہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے اور پانی کا گھڑا بھر کر لارہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر ٹیکا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوادوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوا دوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اسی بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھا لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتلایئے آپ کا گھر کہاں ہیں؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دوازے پر پہنچا تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جاکر پردہ کروائیں، میں اندر جاکر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینا شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا'' اماں لاؤ، میں پانی بھر دیتا ہوں'' چنانچہ میں نے ڈول نکال نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اُسے سر پہ اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہلے نکلتا تھا تاکہ اُسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی اور میں دیو بند ہوا(کسی سفر میں نہ ہوا، بیمار نہ ہوا) بلاناغہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے سٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے سٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتی کہ اس زمانے میں اس سٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس سٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی اور صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانویؒ سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہوکر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہورہا تھا کہ کچھ اورلوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس سٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپالیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جا کر کہا قلی آ گیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھاؤ۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے سٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، کھڈے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آ گیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تكف شرك عن الناس یعنی ”اپنے شر کو دوسروں سے روک لو“۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اِس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہو گے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہو اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو یہ کہ بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہوگیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ حکم اتنا عجیب وغریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے کتنے جھگڑے، فساد، مصیبتیں، اذیتیں اور پریشانیاں صرف اسی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہوا، دشمنی پیدا ہوگئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص ہی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ نباشد
کسے رابا کسے کارے نہ نباشد

ترجمہ: ''جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی کے شر سے کوئی سروکار نہ ہوگا''۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت وآرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت وآرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے، اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا روح رواں اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ''اپنے شر کو لوگوں سے روکو''۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبر۱: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت ومعیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اور غور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آدابِ معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہو جائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرك عن الناس﴾

یعنی ''اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو''

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں بیان فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے
دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے''۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل

سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نوپارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہوتو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہوتو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کردی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور مہارت کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانور پنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اُسے بھگودیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہوجائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا، وہ اسی کی جگہ ہوگئی،

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اُسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آدابِ معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اُس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اُسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اُسے تکلیف ہوگی، اور اگر اُسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تو لیہ استعمال کیا اور اُسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھڑام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کر ڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جا کر شہداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا دی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جا رہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ قبضانے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کرلیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہو جائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ''ہمیشہ'' کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے، اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہوگیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کر دیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رینج تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اولاً تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑ جائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہوجاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ ''قلۃ الکلام'' (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہوجاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے گولے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے گولے نکالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کر کے پھر گولوں کو دھوکر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ ”دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچا دی تو یہ بے ادبی ہے۔“ چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کسی بُت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن اٹھا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اُس کو کہنی ماری، اِدھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آگئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لیکر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کردیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دو گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جا رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہو گئی، میں مسجد کی طرف جا رہا ہوں، کسی نے دیکھا تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آ گیا اور سلام کر کے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جا رہا ہے تو اسے سلام تو کر لیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کر رہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہو کر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہو جائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آ کر

بیٹھ گیااور دوسرا دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کرر ہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے،لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا، بے خیالی میں مَیں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہوجائیں تو اپنی لائن خود لگالیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بنالو، خود بخود لائن بناتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اولاً تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ " المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کرلیا۔

اِن باتوں پر عمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پر عمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنگ مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔
۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدهٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، امابعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنها و سیئها، فوجدت فی محاسنِ اعمالها الأذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی أعمالها النخاعة تکون فی المسجد لاتدفن۔

و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق۔

(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اِس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت و سکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقاً من طرقِ الجنة“ (سنن دارمی، کتاب العلم)

”جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں"۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجالس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کر سکتا تو دوسرا کر لے، دوسرا نہیں کر سکتا تو تیسرا کر لے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الى الله بعدد أنفاس الخلائق﴾

"اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد"۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید دو احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمائیے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگائیے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

اِن سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے اعمال نہیں کرسکتا تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہرحال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آ رہے ہیں، ان میں سے سب یا کچھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستہ میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (منہ یا ناک سے) بلغم نکالا اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹادے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمد و رفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نوپارکنگ (Noparking) لکھا ہوتا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کر دے جہاں بس آکر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہوکر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کوتکلیف نہ پہنچے"

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کرسکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹادے۔

اِس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگر چہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان بں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا جائے۔ (مسلم، کتاب یمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اِسی وجہ سے ہوگئی کہ اس درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ ، ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی ۔نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، کترا کر گذرنا بھی چونکہ ،تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

---

[1] سلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۳۷

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

جو کڑا وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے، چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی نہیں؟ موقع مل سکے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے کہ نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اُسے کل پر نہ چھوڑا جائے۔

مسجد میں تھوکنا، ایک بُرا عمل:

اور اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اُسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اُسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادم مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادمِ مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرض منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے، اس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کر دیں:

اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کر دیں۔

آج سے عمل شروع کر دیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللّٰه عنه قال قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جان بخشی کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آجائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتا تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کہیں گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحکِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پیاری اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنا لے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنا لے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اُسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کر لیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اِس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتیٰ کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

ہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اِس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرہ میں شہد ہی شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰه رب العالمین

محبّتِ رسُول اَور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: عبدالمنتقم سلہٹی صاحب
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له.ومن يضلله فلا هادى له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً۔ امابعد! ﴿عن انس رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يؤمن احد كم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہرحال، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین﴾

"تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔"

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیہ من مالہ واھلہ والناس اجمعین﴾

''کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔''

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جن میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں سازوسامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظم اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہروقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ''بدر'' نامی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے ساز و سامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس مشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت اللہ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آ رہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یارسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفارہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آ رہا ہے، فلاں کا بیٹا آ رہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہو جائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمت للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کر رہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال و دولت سے اور تمام عزیز و اقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہونگے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یارسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

''یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں''۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لاوالذی نفسی بیده حتی اکون احب الیك من نفسك﴾

''پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانك الان واللّٰه احب الی من نفسی﴾

''کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں''۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانك﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر یہی بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آ گیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اورشاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدان احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور لوہے کی دوزرہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی ساتھ گیا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہونگے۔ منافقین کئی سو تھے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہورہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے بھی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھادیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے تا کہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجائے، اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، البتہ شروع میں فتح ہوگئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہٹنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعت امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہورہی ہے، تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہورہی ہو، اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اکثر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے، چنانچہ دشمن نے دیکھا لیا کہ تاجدار دو عالم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کررہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے۔اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہوکر بیٹھ گئے، لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جارہی تھیں اور یہ آواز لگارہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بے تحاشا رورہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کررہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہوگیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کردی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہوگیا، تمہارا فلاں شہید ہوگیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوجائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دوعالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنالیا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کرڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہرطرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جانثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق ومحبت کی جو داستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابو دجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابو دجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابو دجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ وچہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیر ارادی طور پر اگر میں ذرا سا ہل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں ہلنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت ودانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر اور ادنی سی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابو دجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور نیزوں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے اور زخمی ہوکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہوکر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور کھسکتے کھسکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آ کر گر پڑے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہوگیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام ومقتدا اور ہمارے ماوی وملجا یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیارہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ نہتے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ٦ لاکھ فوج سے

برسر پیکار ہیں۔ یہ لڑائی کس وجہ سے ہے؟ کیا روپے پیسے کی وجہ سے ہے؟ مال غنیمت کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جارہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کررہی ہے کہ میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے ہوکر آئے تھے۔ انہوں فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان لڑکوں نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہرطرح کے اسلحہ سے لیس فوج ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! لڑو، اگرچہ تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمدللہ! اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کا اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کردیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمدللہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''رنگیلا رسول۔'' العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق و محبت کے کچھ تقاضے

اس عشق و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز ہمیں کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کر دیا مثلاً فرمادیا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہے دل میں کتنی ہی طلب ہو، لیکن اگر حرام مال آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد اور بیویوں کو ہر ایسے کام سے روکنا پڑے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لائے اور صرف حلال آمدنی لائے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گذارا کرنا پڑے تو ہم انشاء اللہ روٹی چٹنی سے گذارا کریں گے، لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں۔ اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں، تو ہم پیوند لگے کپڑے پہنیں گی لیکن اپنے رسول کو ناراض کر کے اپنے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اتنی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت ایسی عطاء فرمائے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ یا اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے اور ایک سوال کردیا، آپ نے پوچھا کہ :ماا عددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتلاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب وسنت موکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "المرء مع من احب "یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کرلے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تابانہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے حاجی صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کردینے کے لئے تیار ہوجائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس واسطے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کرلیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑگئی، مٹی کو سونا بنادیا، دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کرلیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ کتنی بڑی بشارت مل گئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت وقوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں اب تک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتیٰ کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچتا ہے اللہ کو ان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفاء نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگرچہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگالیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بناء پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کردیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اور صرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلارہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کردیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئے اب تم اس دنبے کو ذبح کردو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہوجاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا:

﴿ يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہوجا''

(سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۶۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہوجاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اسی مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کار ڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوااور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوجائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضہء قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے ''تقدیر پر اعتقاد رکھنا''۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ رکھنے کو'' یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ بدھ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کو تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتا رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرنا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرنا ہے، لیکن ایک مومن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ وقدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مومن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے۔ یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہو کر تمہیں سلام کر رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنائیں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مومن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ ودیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیئے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

”رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔“

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہئے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت وکوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہو رہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھدیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کر سکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کر دیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہوکر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ ملتی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لولگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلاتا ہے اور دین ودنیا کی کامیابیوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اور غم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر وصبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملا جی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اور ہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہو (کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابر وشاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر عیش وآرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی ، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو، اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟انہوں نے کہا عیش کرو گے،تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے خلاف تھا اس نے کہا ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ ”اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے“ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام نہ لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہو جائے، تب کہو "حسبی اللہ ونعم الوکیل" گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروادے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی "حسبی اللہ ونعم الوکیل" بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لایؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہو کر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللہ ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللہ ﷺ کتب

اللّٰہ مقادیر الخلائق قبل ان خلق السمٰوت والارض
بخمسین الف سنة ﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں"۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عن عبداللّٰہ ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ ان قلوب بنی آدم کلها بین اصبعین من اصابع الرحمن کقلب واحد یصرفه کیف یشاء ثم قال رسول الله ﷺ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

اسلام میں غلامی کا تصوّر

موضوع: اسلام میں غلامی کا تصور
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم، کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اسلام میں غلامی کا تصور﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدهٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم امابعد:

"عن أبی ذر جندب بن جناده رضی اللّٰه عنه قال: قلت یارسول اللّٰه، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰه و الجهاد فی سبیلهٖ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسها عند أهلها و أکثرها ثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللّٰه ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرك عن الناس فانّها صدقة منك علی نفسك"۔ (متفق علیه)

بزرگان محترم اور برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

غلامی کے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کردیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کا بہت چرچا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت دعویدار ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کررہا ہے اور جن لوگوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اس کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اس کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اُسے اپنا غلام بنالیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہرا عتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اُسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کر دیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنویں میں جا کر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنویں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کر پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر آ گئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلہ والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلہ میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانہ میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کولمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے اِدھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آرہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکو ڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کر کے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کر لیا۔

اصل امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں کچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکّا دکّا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی لمبائی ہے کہ اگر نیو یارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کارآمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جواُن کے کام کا نہ ہو، اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلتا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جوانہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید وفروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں، ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگر چہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کر لی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

ممالک کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگادی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیاتو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیئے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جو آگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی کیا کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی نتیجہ یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنا لیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیامیں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کہا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دو صورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑایا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آ چکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روادار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنا لو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن............

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، اکڑوں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تاکہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتی کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنادیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ قوانین بھی مقرر فرمادیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مرگیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ’’خون بہا‘‘ کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ ''ظہار'' ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا " أنتِ علی کظھرِ أمی" ''تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو'' یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کر سکتے تو پے درپے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اُسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگا تار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فکفارتہٗ إطعام عشرۃ مساکین من أوسط ماتطعمون أھلیکم أو کسوتھم أو تحریر رقبۃ۔ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ أیام﴾۔ (المائدہ:۸۹)

یعنی ”دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں جوڑے پہناؤ یا غلام آزاد کرو“۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہو تو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

”تو آزاد ہے“ کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بنایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ ”تو آزاد ہے“ تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہر صورت میں غلام آزاد ہو جاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہو لیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہو گیا کہ تم آزاد ہو تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہو گیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسی کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اُسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہو جائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہو جاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں رومیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں رومیوں کے خلاف جہاد ہو رہا تھا اور مجاہدین اپنے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان رومیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آجائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کر دیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی میں بدستور کمی واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہو جائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ برداشت نہ کر سکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہہ بند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہہ بند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کر لیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنو اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کر لیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾

”یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کُل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کرکے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہوچکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نومسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آرہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اُس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آگیا چنانچہ آپؓ اس شہر میں اسی حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اُسے آزاد کر دیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اُسے آزاد کر دے!" اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا "اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ" لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ "رسول اللہ کی پناہ، رسول اللہ کی پناہ" پہلے غصہ کی وجہ سے اس صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شائد غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب "رسول اللہ کی پناہ" کا جملہ بولا تو اس صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنادیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنوعباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنو عباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنو عباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیرنگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنوعباس جن کا تذکرہ پہلے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنوعباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابوجعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافۃ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہوگئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جا کر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خراج تو یہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنادیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ العلمین

صدقہ کرنے کے آسان طریقے

موضوع: صدقے کی آسان قسمیں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾

خطبہ مسنونہ!

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، امابعد

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ: ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم: یارسول اللّٰہ، ذھب اھل الدثور بالأجور یصلون کما نصلی و یصومون کما نصوم و یتصدقون بفضول اموالھم۔ قال: أولیس قدجعل اللّٰہ لکم ما تصدقون ، ان بکلّ تسبیحۃٍ صدقۃ و کل تکبیرۃ صدقۃ و کل تحمیدۃ صدقۃ و کل تھلیلۃ صدقۃ و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن منکر صدقۃ و فی بضع احدکم صدقۃ۔ قالوا: یارسول اللّٰہ، أیاتی أحدناشھوتہ و یکون لہٗ فیھا أجرٌ؟ قال: "أرء یتم لووضعھا فی حرام أکان علیہ وزر؟ فکذلك اذا و ضعھا فی الحلال کان لہٗ اجرٌ۔

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحدیث ۱۰۰۶)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، وکل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من غدا الی المسجد أوراح، اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنة نزلاً کلّما غدا اوراح" (متفق علیہ)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اِس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ اِن سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں اِن چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مال دار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب ہمیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کرتے ہیں، ان کا ثواب انہیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتلائے۔ اور سمجھایا کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کرسکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿ان بكل تسبيحة صدقة، و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و امرٌ بالمعروف صدقة و نهى عن المنكر صدقة و فى بضع أحدِكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتادیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کر سکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات کہہ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اِن کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگ مگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کرسکتا تو سبحان اللہ، الحمد للہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کرسکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر وثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتلا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اُسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطبِ اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے اُلٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اِسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دِل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دِل دکھا دیا، اُسے ذلیل و رسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو اس میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور مجھے یا آپ کو اِس کا کیا اختیار حاصل ہوتا، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿قُولا لهٗ قولاً لینا﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا''

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "أنا ربکم الأعلی" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے زیادہ مصلح نہیں، جب موسیٰ اور ہارون علیھما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑگئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دُعا بھی کرلیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دِل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اِس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ "في بضع أحدِكم صدقة"

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اورانہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کرکے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

''یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ وخیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ وخیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اِس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بنک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضھا السمٰوٰت والارض﴾ (ال عمران:۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰہ عنہ أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یصبح علیٰ کل سلامی من أحدکم صدقۃ، فکل تسبیحۃٍ صدقۃ و کل تحمیدۃٍ صدقۃ، و کل تھلیلۃٍ، وکل تکبیرۃ صدقۃ، و أمر بالمعروف صدقۃ و نھی عن المنکر صدقۃ و یجزی من ذلک رکعتان یرکعھما من الضحی" (رواہ مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا اِن سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ سَلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْہِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ وَ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِہٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْھَا مَتَاعَہٗ صَدَقَۃٌ وَ الْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ وَّ کُلُّ خُطْوَۃٍ یَّخْطُوْھَا اِلَی الصَّلٰوۃِ صَدَقَۃٌ وَ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ۔

(بخاری و مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اُٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹادے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گذشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اِس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اِسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر اُسے ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دِل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اُسے اھلاً و سھلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسمیں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الی المسجد أوراح اعد اللّٰہ لہٗ فی الجنۃ نزلاً کلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

"جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں"

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر﴾

(اخرجه احمد و الستة سوی النسائی وابوداود)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دِل پر ان کا خیال تک نہیں گزرا''

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اِس حدیث اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دِن وہ شام اِس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا'' (صحیح مسلم رقم:۱۰۰۷ ج ۲ ص ۶۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه ربّ العالمين

فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج

موضوع: فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
مقام: جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهدان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریك له ونشهدان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسوله:

امابعد!

﴿کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾

یہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اللہ پاک نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسراف فضولی خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشو ونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشو ونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کردیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مال مفت دل بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنُ﴾

"بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں"۔

(سورہ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پہننے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو یا جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کررہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کرلے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو۔ جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہادیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ اور خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، ادھر رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔اور پانی میں بہادیا گیا ہو، اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جونہی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جانوروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد وترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخیر خیر من السکوت والسکوت خیر من املاء الشر﴾ (بیہقی)

” اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔''

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء کو رگڑ رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کردینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہوتب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہیئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کو ادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہو جاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کر رہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آ گیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے وگرنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت تو اکارت کرے ہی گی دنیا کو بھی بربادی کا نمونہ بنا دے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ناسمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہو کر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر سنور جائے گا۔ جب ابھی سے ہی تربیت درست نہ ہوگی تو پھر کیسے سنورے گا؟ بلکہ آج کل تو ہمارے معاشرے کے مطابق اس کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بعض اوقات سنگین واقعات کا پیش خیمہ بنتی ہیں جن میں والدین الگ تکلیف کا شکار ہوتے ہیں اور اولاد بھی مصائب میں گھر جاتی ہے۔

ایک قاتل کا پیغام

مشہور ہے کہ ایک قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جب اس کو تختہ دار پر چڑھانے لگے تو اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے جواب میں کہا ''میری ماں کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ ماں! آج تیری وجہ سے تیرا بیٹا پھانسی پر چڑھ گیا ہے۔'' پوچھنے والے نے حیرت سے کہا کہ بھئی کیا قتل کا حکم تیری ماں نے تجھے دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو میرے والد کی قمیص کھونٹی سے لٹک رہی تھی، میں نے اس میں ایک روپیہ نکال لیا۔ ماں نے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ پھر اگلے دن دو روپے نکال لئے ماں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی دوسری چوریاں کرنے لگا، لیکن ماں نے علم ہونے کے باوجود کچھ نہ کہا۔ اس طرح بڑے ہوکر مجھے چوری کی عادت ہوگئی اور چوری سے ڈاکے مارنے لگا۔ انہی ڈاکوں میں ایک دفعہ مجھ سے قتل ہوگیا جس کی سزا آج مجھے پھانسی کی صورت میں دی جارہی ہے۔ اگر میری ماں مجھے پہلے ہی دن ایک روپیہ نکالنے پر منع کردیتی تو آج میرے گلے میں پھانسی کا پھندا نہ ہوا۔

تو دیکھئے کہ ایک ماں کے صرف ایک روپے سے نہ روکنے کی وجہ سے بیٹے کی آخرت تو خراب ہوئی دنیا میں بھی ذلت کی موت مرا۔ اور اس کے بعد ماں کو کیسے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتدأ غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہئے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی واسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

واخر دعوانا اَن الحمدللّٰہ رب العالمین

دو قومی نظریہ

موضوع: دوقومی نظریہ جس پر پاکستان بنا
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
باہتمام : محمد ناظم اشرف
مقام: جامعہ ریاض العلوم۔ حیدر آباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دوقومی نظریہ﴾

بعد از خطبۂ مسنونہ! امابعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ ''ہم نے دوقومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبودیا ہے''۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ ''اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا''۔ دوقومی، یا دوملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌوَ مِنْکُمْ مُؤْمِنٌ﴾

''اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ اس پر سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہوگئے اور بعض مومن رہے'' (سورۃ تغابن۔۲)

اس آیت کے لفظ ''فَمِنْکُمْ'' میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ''پس'' یا

''پھر'' کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق وآفرینش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ ﴾

'' ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے(جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) پھراس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن ص۴۶۳ ج۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے'' کافر اور مومن'' جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے،جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برداری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو،ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾

''مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں''۔

(سورۃ الحجرات۔۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنادیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَوَلَا یَرِثُ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ لَا یتوَارَثُ اَھْلُ مِلَّتَیْن شَتّٰی﴾

''دومختلف ملّتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے'' (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کرکے فیصلہ کردیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسر پیکار رہا جائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک ، انصاف ،ہمدردی، خیر خواہی ، مداراۃ ، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کردی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگرچہ وہ ہم سے برسرِ پیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

''اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ۔۸)

صلح کر لینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان سے صلح (ترک جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔ قرآن حکیم ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا)

(معارف القرآن صفحہ ۲۷۱ ج ۴) (سورۃ الانفال۔ ۶۱)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواھر الفقہ ص ۲۰۴ تا ۲۱۷ جلد ۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت و مصلحت ان سے خرید وفروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ ألا من ظلم معاهدا أو انتقصهٔ أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيامة﴾۔ (مشکوۃ المصابیح ۳۵۴)

خبردار جو شخص کسی معاهد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لیکر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (ناحق) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن گواہی دوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ان اللّٰه تعالى لم يحل لكم ان تد خلوا بيوت أهل الكتاب إلّا با ذن ولا ضرب نسائهم ولا أ كل ثما رهم﴾ (ابوداؤد کتاب الامارۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اھل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا"۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذىٰ ذِمِّيًّا فَاَنَا خَصْمُهٗ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمَهٗ خَصَمْتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص۱۵۸ ج۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ط﴾

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، ان خاتون کا نام "قبیلہ ہے") تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ وردالمختار ص ۳۴۱۔ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملیّ تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسا میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

بنا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن حکیم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوالَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰیٓ اَوْلِیَاءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَتَوَلَّھُمْ مِنْکُمْ فَاِنَّہ مِنْھُمْ ط﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بنانا وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلاشبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَاءَ ج﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۱)

غیر مسلموں کو اپنا راز دار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط﴾

''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۱۸)

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''قَدِاتَّخَذْتُ اِذًا بِطَانَۃً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ '' یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص۱۵۹ ج۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبیؒ جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور داد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ'' اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود ونصاریٰ کو راز دار وامین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہو گئے۔ (حوالہء بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور ملی تشخص گڈمڈ ہونے لگیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳۱)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ اس قوم میں سے سمجھا جائے گا"۔

جو کافر حالت کفر میں مر گئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن حکیم نے ممنوع فرمادیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْالِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾

"نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں"۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرتﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿رَبِّ اهْدِ قَوْمِىْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

"اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطاء فرمادے کیونکہ انہیں (حقیقت) معلوم نہیں"۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسر پیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

یامسلمانوں کیلئے خطرہ بنیں، ان سے تو ہمیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ز کَفَرۡنَا بِکُمۡ وَبَدَا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ وَالۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗ﴾

''ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی''۔ (سورۃ ممتحنہ ۔۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو ''مومن اور کافر'' دو ملتوں میں تقسیم کرکے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملّی نظریہ پر بنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاءؑ سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملّی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خودمختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اُس دوملّی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے چومکھی لڑکر پاکستان حاصل کیا۔

دوملّی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق کتے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار ''ایمان اور کفر'' پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ ''مومن اور کافر'' ان دوملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دوملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا بٹوارہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِصبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان، رنگ وزبان اور ملک ووطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ وخاندان بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔ غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسم کی گئی پھر ۔ ، کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریقِ مِلَل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن وسنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات واحادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب اور قبیلہ، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو، تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ وزبان اور ملک وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہاں کفروہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق و مالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر ۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، اُن سے الگ ایک ''مسلم برادری'' قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگا لیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دو صحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للاَ نصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یـا لَلْمُهَا جرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابَالَ دَعوَی الجَاهِلِیَّة ﴾

"یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟"

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دَعُوهَا فَاِنَّهَا مُنتِنَة ﴾

" ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور کفر کی) بدبو ہے"

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج ۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق و مغرب، جنوب و شمال، کالے گورے، امیر و غریب اور عرب و عجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کر ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک و وطن، رنگ و زبان اور نسب و قبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کو باہم

ٹکرادیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ......سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو "عربی قومیت" کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہوکر "مسلم ملت" کی طرف واپس آرہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملت واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرجِعُوابَعدِیْ کُفَّاراً یَّضرِبُ بَعضُکُم رِقَابَ بَعضٍ﴾

"میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو"

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرما چکے ہیں کہ:

﴿اذَا التَقَی المُسلِمَانِ بِسَیفَیهِمَا فَقَتَلَ احَدُ هُما

صَاحِبَه فَالقَاتِلُ وَالمَقتُولُ فِی النَّارِ﴾

''جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کر ڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی۔ حدیث ۴۱۲۴)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جا رہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہئے کہ:

﴿لَیسَ مِنَّا مَن دَعَا اِلَی العَصَبِیَّة وَ لَیسَ مِنَّا مَن قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیسَ مِنَّا مَن مَّاتَ علٰی عَصَبِیَة﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے''

(سنن ابی داؤد حدیث ۵۱۲۱ کتاب الادب، باب فی العصبیۃ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جَم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حَرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملادے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آجائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکرو فریب کا تانا بانا بُن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازار گرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضانے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہو جائے گا جو نہ ملک کے دشمن ہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دین اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم اور حق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

”وصلی اللہ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین“

عَقِیدۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

موضوع: عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سنٹرل جامع مسجد برمنگھم (برطانیہ)
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ﴾

نحمدونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گذر جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جاکر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہٰذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ ''یرقق بعضها بعضا '' یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمایئے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالباً ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ 'میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

فقہی مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنارہا ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں'' فرمایا کہ تم میری خیرت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑگئی ہے اور نیند بھی، والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ملحدین کی تکفیر کا اصول

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روز گار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگادیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دوررس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف ''اکفار الملحدین'' بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی ''لا اله الا الله محمد رسول الله'' کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''اکفار الملحدین'' ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہوجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہولیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہوجائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کردیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیااور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کردیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام ''ختم نبوت'' ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذّاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن ''صراط مستقیم'' کے اندر جو لفظ ''صراط'' ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ ''مستقیم'' کو نہیں مانتا، یا اس کی ''ر'' کو نہیں یا اس کی ''ط'' کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا،

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

''کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)''

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں

سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہو گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا کم از کم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم از کم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کر دیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سر ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سر ظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو ''بارہ مولا'' پر قبضہ کر چکے تھے اور اگلے روز ''سری نگر'' میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحبؒ تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ، حضرت میں تو اب جارہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہوجاوں گا ورنہ شہید ہوجاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرمادیجیئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہوجاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرمادیجیئے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہرحال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کردی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کردیا، پولیس آ گئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہوسکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جارہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جارہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے ''مارشل لاء'' وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کردے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کرلیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کرلیا گیااور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کررکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی ماردو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کررہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کرکے

کہتے گولی یہاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہو جاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

﴿رحمهم الله اجمعين﴾

مخلصانہ قربانیوں کے اثرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آجاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہو جاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دس دس آمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہورہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہورہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑرہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی۔ فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جارہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہورہے تھے، قربانی آج دی جارہی تھی؟ اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہورہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہوگیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانان برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آگئی ہے،

برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل وکرم سے اس فتنے کی سرکوبی کر کے وہاں سے اسے جلا وطن کر دیا ہے۔ اب یہ فتنہ اور فراڈ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آ گیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے، لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کر دیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گی، پرمٹ ویزہ دلوا دیں گے، تم اس فارم پر دستخط کر دو، اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ ''احمدی'' ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ بندۂ خدا تم کفر نامہ پر دستخط کر رہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کر رہے ہیں۔ دل میں تو ہمارے ایمان ہے، لیکن یاد رکھئے جو شخص کھلا ہوا صریح کلمۂ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جا رہے ہیں۔ اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آ گئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے

والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کر دیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنے نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہو سکتے ہیں کئے جائیں، اپنی تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی و ناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

محمد عربی انسائیکلوپیڈیا کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد ڈاکٹر ذوالفقار کاظم کے شاندار قلم سے قرآنِ حکیم سے متعلق بھرپور معلومات پر مبنی مستند حوالاجات کے ساتھ سوالاً جواباً لکھی جانے والی اپنی نوعیت کی سب سے مفصل، مدلل اور ضخیم کتاب۔

قرآنِ حکیم

اِنسائیکلوپیڈیا

(جس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر بھرپور معلومات موجود ہیں)

تاریخ قرآن ☆ نزول قرآن ☆ جمع قرآن ☆ مقامات نزول ☆ اسماء القرآن ☆ انبیائے قرآن ☆ قصص القرآن ☆ علوم القرآن ☆ احکام قرآن ☆ مضامین قرآن ☆ آیات قرآن ☆ قرآنی دعائیں ☆ قرآن اور آسمانی کتب ☆ قرآن اور اقوام عالم ☆ قرآن اور معاشرتی نظام ☆ قرآن کے تراجم وتفاسیر ☆ قرآن کا انداز بیان ☆ معجزات قرآن ☆ عجائبات قرآن ☆ قرآن کی پیشگوئیاں ☆ تعلیمات قرآن ☆ قرآن کے بارے میں تاثرات ونظریات ☆ قرآن اور امہات المومنینؓ ☆ قرآن اور صحابہ کرامؓ ☆ قرآن اور انسان ☆ قرآن اور فرشتے ☆ قرآن اور جنات ☆ نباتات قرآنی ☆ حیوانات قرآنی ☆ معدنیات قرآنی ☆ قرآن اور کائنات ☆ قرآن اور سائنس ☆ قرآن اور ماحولیات ☆ قرآن اور سیرۃ النبیؐ ☆ قرآن اور صفات الٰہی ☆ ان کے علاوہ بہت سے دیگر موضوعات

☆ دینی مدارس، سکولوں اور کالجوں کے طلباء واساتذہ کے لئے مختصر وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ۔

☆ قرآن کوئز پروگراموں اور دوسرے معلوماتی مقابلوں اور امتحانات میں شرکت کرنے والے خواتین وحضرات کے لئے انتہائی اہم کتاب۔

ناشر: بیت العلوم ۔ ۲۰ نابھ روڈ چوک پرانی انارکلی لاہور ۷۳۵۲۴۸۳

بیت العلوم کی مطبوعات ایک نظر میں

- ☆ محمد عربی ﷺ انسائیکلوپیڈیا
- ☆ قرآن حکیم انسائیکلوپیڈیا
- ☆ رسول اللہ ﷺ کے دن اور رات
- ☆ اسلامی احکام اور ان کی حکمتیں
- ☆ مقالات عثمانی
- ☆ تاریخ المشاہیر
- ☆ فضائل اہل بیتؓ صحابۂ کرام و تابعینؒ
- ☆ اصلاحی تقریریں ۳ جلد
- ☆ اصلاحی مواعظ ۳ جلد
- ☆ بیان الفوائد فی حل شرح العقائد
- ☆ تیسیر النحو شرح ہدایت النحو
- ☆ اللہ کا ذکر
- ☆ اکابر کا اخلاص اور باہمی تعلق
- ☆ اصلاح کی فکر کریں
- ☆ اعمال میں وزن کس طرح پیدا ہو؟
- ☆ اسلام اور عقل
- ☆ اسوہ حسنہ اور انسانی حقوق
- ☆ اتباع سنت ﷺ کی برکات
- ☆ اللہ کے لیے جینا مرنا
- ☆ استخارہ کا مسنون طریقہ
- ☆ بدعت ایک گمراہی
- ☆ پڑوسیوں کے حقوق
- ☆ توبہ کی حقیقت و اہمیت
- ☆ توبہ اور اس کی شرائط
- ☆ توکل کی حقیقت
- ☆ تقویٰ کیا ہے؟
- ☆ جنت کا آسان راستہ
- ☆ جنت کے حالات
- ☆ جہاد کشمیر اور ہماری ذمہ داری
- ☆ حب جاہ ایک باطنی بیماری
- ☆ خدمت خلق
- ☆ ختم بخاری شریف
- ☆ خودکشی کی شرعی حیثیت
- ☆ دوقومی نظریہ
- ☆ دینی مدارس اور نفاذ شریعت
- ☆ دین کیا ہے؟
- ☆ ذکر اللہ کے فضائل
- ☆ رمضان کس طرح گزاریں
- ☆ ریاکاری اور اس کا علاج
- ☆ راہ امن
- ☆ سود اللہ اور رسول ﷺ سے اعلان جنگ
- ☆ سچ اور جھوٹ
- ☆ صدقہ و خیرات کے فضائل
- ☆ صلوٰۃ التسبیح کے فضائل و مسائل
- ☆ صبر اور اس کی حقیقت و اہمیت
- ☆ طلبائے دین سے فکر انگیز خطاب
- ☆ عورت کی عظمت
- ☆ علم پر عمل کریں
- ☆ علاج الامراض
- ☆ عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اسکا تحفظ
- ☆ عقیقہ کے احکام و مسائل
- ☆ فضائل خلفائے راشدینؓ
- ☆ فضیلت علم و علماء
- ☆ فکر آخرت
- ☆ فلسفہ حج و قربانی
- ☆ فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
- ☆ قربانی اور ذوالحجہ کے فضائل و مسائل
- ☆ کام چوری اللہ کا ایک عذاب
- ☆ کھانا اور سنت نبوی ﷺ
- ☆ کھجور کی اہمیت و افادیت
- ☆ مستحب کام اور ان کی اہمیت
- ☆ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاؤ
- ☆ مغربی دنیا میں دینی رجحان
- ☆ مصیبت پر صبر کریں
- ☆ موت کو یاد رکھیں
- ☆ مال و جاہ کی محبت
- ☆ ماہ رمضان کے فضائل و مسائل
- ☆ مسلم تاجر کی ذمہ داری
- ☆ محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے
- ☆ محبوب نبی ﷺ کی محبوب دعائیں
- ☆ نیت اور اس کی کرشمہ سازیاں
- ☆ نفلی عبادات کی اہمیت

إنَّ مِنَ البَيانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷-۳۵۲۴۸۳

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۴۸۳

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر ۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ'' دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ'' بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

إن من البيان لسحرا

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- موجودہ فتنے اور اُن کا حل
- چھ افضل اعمال
- تین آسان نیکیاں
- محبتِ رسول اور اُس کے تقاضے
- تقدیر پر ایمان اور اُس کے فوائد
- اسلام میں غلامی کا تصور
- صدقہ کرنے کے آسان طریقے
- فضول خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج
- دو قومی نظریہ
- عقیدۂ ختمِ نبوت اور اُس کا تحفظ

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انار کلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد سوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مُرتّبین:
مولانا اعجاز احمد صمدانی
مولانا محمد ناظم اشرف

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

کتاب:	اصلاحی تقریریں
تقاریر:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب:	محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
	مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
جلد:	سوم
باہتمام:	محمد ناظم اشرف
ناشر:	بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
	فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم	=	۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات	=	موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید	=	الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ دارالعلوم	=	جامعہ دارالعلوم، کورنگی کراچی نمبر۱۴
دارالاشاعت	=	اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن	=	اردو بازار کراچی نمبر۱
ادارۃ القرآن	=	چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی
ادارۃ المعارف	=	ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴

﴿پیش لفظ﴾

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے تین درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان

اصلاحی ، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول و دوم کی غیرمعمولی مقبولیت کے بعد اب جلد سوم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیرملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب میں مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے میری معاونت فرمائی ہے۔ اس میں حتی الوسع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ'' بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر'' بیت العلوم''

فہرست

موجودہ فتنے اور اُن کا حل

موضوع: موجودہ فتنے اور ان کا حل
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿موجودہ فتنے اور ان کا حل﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرورِ انفسنا و مِن سیئاتِ اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و نشھد أنّ سیّدنا و مولانا محمّدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیمًا کثیراً۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! پچھلے چار ہفتے میرے طویل سفر میں گذر گئے[1]۔ طویل غیر حاضری کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ اِس وقت دل میں یہ تقاضا پیدا ہوا کہ قرآن و سنت نے موجودہ حالات اور فتنوں کا جو حل بتلایا ہے، وہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

---

[1] حضرت مدظلہم کا یہ سفر اٹھائیس دنوں پر مشتمل تھا جو کہ کئی ممالک مثلاً امریکہ، جرمنی، فرانس، اٹلی وغیرہ پر مشتمل تھا۔ م

یہ فتنوں کا دور ہے

یہ آخری دور ہے۔ اس میں فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر قسم کے فتنے موجود ہیں۔ اور یہ وہ فتنے ہیں جن کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی ہے۔ لہٰذا وہ مسلمان جنہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کچھ علم ہے، ان کے لیے یہ فتنے اچھے نہیں ہیں۔

اِن فتنوں کا آغاز کب ہوا؟

اِن فتنوں کا آغاز تو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ فتنے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا۔ یہ دور زبردست فتنوں کا دور ہے۔ موجودہ دور میں موجود فتنوں کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے دے رکھی ہے۔ آپ نے بتلا دیا تھا کہ کیا کیا ہونے والا ہے۔ وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

موجودہ فتنوں کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''قتل پھیل جائے گا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ مجھے کیوں قتل کیا گیا اور نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا''[۱]۔ کثرت سے قتل ہونے لگے گا، وہ ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی۔ آج زنا دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سود کا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ اگر کوئی مومن سود سے بچنا چاہے گا تو سود سے تو بچ جائے گا لیکن اسکے دھویں سے نہیں بچ

سک گا۔ یعنی اس کی بے برکتی اور نحوست سے نہیں بچ سکے گا۔ وہ بھی ہو رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں عورتیں اس طرح کپڑے پہنیں گی کہ پہننے کے باوجود ننگی رہیں گی۔ یعنی کپڑے یا تو اتنے چست ہوں گے کہ ان کے بدن کے نشیب وفراز محسوس ہوں گے یا اتنے باریک ہوں گے کہ اندر سے بدن جھلکے گا۔ یہ بھی ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فسق وفجور پھیل جائے گا، وہ بھی پھیل رہا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں میں اختلافات اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ کرے گا، دوسرے کی رائے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔ حق بات کی طرف دھیان کم ہوگا، اپنی رائے کی پچ، اپنی رائے پر جمود ہوگا۔ یہ بھی ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے یہ اختلافات پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ اختلافات کافی عرصہ پہلے ختم ہو جاتے۔ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ جب ہر شخص متکبر بن جائے اور اپنی رائے کو صحیح سمجھنے لگے اور کہے کہ میری ہی رائے درست ہے تو وہ کسی اور کے ساتھ اتحاد نہیں کرسکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اختلافات عروج پر پہنچ جائیں گے، آج امت کے اختلافات بھی زوروں پر ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ گانا باجہ عام ہو جائے گا، یہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کل کانوں کو گانے بجانے والوں اور گانے بجانے والیوں سے بچانا آسان کام نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ بدعات کی کثرت ہوگی وہ ہوچکی ہے۔[1]

اِن فتنوں کی کیفیت

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ فتنے سمندر کی موجوں کی طرح ہوں گے۔

---

[1] ان ساری علامات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے: الاشاعۃ لاشراطِ الساعۃ من ۷ تا ۸۶

سمندر کی موجوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک موج آتی ہے، وہ ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ ایک بڑی موج اس کے اوپر آجاتی ہے اور یہ موجیں پے در پے ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ فتنے ایسے ہوں گے کہ بعض فتنے دوسرے فتنوں کو چھوٹا کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فتنہ آئے گا، لوگ سمجھیں گے کہ بہت بڑا فتنہ ہے، بلاشبہ وہ بڑا فتنہ ہوگا لیکن ابھی وہ ختم ہونے نہیں پائے گا کہ اس سے بڑا فتنہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اِس نئے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے، دوسرا ختم نہیں ہوتا کہ تیسرا آ جاتا ہے اور ہر نئے فتنے کے مقابلے میں پچھلا فتنہ چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

فتنوں کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے

اس کے علاوہ فتنوں کا ایک دور شروع ہونے والا ہے اور وہ دور قریب آ گیا ہے، یہ دجال کے فتنوں کا دور ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کے برابر کوئی فتنہ نہیں آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنہ بھی اب زیادہ دور نہیں رہا اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کے نمودار ہونے سے پہلے آنے والی جو علاماتِ قیامت اور اِس فتنے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ ظاہر ہو چکی ہیں، اور اس سے پہلے جو واقعات پیش آنے والے تھے، وہ سارے پیش آ چکے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے

صرف ایک علامت باقی ہے وہ ہے امام مہدی کا ظہور۔ اب صرف امام مہدی کے ظہور کا انتظار ہے۔ ان کے ظہور سے پہلے جتنے واقعات پیش آنے تھے، وہ

سب پیش آچکے ہیں۔ اب کوئی علامت ایسی نہیں رہی کہ جو امام مہدی کے آنے سے پہلے ظاہر ہونی تھی اور وہ ظاہر نہ ہوئی ہو۔ لہٰذا امام مہدی کا ظہور آج بھی ہوسکتا ہے، کل بھی ہوسکتا ہے اور اس میں سو سال بھی لگ سکتے ہیں۔

دنیا کی عمر

سو سال کا عرصہ دنیا کی عمر کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی ملا کر فرمایا "بعثت أنا و الساعة كهاتين"[۱] (میں اس حالت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف اتنا فرق ہے جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان فرق ہے)۔ یہ معمولی سا فرق ہے۔ شہادت کی انگلی ذرا پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ درمیان والی انگلی ذرا آگے جا کر ختم ہوتی ہے۔ گویا دنیا کی پوری عمر کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ اتنا مختصر اور قلیل ہے جتنا شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کا درمیانی فاصلہ۔ اس میں چودہ سو سال گذر گئے اور باقی اللہ کو معلوم ہے کہ اس کے علاوہ اور کتنا زمانہ باقی ہے۔

تعیینِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

قیامت کتنے سال بعد آئے گی؟ کس دن اور کس تاریخ کو آئے گی؟ یہ راز اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو بتلایا بھی نہیں۔ کسی رسول کو بھی نہیں بتلایا اور کسی فرشتے کو بھی نہیں بتلایا۔ روایت میں آتا ہے کہ جبرائیل امین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی خبر سوال کرنے والے کو ہے،

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن

اس سے زیادہ علم جواب دینے والے کو نہیں[۱]۔ (یعنی یہ بتلایا کہ مجھے بھی تم سے زیادہ خبر نہیں)...... لیکن آپ ﷺ کو قیامت کی علامات بتلائی گئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا اور وہ علامتیں ظاہر ہو چکیں۔

غلط فہمی کا ازالہ

لیکن خوب سمجھ لیجئے! اس کا مطلب یہ نہیں کہ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کی خبر دے رکھی تھی اور وہ فتنے ظاہر ہونے تھے اور گناہوں کا بازار گرم ہونا تھا، اس لئے ہم بھی گناہ کرتے رہیں، اور حرام حلال سب ایک کرتے رہیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں۔

ایک جماعت حق پر قائم رہے گی

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس زمانے میں متقی لوگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ یوں فرمایا تھا:

﴿لاتزال طائفة من أمتي قائمين على الحق و في رواية رائعين على الحق لا يضرهم من خذلهم﴾

(یعنی) ''میری امت میں سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حق پر قائم رہے گی اور انہیں کوئی حق سے ڈگمگا نہیں سکے گا اور انہیں کوئی دوسرا نقصان نہیں پہنچا سکے گا'' یعنی انہیں دبا نہیں سکے گا۔ وہ دباؤ کے بغیر اپنا کام کرتی رہے گی۔

وہ دین کی اشاعت، حفاظت اور اسکی دعوت کا کام کرتے رہیں گے، دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا کر خاموش نہیں کر سکے گی۔ الحمد للہ یہ کام جاری ہے۔ آج اہل

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۱۱ بحوالہ بخاری ومسلم

اسلام اور مسلمانوں پر شدید دباؤ ہے۔ لیکن اہل حق، حق بول رہے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت ان کی زبانوں کو روک نہیں سکی۔

امریکی مسلمانوں کی حق گوئی

میرا یہ سفر ہوا جو کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک کا سفر تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پوری دنیا پر امریکہ کی دہشت گردی کا رعب بیٹھا ہوا ہے۔ پوری دنیا اس کی دہشت گردی سے خوف زدہ ہے اور اہل دنیا اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ''دہشت گرد'' امریکہ ہے۔ امریکہ کی اِس عالمی دہشت گردی کے باوجود خود امریکہ میں موجود مسلمان حق بات کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کی طاقت خاموش نہیں کرا سکی۔ مجلسوں میں کھلے طور پر امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہیں اور کوئی مسلمان ان سے خوش نہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ یہ کام یہودیوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی حق کو روکا اور دبایا نہیں جا سکا۔

یورپ جانے والے مسلمانوں میں تبدیلی

ہم نے امریکہ جا کر اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے وہ پاکستانی مسلمان جو امریکہ اور یورپ کی نقالی پر فخر کرتے تھے، اب یورپ میں جا کر انکے اندر زبردست تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ وہ لوگ جو یہاں نماز نہیں پڑھتے تھے انہوں نے وہاں جا کر نمازیں شروع کر دیں، جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، انہوں نے وہاں جا کر داڑھیاں رکھ لیں، جو عورتیں یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہ جا کر پردہ کرنے لگ گئیں۔ آپ امریکہ جا کر دیکھ لیں، آپ کو کتنے ایسے دوست ملیں گے جو یہاں داڑھیاں منڈواتے تھے، وہاں جا کر انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں، وہ عورتیں

جو یہاں کبھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ کبھی پردہ کریں گی، وہ وہاں ایسا پکا پردہ کرتی ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ الحمدللہ اب امریکہ، جرمنی، اٹلی، سویٹزرلینڈ، فرانس اور برطانیہ میں پردے نظر آتے ہیں۔

تبدیلی کی وجہ

اِس تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کفر کی لعنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جس ننگی تہذیب سے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکے تھے، اسکی خرابیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد انہیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ہمارے دین نے کتنا عمدہ راستہ بتلایا تھا، یورپ کی نقالی کر کے ہم لوگ بھٹک گئے تھے۔ اب وہ اپنے اصل راستے کی طرف آ رہے ہیں۔

گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص گناہوں سے بچنا چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اِن فتنوں کے دور میں بھی خلاصی کا راستہ نکال دیں گے۔ اِن فتنوں کے باوجود بھی ہمارے لئے گناہوں سے بچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہم مجبور نہیں ہوئے۔ البتہ تھوڑا سا مشقت کا معاملہ ہو گیا ہے۔ پہلے کے مقابلہ میں اب دین پر عمل کرنا کچھ مشکل ہو گیا ہے۔

ایک اہم پیشین گوئی

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ

ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس دور میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کا انگارہ پکڑ کر آدمی اپنی مٹھی میں بند کر لے۔ جس طرح انگارے کو مٹھی میں پکڑنا انتہائی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے، ایسے ہی دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا[1]۔ ابھی وہ مشکل وقت تو نہیں آیا لیکن اس کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ساتھ ایسی صورت بھی پیش آئی ہو۔

فتنوں کے دور میں نیک اعمال کی عظیم فضیلت

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ ان فتنوں کے دور میں نیک اعمال کا اجر بہت بڑھ جائے گا چنانچہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں ایک شخص کا نیک عمل پچاس صحابہ کے نیک عمل کے برابر ہوگا۔ غور فرمایئے یہ کتنی عظیم فضیلت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس زمین و آسمان نے اتنے عظیم انسان نہیں دیکھے جتنے کہ صحابہ کرام تھے۔ بڑے سے بڑا ولی، بڑے سے بڑا امام، مجتہد اور فقیہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو بہت عظیم مقام دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ فتنوں کے دور میں دین پر قائم رہنے والوں میں سے ہر ایک کو پچاس، پچاس صحابہ کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔

اسلام شروع میں بھی اجنبی تھا اور آخری دور میں بھی اجنبی ہوگا

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

﴿انّ الاسلام بدأ غریباً و سیعود کمابدأ فطوبی للغرباء﴾

جب اسلام کا آغاز ہوا تو اِس دنیا میں اجنبی تھا کہ اس کے عقائد اور احکام

[1] ترمذی، باب الفتن رقم الحدیث ۲۲۶۱ "یاتی علی الناس زمان الصابر علی دینہ کالقابض علی الجمر"

لوگوں کے لئے اچھنبے کا باعث تھے اور اسلام پر عمل کرنے والے لوگ دنیا میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر مظالم بھی کیے جاتے تھے چنانچہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسائے جاتے تھے کہ لا الہ الّا اللہ کہنا چھوڑ دو۔ آپ کے پیروکاروں کا سوشل بائیکاٹ کیا جارہا تھا۔ مسلسل تکالیف اور پریشانیوں کا سامنا تھا، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلام اس وقت اجنبی تھا، پوری دنیا اس کے خلاف تھی۔ دین پر قائم مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی ان کی ہر بات اور عمل کو معاشرے میں اجنبی سمجھا جارہا تھا۔

لفظ ''غریب'' کا مطلب

اس وقت بھی اسلام اجنبی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وسیعود کما بدأ (اسلام پھر اجنبی ہو جائے گا)۔ حدیث میں ''غریب'' لفظ استعمال ہوا، عربی میں ''غریب'' کا مطلب ہے اجنبی۔ یہ اردو والا غریب نہیں۔ اردو میں تو غریب مفلس کو کہتے ہیں جب کہ عربی میں ''غریب'' اجنبی کو کہتے ہیں۔ تو آخری دور میں اسلام کے اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے عقائد اور اعمال معاشرے میں اجنبی سمجھے جائیں گے۔ لوگ تعجب سے دیکھیں گے کہ یہ اِس زمانے میں بھی عمل کرتے ہیں۔ آج کل یہ بھی ہو رہا ہے۔

سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات

ابھی میرے سفر کے دوران یہ بات کئی بار پیش آئی کہ جب ہم مختلف جگہوں مثلاً ایئرپورٹوں، پارکوں وغیرہ پر نماز پڑھتے۔ اسی طرح شہر کے اندر بھی مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھتے تھے تو بعض لوگ ہمیں تعجب سے دیکھتے تھے اور انگلیوں سے ہماری

طرف اشارہ کرتے تھے۔ نماز میں تو ایسا ہوتا ہی تھا، ویسے بھی ہماری شکلیں دیکھ دیکھ کر لوگ ایک دوسرے کو دکھاتے تھے۔ کہیں کہیں بچے ہمیں دیکھ کر ''بن لادن''، ''بن لادن'' کا نعرہ بھی لگاتے تھے۔

یورپی مسلمان ایمان پر مزید پکے ہو چکے ہیں

اب پوری دنیا میں یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ داڑھی رکھنے والے ہوتے ہیں وہ دہشت گرد ہوتے ہیں حالانکہ مشہور کرنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کے باوجود وہاں کے لوگ اپنے دین پر پختہ ہو گئے ہیں، انہوں نے اپنی روش نہیں بدلی۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ غلطی کی کہ اپنی داڑھیاں منڈوا دیں لیکن بھاری اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اپنی شکل و ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان کے لباس میں کوئی فرق نہیں آیا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور اِسی لباس میں دفتر جاتے ہیں، وہ ڈرتے نہیں بلکہ اور پکے ہو گئے ہیں اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو پہلے داڑھیاں نہیں رکھتے تھے لیکن ان واقعات کے بعد جب ان سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو انہوں نے داڑھیاں رکھ لیں۔

ایک عظیم خوشخبری

اور میں آپ کو ایک عظیم خوشخبری سناتا جاؤں۔ وہ یہ کہ اب امریکہ میں اسلام اور زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ پہلے بھی کافی لوگ مسلمان ہو رہے تھے لیکن اِن واقعات کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے اپنے ریڈیو اور ٹی وی میں بار بار دیکھا کہ اسلام، مسلمان اور دہشت گردی (Terrorism) کے بارے میں بہت زیادہ کوریج دی جا رہی ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ شور مچایا جا رہا ہے

تو انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ اب وہاں کے بک سٹالوں پر مذہبی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، گاہک زیادہ ہیں، کتابیں کم ہیں۔ بہت زیادہ لوگوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسرائیل کے حق میں یہودیوں کی ریلی

اسی سفر میں واشنگٹن میں میری موجودگی میں وہاں کے یہودیوں نے ایک بہت بڑی ریلی نکالی، تقریباً ایک میل لمبی ریلی ہوگی۔ ہم اس ریلی کو دیکھنے گئے تھے۔ یہ ریلی کے افراد وہاں کی پارلیمنٹ کے سامنے موجود ایک بہت بڑے پارک میں جمع ہوئے، انہوں نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے، ان پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ اسرائیل کو بچاؤ، اسرائیل کی حفاظت کرو۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ اسرائیل فلسطین کے مسلمانوں پر مسلسل مظالم ڈھا رہا ہے، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی ریلی

وہاں کے مسلمانوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ فلاں دن ریلی نکلنے والی ہے، اس لئے انہوں نے وہاں عیسائیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا کہ ریلی نکلنے کے اتنے دنوں بعد ہم بھی ریلی نکالیں گے۔ چنانچہ ایک دو دن کے بعد وہاں ایک بہت بڑا جلوس اسرائیل کے خلاف نکالا گیا۔ ان لوگوں کو جلوس نکالنے سے کوئی روک نہیں سکا۔

اہل حق کیلئے راستہ کھلا ہوا ہے

چنانچہ اس حدیث میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس دور میں اسلام اجنبی ہو جائے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فطوبیٰ للغرباء (ایسے اجنبی لوگوں کیلئے خوشخبری ہے)۔ تو معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی اہل حق کے لئے راستہ کھلا ہوا ہے، انہیں حق پر عمل

کرنے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ البتہ تھوڑے سے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔

موجودہ فتنوں کے دو حل

موجودہ دور کے فتنوں سے بچنے اور ہمارے مسائل کا حل دو چیزیں ہیں۔ پہلی چیز عزم و ہمت ہے۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجئے، احساس کمتری کو قریب پھٹکنے نہ دیں۔ الحمدللہ ہم حق پر ہیں، ہمارا خدا ایک ہے اور حق ہے، ہمارے خدا نے کوئی بات غلط نہیں کی۔ ہماری کتاب ایک ہے اور حق ہے، اس میں موجود سب کچھ حق ہے، ہمارا رسول ایک ہے اور حق ہے، انہوں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی تھی، ہمارا دین ایک ہے اور حق ہے، اس میں غلطی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں؟ دبنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی کے سامنے نہ دبیں، کوئی کتنا ہی مذاق اڑائے، کتنی ہی باتیں کرے، آپ عزم و ہمت کے ساتھ جم جائیں، اپنے دین کو نہ چھوڑیں۔

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ ہر قدم پر اللہ رب العزت کی ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگو۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن فتنوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھلائی۔ یہ ایک مختصر سی دعا ہے۔ اسے یاد کر کے خوب اللہ سے یہ دعا مانگیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے یہ دُعا کرتے رہیں۔ یہ دُعا بھی اِن فتنوں کا بڑی حد تک علاج ہے۔ دُعا یہ ہے:

﴿اللّٰهم انّا نعوذُبكَ مِن الفتن مَا ظَهَر مِنها وَمَابَطن﴾

"اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اِن فتنوں سے جن میں سے کچھ کھلے ہوئے فتنے ہیں اور کچھ چھپے ہوئے فتنے ہیں"۔

یہ دُعا خود بھی یاد کریں اور اپنے گھر والوں کو بھی یاد کرائیں۔ اور جب بھی

یاد آئے تو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اگر یہ کام کر لئے گئے تو اللہ رب العزت کی طرف سے حفاظت ہوگی، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گا اور آپ کو فتنے میں مبتلا نہیں کر سکے گا انشاء اللہ۔ اللہ رب العزت ہم سب کی اِن فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمين

چھ[٦] افضل اعمال

موضوع: چھ افضل اعمال
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿چھ افضل اعمال﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

”عن أبی ذر جندب بن جنادہ رضی اللّٰہ عنہ قال: قلت یارسول اللّٰہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللّٰہ و الجہاد فی سبیلہ“ قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أھلہا و أکثرھاثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق“۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّھا صدقۃ منک علی نفسک“۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا تعارف:

یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کا مزاج درویشانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ذات تھے۔ ان کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اپنے پاس کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ بس ادھر سے مال آیا، ادھر خرچ کر دیا۔ ہر صحابی کی الگ الگ شان ہے۔ ان کی عجیب فقیرانہ شان تھی، ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔ خود ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا سبق آموز اور ایمان افروز ہے۔

سب سے افضل عمل: اللہ پر ایمان لانا

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھے اچھے سوالات کئے۔ جب ان سوالات کے جوابات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تو اس کے نتیجے میں بڑا زبردست علم ہم تک پہنچ گیا۔ چنانچہ اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! أی الاعمال افضل؟ (کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟) آپ نے فرمایا: الایمان باللّٰہ (اللہ رب العزت پر ایمان لانا)۔

اللہ رب العزت پر ایمان لانا ایک زبردست عمل ہے۔ اس کے برابر تو کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایمان دِل میں ہوتا ہے، یہ دِل کا عمل ہے اور یہ اس قدر عظیم عمل ہے کہ سب زمین و آسمان ایک طرف اور یہ دِل کا عمل ایک طرف، زندگی بھر کے سارے اعمال ایک طرف اور صرف یہ ایک عمل ایک طرف۔ اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔

اس ایمان پر اللہ کا شکر ادا کریں

اللہ رب العزت نے ایمان کی یہ دولت ہم سب کو دے رکھی ہے، اس پر

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے، ضعیف سے ضعیف مسلمان، کمزور سے کمزور مسلمان اور گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل میں بھی ایمان موجود ہے، اگر ایمان نہ ہوتا تو وہ کافر ہوتا، اگر ایک شخص جاہل، ان پڑھ، فاسق، فاجر، شرابی، حرام کھانے والا، سارے گناہوں میں ملوث ہے لیکن وہ مسلمان ہے، عقیدہ اس کا ٹھیک ہے، ایمان اس کے پاس ہے تو اس کے پاس اتنا بڑا عمل ہے کہ اس کے برابر کوئی عمل ہی نہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ لہٰذا اس ایمان کی قدر کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں کسی استحقاق کے بغیر، کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر، کسی مجاہدے اور ریاضت کے بغیر اور کسی قربانی کے بغیر اتنی بڑی دولت دے رکھی ہے۔

ایمان کی دولت گھر بیٹھے مل گئی

مزید شکر کی بات یہ ہے کہ ایمان کی یہ دولت ہمیں خود بخود مل گئی کہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ والدین نے بچپن ہی میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھا دیا اور ہمیں ایمان کی دولت مل گئی الحمد للہ الحمد للہ۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب کبھی بھی تصور آئے تو چپکے سے کہہ دیا کریں الحمد للہ۔ خدانخواستہ اگر ہم کسی یہودی کے گھر پیدا ہوتے یا کسی ہندو کے گھر پیدا ہوتے یا کسی عیسائی وغیرہ کے گھر میں پیدا ہوتے تو کیسی جاہلیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مردود ہو جاتے یہ اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اس نے مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا کیا اور گھر بیٹھے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

ایمان کی قیمت صحابہ سے پوچھو

ورنہ ایمان کی قیمت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھئے کہ انہیں ایمان لانے کیلئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔ ان کے ایمان لانے کا قصہ مشہور ہے۔ بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہے کہ ایمان لانے کیلئے انہیں کس طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑا، پندرہ روز تک پیاسے رہے۔ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی سخت مصیبتیں جھیلیں۔ سخت گرمی کے موسم میں مکہ مکرمہ کی سنگریزوں والی تپتی ہوئی زمین پر کپڑے اتار کر ننگے بدن لٹا دیا جاتا اور اوپر سے کوڑے برسائے جاتے۔

یہاں بیٹھ کر آپ کو تپنے کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ پاکستان کے کسی اور حصہ میں اس کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ سندھ وبلوچستان میں اور نہ سرحد وپنجاب میں۔ تپنے کا مطلب مکہ مکرمہ میں جاکر سمجھ میں آئے گا جب جون جولائی کا مہینہ ہوتا ہے تو اس وقت مکہ مکرمہ میں اس قدر شدید گرمی پڑتی ہے کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے زمین پر ننگے پاؤں رکھے جائیں تو ان پر آبلے پڑجاتے ہیں۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر یہ تشدد اس لئے ہورہا تھا کہ ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا تھا کہ اللہ رب العزت کے ایک ہونے کا انکار کرو اور اس پر انہیں اتنے کوڑے مارے جاتے کہ ان کی شدت کی وجہ سے آپ بے ہوش ہوجاتے لیکن جب ہوش آتا تو فرماتے، أحد، أحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے)۔

تقریباً تمام صحابہ کرام کا یہی حال ہے۔ صحابہ کی بہت تھوڑی سی تعداد ایسی ہے جو مسلمان گھروں میں پیدا ہوئی اور ماں کی گود میں انہیں کلمہ نصیب ہوا ورنہ صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جنہوں نے بڑی عمر میں اسلام قبول کیا اور ایمان کے راستے میں مشقتیں برداشت کیں۔ ان صحابہ سے پوچھئے کہ ایمان کی کیا قیمت ہے اور ایمان لانا کتنا مشکل کام ہے۔

دوسرا افضل عمل: جہاد فی سبیل اللہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دوسرا سوال یہ پوچھا کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا)

جہاد فی سبیل اللہ بہت بڑا عمل ہے۔ اس میں مشقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان اپنی جان کو داؤ پر لگا کر موت سے پنجہ آزمائی کرتا ہے، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرتا ہے گویا مجاہد کی موت سے کشتی ہوتی ہے جس میں ہر وقت یہ امکان ہوتا ہے کہ یا تو یہ موت کو شکست دے دے گا یا موت اسے شکست دے دیگی۔ انسان کیلئے جان سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوسکتی، ماں، باپ، بیوی، بچے سب عزیز ہوتے ہیں لیکن اپنی جان کے برابر نہیں ہوتے۔ جہاد ایسا بڑا عمل ہے کہ اس میں مجاہد اپنی سب سے عزیز چیز اللہ کے راستہ میں قربان کردیتا ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

لیکن یہ جہاد اس وقت ہوگا جب خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو، اگر اللہ کی رضا کے علاوہ کوئی اور مقصد پیش نظر ہوتو یہ جہاد نہیں بلکہ جنگ ہوگی لہٰذا اگر کوئی شخص قومیت کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، زمین کیلئے لڑ رہا ہے تو یہ جنگ ہے، عزت وشہرت کے لئے لڑ رہا ہے تو یہ بھی جنگ ہے، جہاد نہیں، جہاد تو وہ ہے جو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کیلئے صرف اللہ رب العزت کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے کیا جائے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں آپ لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہورہا ہوگا کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا، حالانکہ مشہور یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز تمام اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا، اور ایک دوسری حدیث میں ایمان کے بعد نماز کا سب سے افضل ہونا مذکور بھی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس حدیث میں ایمان کے بعد سب سے افضل عمل "جہاد" کو بیان کیا گیا۔

علماء کرام نے اس اشکال کے مختلف طریقوں سے جوابات دیئے ہیں۔ میں ان میں سے ایک جواب عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے افضل عمل ہے مشقت کے اعتبار سے اور نماز سب سے افضل عمل ہے اللہ رب العزت کے سامنے تذلل اور انکساری کے اعتبار سے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب سے زیادہ ذلیل کرتا ہے، نماز سے پہلے بہت تیاریاں کرتا ہے، مثلاً سب سے پہلے جسم سے ہر قسم کی ناپاکی دور کی، کپڑے پاک کئے، وضو کیا، صاف ستھری جگہ تلاش کی اور پھر تکبیر کہہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا، نہ اِدھر دیکھ سکتا ہے، نہ اُدھر دیکھ سکتا ہے، نہ کھانا نہ پینا اور نہ کسی سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، اسی حال میں رکوع میں پہنچتا ہے اور پھر بالآخر اپنے جسم کا عظیم ترین حصہ پیشانی جسے کسی کے آگے جھکانے کیلئے تیار نہیں، اُسے اللہ رب العزت کے سامنے ٹیک دیتا ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرکے یہ بتلاتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سامنے مٹا دیا، تیری عظمت کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ کردیا لہٰذا انکساری اور تذلل کے اعتبار سے ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز ہے اور مشقت کے اعتبار سے ایمان کے

بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے حاصل یہ ہوا کہ ایمان کے بعد نماز بھی سب سے افضل عمل ہے اور جہاد بھی سب سے افضل عمل ہے البتہ دونوں کی حیثیتیں اور وجہیں جدا جدا ہیں۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

چوتھا افضل عمل: ہنر مند کی مدد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا اور پوچھا کہ ''فان لم أفعل؟ یعنی اگر میں یہ کام نہ کرسکوں تو پھر کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تعین صانعا أوتصنع لأخرق ''کسی ہنر مند کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کیلئے صنعت کرو''۔

کسی ہنر مند کے ساتھ تعاون کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ چوتھے نمبر پر اس عمل کو رکھا گیا۔

اسلام دین ہے، مذہب نہیں

میں کہا کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، قرآن وحدیث میں کہیں بھی

اس کیلئے مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ عیسائیت مذہب ہے، یہودیت مذہب ہے، ہندومت مذہب ہے، اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔قرآن مجید میں ہر جگہ اسلام کیلئے دین کا لفظ استعمال کیا گیا۔ چنانچہ ایک ارشاد باری ہے:۔

﴿ ان الدین عنداللہِ الاسلام﴾ (آل عمران،۱۹)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ﴾ (آل عمران،۸۵)

ایک اور جگہ ہے:

﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً﴾

(المائدہ،۳)

تو اللہ رب العزت نے ہر جگہ اسلام کو دین ہی کہا ہے، مذہب نہیں کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام دین ہی بتلایا ہے۔

مذہب اور دین میں فرق

مذہب اور دین میں فرق ہے۔ مذہب چند عقائد، کچھ عبادات اور کچھ اخلاقیات کا مجموعہ ہوتا ہے اس میں تجارت و معیشت کا ذکر نہیں ہوتا، زراعت وکاشتکاری کے احکام نہیں ہوتے، سیاست اور حکومت کے مسائل نہیں ہوتے، اس میں عدالت اور انصاف قائم کرنے کے طور وطریقے بیان نہیں کیے جاتے، اس میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات رکھنے کے قوانین مذکور نہیں ہوتے جبکہ دین میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ دین نام ہے ایک طرز زندگی کا جس میں پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور العمل بتایا جاتا ہے۔

اسلام میں رہبانیت نہیں

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رھبانیت اور ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ تم دنیا کو چھوڑ کر عبادات میں لگے رہو تو پھر تم اللہ والے بن سکتے ہو ورنہ نہیں بن سکتے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ترکِ دنیا کوئی کمال بات نہیں بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ دنیا میں رہو اور دنیا کے سارے کام بھی کرو، مزدوری بھی کرو، ملازمت بھی کرو، سیاست بھی چلاؤ، حکومت بھی کرو، عدالتیں بھی چلاؤ، جنگیں بھی کرو، صلح و صفائی بھی کرو، معاہدات بھی کرو، بکریاں بھی چراؤ، تجارت بھی کرو، اولاد کو بھی پالو اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی کرو، غرضیکہ دنیا کے سارے کام کرو لیکن یہ کام اسلامی تعلیمات کے مطابق کرو، اسی کا نام دین ہے۔

اسلام نے دنیا کو دین بنادیا

اسلام میں دین ودنیا میں تفریق نہ ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلام نے دنیا کو بھی دین بنادیا ہے۔ صنعت کاری بظاہر دنیا کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ عیسائی مذہب میں صنعت کار کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو شخص تجارت یا صنعت کاری کرتا تو اس کے بارے میں کہا جاتا کہ یہ دنیا دار آدمی ہے لیکن اسلام میں تجارت کرنے والا دنیا دار نہیں ہوتا، اور اگر تجارت کرنے والے کو دنیا دار مان لیا جائے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہو گے کیونکہ آپ نے بھی مشارکت اور مضاربت کی بنیاد پر تجارت کی تھی۔ اس کے علاوہ دنیا کے دوسرے کام بھی کئے تھے، بکریاں بھی چرائی تھیں، مزدوری بھی کی تھی، حکومت بھی کی تھی، عدالتی فیصلے بھی

کیے، مسجدوں کی امامت بھی کی، جہاد میں اسلامی لشکر کی قیادت بھی کی، شادیاں بھی کیں، بچوں کی پرورش بھی کی، غرضیکہ دنیا کا ہر قسم کا کام کیا۔

دنیا کا کام کر کے اللہ کا ولی بن سکتا ہے

اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کام کرو لیکن اللہ کی رضا کیلئے اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرو تو اسی میں ولایت ہے، چنانچہ آدمی تجارت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بادشاہت کرتے کرتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، کارخانے چلاتے چلاتے اللہ کا ولی بن سکتا ہے، مزدوری اور کھیتی باڑی کرتے ہوئے اللہ کا ولی بن سکتا ہے۔

دنیا کو دین بنانے کا طریقہ

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو بھی دین بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کوئی کام کریں تو اس میں دو کام اور کریں۔ (۱) نیت اللہ کی رضا کی ہو۔ (۲) اور یہ سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سنت قرار دیا ہے، پھر اسی سنت کے مطابق اُسے کرو۔ مثلاً شادی کرنا تو یہ سمجھ کر شادی کرو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور نیت یہ ہو کہ اللہ کا حکم پورا کر رہا ہوں، تو یہ بھی عبادت ہے، اسی طرح بیوی بچوں کے ساتھ دل لگی کرو، تو یہ دل لگی یہ سوچ کر کرو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور یہ اللہ کا حکم ہے تو یہ بھی عبادت ہوگا۔

سب کام شرعی حدود میں ہوں

ہاں البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب کام شرعی حدود میں ہوں، شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے لگے تو اللہ کو بھول گئے، اور اللہ کے حقوق ادا کرنے لگے تو بندوں کو بھول گئے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے عمل کے منافی ہے۔ آپؐ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پورا پورا خیال فرماتے تھے اور کسی ایک کی وجہ سے دوسرے کو نہیں بھلاتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کس طرح وقت گذارتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس طرح تم اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رہتے ہیں، ہنستے بولتے ہیں، دل لگی کی باتیں کرتے ہیں، بکری کا دودھ دوھ لیتے ہیں، گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں، کپڑے پھٹ جائیں تو خود سی لیتے ہیں، جوتا ٹوٹ جائے تو خود ہی گانٹھ لیتے ہیں، یہ سب کام کرتے ہیں لیکن جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو ایسے گذرے چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔

اندازہ لگائیے کہ کہاں دل لگی ہو رہی ہے، اور بیوی بچوں کی دل جوئی ہو رہی ہے اور دوسرے سارے کام ہو رہے ہیں لیکن اذان کے وقت اس طرح حالت ہو جاتی ہے کہ گویا گھر والوں کو پہچانتے ہی نہیں۔ یہ ہے دین اور دنیا کو جمع کرنے کا طریقہ۔

ہنر مند کی مدد: بہت بڑی عبادت

اور دنیا کا کام جب اللہ کی رضا کیلئے اور شرعی حدود میں کیا جاتا ہے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، پھر اگر سوئیں گے تو وہ بھی عبادت، کھانا کھائیں گے تو وہ بھی عبادت، تجارت کریں گے تو وہ بھی عبادت، بلکہ بہت بڑی عبادت، چنانچہ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے، اس میں چوتھے نمبر پر جو افضل عمل بتلایا گیا، وہ کسی ہنر مند کی مدد کرنا ہے۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے طریقے

کسی ہنر مند کی مدد کرنے کے کئی طریقے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک عام اور سیدھا سادھا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کسی بڑھئی کو دیکھا کہ وہ بیچارہ بہت ضعیف اور بوڑھا شخص ہے، اپنا کام محنت سے کر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ بہت جلد تھک جائے گا لیکن بیچارہ اس وجہ سے اس کام میں لگا ہوا ہے کہ محنت کریگا تو پیسے ملیں گے۔ آپ اس کے پاس پہنچ گئے اور جا کر اس کی مدد کی۔ یہ بہت بڑا ثواب کا کام ہے، اور جب یہ کام کرو گے تو اس میں مزہ آئے گا، دل میں ایسا نور پیدا ہوگا کہ جی چاہے گا کہ آئندہ یہی کام کیا کروں۔

اس کی مشق دار العلوم میں بھی ہو سکتی ہے

اور اس کی مشق آپ یہاں دار العلوم میں بھی کر سکتے ہیں۔ دیکھئے یہاں کتنا تعمیراتی کام ہو رہا ہے، دیکھئے کوئی مزدور کام کر رہا ہے تو اس کی مدد کر دو، اور کچھ نہیں کر سکتے تو صرف پندرہ، بیس منٹ کیلئے اس کا سامان اٹھا کر اس کو دے دو۔

ایک اہم طریقہ

صنعتکار کی مدد کرنے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ طریقہ وہ ہے کہ جس پر چل کر دوسری قوموں نے بڑی شاندار صنعتی ترقیاں کی ہیں اور ہماری حکومتوں نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے صنعتکاروں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔

وہ طریقہ یہ کہ بعض اوقات کوئی شخص ایک ہنر دریافت کرلیتا ہے لیکن اس کے لئے آلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس وہ آلہ بنانے کیلئے پیسے اور وسائل نہیں ہوتے۔ اگر اس کی مالی امداد کی جائے تو وہ اس سے ایسا آلہ بنالے گا جس سے پوری انسانیت کو فائدہ پہنچے گا۔

انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی طرف حکومت نے توجہ نہ دی

اس کی ایک مثال میرے سامنے ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور تعلق رکھنے والے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، دارالعلوم کراچی کی مجلس منتظمہ کے رکن، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت خاص ساتھی انجینئر ظفر صاحب پانی کے جہازوں پر ملازمت کرتے تھے۔ انگریز کے زمانہ سے ان کی یہ ملازمت چلی آرہی تھی۔ بہت اونچے عہدے پر تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ سورج کی تپش اور حرارت کو اگر مرتکز اور جمع کرلیا جائے تو اس سے ہم ایندھن کا کام لے سکتے ہیں، اس سے وہی کام لے سکتے ہیں جو بجلی اور آگ سے لیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان میں سوئی گیس دریافت نہیں ہوئی تھی، لکڑی اور کوئلے پر کھانے پکتے تھے۔ یہ ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء کی بات

ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورج کی تپش کو مرتکز اور جمع کر کے ایک چولہا تیار کیا اور اس پر کھانا پکایا۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب کی دعوت بھی کی، چنانچہ وہاں گئے اور اس چولہے سے پکا ہوا کھانا کھایا۔

دیکھئے یہ خود تو ایسا آلہ بنا سکتے تھے لیکن اس کو ملکی یا عالمی پیمانے پر ترقی یافتہ قسم کا آلہ بنا کر پھیلانے کیلئے تجربات، وسائل اور ساز و سامان کی ضرورت تھی۔ حضرت والد صاحب نے اس وقت کے وزیر صنعت سے یہ کہا بھی تھا کہ دیکھئے پاکستان نیا نیا بنا ہے، اس وقت ہمیں پاکستان میں بہت سے سائنس دانوں کی ضرورت ہے لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، انہوں نے بہت اچھا آلہ ایجاد کیا ہے، اس کی طرف توجہ دی جائے اور اس کی سرپرستی کی جائے تو اس سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچے گا۔ حکومت نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کا مزاج تو یہ تھا کہ جو چیز انگریز کی طرف سے آئے وہ مستند اور قابل اعتماد ہے اور جو انگریز کے واسطے کے بغیر آئے، وہ قابل اعتبار نہیں، نتیجہ یہ کہ انہوں نے والد صاحب کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے کان سے اڑا دی۔

دوسرے ممالک کی نقالی

دوسرے لوگوں نے انجینئر ظفر صاحب کی ٹیکنالوجی کی نقالی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ ٹیکنالوجی ترقی کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ یہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر گئی ہے کہ برطانیہ کے میرے دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے بہت بڑے پیمانے پر بجلی تیار کی جا رہی ہے، اس سے کارخانے چل رہے ہیں اور کئی بستیاں اس سے بجلی حاصل کر رہی ہیں۔ اس ٹیکنالوجی کے اصل موجد وہی انجینئر ظفر صاحب ہیں۔

اگر اس ٹیکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی جاتی

دیکھئے اگر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تو ان کا بھی فائدہ ہوتا اور ملک وقوم کو بھی عظیم الشان فائدہ پہنچتا، ان جیسے لوگوں کے حوصلے بڑھتے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آج یہ آلہ ایجاد ہوا ہے تو کل کوئی دوسرا آلہ ایجاد ہو جاتا، سائنس دان تیار ہوتے، ٹیکنالوجی کے ماہرین آگے آتے اور ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست ترقی کرتا۔

اب بھی حکومت توجہ نہیں دیتی

آج کل بھی آئے دن یہ خبریں آتی رہتی ہیں کسی یونیورسٹی کے فلاں استاد یا طالب علم نے یہ اعلان کیا کہ فلاں چیز تیار کر سکتا ہوں بشرطیکہ حکومت میرے ساتھ تعاون کرے۔ حکومت ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی، نتیجہ یہ کہ دوسرے لوگ یہ ٹیکنالوجی حاصل کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ سے زبردست ترقی کرتے ہیں۔

ہنر مند کی مدد کرنے کے دوسرے طریقے

صنعت کار اور ہنر مند شخص کی مدد کے بہت سے ذریعے ہیں۔ جس طریقے سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اس حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص لوہار والا کام کرتا ہے یا کوئی اور ایسا فن جانتا ہے، لیکن اس کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ وہ اوزار خرید سکے تو اُسے اوزار خرید کر دے دو، سارے اوزار خرید کر نہیں دے سکتے تو کوئی ایک دو خرید کر دے دو، تیسرا کوئی اور دلوا دے گا، اس طرح وہ روزی کمانے کے قابل ہو جائے گا۔

پانچواں افضل عمل: بے ہنر کیلئے صنعت کرنا

پانچویں نمبر پر افضل عمل یہ ہے کہ اگر تم کسی ہنر مند کی مدد نہیں کر سکتے تو کسی بے ہنر کیلئے صنعت کردو، اسے کوئی چیز سکھادو مثلاً ایک عورت ایسی ہے کہ وہ بچوں کے کپڑے سینا نہیں جانتی اور تمہیں معلوم ہے تو اُسے کپڑے سینا سکھادو، سویٹر بُننا نہیں جانتی، اسے سویٹر بُن دو یا کوئی اور کام ہے جس کی کسی کو ضرورت ہے لیکن وہ اس فن کو نہیں جانتا، جبکہ تم اس کو جانتے ہوتو تم اس کیلئے یہ کام کردو۔ خلاصہ یہ کہ بے ہنر کی مدد کرنے کے بھی بے شمار طریقے ہیں۔

یہ خدمت خلق کی باتیں ہیں

یہ سب خدمت خلق کی باتیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت اپنے تک پہنچنے کا جذبہ پیدا فرمادیتے ہیں تو پھر وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ کہاں سے میں نیکی کمالوں، کہاں سے میں اپنی آخرت بنالوں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

مجھے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ یہ دونوں واقعات میں نے اپنے والد کے متعلق اپنی کتاب[1] میں بھی لکھے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی زندگی میں دونوں واقعے سنائے اور فرمایا کہ اب تک یہ دونوں واقعے میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز تھے۔ میں نے یہ واقعات کسی سے بیان نہیں کئے تھے اور اب تمہارے فائدے کے لئے سنا رہوں۔ یہ دونوں واقعے برسوں پہلے ہندوستان میں قیام کے دوران کے تھے اور ہمیں

---

[1] ''حیات مفتی اعظم'' ادارۃ المعارف، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ م

یہاں پاکستان آنے کے بعد سنائے۔

پہلا واقعہ

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں صبح کی نماز کیلئے مسجد کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا۔ یہ ہمارے گھر کے قریب رہتی تھی، ہمارے گھر کے قریب جولاہوں کا محلّہ تھا اور یہ اسی محلے کی ایک خاتون تھی۔ ہمارے گھر سے مسجد کے راستے پر ایک کنواں پڑتا تھا۔ یہ عورت اس کنویں سے پانی بھر کر لارہی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ بیچاری بوڑھی عورت ہے اور پانی کا گھڑا بھر کر لارہی تھی، گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اس نے سانس لینے کیلئے چلتے چلتے گھڑا زمین پر ٹیکا۔ اتنی دیر میں، میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا گھڑا اٹھوادوں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا لاؤ اماں میں اٹھوادوں۔

جب میں اٹھانے لگا تو خیال آیا کہ یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ یہ گھڑا اٹھا کر اسی بوڑھی عورت کے سر پر رکھ دوں، اس لئے میں نے وہ گھڑا اٹھا کر اپنے سر پر رکھا لیا اور اس بوڑھی عورت سے کہا اماں بتلایئے آپ کا گھر کہاں ہیں؟ میں اسے وہاں پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے اپنے گھر کا راستہ بتایا اور میں یہ گھڑا سر پر رکھ کر اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔

جب گھر کے دوازے پر پہنچا تو اس سے کہا اماں آپ گھر میں جاکر پردہ کروائیں، میں اندر جاکر یہ گھڑا رکھ کر آتا ہوں۔ وہ گئی، پردہ کروایا اور کہا کہ بیٹا یہاں رکھ دو۔ میں نے وہیں رکھ دیا۔

فرماتے ہیں کہ میں یہ گھڑا رکھ کر گھر سے باہر نکلنے نہیں پایا تھا کہ اس بڑھیا نے مجھے بے تحاشا دعائیں دینا شروع کیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا

کہ وہ دل کی گہرائیوں سے دعائیں دے رہی ہے۔ مجھے نماز کی جلدی تھی اس لئے میں جلدی جلدی وہاں سے چلا، لیکن دور تک مجھے اس کی دعائیں سنائی دیتی رہیں۔

میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو سودا بہت سستا ہے کہ عمل تھوڑا سا اور دعائیں اتنی زیادہ۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اب ہر روز یہ عمل کیا کروں گا۔ اگلے دن میں ذرا جلدی گھر سے نکلا۔ اس وقت وہ کنویں سے پانی بھر رہی تھی، گھڑا پاس رکھا ہوا تھا، ڈول کنویں میں ڈالا ہوا تھا۔ میں نے کہا" اماں لاؤ، میں پانی بھر دیتا ہوں" چنانچہ میں نے ڈول نکال نکال کر اس کا گھڑا بھرا اور پھر اُسے سر پہ اٹھا کر گھر چھوڑ کر آیا۔

مجھے اس عمل میں اتنا نور محسوس ہونے لگا کہ میں روزانہ پابندی سے پہلے نکلتا تھا تاکہ اُسے کنویں سے پانی بھی کھینچنا نہ پڑے۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے میرا یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ جب تک یہ بڑھیا زندہ رہی اور میں دیو بند ہوا (کسی سفر میں نہ ہوا، بیمار نہ ہوا) بلاناغہ یہ عمل عرصہ دراز تک جاری رہا، اور اس عمل کی خبر اللہ تعالیٰ، اس بوڑھی خاتون اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں۔ آج یہ واقعہ تمہاری اصلاح کیلئے تم سے بیان کررہا ہوں۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی سنایا۔ یہ واقعہ تھانہ بھون کے ریلوے سٹیشن کا ہے۔ تھانہ بھون ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس کا ریلوے سٹیشن بہت ہی چھوٹا سا ہے اور اس زمانے میں تو بہت ہی چھوٹا اور کچا سا تھا حتی کہ اس زمانے میں اس سٹیشن پر بجلی بھی نہیں تھی۔ اس سٹیشن پر چھوٹی لائن پر چلنے والی گاڑی آتی تھی اور صرف ایک دو منٹ کیلئے رک کر چل پڑتی۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ میں حضرت تھانویؒ سے ملنے کیلئے رات کے وقت سہارنپور سے سوار ہوکر تھانہ بھون آیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اترا۔ اترتے ہی گاڑی چل پڑی۔ اندھیرے میں کچھ سائے نظر آئے جن سے محسوس ہورہا تھا کہ کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اترے ہیں۔ میرے پاس اپنی چادر کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا۔ گاڑی روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد آواز آئی، قلی، قلی، مجھے معلوم تھا کہ اس سٹیشن پر قلی نہیں ہوتا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں یہاں کے طور طریقے معلوم نہیں۔

میں نے جب ان کی طرف نظریں جمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ وہ پھر آوازیں دینے لگے قلی، قلی۔

میں نے سوچا کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ ان کے پاس سامان بھی ہے۔ عورتیں بھی ساتھ ہیں۔ میں ان کی کیسے مدد کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آواز آئی، قلی، قلی۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر اپنے سر پر اس طرح لپیٹی جس طرح قلی لپیٹتے ہیں، اور چہرے کو بھی چھپالیا تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں اور فوراً ان کے پاس جا کر کہا قلی آ گیا۔

وہ بڑے خوش ہوئے، اور سامان اٹھا کر میرے اوپر رکھنے لگے۔ میں نے ان کا ایک صندوق لیا، اور وہ بہت بھاری تھا، میں نے سوچا ایک ہلکا سا صندوق اور بھی سر پر رکھ لوں۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹا سا صندوق پکڑا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رہنے دو، اور ایک بھاری سا صندوق اٹھا کر میرے سر پر رکھنے لگے، میں نے کہا دیکھو میں ایک کمزور قلی ہوں۔ (والد صاحب کی صحت اس زمانہ میں کمزور تھی، ویسے بھی علمی مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے) میں جتنا سامان اٹھا سکوں گا، اتنا ہی اٹھاؤں گا۔ باقی تم اٹھاؤ۔

چنانچہ میں نے ایک صندوق سر پر رکھا، اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا صندوق رکھا اور کوئی چھوٹی سی چیز بغل میں لی۔ اور وہاں سے ہم چل پڑے۔ چلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں پیچھے رہا اور یہ آگے چلے تو میرا چہرہ پہچان لیں گے، اور پھر شرمندہ ہوں گے کہ ہم نے کس کو قلی بنالیا۔ کیوں کہ یہ صاحب والد صاحب کو جانتے تھے اور حضرت والد صاحب سے عقیدت بھی رکھتے تھے۔

میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے میرے پاس ٹارچ ہے۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آگے آگے جاتا ہوں اور خوش ہوئے کہ یہ کتنا اچھا قلی ہے کہ اس کے پاس ٹارچ بھی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے۔ انہوں نے کہا تھانہ بھون۔ تھانہ بھون کا قصبہ ریلوے سٹیشن سے ایک کلومیٹر دور واقع تھا۔ راستہ بھی بالکل ناہموار، کہیں اونچائی، کہیں گہرائی، کھڈے وغیرہ بھی راستے میں پڑتے تھے، کوئی پختہ سڑک نہیں تھی۔

میں ان کا سامان لے کر چل پڑا اور ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ رکھ دو، وہاں پر سامان رکھا، انہوں نے کہا باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں اور تمہیں پیسے دیتے ہیں۔ میں باہر نکلا اور وہاں سے خانقاہ آ گیا۔ وہ تلاش کرتے رہے ہوں گے کہ وہ قلی کہاں گیا۔

چھٹا افضل عمل: اپنے شر سے دوسروں کو بچانا

اس حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے سب سے آخری سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ اگر میں سارے کام نہ کرسکوں یا ان میں سے بعض نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تكف شرك عن الناس یعنی ''اپنے شر کو دوسروں سے روک لو''۔ تم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، تمہاری وجہ سے کسی کا

دل نہ دکھے، تمہاری وجہ سے کسی کا نقصان اور ضرر نہ ہو۔

اس عمل پر کچھ خرچ نہیں ہوتا

یہ ایسا عمل ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نہ کرنے کیلئے نہ طاقت کی ضرورت ہے، نہ پیسوں کی، نہ وقت کی اور نہ محنت کی لیکن یہ عمل بہت بڑا ہے اور اس کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ فانها صدقة منك على نفسك کہ "یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے"۔ اگر دوسروں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، تو اس کا فائدہ تمہیں پہنچے گا۔

اِس عمل کے فائدے

دوسروں کو تکلیف نہ دینے سے کون کون سے فوائد حاصل ہوں گے؟ یہ فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً یہ کہ بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بچے رہوگے، آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

اور جب اپنے آپ کو اس گناہ سے روکنے کی کوشش کرو گے تو یہ خود ایک نیکی ہے۔ شریعت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ آدمی کے دل میں گناہ کا ارادہ پیدا ہو اور پھر اللہ کے خوف سے اُسے چھوڑ دے تو یہ خود ایک نیک عمل ہے۔ مثلاً یہ خیال آیا کہ نامحرم کو دیکھوں لیکن اللہ کے خوف سے نظریں نیچی کرلیں تو صرف یہ نہیں کہ گناہ نہیں ہوا بلکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اس گناہ کا چھوڑنا خود ایک نیکی ہے جو نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔

اسی طرح آپ کے دل نے چاہا کہ آپ کسی کو گالی دیں لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ نے اپنی زبان کو روک لیا تو یہاں دو فائدے حاصل ہوئے، ایک

تو یہ کہ بڑے کبیرہ گناہ سے بچ گئے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارے نامہ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ ہوگیا۔

اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ یہ حکم اتنا عجیب وغریب ہے کہ اس پر جتنا بھی اللہ کا شکر کریں، کم ہے اس لئے کہ اس میں محنت کچھ نہیں کرنی پڑتی، دولت کچھ نہیں لگانی پڑتی اور بھی کچھ نہیں کرنا پڑتا لیکن فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

دنیا جنت بن جائے گی

اگر سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرلیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت بن جائے گی۔ ہر شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ میرے کسی فعل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ ہمارے معاشرے میں ہونے والے کتنے جھگڑے، فساد، مصیبتیں، اذیتیں اور پریشانیاں صرف اسی وجہ سے کھڑی ہوتی ہیں کہ ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچی، جھگڑا کھڑا ہوا، دشمنی پیدا ہوگئی، مقدمہ بازی کا سلسلہ چل پڑا یہاں تک کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ گئی۔

لیکن اگر شروع سے ہر شخص ہی اس بات کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو یہ دنیا جنت بن جائے۔ جنت کے بارے میں یہ شعر مشہور ہے کہ:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ نباشد
کسے رابا کسے کارے نہ نباشد

ترجمہ: ’’جنت وہ جگہ ہے جہاں کسی کو کسی سے تکلیف نہیں پہنچے گی اور کسی کو کسی کے شر سے کوئی سروکار نہ ہوگا‘‘۔

ہمارے آرام میں ایک بڑی رکاوٹ

یہ ایسا عظیم الشان عمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کرنے لگیں تو ہر ایک کو اس کی وجہ سے ایسی راحت اور آرام ملے کہ اس سے پہلے ایسی راحت وآرام کا تصور نہیں کیا ہوگا۔ آج کل ہمارے راحت وآرام کے اندر ایک بہت بڑی رکاوٹ اس حدیث پر عمل نہ کرنا ہے، اور درحقیقت پورے اسلامی معاشرے کا روح رواں اس حدیث کا یہ جملہ ہے کہ ’’اپنے شر کو لوگوں سے روکو‘‘۔

دین کے بڑے بڑے شعبے

دین کے بڑے بڑے شعبے کل پانچ ہیں:

نمبر۱: عقائد، یعنی ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، کتابوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اچھی بری تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان وغیرہ وغیرہ

نمبر۲: عبادات، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، صدقۃ الفطر وغیرہ وغیرہ

نمبر۳: معاملات جیسے تجارت ومعیشت، لین دین، مالی معاملات، حکومتی نظام کا چلانا، عدالتی معاملات وغیرہ وغیرہ۔

نمبر۴ معاشرت: معاشرت عشرت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے زندگی۔ اور معاشرت کا معنی ہے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنا، مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، اور غور کیجئے کہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ہی زندگی گذارتا

ہے۔ بچپن میں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ، بڑا ہو جائے تو پھر بیوی کے ساتھ، کچھ عرصہ بعد بیوی، بچوں کے ساتھ اور مزید کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پوتے، پوتیوں کے ساتھ۔

جب سکول جاتا ہے تو وہاں اپنے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ، ملازمت کرتا ہے تو افسروں اور ماتحتوں کے ساتھ، بازار جاتا ہے تو گاہکوں اور دکانداروں کے ساتھ، بس اور ریل میں سفر کرتا ہے تو مسافروں کے ساتھ غرضیکہ ہر انسان کی زندگی دوسرے کے ساتھ مل جل کر گذرتی ہے۔ اب ہم یہاں مل جل کر بیٹھے ہوئے وقت گذار رہے ہیں۔

معاشرت کے متعلق تعلیمات

اسلام نے معاشرت کے متعلق تفصیلی تعلیمات دی ہیں مثلاً یہ بتلایا کہ بڑوں سے کس طرح بات کرو، چھوٹوں سے کس طرح کرو، دوسرے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر خدانخواستہ کسی سے لڑائی ہو جائے تو کس حد تک غصے کا اظہار کرنے کی اجازت ہے۔ کسی سے اختلاف ہو جائے تو اس کا اظہار کیسے کیا جائے گھر میں زندگی کس طرح گذاری جائے، اسی طرح ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے کا کیا خیال رکھنا چاہیے، بس اور ریل میں ہیں تو اپنے ہم سفر لوگوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں۔ مسجد میں دوسرے نمازیوں کے ساتھ ہمیں کس طرح رہنا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں معاشرت سے متعلق ہیں۔

نمبر ۵ باطنی اخلاق:

باطنی اخلاق سے مراد یہ ہے کہ دل باطنی بیماریوں سے پاک ہو، مثلاً دل

میں تکبر نہ ہو تواضع اور انکساری ہو، بخل نہ ہو سخاوت ہو، بزدلی نہ ہو شجاعت ہو، حسد نہ ہو ایثار ہو، اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔

آدابِ معاشرت کے متعلق بنیادی اصول: دوسروں کو تکلیف سے بچانا

مذکورہ پانچ شعبوں میں سے چوتھے شعبہ یعنی معاشرت سے متعلق اس حدیث میں ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یوں تو معاشرت کے بے شمار مسائل اور ہیں لیکن ان مسائل اور آداب کی بنیاد ایک بنیادی اصول اور قاعدہ کلیہ ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے تحت ہی سارے مسائل آجاتے ہیں۔ اگر اس قاعدہ کلیہ پر عمل کیا جائے تو معاشرت کے تمام احکام پر عمل ہو جائے گا اور وہ قاعدہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ

﴿تکف شرك عن الناس﴾

یعنی ''اپنے شر کو دوسرے لوگوں سے روکو''

تقریباً یہی مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث صحیح میں بیان فرمایا۔ وہ حدیث یہ ہے۔

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے''۔

تکلیف سے مراد ناحق تکلیف ہے

گویا معاشرت کے تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل

سے دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے یعنی کسی کو ناحق تکلیف نہ پہنچے۔ بعض مرتبہ حق کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس میں داخل نہیں مثلاً قاضی سزائیں جاری کرتا ہے، عدالتوں میں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور قصاص کے فیصلے بھی ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ٹریفک کے قوانین اسی اصول کے تحت بنائے گئے ہیں

معاشرت کے متعلق ایسے بنیادی اصول کا خیال نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، اور ہر روز اس کا مشاہدہ بھی ہوتا رہتا ہے مثلاً ٹریفک کے تمام قوانین اسی اصول کے تحت بنائے ہیں، بعض جگہ لکھا ہوتا ہے۔ نو پارکنگ (No Parking) یہاں گاڑی کھڑی کرنا منع ہے۔ اکثر چوراہوں پر سرخ اور سبز سگنل لگے ہوتے ہیں سرخ سگنل جل رہا ہوتو گاڑی کھڑی کرنا ضروری ہے، اگر سبز سگنل جل رہا ہوتو گاڑی چلانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ٹریفک کے قوانین میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف سڑکوں پر گاڑی چلانے کی رفتار کی ایک حد مقرر کر دی جاتی ہے جو سڑک اچھی حالت میں ہوتی ہے وہاں تیز گاڑی چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے یا سڑک خراب ہوتی ہے، وہاں گاڑی آہستہ چلانے کی ہدایات درج ہوتی ہیں۔ پلوں پر عام طور پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں اوورٹیک (Over Take) کرنا منع ہے۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً لازم ہے

یہ سارے قوانین اس لئے بنائے گئے ہیں تا کہ لوگوں کو جانی مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اب اگر ان قوانین کی پابندی نہ کی جائے تو اس سے دوسروں کو

تکلیف پہنچتی ہے۔ لہٰذا ان قوانین کی پابندی کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہے۔

جانور قانون کا پابند نہیں ہوتا

ہمارے معاشرے میں کچھ ایسا رواج ہوگیا ہے کہ قانون توڑنے کو بڑے فخر اور مہارت کی بات سمجھا جاتا ہے کہ میاں فلاں تو کسی قانون کا پابند نہیں، حالانکہ جو قانون کی پابندی نہ کرے وہ تو جانور ہوتا ہے، آدمی کی زندگی تو قانون کی پابند ہوتی ہے۔ جو جتنا زیادہ آزاد ہوگا، اس میں جانور پنا اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ہمارے ہاں کسی اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آداب معاشرت کی رعایت نہ کرنے سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کی چند مثالیں: مسجد سے متعلق چند مثالیں

عام طور پر مسجدوں میں وضو کرنے کیلئے چوکیاں بنی ہوتی ہیں۔ ایک صاحب آئے، وضو کیا اور گیلا پاؤں اس چوکی پر رکھ دیا۔ اس حدیث سے اور دوسری حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" سے معلوم ہوا کہ اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے کہ یہ بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس کا خشک رہنا ضروری تھا۔ جب آپ نے اُسے بھگو دیا تو اب وہاں کوئی شخص کیسے بیٹھ سکے گا، اگر بیٹھے گا تو اس کے کپڑے گیلے ہوجائیں گے، سردی کا موسم ہے تو اور زیادہ تکلیف پہنچے گی۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عام جگہ جہاں پر بیٹھنے کا سب کو برابر کا حق حاصل ہے، وہاں اگر کوئی شخص پہلے پہنچ جائے تو دوسرے آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اُسے اس جگہ سے اٹھائے۔ مثلاً مسجد میں سب کا برابر حق ہے۔ جو شخص جہاں بیٹھ گیا، وہ اسی کی جگہ ہوگئی،

اب ایک دوسرا شخص وہاں پہنچ گیا اور اُسے وہاں سے ہٹا کر خود اس جگہ پر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس کا یہ عمل شرعاً درست نہیں۔ اس طرح کرنے سے عام طور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

گھریلو آدابِ معاشرت کی رعایت نہ رکھنے کی مثالیں

عام طور پر گھروں میں پانی پینے کے مٹکے یا کولر وغیرہ کی جگہ مقرر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ گلاس یا پیالہ وغیرہ رکھا رہتا ہے۔ اب مثلاً گھر کے ایک فرد نے وہاں سے پانی پیا، اور اُس گلاس کو مقررہ جگہ پر رکھنے کی بجائے کسی دوسری جگہ رکھ دیا۔ اب جب دوسرا فرد پانی پینے آئے گا اور اُسے مقررہ جگہ پر گلاس نہیں ملے گا تو اُسے تکلیف ہوگی، اور اگر اُسے رات کے وقت پیاس لگی اور وہ رات تین بجے سخت اندھیرے میں اٹھ کر پانی کی جگہ پر آیا تو ایسی صورت میں اس جگہ پر گلاس نہ ملنے کی صورت میں بہت زیادہ تکلیف ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو اس کے منہ سے کوئی نامناسب کلمہ نکل جائے گا اور پھر اس پر جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

اسی طرح تولیہ کا معاملہ ہے۔ عام طور پر تولیہ لٹکانے کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے۔ گھر کے ایک فرد نے وضو کیا تو لیہ استعمال کیا اور اُسے اس کی مقررہ جگہ پر ڈالنے کے بجائے کہیں اور ڈال دیا، بعد میں کسی دوسرے نے وضو کیا، تولیہ تلاش کیا تو وہ اپنی جگہ پر نہیں۔ اب وہ گیلے ہاتھوں کے ساتھ مختلف جگہوں پر تولیہ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ تو یہ بھی اسے ایذاء پہنچانا ہے۔

رات کے وقت عام طور پر لوگ دروازوں کو بند کر کے اور کنڈی لگا کر سوتے ہیں۔ اب مثلاً ایک گھر میں سب لوگ اسی طرح دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب تہجد کیلئے اٹھے اور دھرام سے دروازہ کھولا جس سے دوسرے کی نیند خراب

ہوگئی۔ اب اس نے اٹھ کر تہجد تو پڑھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زبردست کبیرہ گناہ بھی کر ڈالا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کیلئے اٹھنے کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت تہجد کیلئے اٹھ کر کمرے سے باہر تشریف لاتے تو گھر والوں کے آرام کا پورا پورا خیال فرماتے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ کا واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے (یہ بعد میں پتہ چلا کہ اس لئے اٹھے تھے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے حکم آیا تھا کہ جنت البقیع میں جا کر شہداء کیلئے دعائے مغفرت کیجئے) اٹھنے کا انداز یہ تھا کہ بالکل آہستہ آہستہ اٹھے تاکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے، آہستہ سے جوتے پہنے، آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ سے اُسے بند کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جاگ رہی تھی اور یہ سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

غور کیجئے کہ یہ سب کام آہستہ آہستہ کیوں ہوا تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حالانکہ آپ اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کرنے کیلئے اٹھ رہے تھے۔ آج کل عام طور پر تہجد گذار لوگوں کا ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ اگر آپ تہجد گذار ہیں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر اس طرح تہجد پڑھیں کہ دروازوں کو اس طرح زور زور سے کھولیں کہ اس سے آوازیں پیدا ہوں اور دوسروں کی نیندیں خراب ہوں تو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے، اس سے بہتر یہی تھا کہ آپ تہجد کیلئے بیدار ہی نہ ہوتے بلکہ اپنی جگہ پڑے سوتے رہتے۔ کم از کم گناہ سے تو بچے رہتے، اب اٹھنے کی صورت میں کتنا بڑا گناہ کر ڈالا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا دی۔

گھروں میں لڑائیاں کیوں ہوتی ہیں

گھروں میں جب اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا تو پھر جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو کے جھگڑے، بہو اور نند کے جھگڑے وغیرہ۔ جتنے جھگڑے گھروں میں ہوتے ہیں، زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ اس بات کی رعایت نہیں رکھی جاتی کہ ایک کے فعل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

سفر میں بھی ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے

سفر کے دوران بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کی وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ آج کل عام طور پر اس سے غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً آپ ٹرین کے ذریعہ لاہور جارہے ہیں۔ آپ نے بھی ٹکٹ لیا اور آپ کے پاس بیٹھنے والے شخص نے بھی ٹکٹ لیا۔ آپ کو اپنی ٹکٹ کی وجہ سے صرف ایک آدمی کی جگہ کے برابر جگہ قبھانے کی اجازت ہے۔ اب اگر آپ چادر وغیرہ بچھا کر دو تین آدمیوں کی جگہ پر قبضہ کرلیں گے تو اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی۔ اور یہ تکلیف بھی ناحق ہوگی، دوسرے کو غصہ آئے گا اور پھر لڑائی ہوجائے گی۔

ہمیشہ کا لفظ بڑا خطرناک ہے

ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی کہ ''ہمیشہ'' کا لفظ بڑا خطرناک لفظ ہے، اور گھر کی گفتگو میں عام طور پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ایک روز سالن میں غلطی سے نمک زیادہ ہوگیا، تو شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ تم تو ہمیشہ ہی نمک زیادہ

کردیتی ہو۔ حالانکہ وہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتی، یہ سن کر اس کا دل جلا اور اس نے کہا کہ تم تو ہمیشہ ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو حالانکہ شوہر بھی ہمیشہ ایسی باتیں نہیں کرتا، تو یہ سن کر اس کا دل ٹوٹا اور پھر لڑائی جھگڑا ہوگیا۔ الفاظ کی رعایت نہ رکھنا بہت بڑے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتا ہے۔

زبان بڑی خوفناک چیز ہے

زبان بڑی خوفناک چیز ہے۔ زبان سے جس قدر تکلیفیں دوسروں کو پہنچتی ہیں، ہاتھ سے اس قدر نہیں پہنچتیں اور نہ ہی پہنچائی جاسکتی ہیں۔ ہاتھ سے تو صرف وہاں تک تکلیف پہنچا سکتے ہیں جہاں تک ہاتھ پہنچے گا اور اگر ہاتھ میں لاٹھی ہے تو جہاں تک لاٹھی پہنچے گی اور اگر ہاتھ میں بندوق ہے تو جہاں تک بندوق کی گولی پہنچے گی وہاں تک تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے، لیکن زبان کی رینج تو امریکہ تک پہنچ جاتی ہے، امریکہ میں بیٹھے ہوئے شخص کو یہاں بیٹھ کر گالی دی جاسکتی ہے۔

پھر یہ کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کیلئے طاقت کی بھی ضرورت ہے اگر آپ اپنے سے زیادہ طاقتور آدمی کو ہاتھ سے تکلیف پہنچانا چاہیں گے تو اولاً تو ہمت ہی نہیں ہوگی اور اگر پہنچائیں گے تو بہت مہنگی پڑجائے گی، لیکن زبان کے ذریعے کمزور سے کمزور آدمی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا دیتا ہے۔

حدیث میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ

زبان سے جرائم بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جھگڑے اور جرائم زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں، ہاتھ کی وجہ سے کم ہوتے ہیں، گالی دینا، غیبت کرنا، تہمت لگانا وغیرہ یہ سب گناہ زبان سے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی حدیث "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا۔

کم گوئی بڑا اہم اصول ہے

اگر آدمی زبان پر قابو پالے تو معاشرت کے آدھے مسائل حل ہوجاتے ہیں اور بے شمار گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی لئے بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ کم بولنے کی عادت ڈالی جائے۔ ''قلۃ الکلام'' (یعنی کم گوئی) بڑا اہم اصول ہے۔ اور کم گوئی کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت نہ بولا جائے، ہاں جب ضرورت پیش آئے تو پھر بولو۔

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے مجاہدے

اس اصول پر عمل پیرا کرنے کیلئے بڑے بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کرائی جاتی ہیں کیونکہ جس شخص کو زیادہ بولنے کی عادت ہوتی ہے، اس سے یہ عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کو بیماری ہوتی ہے کہ ہر وقت بولتے رہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بُری بیماری ہے۔ آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے، اتنے ہی اس سے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جتنا کم بولتا ہے، اتنے ہی کم گناہ ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ اس بیماری کا علاج ڈانٹ ڈپٹ سے ہوجاتا ہے کہ دو تین مرتبہ سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ عادت چھوٹ جاتی ہے، لیکن بعض دفعہ ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام نہیں چلتا اور یہ عادت باقی رہتی ہے تو ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے ایسا بھی کیا ہے کہ ایسے شخص کو منہ کے اندر لوہے کے گولے بنا کر رکھنے کا حکم دیا تاکہ جب بھی بولنے کی ضرورت پڑے تو پہلے خوب سوچے

کہ بولنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیونکہ بولنے سے پہلے گولے نکالنے پڑیں گے، بقدر ضرورت بات کر کے پھر گولوں کو دھو کر منہ میں رکھنا ہوگا، اب پھر بات کرنے کو جی چاہے گا تو سوچے گا کہ بولوں یا نہ بولوں کیونکہ یہ ساری مشقت سامنے ہوگی۔ اس طرح کم بولنے کی عادت پڑ جائے گی۔

ادب کی جامع تعریف

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں پوچھا کہ بتاؤ ادب کسے کہتے ہیں؟ حاضرین خاموش رہے، آپ نے بار بار پوچھا، پھر خود ہی فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کا نام ادب ہے، کسی نے کہا کہ ہاں! تو آپ نے فرمایا، نہیں، یہ ادب نہیں، پھر فرمایا کہ کیا بڑوں کے سامنے آہستہ بولنے کا نام ادب ہے، کسی نے ہاں! کہا تو فرمایا، یہ بھی ادب نہیں، کسی نے کہا کہ بڑوں کا ادب یہ ہے کہ جب وہ چلیں تو ان کے پیچھے پیچھے چلے، فرمایا یہ بھی نہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی ادب کی تعریف نہیں۔ پھر خود ہی فرمایا کہ "دوسروں کا ادب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عمل کرو، جس سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف یا ناگواری نہ ہو، اور اگر تکلیف پہنچا دی تو یہ بے ادبی ہے۔" چنانچہ جب یہ بات ہے تو کبھی گردن جھکا کر بیٹھنا ادب ہوگا اور کبھی گردن اٹھا کر بیٹھنا ادب ہوگا، اور کبھی آہستہ بولنا ادب ہوگا اور کبھی ذرا بلند آواز میں بولنا ادب ہوگا چنانچہ اگر آپ کا استاد یا شیخ آپ سے بات کر رہا ہے، آپ کو کچھ سمجھانا چاہتا ہے یا کوئی مشورہ لینا چاہتا ہے اور آپ گردن جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ آپ سے باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی طرف دیکھ ہی نہیں رہے تو یہ ادب نہیں بلکہ بے ادبی ہے کیونکہ اس سے اس کو الجھن ہوگی کہ نجانے آپ اس کی باتیں سن رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔ وہ سوچے گا کہ نجانے میں کسی بُت سے بات کر رہا ہوں یا

انسان سے۔ اُسے شدید پریشانی ہوگی۔ اس صورت میں ادب یہ ہے کہ گردن اٹھا کر بیٹھا جائے اور اس کی طرف دیکھا جائے۔

اسی طرح ایسی صورت میں اگر آپ اتنا آہستہ بولیں کہ اس کو آواز ہی سنائی نہ دے تو یہ بے ادبی ہوگی یا اگر آپ قریب بیٹھے ہیں لیکن اتنا زور سے بولیں کہ استاذ یا شیخ بھی ڈر جائے تو یہ بھی بے ادبی ہوگی۔

اسی طرح کبھی پیچھے چلنا ادب ہوگا اور کبھی آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اندھیری رات ہے، راستہ خطرناک ہے، پتھر بھی ہیں، جھاڑیاں اور کانٹے وغیرہ بھی ہیں اور آپ اپنے استاد یا شیخ کے ساتھ جارہے ہیں تو وہاں پیچھے چلنا بے ادبی ہوگی، وہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ آگے چلیں اور بڑے کو پیچھے کریں۔

ادب کا مقصود

ادب کا مقصود یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف سے بچائیں، اس کیلئے کبھی آپ کو گردن جھکانا پڑے گی، کہیں گردن اٹھانا ہوگی، کہیں آہستہ بولنا ہوگا، کہیں بلند آواز سے بات کرنا ہوگا، کہیں پیچھے چلنا پڑے گا، کہیں آگے چلنا ہوگا اور کہیں دائیں بائیں چلنا پڑے گا وغیرہ۔

مصافحہ کرنے کا رواج

آج کل مصافحوں کا بہت زور ہے، سلام کریں یا نہ کریں مصافحہ ضرور کیا جاتا ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بزرگوں سے مصافحہ کرنے کو بڑے ادب کی بات سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے نجانے کیا کیا گناہ کئے جاتے ہیں، اس کو کہنی ماری، اُس کو کہنی ماری، اِدھر دھکا دیا، اس کی گردن پھلانگی اور مصافحہ کیلئے پہنچ گئے، یہ سب ناجائز ہے، بے

شک بزرگوں سے مصافحہ کرنا برکت کی چیز ہے اور مستحب بھی ہے لیکن اس کے بھی آداب ہیں، ان کا خیال از حد ضروری ہے۔ آج کل ان آداب کا عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا۔

بڑے بھائی کا ایک دلچسپ واقعہ

میرے بڑے بھائی صاحب جن کا اب انتقال ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ اپنا واقعہ سنانے لگے۔ فرمایا کہ بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑا تھا، ہجوم بہت زیادہ تھا، کافی دیر کے بعد مطلوبہ بس آ گئی، تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے تو پیچھے سے کسی نے نام لیکر آواز دی، پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا السلام علیکم (صرف سلام اور مصافحہ کرنا مقصود تھا) ان سے سلام کرنے کی دیر میں بس نکل گئی۔ بتایئے ایسے شخص کے سلام کا جواب دیا جائے یا اُسے تھپڑ مارا جائے۔

بعض جگہ سلام کرنا مکروہ ہے

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بہت سے مواقع ایسے ہیں، جہاں سلام کرنا مکروہ ہے مثلاً کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے تو اُسے سلام نہ کیا جائے، کوئی چیز پی رہا ہے تو سلام مت کرو، کسی کا وعظ اور تقریر سن رہا ہے تو سلام نہ کرو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو سب سے پہلے سلام کرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مصافحہ کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے کہ اس سے گویا اتنی دیر تک مجلس کو بے کار اور معطل کر دیا۔

مصافحہ کے آداب

اسی طرح مصافحہ کے بھی آداب ہیں۔ اگر ایک شخص مصروف ہے اور اس کے

دونوں ہاتھ مصروف ہیں تو اس سے مصافحہ نہ کیا جائے، اگر تم مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دو گے تو وہ بے چارہ کس طرح جواب دے گا، اسی طرح اگر کوئی نماز کیلئے جارہا ہے اور جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو اس سے بھی مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جماعت کھڑی ہوگئی، میں مسجد کی طرف جارہا ہوں، کسی نے دیکھا تو بجائے مسجد جانے کے میری طرف آگیا اور سلام کرکے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے موقعوں پر میں مصافحہ نہیں کرتا تاکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ وقت مصافحہ کرنے کا نہیں۔ اسی طرح اور کوئی شخص کسی اور جلدی میں جارہا ہے تو اسے سلام تو کرلیا جائے لیکن مصافحہ نہ کیا جائے کیونکہ سلام کرنے میں اس کا کوئی مستقل وقت خرچ نہیں ہوتا لیکن مصافحہ کرنے میں اُسے تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

انتظار کرنے کے آداب

آج کل انتظار کرنے والے لوگ بھی بہت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انتظار کرنے کے آداب میں یہ بات بھی ہے کہ جس شخص کا آپ انتظار کررہے ہیں اگر وہ نماز میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہے تو ایسی جگہ کھڑے ہوکر انتظار کریں کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ آپ اس کا انتظار کررہے ہیں۔ اگر اُسے پتہ چل گیا کہ آپ انتظار میں ہیں تو فوراً تشویش ہوجائے گی مثلاً اگر وہ نماز پڑھ رہا ہے تو نماز میں دل نہیں لگے گا اور بار بار خیال آئے گا کہ نجانے کیا خبر لے کر آیا ہے، کوئی خطرناک خبر لے کر آیا ہے یا خیر خیریت کی خبر لے کر آیا ہے، نماز میں خلل آئے گا اور پریشانی ہوگی۔

آج کل اس کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہمارے ساتھ یہ قصے بارہا پیش آتے رہتے ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں ایک ادھر سے آکر

بیٹھ گیااور دوسرا دوسری طرف سے آ کر بیٹھ گیا اور اپنے اعتبار سے وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم بڑا نیک کام کررہے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ کریں گے، لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اس کیلئے انہوں نے جو طریقہ اپنایا وہ بالکل غلط ہے۔

میرے ساتھ پیش آنے والا ایک قصہ

میرے ساتھ ایک مرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ میرے ذمہ سجدۂ سہو تھا۔ میں نے آخری رکعت میں تشہد کے بعد سلام پھیرا تو ایک صاحب نے وہیں سے ہاتھ پکڑ کر سلام کر ڈالا، بے خیالی میں مَیں نے بھی وعلیکم السلام کہہ دیا۔ اب نماز بھی گئی، دوبارہ چار رکعت پڑھنی پڑی۔ اس کا تو مصافحہ ہوا، میری چار رکعت فرض نماز چلی گئی۔

لائن کی پابندی ضروری ہے

مختلف جگہوں پر مطلوبہ کام کیلئے لائن لگانی پڑتی ہے مثلاً ٹکٹ لینا ہے اور رش زیادہ ہے تو لائن لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں دارالعلوم میں کھانا لینے کیلئے لائن لگائی جاتی ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آپ سے آگے کھڑا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ پر جانا یا اس سے آگے بڑھنا حرام ہے، لائن کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بعض لوگ اس میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم لائن کے پابند نہیں، ہمیں کون روک سکتا ہے۔ جانور کو تو کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اگر وہ انسان ہے تو انسان ہونے کے ناطے تو اُسے رکنا چاہیے اسلامی احکام کا تقاضا بھی ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت

یورپ کے معاشرہ میں اگرچہ بہت ساری خرابیاں ہیں، لیکن معاشرہ کے آداب کے سلسلے میں ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی پانچ، سات آدمی کسی کام کیلئے جمع ہوجائیں تو اپنی لائن خود لگالیتے ہیں، کسی کو کہنا نہیں پڑتا کہ لائن بنالو، خود بخود لائن بناتے ہیں اور لائن لگا کر پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ جبکہ ہمارے ہاں اولاً تو لائن لگانے کا رواج نہیں اور اگر کہیں لگتی ہے تو عام طور پر دھکم دھکا ہوتی ہے اور ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے حالانکہ شریعت اسلامی کا تقاضا وہ ہے جو اس معاملے میں یورپ کے لوگ کرتے ہیں کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" یہ اصول اسلام کا تھا لیکن اہل اسلام نے اسے چھوڑ دیا اور یورپ والوں نے اختیار کرلیا۔

اِن باتوں پرعمل کیسے ہو

مختلف مثالوں کے ذریعے سے میں نے جو بات آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اسے عمل میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو کچھ عرصہ بعد بھول جائے گی اور عمل کرنے کی عادت ایسے ماحول میں رہنے سے پڑتی ہے جہاں ان چیزوں کی پابندی کی جائے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا جائے کیونکہ ان پرعمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں رہنے سے اس کی عادت پڑتی ہے، اور اس کی عادت بنانے سے زندگی خوشگوار بن جاتی ہے جبکہ اس کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اے انسان! تم تو انسان تھے، تمہیں تو جانوروں سے بلند و بالا ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر تم نے انسانیت سے گر کر جانور ہی بننا تھا تو پھر گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی طرح بن جاتے کہ تم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا، تکلیفیں نہ پہنچتیں، اور اگر یہ نہیں بن سکتے تو پھر ایسے جانور بن جاؤ جن سے نہ انسان کو راحت پہنچتی ہے اور نہ نقصان ہوتا ہے جیسے دور جنگلوں میں رہنے والے جانور کہ انسانوں سے دور ہونے کی وجہ سے انسان کو نقصان نہیں پہنچاتے لیکن اس سے کم درجے والے جانور یعنی ڈنگ مارنے والے جانور جیسے سانپ اور بچھو تو نہ بنو۔

خوشگوار زندگی گذارنے کا بہترین نسخہ

یہ تو امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے اس آخری جملے کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم بیان کردہ افضل اعمال میں سے بعض عمل کرنے سے عاجز ہو یا تمام پر عمل کرنا دشوار ہے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ لوگوں کو اپنی تکلیفوں سے بچاؤ، یہ خوشگوار زندگی گذارنے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تین آسان نیکیاں

موضوع: تین آسان نیکیاں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تین آسان نیکیاں﴾

۱۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔
۲۔ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا۔
۳۔ دوسروں کے لئے مسکرانا۔

خطبہ مسنونہ:

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہٖ الکریم، امابعد!

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "عرضت علی أعمال أمتی حسنھا و سیئھا، فوجدت فی محاسنِ اعمالھا الأذی یماط عن الطریق و وجدت فی مساوی أعمالھا النخاعۃ تکون فی المسجد لاتدفن۔

و قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجہٍ طلیق۔

(رواہ مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۷۰)

تمہید:

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں دین کی باتیں سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اِس وقت یہاں جمع نہ ہوتے تو یہی وقت کسی اور بے کار کام یا باتوں وغیرہ میں خرچ ہو کر ضائع ہو جاتا۔

وقت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آخرت میں ہوگا جہاں ہماری زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک حرکت وسکون کا حساب ہونے والا ہے۔ اس وقت بہت سے لوگوں کو یہ حسرت ہوگی کہ ہم نے فلاں وقت جو بے کار گذارا تھا کاش وہ وقت بھی ہم آخرت کی تیاری میں خرچ کر دیتے۔ دنیاوی زندگی میں اس کی صحیح قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔

دین کی باتیں سننے کی فضیلت:

دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہونا کوئی معمولی عمل نہیں۔ آپ سب حضرات کے لئے اور خصوصاً ان حضرات کے لئے جو دور دور سے اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے آتے ہیں، ان سب کے لئے وہ بشارت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارک میں بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله لهٗ به طريقاً من طرقِ الجنة“ (سنن دارمی، کتاب العلم)

”جو شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''۔

آپ حضرات یہاں دین کی باتیں سننے اور دینی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، انشاء اللہ یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے۔

دین کی باتیں سننے کے لئے چل کر کہیں جانا، اس کے لئے کچھ وقت نکالنا مستقل عبادت ہے۔

نیکی کے راستے:

پچھلی مجالس میں اس پر بیان چل رہا تھا کہ نیک کاموں کے بہت سے طریقے ہیں[1]۔ آخرت کمانے اور اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے بہت سے طریقے ہیں۔ جنت کمانے اور جہنم سے بچنے کے راستے بہت زیادہ ہیں۔ بہت سارے چھوٹے اور بڑے اعمال ایسے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی ایک عمل نہیں کر سکتا تو دوسرا کر لے، دوسرا نہیں کر سکتا تو تیسرا کر لے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مشہور مقولہ:

بزرگوں کے ہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

﴿طرق الوصول الى الله بعدد أنفاس الخلائق﴾

''اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ہیں، جتنی تمام مخلوقات کے سانسوں کی تعداد''۔

---

[1] اس سے پہلے کئی مجلسوں میں اس موضوع پر بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں مزید دو احادیث کی تشریح اس بیان میں ہے۔

اس میں صرف انسانوں کے سانس کی بات نہیں کی گئی بلکہ تمام مخلوقات کے سانس کا ذکر کیا گیا۔

غور فرمائیے! صرف ایک انسان کے کتنے سانس ہوتے ہیں۔اور آدم علیہ السلام سے اب تک جتنے انسان پیدا ہو چکے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، ان سب انسانوں کے کتنے سانس ہیں۔ یہ تو صرف انسانوں کے سانس ہوئے۔ اب جانوروں کے سانسوں کا اندازہ لگائیے، ہر جانور عمر بھر میں کتنے سانس لیتا ہے اور دنیا میں کل کتنے جانور ہیں۔ اس کے علاوہ اور ذی روح مخلوقات کتنی ہیں اور ان کے کتنے سانس ہیں!

اِن سب مخلوقات کے عمر بھر کے جتنے سانس بنتے ہیں، اتنے ہی اللہ رب العزت تک پہنچنے کے راستے ہیں۔

دین بہت آسان ہے:

یہ اللہ رب العزت کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ایسا دین لے کر آئے ہیں کہ اس میں کمزور سے کمزور، مشغول سے مشغول آدمی بھی اللہ رب العزت تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص محنت والے اعمال نہیں کرسکتا تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے، جن میں محنت نہ ہو۔ وقت طلب اعمال کرنا مشکل ہو تو ایسے اعمال اختیار کرسکتا ہے جن کے لئے کوئی خاص وقت نہیں نکالنا پڑتا۔

اعمال کی قسمیں اور ان کا حکم:

اعمال دو طرح کے ہیں۔ ایک تو فرائض و واجبات ہیں جن کا بجا لانا

بہرحال ضروری ہے جیسے پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، مال کی زکوٰۃ، زندگی میں ایک مرتبہ کا حج، قربانی وغیرہ۔ یہ اعمال وہ ہیں جو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ فرض و واجب ہیں۔ جس جس کی شرطیں پائی جائیں گی، وہ فرض و واجب ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا یہ اعمال تو کرنے ہی ہیں، انہیں چھوڑا نہیں جاسکتا اور یہ تھوڑے سے ہیں۔

لیکن وہ اعمال جو متعین طور پر فرض و واجب نہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے اندر یہ تفصیل ہے کہ کسی ایک کام کا اختیار کرنا ضروری نہیں، اگر ایک کام نہیں کرسکتا تو دوسرا کرلے تب بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، دوسرا نہیں تو تیسرا کرلے تب بھی اللہ تک پہنچ جائے گا، غرضیکہ جو عمل بھی کرلے، اس کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے گا۔

اللہ تک پہنچنے کا مطلب اور ولی اللہ کی تعریف:

اللہ تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی اور دوست بن جائے گا۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو ہواؤں میں اڑتا ہو، اسے کشف ہوتا ہو، غیب کی باتیں بتاتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خیال درست نہیں۔ اللہ کا ولی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہو اور فرائض و واجبات کو ادا کرتا ہو، سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو، خواہ زندگی میں اسے ایک مرتبہ بھی کشف نہ ہوا ہو اور کبھی بھی ہوا میں نہ اڑا ہو۔ ہوا میں اڑنا یا کشف و کرامت کا پایا جانا نہ ولی ہونے کی لازمی شرط ہے اور نہ اس کی علامت ہے اور نہ اس سے آدمی کے درجات میں کوئی اضافہ ہوتا ہے البتہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء کو کشف و

کرامت سے بھی نواز دیتا ہے، لیکن یہ مقصود نہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کے احکام کا پابند ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذا اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے جو اعمال ہیں، جن میں بہت سے اس باب میں تفصیل سے آ رہے ہیں، ان میں سے سب یا کچھ اختیار کرلے تو وہ اللہ کا ولی ہے۔

ہماری مجلس میں یہی بیان چل رہا تھا کہ نیک کام کرنے کے طریقے بہت سے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں چند احادیث اور ان کی مختصر تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث کا ترجمہ:

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کئے گئے (یعنی یہ دکھایا گیا کہ آپ کی امت کے لوگ کیا کیا اعمال کر رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں، اچھے اعمال بھی دکھائے گئے اور برے اعمال بھی) آپ نے فرمایا کہ اپنی امت کے نیک اعمال میں سے ایک عمل میں نے یہ دیکھا کہ راستہ میں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا گیا۔ اور اپنی امت کی بداعمالیوں میں سے ایک بدعملی یہ پائی کہ کسی نے (منہ یا ناک سے) بلغم نکالا اور اسے مسجد میں ڈال دیا اور پھر اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا۔ (لفظی ترجمہ یہ

ہے کہ دفن نہیں کیا گیا)۔

تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانے کی صورتیں:

تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً رستے میں کوئی کانٹا پڑا ہے تو اسے ہٹادے، پتھر پڑا ہے تو اسے ہٹا دے، شاخ گری ہوئی ہے، کوئی چھلکا خصوصاً ایسا چھلکا جس سے پھسلن پیدا ہو جاتی ہے جیسے کیلے کا چھلکا، یا کوئی گندگی وغیرہ کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، غرضیکہ کوئی بھی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔

اور یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے کہ اپنی گاڑی ایسی جگہ کھڑی نہ کی جائے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔ بعض لوگ اپنی سائیکل، موٹر سائیکل، کار وغیرہ ایسی جگہ کھڑی کر دیتے ہیں، جس سے لوگوں کی آمدورفت میں خلل واقع ہوتا ہے مثلاً گیٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کرنا وغیرہ۔

ٹریفک قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے:

ٹریفک کے قوانین میں جہاں نو پارکنگ (Noparking) لکھا ہوتا ہے، وہ بھی ایسی جگہ ہوتی ہے کہ اگر وہاں گاڑی کھڑی کی جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح بسوں کے اسٹاپ مقرر ہوتے ہیں۔ لوگ وہاں بس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں بچے، بوڑھے، عورتیں اور کمزور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس جگہ اپنی کار کھڑی کر دے جہاں بس آکر رکتی ہے تو بس وہاں اپنے سٹاپ پر رکنے کے بجائے دوسری جگہ کھڑی ہوگی اور

مسافروں کو سوار ہونے کے لئے وہاں تک جانا پڑے گا، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کو وہاں تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔ اور یاد رکھئے کہ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کرنا صرف قانوناً ممنوع نہیں بلکہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

راستے میں کھڑے ہوکر باتیں کرنا تکلیف دینے کے مترادف ہے:

بہت سے لوگ راستے میں کھڑے ہوکر بات چیت کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے راستہ پر چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لوگ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا کسی کا انتظار کرتے ہیں حالانکہ مسجد کا دروازہ تنگ ہوتا ہے اور مسجد سے نکلنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے، وہاں کھڑے ہونے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو:

صرف اتنی بات کافی نہیں کہ دوسروں کے لئے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادیا جائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ خود بھی کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جس سے دوسروں کو تکلیف ہو، اس لئے کہ شرعاً کسی دوسرے کو ناحق تکلیف میں مبتلا کرنا ناجائز ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ﴾

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان

کو تکلیف نہ پہنچے"

(مشکوۃ، کتاب الایمان)

تکلیف دہ چیز ہٹانا آسان عمل ہے:

اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص یہ کام بآسانی کرسکتا ہے کہ چلتے پھرتے راستہ میں جب بھی کوئی تکلیف دہ چیز نظر آئے تو اُسے راستہ سے ہٹادے۔

اِس عمل کے فضائل:

یہ عمل اگرچہ دیکھنے میں بہت آسان ہے لیکن اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان بن سے ایک شعبہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا جائے۔ (مسلم، کتاب یمان) گویا اس عمل کو ایمان کا شعبہ قرار دیا گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کی مغفرت اِسی وجہ سے ہوگئی کہ اس درخت کی شاخ کو راستہ سے ہٹا دیا تھا[1]۔ وہ شاخ درخت پر لگی ہوئی تھی لیکن راستہ ، ہوئی تھی، لوگ چلتے تھے تو انہیں قدرے تکلیف ہوتی تھی، شاخ سے کوئی بڑی ۔ نہیں ہوتی، وہاں سے بچ کر بھی گذرا جا سکتا ہے، کترا کر گذرنا بھی چونکہ ، تکلیف پر مشتمل ہے اس لئے اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

سلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۷۳

چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے:

جو کڑا وقت میدان حساب میں آنے والا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ ہمارا کون سا عمل کام دے جائے گا اور کس عمل سے ہماری جان بخشی ہو جائے گی۔ اس لئے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعمال کرنے کا موقع ہو تو غنیمت سمجھ کر انہیں کر لیا جائے۔

لیکن بہت کم لوگ اس طرف دھیان دیتے ہیں۔ عام طور پر اسے دین کا کام ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو دنیا کا کام ہے حالانکہ یہ بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ ویسے بھی کسی عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں میاں! ہم تو بڑا کام کریں گے، چھوٹا کر کے کیا کریں گے۔ یہ بات غلط ہے، چھوٹا کام کرو، بڑا بھی کر لینا۔ بڑے کام کے انتظار میں چھوٹا کام چھوڑنا درست نہیں، معلوم نہیں کہ بڑے کام کی توفیق ملے گی نہیں؟ موقع مل سکے گا یا نہیں؟ اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے کہ نہیں؟ کرنے کی ہمت ہوگی یا نہیں؟ دھیان ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے گا یا نہیں؟ ان سب چیزوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ لہٰذا جو کام آج ہو رہا ہے یا ہو سکتا ہے اُسے کل پر نہ چھوڑا جائے۔

مسجد میں تھوکنا، ایک بُرا عمل:

اور اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بدعملی کا ذکر

یہ ہے کہ کسی نے ناک یا منہ سے بلغم نکال کر مسجد میں پھینکا اور پھر اس بلغم کو دفن بھی نہیں کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کا لفظ اس لئے استعمال فرمایا کہ اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔ اس زمانے میں اگر کوئی مسجد میں تھوک دیتا یا بلغم ڈال دیتا تو اُسے صاف کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اس زمین کو کھرچ کر اُسے وہیں دفن کر دیا جاتا اور اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اسے صاف کیا جائے۔ آج کل ہماری مسجدوں میں عام طور پر پکے فرش ہوتے ہیں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہوگا۔ ابتداءً کسی کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا جائے اور بعد میں گیلا کپڑا پھیر دیا جائے تو اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔

مسجد کی صفائی میں غفلت:

بعض اوقات مساجد کے صحنوں میں جانور بیٹ کر دیتے ہیں اور وہ بیٹ پڑے رہتے ہیں۔ اسے صاف کرنے کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ عام طور پر لوگ اِس انتظار میں رہتے ہیں کہ یہ کام مسجد کا خادم کرے گا۔

مسجد کی صفائی صرف خادمِ مسجد کے ذمہ نہیں:

یہ بات درست ہے کہ مسجد کی صفائی کرنا خادمِ مسجد کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اسے تنخواہ بھی اسی کام کی ملتی ہے یہ اس کا فرضِ منصبی ہے اور ایسا کرنا اس کے لئے فرض عین ہے، اس کے بغیر اس کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی لیکن یہ تنہا اس کا فرض نہیں بلکہ یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جو مسلمان بھی مسجد میں داخل ہوتا ہے، اگر مسجد میں کوئی گندگی کی چیز دیکھتا ہے تو اسے ہٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔

مسجد میں تھوکنے سے پرہیز ضروری ہے:

صرف یہی نہیں کہ مسجد میں بلغم وغیرہ پڑی ہوئی ہو تو اسے ہٹایا جائے بلکہ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ چیزیں مسجد میں گرنے نہ پائیں، چنانچہ اگر نماز پڑھتے پڑھتے کسی کی ناک سے ریزش یا بلغم آجاتی ہے تو اس کا طریقہ بھی بتایا گیا کہ اسے تھوکنے کے بجائے اپنے ہی کسی کپڑے مثلاً چادر، رومال یا قمیض کی الٹی طرف سے ناک پونچھ لے کیونکہ مسجد میں تھوکنا یا ریزش، بلغم وغیرہ پھینکنا بے ادبی کی بات ہے اور اگر کسی نے پھینک دی اور کسی دوسرے نے دیکھ لی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کو اس سے صاف کرے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ مسجد میں ایسی چیزیں ڈالنا جائز نہیں، دوسرا یہ کہ اگر کسی نے ڈال دی تو سب سے پہلا فریضہ ڈالنے والے کا ہے کہ وہ اسے صاف کرے لیکن اگر وہ صاف نہ کرے تو جو بھی دیکھ رہا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے۔

دین کی باتیں یاد رکھنے کا طریقہ:

اور بھائی! بات یہ ہے کہ ہم باتیں سن تو لیتے ہیں لیکن اپنے کاموں میں لگنے اور اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے بعد بہت ساری باتیں بھول جاتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر عمل شروع کر دیا جائے ابھی ہم نے دو باتیں سنی ہیں۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال میں سے ایک عمل یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا

جائے، دوسرا یہ کہ مسجد میں گندگی وغیرہ نظر آئے تو اسے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں باتوں پر آج سے عمل کرنے کا عزم کیا جائے۔

جائزہ لے کر عمل شروع کر دیں:

اور اِس بات کا جائزہ لیں کہ کون کونسی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے راستہ میں ہونے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان چیزوں کو راستہ سے ہٹانے کا عزم کریں اور اپنے عمل سے بھی دوسروں کو تکلیف سے بچائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ آج جب ہم یہاں سے اٹھنے کے بعد مسجد میں جائیں تو مسجد کے صحن کو دیکھتے ہوئے جائیں جہاں کوئی گندگی کی چیز نظر آئے، اسے صاف کر دیں۔

آج سے عمل شروع کر دیں گے تو یہ حدیث یاد رہے گی اور پھر انشاء اللہ زندگی بھر کے لئے آپ کی رفیق بن جائے گی۔ پھر آپ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ آپ کہیں جا رہے ہوں، وہاں تکلیف دہ چیز پڑی ہو اور آپ اسے نہ ہٹائیں۔ آپ کا دل ہی نہیں مانے گا۔ آپ کا ضمیر آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا اور اس طرح آپ کو ایک بہت اچھی عادت پڑ جائے گی۔

دوسری حدیث:

﴿عن ابی ذر غفاری رضی اللّٰہ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحتقرن من المعروف شیئًاولوأن تلقی أخاك بوجهٍ طلیق﴾۔

ترجمہ: ''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھنا خواہ یہ کام صرف اپنے بھائی کو مسکرا کر ملنا ہو''۔

بڑے کاموں کی توفیق کن لوگوں کو ہوتی ہے:

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی بھی نیک کام کو محض اس وجہ سے چھوڑنا درست نہیں کہ یہ تو چھوٹا سا کام ہے، ہم کوئی بڑا کام کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا جو لوگ چھوٹے چھوٹے نیکی کے کاموں کو حقیر سمجھ کر اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ بڑے بڑے کام کریں گے تو ایسے لوگوں کو بڑے کاموں کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بڑے اور عظیم کاموں کی توفیق بھی انہی لوگوں کو عطا فرماتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور انہیں حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ کیا معلوم کہ یہی کام آخرت میں جان بخشی کا ذریعہ بن جائے۔

مسکرانے کی عادت ڈالنی چاہئے:

ان چھوٹے کاموں میں سے ایک کام کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہے یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی ایک نیکی اور ثواب کا کام ہے، اس ثواب کے کام کو بھی حقیر سمجھ کر چھوڑنا درست نہیں۔ بلکہ اس کی عادت ڈالنی چاہئے۔

بعض لوگوں کے نہ مسکرانے کی وجوہات:

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کبھی مسکراتے ہی نہیں۔ ہر وقت ان کا

چہرہ مغموم رہتا ہے، ماتھے پر شکنیں پڑی رہتی ہیں۔ دوسرا آدمی دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے کہ نجانے یہ کب ناراض ہو جائے اور کب اسے غصہ آجائے۔

اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ عادت کسی بیماری کی وجہ سے پڑ جاتی ہے۔ ہر وقت بیماری کی تکلیف اور شدت کی وجہ سے غمگین رہتے ہیں، چہرے پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو زیادہ مصروفیات اور تفکرات کے کاموں میں گھرے رہنے کی وجہ سے یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ کاموں اور تفکرات کی وجہ سے پریشان سے رہتے ہیں، اس لئے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں آتی۔ بعض لوگوں میں زیادہ غموں اور صدموں کے آنے کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر غیر اختیاری طور پر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے کہ آدمی کی عادت مسکرانے کی نہ رہے تو یہ معاف ہے لیکن ہر شخص کو تو یہ مجبوریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام حالات میں اس کی عادت بنانا درست نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ جب بھی کسی سے ملتے تو مسکرا کر ملتے، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اور آپ نے مسکرا کر مجھ سے ملاقات نہ کی ہو۔ بس جب بھی آپ سے ملتا تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا[1]۔ لوگوں سے مسکرا کر ملنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی محبوب اور خاص سنت ہے۔ آپ جس سے بھی ملتے تھے تو آپ کے چہرے پر تبسم ہوتا تھا ہاں اگر کبھی کہیں گناہ ہوتا دیکھتے تو اس وقت آپ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہو جاتے لیکن عام عادت مسکرانے کی تھی، گھر میں داخل ہوتے تو

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحکِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

آپ کے چہرۂ انور پر تبسم ہوتا تھا، کوئی ملتا تو مسکراہٹ کے ساتھ اسے ملتے، مصافحہ کرتے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔

مسکرانے کے فوائد:

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پیاری اور بہترین سنت ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو اپنا لے تو اس کو اپنی زندگی میں اتنی آسانیاں میسر آئیں گی کہ ان کا تصور کرنا مشکل ہے اس کے ساتھ ساتھ اس عمل پر زبردست ثواب بھی ہے، اس لئے کہ جس شخص سے آپ مسکرا کر ملیں گے، اس کے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ اس طرح دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کا ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اگر آپ اس عادت کو جاری رکھیں گے تو دنیا میں اس کا فائدہ یہ بھی ظاہر ہوگا کہ سب لوگ آپ سے محبت کریں گے، ہر ایک آپ کی بات توجہ سے سنے گا اور آپ کی بات ماننے کی کوشش کرے گا اور آپ کے ساتھ تعاون کرے گا۔

آپ کسی سے کوئی بات بغیر مسکرائے کر کے دیکھیں اور پھر وہی بات مسکرا کر کریں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ جو بات آپ نے مسکرا کر کی اس کا اثر کچھ اور ہوگا اور جو بغیر مسکرائے کی، اس سے فرق پڑے گا۔

آپ اس کی عادت بنا کر تجربہ کیجئے، تاجر اپنے گاہک کے ساتھ مسکرا کر بات کرے، افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مسکرا کر بولے، ماتحت اپنے افسر کے ساتھ، استاد شاگرد کے ساتھ اور شاگرد استاد کے ساتھ مسکرا کر بات کر کے دیکھے وہ خود بخود اس کا فرق محسوس کریں گے۔

بتکلف مسکرانے کی کوشش کرے:

میں یہ چاہتا ہوں کہ آج سے آپ اسکی مشق شروع کر دیں۔ مشق کے بغیر اس کی عادت بننا مشکل ہے۔ صرف سننے اور علم میں لانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ اگر کسی غم، پریشانی یا تکلیف وغیرہ کی وجہ سے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تو بتکلف مسکرانے کی کوشش کریں، رفتہ رفتہ تکلف کے بغیر خود بخود مسکرانے کی عادت پڑ جائے گی اور پھر آپ جب بھی کسی سے بات کریں گے تو مسکرا کر کریں گے۔

سنت کی اہمیت:

دیکھئے کہ اگرچہ دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی سنت ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی سنت ہے، یہ دنیا و آخرت بنانے والی سنت ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ سنت ایسی چیز ہے کہ جو شخص اسے اپنا لے گا، وہ انسانوں کا محبوب بن جائے گا، دنیا اُسے عزت کی نظر سے دیکھے گی، اس سے محبت کرے گی اور اس کی پیروی کرے گی۔

ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل ہوتا ہے:

اس بات سے بہت ہی دل دکھتا ہے کہ ہمارے ہاں اس سنت پر عمل کرنے کا رواج بہت ہی کم ہے۔ بہت کم لوگوں کے چہروں پر ملاقات کے وقت مسکراہٹ نظر آتی ہے، دکان پر جائیں، دکاندار کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، گاہک کے چہرے پر مسکراہٹ کم نظر آئے گی، دو عام ملاقاتیوں کے چہروں پر مسکراہٹ بہت کم نظر آتی ہے۔ ہمارے ہاں اِس سنت پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔

اہل یورپ کی ایک اچھی عادت:

لیکن بہت ہی دکھے دل سے کہتا ہوں کہ بہت سے وہ اعمال جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے تھے اور ہم نے ان پر عمل کرنا تقریباً چھوڑ دیا لیکن یورپ کے لوگوں نے انہیں اختیار کرلیا۔ یہ اعمال وہ تھے جو دنیاوی ترقی کے لئے بے نظیر تھے چونکہ وہ لوگ صرف دنیا کے طالب ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کو لے لیا جن سے دنیاوی ترقیاں ملتی ہیں اور چونکہ انہیں آخرت سے کوئی سروکار نہیں اور آخرت پر ان کا عقیدہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے آخرت سے متعلق تعلیمات کو چھوڑ دیا۔ مسکرانے کا عمل ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ جس کی وجہ سے زبردست دنیاوی ترقیاں ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اِس عمل کو اپنا لیا اور اس پر عمل کرنا شروع کردیا۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ کے لوگوں کی عادت:

اب وہاں کی حالت یہ ہے کہ یورپ کے مختلف ممالک خصوصاً برطانیہ، سوئٹزر لینڈ اور بعض دیگر ممالک میں مسکرانے کی عادت عام ہے۔ برطانیہ میں آپ جس سے بھی ملاقات کریں گے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت وہ مسکرا کر بات کرے گا۔ آپ کسی سے راستہ پوچھیں، وہ مسکرا کر جواب دے گا حالانکہ وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔

وہاں سپاہی مسکرا کر چالان کرتا ہے:

حتی کہ وہاں پر پولیس والا سپاہی بھی مسکرا کر چالان کرتا ہے۔ ان کے

ہاں چالان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پولیس والا آتا ہے اور ہاتھ میں ایک ٹکٹ تھما دیتا ہے، اس ٹکٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ آپ فلاں تاریخ تک اتنی رقم عدالت میں جمع کرادیں، اگر جمع نہیں کرائیں گے تو آپ کی گاڑی ضبط ہو جائے گی۔ لیکن ٹکٹ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آئے گا، گڈ مارننگ (Good morning) کہے گا، مسکرا کر اسے ٹکٹ دے گا اور پھر کہے گا very sory (معاف کرنا) مسکرا کر اسے رخصت کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کسی شخص کا پولیس والوں سے جھگڑا نہیں ہوتا جب کہ یہاں آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر پولیس والے بدتمیزی سے بات کرتے رہتے ہیں حالانکہ انہیں یہ حق حاصل نہیں کہ کسی سے بدتمیزی سے بات کریں، انہیں چالان کرنے کا تو حق ہے لیکن بدتمیزی سے بات کرنے کا حق نہ انہیں قانون نے دیا ہے اور نہ شریعت نے دیا ہے۔ برطانیہ میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ پولیس والا مسکرا کر بات کرے، بدتمیزی اور سخت لہجے میں بات نہ کرے۔

برطانیہ اور سوئٹزر لینڈ میں تقریباً سو فیصد یہ عادت پائی جاتی ہے کہ جب بھی کسی سے بات کریں گے، پوچھیں گے یا کسی بات کا جواب دیں گے تو مسکرا کر بولیں گے اور دیگر بعض ممالک میں بھی یہ عادت بکثرت پائی جاتی ہے۔

مسکرانے کے معاشرتی اثرات:

اس عادت کو اپنانا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم آج سے اِس پر عمل شروع کریں اور اگر ملتے وقت کسی کو مسکرانا یاد نہ رہے تو اسے یاد دلا دیں کہ

بھائی آپ مسکرائے نہیں۔ اگر آپس میں اس کا معمول بنا لیا جائے اور بھولنے کی صورت میں یاد دہانی کرائی جانے لگے تو ہمارے معاشرہ میں شہد ہی شہد گھل جائے۔ ہمارے درمیان جو تلخیاں، کشیدگیاں اور نفرتیں پھیلی ہوئی ہیں، وہ سب کی سب ختم ہو جائیں۔ اور ہماری زندگی جنت والی زندگی کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین

محبّتِ رسُول اَور اُس کے تقاضے

موضوع: محبت رسولؐ اور اس کے تقاضے
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: عبدالمنتقم سلہٹی صاحب
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تقاضے﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ.ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ امابعد! ﴿عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عظمت شان

معزز حاضرین اور محترم خواتین، جو حدیث میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو پورے دس ۱۰ سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہنے کا موقع ملا، جس طرح گھر کا کوئی بچہ ہوتا ہے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، اور انہوں نے دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب خدمت بھی کی ہے۔ پھر بچپن میں جو باتیں آدمی سن لیتا ہے وہ یاد بھی رہتی ہیں، چنانچہ ان کو بہت احادیث یاد بھی تھیں اور بہت سی حدیثیں انہوں نے امت کو پہنچائیں۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ ! ان کی عمر میں بھی برکت عطا فرما اور ان کی اولاد میں بھی برکت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا تھی، عمر میں تو برکت کا حال یہ ہوا کہ ان کا شمار تقریباً ان صحابہ کرام میں سے ہے جن کا انتقال بالکل آخر میں ہوا ہے، سن ۹۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تراسی ۸۳ سال زندہ رہے جب کہ ان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تقریباً دس ۱۰ سال ہو چکی تھی اس طرح آپ کی عمر ایک سو تین ۱۰۳ سال ہوئی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا کی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا، اس وقت تک یہ اپنی اولاد کی اولاد میں چالیس ۴۰ سے زیادہ کو دفن کر چکے تھے، اب اندازہ کیجئے، جو اولاد زندہ تھی وہ کتنی ہوگی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سینکڑوں میں تھی، اسی طرح ان کے مال اور پیسے میں بھی اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔

محبت رسول ﷺ کا معیار

بہرحال، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

﴿لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیه من
والده وولده والناس اجمعین﴾

”تم میں سے کوئی آدمی پورا ایمان دار اور پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجاؤں۔“

یعنی جب تک میری محبت کسی کے دل میں اپنے باپ سے اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہوگی، اس وقت تک وہ شخص پورا مومن نہیں ہے اس کا ایمان پورا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ایمان مکمل ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے ماں باپ سے اپنی اولاد سے اور تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ ہو اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ادھورا اور ناقص رہتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان یہی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے دین پر اور آپ کی محبت پر سب کچھ قربان کردیا تھا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث، جس میں اسی ارشاد کی مزید تفصیل موجود ہے، اسے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

﴿لا یؤمن عبد حتی اکون احب الیه من ماله واهله والناس اجمعین﴾

''کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے گھر والوں سے اس کے مال سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

(نسائی، کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان)

اس روایت میں سارے گھر والوں کا ذکر آ گیا، جن میں بیوی بچے سب شامل ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے تمام رشتہ داروں پر، ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبتوں پر غالب نہ آ جائے اور ہمارے جتنے بھی اموال ہیں، روپیہ پیسہ ہے، زیورات ہیں سازوسامان ہے، ان سب پر جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب نہ آ جائے آدمی کا ایمان پورا اور مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت فاروق اعظم اور محبت رسول ﷺ

آپ جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور جانباز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنی اشارے پر سب کچھ لٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی محبت کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کے ایک سال بعد اسلام اور کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ کفار مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور مسلسل دشمنیاں کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہوگئے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ''بدر'' نامی جگہ میں لشکر کفار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہؓ کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی، کفار مکہ سب سواریوں پر تھے اور طرح طرح کے ساز و سامان سے مسلح تھے جبکہ مسلمانوں کے پاس مشکل سے دو گھوڑے تھے، اور صرف ستر ۷۰ اونٹ تھے، باقی سب پیدل تھے، بہت سوں کے پاؤں میں جوتے تک نہیں تھے، بہت سوں کے پاس تلواریں تک نہیں تھیں، سب تقریباً نہتے تھے۔ جب لشکر اسلام دشمن کے مقابلے پر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کہ تم ہمیں مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیئے، جنگ کی جائے یا نہ کی جائے؟ جنگ کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس پر مختلف حضرات نے مشورے دیئے، اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ پہلا موقع ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے، اور آج ہمیں اپنی محبت کا ثبوت اللہ کے حضور پیش کرنا ہے۔ آج ہماری محبت کا اور ہمارے ایمان کا امتحان ہو رہا ہے اس واسطے میری تجویز یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے ابوبکر کے باپ ابوقحافہ آرہے ہیں، ابوبکر کو آپ حکم دیجئے کہ وہ بڑھ کر اپنے باپ ابوقحافہ کو قتل کرے تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ذات گرامی ہمیں اپنے باپ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور یارسول اللہ میرا حقیقی بھائی کفارہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آرہا ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں تلوار سے اس کی گردن اڑاؤں، اور فلاں کا بھائی آرہا ہے، فلاں کا بیٹا آرہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کی گردن اڑائے، تاکہ دنیا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے نزدیک آپ کی محبت کے سامنے ساری محبتیں ہیچ ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا سلوک

لیکن تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے دشمنوں کے بارے میں بھی حفظ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کو قتل کرے بلکہ کوئی اور قتل کرے، اور ابوبکر اپنے باپ کو قتل نہ کرے، ہاں اگر باپ قتل کرنے کیلئے حملہ آور ہو جائے، اور ابوبکر کو اپنی جان بچانے کے لئے باپ پر تلوار اٹھانی پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ دیکھئے! رحمت للعالمین کفار اور دشمنوں کے حقوق کی بھی رعایت کر رہے ہیں اور ابوبکر سے کہہ رہے ہیں کہ عین حالت جنگ میں بھی تم اپنے باپ کو نہ مارنا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام خشیت

بہرحال، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابی ہیں۔ انہوں نے جب یہ حدیث سنی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر مال و دولت سے اور تمام عزیز و اقارب ماں، باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب نہیں ہونگے، اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، تو ان کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرا ایمان کامل نہیں ہے، چنانچہ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

﴿انت یارسول اللہ احب الی من کل الا من نفسی﴾

''یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں،

لیکن اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں''۔

اپنی جان کی محبت میں اپنے دل میں زیادہ محسوس کرتا ہوں، اب میرا ایمان کامل اور پورا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے عاشق کو صاف جواب دیدیا اور فرمایا:

﴿لاوالذی نفسی بیده حتی اکون احب الیك من نفسك﴾

''پھر تو تمہارا ایمان بھی ناقص ہے، مکمل نہیں ہے، یہاں تک کہ میں تمہیں اپنی جان سے زیادہ محبوب ہو جاؤں''۔

یعنی اگر اپنی جان اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے تو ایمان کامل نہیں ادھورا اور ناقص ہے، مگر یہ بھی فاروق اعظم تھے، انہوں نے فوراً عرض کیا:

﴿فانك الان واللّٰه احب الی من نفسی﴾

''کہ پھر تو اب آپ میرے نزدیک اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں''۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الان یا عمر تم ایمانك﴾

ایک شبہ کا ازالہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر یہی بات لکھی

ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، لیکن میری جان سے زیادہ محبوب نہیں، تو بات یہ نہیں تھی کہ اس وقت حقیقتاً ان کے دل میں محبت کم تھی، اور بعد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہوگا، تب محبت کامل پیدا ہوئی، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ آدمی کو اگر چوٹ لگتی ہے، مثلاً چاقو کا زخم آ گیا، پیٹ میں درد ہوگیا، سر میں درد ہوگیا، یا کوئی اور زبردست تکلیف پر اپنی تکلیف کا جتنا اثر ہوتا ہے، اتنا اثر دوسرے کی تکلیف کا نہیں ہوتا، تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا اثر اتنا نہ ہو، اورشاید یہ اس بات کی علامت ہے کہ میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت کم ہے۔ اس لئے یہ شبہ پیدا ہوا، لیکن پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، یہ اس وجہ سے کہا کہ اس عرصے میں انہوں نے غور کیا کہ الحمدللہ! یہ بات نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان سے کم ہے، بلکہ اگر خدانخواستہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو، یا کوئی سانپ یا بچھو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے میں اپنی جان کی بازی لگادوں گا یا نہیں؟ دل نے گواہی دی کہ لگادوں گا، تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ! آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

محبت رسول ﷺ میں صحابہ کی جانثاری

صحابہ کرامؓ کے حال کا کیا کہنا، حقیقت یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے محبت کے ایسے حسین نمونے چھوڑے ہیں کہ ان کی نظیریں پھر دنیا نے نہیں دیکھیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ساتھ

لے کر میدان احد میں دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے، چونکہ اندازہ یہ تھا کہ معرکہ سخت ہونے والا ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں جانے کے لئے لوہے کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، اور لوہے کی دوزرہیں اوپر نیچے پہنی ہوئی تھیں۔ اس جنگ میں منافقین کا ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی ساتھ گیا، لیکن اس نے یہ پلان بنا رکھا تھا کہ جب دشمن سے مقابلہ شروع ہوگا تو ہم میدان سے بھاگ کھڑے ہونگے۔ منافقین کئی سو تھے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جگہ جنگ ہورہی ہو، مثلاً ایک طرف مقابلہ کرنے والا ایک ہزار ہیں اور دوسری طرف تین ہزار ہیں، اب چاہے ایک ہزار لڑنے والے کتنے بھی بہادر ہوں، اگر ان میں سے تین سو آدمی یکدم بھاگ پڑیں اور پیٹھ دکھادیں تو لڑنے والے بڑے بڑے بہادروں کے بھی پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ تو منافقین کا منصوبہ یہی تھا کہ جب جنگ شروع ہوگی تو ہم تین سو آدمی وہاں سے پیچھے کی طرف بھاگ کھڑے ہونگے تاکہ لڑنے والے مجاہدین کے پاؤں اکھڑ جائیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجائے، اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو آفتاب رسالت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ بدنیت لوگ اس آفتاب کو بجھانے کے درپے تھے، چنانچہ منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹے، البتہ شروع میں فتح ہوگئی اور مسلمان دشمنوں کا تعاقب کرنے لگے، لیکن ایک دستے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ مقرر کیا تھا اور اس دستے کے سربراہ کو آپ نے بار بار تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست ہو، تکلیف ہو یا راحت ہو، تم یہاں سے مت ہٹنا، کیونکہ وہ مقام بہت اہم تھا۔

اطاعت امیر سے بے احتیاطی کا نتیجہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دشمن کو شکست فاش دی اور ان کا تعاقب کرنے لگے، تو اس وقت دشمن کا ایک بڑا دستہ اسی جگہ پر پہاڑ کے

پیچھے چھپا ہوا تھا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا دستہ مقرر کیا تھا۔ لیکن جب دستے کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو رہی ہے، تو انہوں نے اپنے امیر سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد تو یہ تھا کہ جب جنگ ہو رہی ہو، اس وقت تک یہاں سے مت ہٹنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا، لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم بھی آگے چلے جائیں، امیر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اکثر لوگ چلے گئے اور وہ مورچہ خالی ہوگیا۔ دشمن نے وہیں پشت سے زبردست حملہ کیا اس حالت میں کچھ صحابہ کرامؓ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ دشمن اس کوشش میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنائے، چنانچہ دشمن نے دیکھ لیا کہ تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ پر موجود ہیں اس وقت آپ کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند انصاری نوجوان تھے۔ چونکہ دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرامؓ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور افراتفری پھیل گئی تھی تو کسی کو کسی کی خبر نہ رہی اور کسی کو یہ بھی معلوم نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ ہر ایک تلاش کر رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہے تھے۔

حضرت انسؓ کے خاندان کا عشق رسول

اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے گھرانے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق دیا تھا۔ ان کے والد ابوطلحہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے تھے، بیٹے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے سچے عاشق تھے اور حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی تھیں۔ جب افراتفری مچی تو کچھ صحابہ کرامؓ تو واپس لوٹ رہے تھے۔اور کچھ صحابہ کرامؓ پر عجیب بے خودی کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے تلواریں گرنے لگیں، کچھ صحابہ کرامؓ بے خود ہوکر بیٹھ گئے، لیکن یہ ام سلیم دوڑتی ہوئی لشکر کی طرف جارہی تھیں اور یہ آواز لگارہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ بے تحاشا رورہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کررہی تھیں۔ کسی نے کہا ام سلیم! تمہارا بھائی شہید ہوگیا، تو کہا مجھے بھائی کی پرواہ نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حیات ہیں یا نہیں؟ اس وقت دشمن نے یہ بات مشہور کردی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے۔ ام سلیم کو ان کے مختلف رشتہ داروں کے بارے میں بتایا گیا کہ تمہارا فلاں شہید ہوگیا، تمہارا فلاں شہید ہوگیا، لیکن سب کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں، مجھے تو آفتاب رسالت کا حال معلوم کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوجائے تو مجھے چین آئے گا۔ یہ حالت تو ام سلیم کی تھی اور ادھر دشمن نے تاجدار دوعالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنالیا تھا، چونکہ آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرامؓ تھے اس لئے کافروں نے اپنی پوری طاقت خرچ کرڈالی کہ تیروں کی بارش سے اس آفتاب رسالت کو بجھا دیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیروں کی بارش آنے لگی، دشمن کی یلغار تھی، ہرطرف سے دشمن کا نرغہ تھا، اور مٹھی بھر چند جانثار صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت ابودجانہ کی بے مثال قربانی

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے عشق ومحبت کی جوداستانیں چھوڑی ہیں،

وہ اہل ایمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرت ابودجانہؓ اٹھے اور ان کے دل میں بس ایک ہی تدبیر آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے اور تیروں کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن گئے، تاکہ جو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔ وہ سارے ابودجانہ کی پشت میں پیوست ہوجائے اور تاجدار دوعالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ اب دیکھئے یہ ہے کہ عشق، ایثار، جانثاری اور پروانہ پن! کہ عین اس حالت میں بھی جبکہ جانوں کی پڑی ہوئی ہے، ابودجانہؓ تیروں کی بارش کو اپنی پشت پر روکنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔

عشق اور دانائی کا حسین امتزاج

عین جنگ کی حالت میں بھی حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب کا کتنا خیال رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے نہیں ہوئے، یوں بھی تو کرسکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوجاتے اور تیروں کی طرف سے اپنا منہ اور سینہ کردیتے، لیکن اس وقت بھی ایسا نہیں کیا اور ادب کا لحاظ رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہ ہو اور سینہ وچہرہ آپ کی طرف رہے۔ ایسا کرنے میں ایک اور حکمت بھی تھی اور وہ بھی ان کے ایمان اور محبت کی بناء پر تھی، وہ حکمت یہ تھی جب تیروں کی بارش آئے گی تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں غیر ارادی طور پر اگر میں ذرا سا ہل گیا، تو تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگ جائے گا، اور جب پشت ہوگی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا کہ کب تیر آرہا ہے کب نہیں، اس میں ہلنے کا امکان کم ہے تو حضرت ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکمت ودانائی کو عشق کے ساتھ جمع کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق کے ساتھ دانائی جمع نہیں ہوتی، اور دانائی کے ساتھ عشق جمع نہیں ہوتا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ عشق

کے ساتھ حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور عشق کے ساتھ جنون کو بھی جمع کیا ہے۔ عشق اپنے مقام پر ہے حکمت اپنے مقام پر ہے اور شریعت کے احکام کی پابندی اپنے مقام پر ہے۔ انہوں نے ادب واحترام میں ذرہ برابر اور ادنی سی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔ حضرت ابودجانہؓ اور چند صحابہ کرامؓ کے علاوہ باقی سب حضرات منتشر تھے۔ اس موقع پر دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلواروں سے یلغار کی۔

ایفاءِ عہد کی تجدید

چند انصاری نوجوان صحابی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب ہم نے آپ کو مدینہ طیبہ آنے کی دعوت دی تھی، تو یہ عہد کیا تھا کہ آپ کے اوپر آنچ آنے نہیں دیں گے۔ ہم اپنی جانیں آپ کے سامنے قربان کریں گے۔ آج اس عہد کو پورا کرنے کا وقت آگیا ہے ہمیں وہ عہد یاد ہے۔

ہم راہ وفا میں کٹ آئے

چنانچہ ایک نوجوان آگے بڑھا، اپنی تلوار اور نیزوں سے دشمن کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا، دوسرا بڑھا، وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، تیسرے نے مقابلہ کیا، کچھ کافروں کو مارا، لیکن کافروں کا مجمع بہت بڑا تھا، اس لئے وہ بھی زخمی ہوکر گر پڑا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے شہید ہورہے تھے اور زخمی ہوکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان جو زخمی ہوکر گر پڑے تھے، خون بے تحاشا بہہ رہا تھا، یقین تھا کہ اب میری جان نکلنے والی ہے، تو لیٹے لیٹے اور کھسکتے کھسکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آکر گر پڑے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! اللہ کے سامنے آپ گواہی دیجئے گا کہ ہم نے عہد پورا کیا ہے۔ لیکن اس وقت لشکر کفار نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اور نرغے میں لے لیا تھا، جو صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ تلوار سے کیا، بالآخر لڑتے لڑتے ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے سوائے ہاتھوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، چنانچہ دشمنوں کے مقابلے میں اپنے ہاتھ رکھ دیئے، اس میں زخمی ہوئے اور ہاتھ شل ہو گیا، پھر پوری عمر اسی حالت میں رہے۔ اس عرصے میں صحابہ کرامؓ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہمارے سید الاولین والآخرین، ہمارے امام ومقتدا اور ہمارے ماوی وملجا یہاں تشریف فرما ہیں، تو صحابہ کرامؓ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور اس سے سرزمین احد پر خون بہا، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے محبت کا کیسا حق ادا کیا الحمدللہ! صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا عاشق تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں تھی۔ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہوتی ہے، جان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہوتا لیکن صحابہ کرامؓ نے عملی نمونہ پیش کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں سے بھی زیارہ محبت فرمائی۔

آج کے دور میں محبت رسول ﷺ کی چنگاریاں

آج اگرچہ ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلم مائیں اب بھی ایسے بیٹے جن رہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کشمیر میں مجاہدین اسلام اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ کشمیر میں یہ نہتے مجاہدین، جن میں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی شامل ہیں، ہندوستان کی چھ ٦ لاکھ فوج سے

برسر پیکار ہیں۔ یہ لڑائی کس وجہ سے ہے؟ کیا روپے پیسے کی وجہ سے ہے؟ مال غنیمت کے ملنے کا وہاں تو سوال ہی نہیں، وہاں تو جان ہی جارہی ہے، وہاں تو ہندوستانی فوج اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کررہی ہے کہ میں ایک دوسرے ملک میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے ہوکر آئے تھے۔ انہوں فرمایا کہ مقبوضہ کشمیر کے سارے قبرستان لڑکوں نوجوانوں سے بھر چکے ہیں۔ اب قبرستانوں میں مزید دفنانے کی جگہ نہیں رہی۔ ایک طرف یہ نہتے نوجوان ہیں اور دوسری طرف ہرطرح کے اسلحہ سے لیس فوج ہے۔ لیکن یہ سارے نوجوان اتنی بڑی طاقت سے کس لئے ٹکرا رہے ہیں؟ مائیں اپنے لخت جگر بیٹوں کو شہادت کے لئے میدان جہاد میں کیوں بھیج رہی ہیں؟ کہ بیٹے! لڑو، اگرچہ تمہاری جان چلی جائے لیکن دین پر حرف نہ آنے دینا۔ الحمدللہ! اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت۔

جہاد کے ثمرات

بہرحال، ایمان تو اس محبت کے بغیر پورا ہی نہیں ہوتا۔ اگر مائیں اپنے بیٹوں کو اس طریقے سے جہاد میں نہ بھیجا کرتیں تو آج ہم پاکستان میں مسلمان نہ ہوتے۔ یہ سارا ملک کفرستان ہوتا۔ یہاں اذانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ اللہ کو جاننے پہچاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہوتا۔

مومن ماؤں کے جگر گوشے

یہ ان ماؤں کا اپنے رسول ﷺ سے عشق تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں اور

جگر کے ٹکڑوں کو جن کی خاطر بچپن میں اپنی نیند کو چھوڑا تھا، اپنے سارے آرام وراحتوں کو قربان کیا تھا، اپنی جوانی کی ساری لذتوں کو قربان کیا تھا۔ جب اسلام کو ان بیٹوں کی قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ان ماؤں نے اپنے لخت جگر بیٹوں کو آگے کر دیا۔ ان ہی مومن ماؤں کے بطن سے خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد اور سلطان ٹیپو جیسے سپوت پیدا ہوئے اور انہی ماؤں نے محمود غزنوی، قتیبہ بن مسلم اور سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے فاتحین پیدا کئے۔ انہوں نے ان بچوں کو اس لئے پالا تھا اور دودھ اس واسطے پلایا تھا کہ جب دین کو ان کی جانوں کی ضرورت ہوگی۔ تو یہ بیٹے لشکر اسلام میں سب سے آگے ہوں گے۔

ناموس رسالت کے لئے جانثاری کا تاریخی واقعہ

الحمدللہ! جو بھی مومن ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی اولاد، بیوی اور شوہر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے واقعہ سنا ہوگا کہ انگریزی دور حکومت میں ایک ہندو خبیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا ''رنگیلا رسول۔'' العیاذ باللہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگائیں اور آپ کے بارے میں بڑی شرمناک باتیں کیں۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں بجا طور پر اضطراب پھیل گیا، جلسے، جلوس اور مظاہرے ہونے لگے کہ اس کو پکڑ کر سزا دی جائے مسلمانوں نے عدالت میں اس خبیث کے خلاف جس نے شان رسالت میں گستاخی کی، مقدمہ دائر کیا تو ایک شخص جس کا نام علم الدین تھا اس نے نہ کوئی علم دین حاصل کیا اور نہ کوئی اللہ والوں میں اس کا شمار تھا، بلکہ ایک آزاد منش نوجوان تھا۔ اسکو جب پتہ چلا کہ بدنام زمانہ راجپال نے شان رسالت میں ایسی گستاخی کی تو اس کی

غیرت ایمانی کو جوش آیا اور گستاخ رسول راجپال کو سر بازار جہنم واصل کر کے خود تختہ دار پر چڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر گیا۔ اس علم الدین نے شہادت کا درجہ پایا جس کی زندگی آزادی میں گذری تھی اور غفلتوں میں گذری تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل نوازا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظیم شہادت عطاء فرمائی کہ آج بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی شہادت پر رشک کرتے ہیں۔ یہ نوازش، یہ اکرام اور یہ اونچا مقام، علم الدین کو کس چیز سے ملا؟ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سے ملا۔

رسول ﷺ سے عشق ومحبت کے کچھ تقاضے

اس عشق ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو، اس کے پاس نہ جائیں خواہ وہ چیز ہمیں کتنی ہی محبوب ہو، کیونکہ یہ ہمارے ایمان اور ہماری محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ہم اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہمیں اللہ کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جس حرام پیسے سے اللہ نے منع کردیا مثلاً فرمادیا کہ سود نہ کھاؤ، رشوت نہ لو، تجارت میں دھوکہ بازی کر کے ناپ تول میں خیانت کر کے اور ملاوٹ کر کے حرام پیسے مت کماؤ، ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ پوری مت لو، کیونکہ ڈیوٹی پوری دیئے بغیر تنخواہ حلال نہیں ہوتی۔ اسی طرح دھاڑی مزدوری کے پیسے اس وقت تک حلال نہیں ہوتے جب تک اتنی دیر کام نہیں کیا جتنی دیر کی ڈیوٹی طے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی پیسے کمانے کے جو طریقے حرام ہیں ان سب سے بچنا محبت رسول کا تقاضا ہے۔ یاد رکھئے! پیسے کی چاہے دل میں کتنی ہی طلب ہو، لیکن اگر حرام مال آئے گا تو اللہ کا غضب متوجہ ہوگا۔ اس کا رسول ﷺ ناراض ہوگا۔ لہٰذا اگر ہمارے دلوں میں واقعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے تو

ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد اور بیویوں کو ہر ایسے کام سے روکنا پڑے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا موجب ہو۔

خواتین ہمت سے کام لیں

خواتین اپنے شوہروں کو حرام آمدنی سے روکیں اور انہیں یہ یقین دلائیں کہ اگر تم حرام آمدنی نہیں لائے اور صرف حلال آمدنی لائے اور اس حلال آمدنی سے ہمیں صرف روٹی چٹنی سے گذارا کرنا پڑے تو ہم انشاء اللہ روٹی چٹنی سے گذارا کریں گے، لیکن حرام مال ہمیں گوارا نہیں۔ اگر ہمیں اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے پڑیں، تو ہم پیوند لگے کپڑے پہنیں گی لیکن اپنے رسول کو ناراض کر کے اپنے خدا کی نافرمانی نہیں کریں گی، اگر ہمیں فاقہ کرنا پڑے تو ہم فاقے کے لئے تیار ہیں لیکن حرام کا لقمہ کھانے اور اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ یہ جہنم کا لقمہ اور جہنم کی آگ ہے ہم اپنے پیٹ میں اور اپنے بچوں کے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرنے نہیں دیں گی۔

احسان فراموشی کمینوں کا کام ہے

اس ایمان، اس محبت اور اس عشق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل پیروی کریں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اس کائنات میں اللہ کے بعد اگر ہمارا سب سے بڑا کوئی محسن ہے تو وہ محسن اعظم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اتنی محبت پیدا نہیں ہوتی تو یہ ہماری شرافت کے خلاف ہے محسن کے احسان کو فراموش کرنا کمینے لوگوں کا کام ہوا کرتا ہے۔ شریف لوگوں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی سچی پکی اور گہری محبت ایسی عطاء فرمائے کہ ہمارے اعمال واخلاق اس محبت کے سانچے میں ڈھل جائیں اور ان تمام باتوں سے ہم رک جائیں جن سے اللہ یا اس کا رسول ﷺ ناراض ہوتا ہے۔

محبت کا صلہ: آخرت میں رفاقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ؟ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ نہیں بتلایا کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کا ایک راز ہے اور اس راز کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی اور کسی فرشتے پر بھی ظاہر نہیں فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے کے بجائے اس سے اور ایک سوال کردیا، آپ نے پوچھا کہ: ماا عددت لھا؟ تم نے قیامت کی کیا تیاری کی؟ مطلب یہ ہے کہ تم قیامت کے بارے میں جو پوچھ رہے ہو، یہ تو بتلاؤ کہ اس قیامت کے لئے کچھ تیاری بھی کررکھی ہے؟ یعنی تم نے کیا ایسے اعمال کررکھے ہیں کہ قیامت کے دن کام آنے والے ہوں؟ (تو یہ بدو حضرات اور عرب کے دیہاتی حضرات بڑے سادہ مزاج ہوتے تھے) انہوں نے بھی بڑی صفائی کی بات کہی اور فرمایا کہ میں نے قیامت کے لئے نہ تو بہت زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ بہت زیادہ روزے رکھے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جو فرض نمازیں ہیں اور واجب وسنت موکدہ ہیں اور جو سب مسلمان پڑھتے ہیں وہ تو پڑھتا ہی ہوں، لیکن میں نے نہ زیادہ نفل نمازیں پڑھیں اور نہ زیادہ نفلی روزے رکھے، الا انی احب اللہ ورسولہ مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں (اگرچہ میرے پاس نفلی نمازیں

اور نفلی روزے زیادہ نہیں ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''المرء مع من احب '' یعنی آدمی آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا ہے اگر اس کی محبت اللہ والوں سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی تو آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ والوں کے ساتھ ہوگا، ذرا تصور کیجئے کہ کتنی بڑی بشارت ہے۔

زیارت مدینہ کا شوق

ایک مومن عمر بھر کتنی تمنائیں کرتا ہے کہ مدینہ کی زیارت کرلے، مدینہ کی زیارت کے لئے لوگ کتنے تڑپتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی۔ کتنے شاعر ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کا بے تابانہ شوق ظاہر کیا اور اس موضوع پر نعتیں اور نظمیں کہیں، کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ جس میں آپ پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے اور پھر مسجد نبوی میں روضہ اقدس ہے حاجی صاحبان کو جالی مبارک کی زیارت تو ہوتی ہے۔ قبر شریف کی زیارت ان کے لئے ممکن نہیں ہوتی کیونکہ وہ اندر پردوں میں ہے۔ لیکن کتنے بے شمار عاشق اس دنیا میں ہیں جو روضہ اقدس کی صرف جالیوں کا دیدار کرنے کے لئے ترستے ہیں۔ بہت سے لوگ تو وہ بھی ہوتے ہیں کہ حج کا زمانہ نہیں ہوتا پھر بھی مدینہ طیبہ جاتے ہیں۔ محض اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی دولت نصیب ہوجائے۔ اس لئے کہ یہ وہ دولت ہے جو کسی اور جگہ مل نہیں سکتی۔ اگر کسی مسلمان کو دنیا میں یوں کہا جائے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیری پیشی کرا دیتے ہیں، بتا! تو کیا دینے کے لئے تیار ہے؟ ایک مسلمان اپنا سب کچھ

قربان کردینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

حضرات صحابہؓ کا بلند مقام

اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس شخص نے ایک مرتبہ ایمان کی حالت میں دیدار کرلیا وہ صحابی کہلایا، اور صحابی اس امت کے تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہے۔ صحابی کی برابری کوئی بڑے سے بڑا ولی، کوئی بڑے سے بڑا عالم، محدث، فقیہ، امام اور مجتہد نہیں کرسکتا، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مقام ان سب سے اونچا ہے۔ کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں سے کس کا مقام اونچا ہے؟

حضرت معاویہؓ کی مظلومیت

یہ سوال اس لئے ذہن میں پیدا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایسے مظلوم صحابی ہیں۔ جن پر بہت سے بدبختوں نے طرح طرح کے اعتراضات بھی کئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی جنگ بھی ہوئی، جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری طرف حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد اس وقت تک جو عظیم شخصیتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں سب سے عظیم ترین شخصیت جو مسند خلافت پر جلوہ گر ہوئی تھی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پورے عالم اسلام میں سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ علماء، صلحاء صوفیاء، اور اولیاء اللہ سب ان کے معتقد تھے جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کی طرف سے کچھ اعتراضات بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا کہ ان میں

سے کس کا مقام زیادہ بلند اور اونچا ہے، تو جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں جو غبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے پڑا، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس غبار کے برابر بھی نہیں۔

مقام صحابیت اتنا بلند کیوں؟

صحابی کا مقام اتنا اونچا کیوں ہوا؟ اس واسطے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا، اور وہ دیدار ایسا اکسیر تھا کہ جو شخص ایمان کے ساتھ دیدار کرلیتا تھا اس کے دل کی کایا پلٹ جاتی تھی۔ اس کے ایمان کی وہ عظمت ہوتی تھی کہ ہمارے کروڑوں آدمیوں کا ایمان ان میں سے ایک آدمی کے ایمان کی برابری نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جس پر پڑگئی، مٹی کو سونا بنادیا، دنیا میں جن لوگوں نے دیدار کرلیا پوری امت کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر کوئی نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے، لیکن یہ کتنی بڑی بشارت مل گئی کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہوگا۔ آخرت میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ آپ کی معیت بھی ہمیں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قائم فرمادے اور اس محبت میں برکت وقوت عطا فرمادے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

موضوع: تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیر پر ایمان اور اس کے فوائد

بعد از خطبہ مسنونہ!

اللہ کا علم ازلی ہی تقدیر ہے

گذشتہ بدھ کو ہم نے تقدیر اور اللہ کے اوپر بھروسے کا بیان شروع کیا تھا اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ بیان کیا تھا کہ کائنات میں اب تک جو واقعہ ہو چکا، یا اب ہو رہا ہے، یا آئندہ ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، ظاہر ہو یا پوشیدہ، سب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہوتا ہے اور اسی کے وجود میں لانے سے وجود میں آتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، کوئی پتہ اور کوئی ذرہ بھی ہل نہیں سکتا، چنانچہ تندرستی اور بیماری، بچوں کی پیدائش اور جانداروں کی موت حتی کہ نیکی اور بدی بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ اسی علم ازلی کا نام تقدیر ہے، یعنی کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، اسی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں جو بھی اچھائی یا برائی، نفع یا

نقصان پہنچتا ہے اللہ کو ان تمام چیزوں کا ازل سے علم ہے اور اسی کے مطابق وہ کام ہوا ہے، کسی کی مجال اور قدرت نہیں کہ وہ اس علم ازلی (تقدیر) کے خلاف کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ چنانچہ زہر کسی کو تقدیر کے خلاف نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوا کسی بیمار کو تقدیر کے خلاف شفاء نہیں دے سکتی، سانپ کسی کو تقدیر کے بغیر مار نہیں سکتا، چھری کسی چیز کو کاٹ نہیں سکتی جب کہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں طے نہ کر دیا ہو۔ اگرچہ چھری کے بارے میں اللہ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جب وہ کسی نرم چیز پر چلائی جاتی ہے تو وہ کٹ جاتی ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ نہ کٹے تو پھر آپ لاکھ زور لگالیں وہ نہیں کٹ سکتی، چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلاؤ۔

غیر نبی کا خواب حجت نہیں ہوتا

یاد رکھیں! غیر نبی کا خواب وحی کے درجے میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یقینی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ خوابوں کے بارے میں طرح طرح کے اعتقادات لیکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یاد رکھیئے! ہر خواب سچا نہیں ہوتا، کبھی سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا، پھر یہ کہ کبھی اس خواب کا ظاہری مطلب ہوتا ہے اور کبھی ظاہری مطلب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ محض خواب کی بناء پر شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص بالفرض خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کردو تو بیٹے کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ہمارا خواب ہے، اور ہمارے خواب سے شریعت کے کسی مسئلے کے حلال یا حرام ہونے کا ثبوت حاصل نہیں ہوگا۔

ایک واقعہ

کراچی میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کو ذبح کردیا، پولیس نے اسے پکڑ کر تفتیش کی تو اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں۔ گویا وہ یہ سمجھے کہ اللہ نے اسے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، اور بیٹے کو ذبح کردیا پھر بعد میں ان پر مقدمہ چلا، اور یہ کام صرف اور صرف جہالت کی وجہ سے ہوا کیونکہ نبی کے علاوہ شریعت کے احکام میں کسی اور کا خواب معتبر نہیں۔

حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے

صرف نبی کا خواب حجت ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلارہے ہیں، جس کا مطلب ان کو اس کام کا حکم ملنا تھا، قرآن میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جتنا منظر دیکھا تھا اسے اپنی جانب سے پوری قوت سے چھری چلا کر پورا کردیا، خواب میں گلا کٹنا نہیں دکھایا گیا تھا، صرف چھری چلانا دکھایا گیا تھا، چنانچہ گلا کٹنا تو دور کی بات خراش تک نہ آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک دنبہ اتارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہوگئے اب تم اس دنبے کو ذبح کردو۔ معلوم ہوا کہ چھری کے اندر بھی ذرہ برابر کاٹنے کی طاقت نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو، اسی طرح آگ میں جلانے کی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتی۔ غرض

جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ کو قرآن نے از خود بیان کیا کہ نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا اتنا بڑا جہنم تیار کیا تھا کہ اگر سینکڑوں آدمی بھی اس میں ڈالے جاتے تو وہ جل کر راکھ ہوجاتے، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں کودے، تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا:

﴿ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ﴾

''اے آگ! تو ابراہیم کیلئے ٹھنڈک اور باعث سلامتی ہوجا''

(سورۂ انبیاء، آیت نمبر ۶۹)

تو وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے گلزار بن گئی۔ غرضیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ اسے پہلے سے معلوم ہے، اس نے اس کو تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ میں مثلاً فلاں وقت فلاں فلاں شخص کو بیماری اور فلاں فلاں شخص کو شفا دوں گا وغیرہ۔

دواء میں اللہ کے حکم کے بغیر شفاء نہیں

آئے دن ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک ایسی دوا کہ جس سے عموماً لوگوں کو شفا ہوجاتی ہے لیکن کسی مریض کو جب اسی مرض میں وہ دوا دی گئی تو وہی اس کیلئے مہلک بن گئی۔ ہمارے بڑے بھائی جناب محمد زکی کیفی مرحوم جن کی ایک مشہور کتاب ''کیفیات'' ان کے اشعار پر مشتمل ہے، اور جس کو طلباء بہت شوق سے پڑھتے ہیں، ان کی اہلیہ صاحبہ کی آنکھ کا آپریشن لاہور کے ایک مشہور اور پرانے تجربہ

کار ڈاکٹر نے کیا جو ہمارے بھائی جان کے دوست تھے، اور آپریشن بھی ٹھیک ہوگیا، لیکن آپریشن کرتے وقت ایک ایسا انجکشن بھی لگایا جو عام طور پر مریضوں کو لگایا جاتا ہے، اسی انجکشن سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوا کہ دوا اور ڈاکٹر میں شفا نہیں وہ تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور وہی ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ہم تو روزمرہ یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ دوا حلق میں اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہے کہ کیا اثر کروں؟ شفا کا ذریعہ بن جاؤں یا بیماری کا؟ پھر جو حکم ہوتا ہے وہ ویسا اثر کرتی ہے۔

اسی طرح کوئی انسان دوسرے کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ ہوجائے۔ یہ تمام کام اللہ کے قبضۂ قدرت میں بھی ہیں اور ازل سے اس کے علم میں بھی محفوظ ہیں اسی بات کو دل سے ماننے کا نام ہے ''تقدیر پر اعتقاد رکھنا''۔ اچھی یا بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور توکل کہتے ہیں ''اللہ پر بھروسہ رکھنے کو'' یعنی اس بات کا یقین رکھنا کہ ہمارا کارساز اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔

تقدیر پر ایمان دل کی مضبوطی کا سبب ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس اعتقاد اور عمل میں بہت سارے فوائد ہیں، منجملہ ان کے ایک فائدہ یہ ہے کہ کیسی ہی سخت مصیبت اور پریشانی ہو، اس اعتقاد کی بدولت انسان کا دل مضبوط رہتا ہے اور انسان سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کو یہی منظور تھا، اس کے خلاف ہو نہیں سکتا تھا، اور جب وہ چاہے گا تو اس حالت کو تبدیل بھی فرمادے گا۔ اور ابھی گذشتہ بدھ کو میں عرض کررہا تھا کہ

جس کو تقدیر پر ایمان نہیں ہوتا وہ پچھتاتا رہتا ہے۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا ایکسڈنٹ ہوجائے تو وہ اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہے کہ میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ اس راستے سے جاؤں یا دوسرے سے، کاش! میں اس دوسرے راستے سے چلا جاتا تو بچ جاتا، حالانکہ تقدیر میں اس کا اسی راستے سے جانا اور اسی گاڑی سے ٹکرانا اور اسی زخم کا لگنا لکھا جاچکا تھا تو پھر اس سے کیسے بچ سکتا تھا؟ لہٰذا پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ماضی پر پچھتانا حماقت ہے جس میں اپنی توانائی کو بھی ضائع کرنا ہے اور اپنے دل کو مشوش اور پریشان بھی کرنا ہے، لیکن ایک مومن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا جاچکا تھا لہٰذا یہ سوچ کر صبر کرتا ہے۔

تقدیر پر ایمان مایوسی کا علاج ہے

غرضیکہ تقدیر کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان کا دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی کم ہوتی ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان مایوس نہیں ہوتا اور بیماری کی صورت میں وہ علاج معالجہ کرتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کرتا ہے کہ یہ تو ایک تدبیر ہے اور ہوگا وہی جو منظور خدا ہے، اس کے قبضہ وقدرت میں یہ بات ہر وقت ہے کہ وہ مجھے شفا دیدے۔ اور انسان کو ایک امید لگی رہتی ہے جس سے دل کو تقویت ملتی ہے اور ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی بدولت اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی ایسی تدبیر اور کوشش نہیں کرے گا جس کو شریعت نے منع کیا ہو، لہٰذا وہ جادوگر وغیرہ کے پاس بھی نہیں جائے گا۔

مومن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے

ایک بڑے بزرگ کا واقعہ ہے کہ مدرسہ دارالعلوم نظامیہ میں زیر تعلیم

تھے، بہت محنتی تھے اور ہر وقت مطالعہ اور پڑھنے وغیرہ میں مصروف رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے۔ یہ اپنے مطالعہ میں مصروف تھے اس لئے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں سلام کیا؟ انہوں نے گردن کو کچھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا اور پھر مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں، میرا نام خضر ہے، انہوں نے یہ سن کر دیکھے بغیر کہا اچھا آپ خضر ہیں اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا تم عجیب آدمی ہو لوگ اور بڑے بڑے رئیس میری تلاش میں رہتے ہیں اور میں تمہارے پاس کھڑے ہو کر تمہیں سلام کر رہا ہوں اور تم میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہے! انہوں نے کہا مجھے آپ کی طرف توجہ کرنے اور دیکھنے سے کیا فائدہ ملے گا؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ لوگ تو اس کی بڑی تمنائیں رکھتے ہیں اور میرے سامنے طرح طرح کی حاجتیں پیش کرتے ہیں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ کیا آپ مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو میری تقدیر میں نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کیا آپ ایسی چیز کو روک سکتے ہیں جو میری تقدیر میں میرے لئے لکھی جا چکی ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا نہیں! تو انہوں نے کہا پھر میں آپ سے کیوں مانگوں؟ ایسی ذات سے کیوں نہ مانگوں جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

غرضیکہ ایک مومن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا، اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔

جتنا تقدیر میں ہے اتنا ہی ملے گا

آج لوگ یہ بات کثرت سے پوچھتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں ہمیں اول تو

ملازمت ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی ہے تو تنخواہ گزر اوقات کیلئے ناکافی ہوتی ہے، لیکن بینک میں ہمیں ملازمت بھی مل سکتی ہے اور تنخواہ ودیگر سہولتیں بھی زیادہ ملتی ہیں۔ یاد رکھیئے! بینک میں ایسی ملازمت حرام ہے جس میں سود کا لین دین، یا حساب کتاب، یا سود سے متعلق کوئی کام کرنا پڑتا ہو۔ کیونکہ احادیث میں سود کے لینے والے پر، سود کے دینے والے پر، اور سود کے معاملے میں گواہ بننے والے پر اور سود کے معاملے کو لکھنے والے پر لعنت آتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

﴿لعن اللہ اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ﴾

"رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو سود کھاتا ہو، یا سود کھلاتا ہو (یعنی دیتا ہو) یا سود کے کاروبار اور حساب لکھتا ہو، یا سودی معاملات میں گواہ بنتا ہو۔"

(رواہ مسلم)

لہٰذا اگر کسی کو تقدیر پر ایمان ہے، تو وہ کبھی ناجائز ملازمت یا بینک میں ایسی ملازمت نہیں کرے گا، کیونکہ اس کو اس کا ضمیر یہ جواب دے گا کہ تیرے مقدر میں جتنا رزق لکھا ہوا ہے، وہ تو تجھے ملنا ہی ہے پھر تو حرام کام اور ملازمت کیوں کرتا ہے۔

حصول مقصد کیلئے تدبیر

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور تدبیریں کرتا رہتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہئے۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انسان اس کیلئے محنت وکوشش بھی کرے گا اور اگر اس

نے محنت نہ کی تو کچھ نہیں ملے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوشش کئے بغیر مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور کبھی کوشش کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہوتا، لیکن قدرت کا عام قانون یہی ہے کہ انسان جیسا سبب اختیار کرتا ہے ویسے ہی اس کے نتائج ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر آپ آگ جلا کر اس پر توا رکھ کر روٹی پکانا چاہیں تو روٹی پک جائے گی، اگر آپ آگ جلائے بغیر یہ چاہیں کہ اس سے روٹی خود بخود پک جائے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں لیکن وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتے۔

غرضیکہ تقدیر پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ انسان کوشش تو کرے گا لیکن یہ سوچ کر کہ اس میں اثر پیدا کرنے والی اللہ کی ذات ہے، پھر وہ دعا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اے اللہ! یہاں تک تو میری کوشش ہے آگے آپ کا کام ہے، آپ اس میں اثر پیدا فرما دیجئے۔

تدبیر سبب کے درجہ میں ہے

کچھ لوگ کسی بزرگ کے پاس بارش کی دعا کی درخواست کرنے کے لئے گئے کہ بارش نہیں ہو رہی آپ دعا کریں! انہوں نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنے گھر سے ایک برتن لا کر چھت کے ایک پرنالے کے نیچے رکھ دیا، لوگوں نے بھی ان بزرگ کی ہدایت پر اپنے اپنے برتن اپنے پرنالوں کے نیچے رکھدیئے، دور دور تک بادلوں کا کوئی نام ونشان نہ تھا، پھر ان لوگوں نے مل کر دعا کی کہ اے اللہ! یہاں تک تو ہم کرسکتے ہیں آگے آپ اپنا کام کر دیجئے، چنانچہ اللہ رب العزت نے بارش برسا دی۔ تو انسان کے سامنے یہ بات رہے گی کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، سبب کے درجے میں تو ہے لیکن اس میں تاثیر اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگی، اس لئے لامحالہ وہ

کوشش اور دعا کرنے پر مجبور ہوگا۔

دعا کی توفیق بڑی چیز ہے

ایک اور بات کا آپ تجربے سے مشاہدہ کریں گے کہ جب کوئی شخص کسی کام کیلئے جائز طریقے سے کوشش بھی کرتا ہے اور دعا بھی کرتا ہے تو میں نے کسی ایسے شخص کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ اس موقع پر دل یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ کام ہوکر رہے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام کرنا منظور نہ ہوتا تو اسے دعا کی توفیق ہی نہ ملتی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی کامیابی مقصود نہیں ہوتی تو انسان کوشش تو کرتا ہے لیکن دعا نہیں کرتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اپنی ساری جدوجہد کے باوجود اللہ کی طرف لولگائے رکھتا ہے اور اسی سے دعائیں مانگتا رہتا ہے، اور جب انسان دعا کرتا رہتا ہے تو اس کا تعلق اللہ سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ دعا ایک عظیم الشان عبادت ہے خواہ وہ دنیاوی مقصد کے لئے ہو یا آخرت کی کامیابی کے لئے، یہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا چلاتا ہے اور دین ودنیا کی کامیابیوں کی بنیاد یہی ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بڑھ جائے۔

تکبر سے بچاؤ ہوگا

تقدیر پر ایمان رکھنے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد کا دھیان رکھے گا تو چاہے وہ بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے لے، وہ کبھی تکبر، ناز اور فخر میں مبتلا نہیں ہوگا، کیونکہ اسے معلوم ہوگا کہ یہ کامیابی میرے کرنے سے نہیں ہوئی بلکہ

یہ کامیابی عطا کرنے والے کی جانب سے آئی ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھے گا اسے جب کوئی خوشی اور راحت ملے گی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور اگر خدانخواستہ تکلیف اور غم پہنچا تو صبر کرے گا۔ اور شکر وصبر انسان کیلئے رحمت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

صبر اور شکر کے عنوان سے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ملا نصر الدین کی بیوی بدصورت تھی اور ملا جی خود بڑے خوبصورت تھے، ایک مرتبہ ملا جی بڑے موڈ میں تھے، کہنے لگے بیگم! تم بھی جنتی ہو اور ہم بھی جنتی ہیں، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لئے کہ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرتی ہو (کہ خوبصورت شوہر ملا) اور جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو صبر کرتا ہوں، اور صابر وشاکر دونوں جنت میں جائیں گے، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور تقدیر پر ایمان رکھنے کی وجہ سے یہ دونوں صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقدیر کا ایک اور بڑا فائدہ بھی سمجھتے چلئے۔ بعض کم ہمت لوگ یہ سمجھتے ہیں جب ہر کام تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے ایک نوجوان صاحب زادے تھے، تندرست، تعلیم یافتہ اور کھاتے پیتے گھرانے سے متعلق تھے، لیکن کام کوئی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تعلیم حاصل کی تھی، بس دن بھر عیش وآرام کرتے، لوگوں نے بہت سمجھایا، ایک مرتبہ اس کے والد نے اسے بہت نرمی سے سمجھایا کہ بیٹا! تم تعلیم حاصل کرلو! اس نے کہا تعلیم سے کیا فائدہ ہوگا؟ کہا کہ تمہیں لکھنا پڑھنا آجائے گا اور تم کوئی اچھی سی ملازمت کرسکو گے، اس نے پوچھا ملازمت سے کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا اچھی تنخواہ ملے گی، آمدنی ہوگی، اس نے پوچھا کہ اس سے کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اسے تم جمع کر کے کوئی اچھا سا مکان بنا سکتے ہو اور شادی کر سکتے ہو، اس نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ بچے ہوں گے تو ان پر خرچ کرنے کیلئے تمہارے پاس پیسے ہوں گے۔ اس نے پوچھا کہ پھر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا عیش کرو گے، تو اس نے کہا تو اب میں کیا کر رہا ہوں، اب بھی تو عیش ہی کر رہا ہوں، جب یہ سب پاپڑ بیلنے کے بعد عیش ہی کرنا ہے تو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تقدیر سے ہمت بڑھتی ہے

اگر کوئی شخص تقدیر پر صحیح ایمان رکھتا ہے تو تقدیر پر ایمان رکھنا اس کو کوشش اور جدوجہد پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی بنائے ہیں اور ان کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے تو پھر وہ چھوٹے سے چھوٹا سبب بھی اختیار کرے گا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے اس میں اثر رکھا ہو۔ لہٰذا اگر انسان تقدیر پر ایمان رکھتا ہوگا تو اس سے ہمت مزید بڑھے گی، اور وہ جدوجہد پر آمادہ ہوگا۔

پہلے تدبیر پھر تقدیر پر توکل

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک مقدمے کا فیصلہ فرمایا تو وہ فیصلہ جس کے خلاف تھا اس نے کہا "حسبی اللہ ونعم الوکیل" "اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند کرتا ہے لیکن ہوشیاری اور عقل سے کام لو یعنی کوشش اور تدبیر میں کم ہمتی سے کام نہ لو۔ ہاں

جب کوئی کام تمہارے قابو اور بس سے باہر ہوجائے، تب کہو "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" گویا اس کام کے کرنے سے جو مقصد ہم حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہ حاصل نہیں ہوا تو اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ کسی اور ذریعے سے اس کو حاصل کروادے۔ مثلاً آپ ملازمت حاصل کرنے کیلئے انٹرویو کی تیاری بھی کریں درخواستیں بھی دیں، اور جو کوششیں ضروری ہیں وہ بھی کرلیں، اور ساتھ ہی "حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل" بھی پڑھتے رہیں۔ اور یہ مضمون بھی ہمارے ذہنوں میں ہونا چاہئے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لایؤمن احد کم حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ الخ۔

یعنی تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے خواہ وہ تقدیر اچھی ہو یا بری یعنی یہ جان لے کہ اچھی تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بری تقدیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کا یقین کرلے کہ جو واقعہ بھی ہونے والا تھا وہ ہوکر رہے گا اور جو واقعہ اس کے ساتھ پیش نہیں آنا تھا وہ پیش نہیں آسکتا۔

تقدیر سے متعلق چند احادیث

۱۔ ﴿عن ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کل شیء بقدر حتی العجز والکیس﴾

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز تقدیر سے ہے یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ ہونا اور ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے"۔ (رواہ مسلم)

۲۔ ﴿عن عبداللّٰہ ابن عمرؓ وقال: قال رسول اللّٰہ ﷺ کتب

الله مقادير الخلائق قبل ان خلق السموٰت والارض بخمسين الف سنة ﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں"۔ (مسلم)

۳۔ ﴿عن عبدالله ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ ان قلوب بنی آدم کلها بين اصبعين من اصابع الرحمن كقلب واحد يصرفه كيف يشاء ثم قال رسول الله ﷺ اللّٰهم مصرف القلوب صرف قلوبنا على طاعتك﴾۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب ایک دل کی طرح اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے"۔

(رواہ مسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے، اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

اسلام میں غلامی کا تصوّر

موضوع: اسلام میں غلامی کا تصور
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم، کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اسلام میں غلامی کا تصور﴾

خطبہ مسنونہ

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہٖ الکریم امابعد:

"عن أبی ذرجندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ قال: قلت یارسول اللہ، أی الاعمال أفضل؟ قال: الایمان باللہ و الجہاد فی سبیلہٖ" قلت: أیّ الرقاب أفضل؟ قال: أنفسہا عند أہلہا و أکثرہاثمناً۔ قلت: فان لم أفعل؟ قال: تعین صانعاً أو تصنع لأخرق"۔ قلت یارسول اللہ ان ضعفت عن بعض العمل۔ قال: تکف شرک عن الناس فانّہا صدقۃ منک علی نفسک"۔ (متفق علیہ)

بزرگان محترم اور برادران عزیز! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مذکورہ افضل اعمال میں سے تیسرے افضل عمل کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے۔

تیسرا افضل عمل: عمدہ غلام آزاد کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے تیسرا سوال یہ کیا کہ یارسول اللہ! کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل عمل ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کسی غلام کو آزاد کروں تو کون سا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أنفسها عند أهلها واكثرها ثمناً ''وہ غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے جو مالک کے نزدیک سب سے اعلیٰ درجے کا اور سب سے زیادہ قیمتی غلام ہو''۔

غلامی کے متعلق بحث

چونکہ اس زمانہ میں غلام نہیں پائے جاتے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں پر موجود بہت سے حضرات یہ بات نہ سمجھ رہے ہوں کہ غلام سے کیا مراد ہے اور اس کو آزاد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آج کی مجلس میں اس کے متعلق قدرے وضاحت سے عرض کردیتے ہیں۔

غلامی کے متعلق اسلام پر اعتراض

آج کل انسانی حقوق (Human Rights) کا بہت چرچا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے لوگ اس کے بہت دعویدار ہیں۔ مغربی میڈیا صبح سے لیکر شام تک انسانی حقوق کے راگ الاپتا ہے اور امریکہ بہادر اس کی قیادت کررہا ہے اور جن لوگوں نے امریکہ ہی کو دیکھا، اس کی کتابیں اور لٹریچر پڑھا، اس کی تعلیمات حاصل کیں، اسی کے میڈیا کو دیکھا اور سنا، جب وہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں

غلامی، غلاموں اور ان کی خرید وفروخت کا ذکر دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے کہ اسلام میں تو انسانوں کو غلام بنانا بھی جائز ہے اور اسلام نے انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔

اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے غلامی کی حقیقت کیا تھی؟ اسلام سے پہلے غلام بنانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی بھی طاقتور کسی بھی کمزور کو پکڑ کر لاتا اور اُسے اپنا غلام بنالیتا، اب یہ شخص جو چاہے اس سے مشقت اور خدمت لے، اسے کھانے پینے کیلئے کچھ دے یا نہ دے، یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے، بس پکڑا ہوا شخص ایک بے دام غلام ہے جو ہرا عتبار سے اپنے مالک کے حکم کا پابند ہے، اور اگر کسی کے پاس آٹھ دس غلام ہوگئے جبکہ اُسے صرف ایک یا دو غلاموں کی ضرورت ہوتی تو بقیہ غلاموں کو پیسے لے کر فروخت کردیتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے غلام بننے کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طریقے سے غلام بنایا گیا تھا حالانکہ وہ خود آزاد تھے اور آزاد باپ کے بیٹے تھے۔ ان کے غلام بننے کا قصہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کو دھوکہ دے کر ایک کنویں میں جاکر ڈال دیا۔ وہاں سے ایک قافلے والے کا گذر ہوا انہوں نے ایک آدمی کو اس کنویں سے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب اس نے ڈول اندر ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کر پکڑلیا اور اس کے ساتھ باہر آگئے۔ بھائیوں کو پتہ چلا تو قافلہ والوں کے پاس

آئے اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور معمولی قیمت کے عوض حضرت یوسف علیہ السلام کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ان کے غلام بن گئے۔ انہوں نے مصر میں جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا۔

اسلام سے پہلے غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے

جس طرح اسلام سے پہلے غلام بنانے کیلئے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی طرح اسلام سے پہلے غلاموں اور باندیوں کے کوئی حقوق بھی نہ تھے۔ غلاموں سے کام لیا جاتا اور باندیوں سے شہوت رانی کی جاتی یہاں تک کہ ان سے اولادیں پیدا ہوتیں لیکن نہ ان غلاموں کے کوئی حقوق تھے اور نہ باندیوں کو کسی قسم کے حقوق دیئے جاتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اسلام سے پہلے دنیا میں غلامی کے سلسلہ میں بالکل جنگل کا قانون تھا۔

یورپ کے لوگوں نے اسی طرح غلام بنائے

یورپ کے لوگوں نے بھی انسانوں کو اسی طرح غلام بنایا۔ یہ یورپ کے لوگ جب امریکہ پہنچے اور امریکہ کو آباد کرنے کیلئے انہیں انسانوں کی ضرورت پڑی تو افریقہ اور اسپین کے لوگوں کو غلام بنا کر یہاں امریکہ میں لائے۔

امریکہ کس طرح دریافت ہوا؟

امریکہ دریافت ہونے سے پہلے چونکہ لوگ امریکہ سے واقف نہیں تھے اس لئے جب امریکہ دریافت ہوا تو اس زمانہ میں لوگ اسے نئی دنیا کہا کرتے تھے۔ امریکہ کو لمبس نے دریافت کیا۔ دراصل وہ ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا کیونکہ اس

نے ہندوستان کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں تو سمندری سفر کے دوران ہندوستان کو تلاش کرتے کرتے اِدھر آنے کی بجائے امریکہ کی طرف مڑ گیا اور وہ سمجھا کہ سامنے جو خشکی نظر آ رہی ہے، یہی ہندوستان ہے حالانکہ وہ امریکہ تھا۔ واسکو ڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا۔ یہ سمندر میں سفر کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ سے بحر جنوبی کو پار کر کے ادھر پہنچا تو ہماری بدقسمتی سے اسے ہندوستان مل گیا، جس کے نتیجہ میں انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی آئی اور اس نے وہ ساری خباثتیں کیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

یورپی لوگوں کا امریکہ پر قبضہ

امریکہ کے اصلی باشندے سرخ رنگ کے تھے۔ چونکہ کولمبس اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکلے تھے اور یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ انڈیا ہے، اس لئے انہوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں کا نام ریڈ انڈین (Red Indian) رکھا۔ یورپ کے لوگوں اور امریکہ کے ان اصلی باشندوں کے درمیان جنگیں ہوئیں۔ چونکہ یہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور بیچارے ان پڑھ قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے یورپی لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے لوگوں نے امریکہ پر قبضہ کر لیا۔

اصل امریکی باشندوں پر مظالم

یورپی لوگوں نے امریکہ کے ان اصلی باشندوں پر بہت مظالم ڈھائے۔ انہیں شہروں سے نکالا، انہوں نے پناہ لینے کیلئے گاؤں گوٹھوں کا رخ کیا تو وہاں پر انہیں تنگ کیا، یہاں تک کہ وہ پہاڑوں میں چلے گئے، اور انہی پہاڑوں، صحراؤں

وغیرہ میں کچے پکے مکانوں میں رہتے رہے، نہ ان کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا، نہ صحت کا کوئی انتظام اور نہ ان کے ذریعہ معاش کا کوئی انتظام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی نسلیں ختم ہوتے ہوتے اب تقریباً ختم ہوگئی ہیں، دور گاؤں گوٹھوں میں کہیں اکّا دکّا ان کے خاندان رہ گئے ہیں۔ آج امریکہ میں یہ لوگ ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ یہ معاملہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو وہاں کے اصلی باشندے اور اس زمین کے مالک تھے، جن کا یہ ملک اور وطن تھا۔ یہ ہیں انسانی حقوق کے علمبردار!

امریکہ کی زمینی وسعت

براعظم امریکہ کے دو حصے ہیں۔ جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ۔ شمالی امریکہ میں دو ملک آباد ہیں، کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ (United States of America) شمالی امریکہ کا جو حصہ ریاستہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) کے پاس ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اتنی لمبائی ہے کہ اگر نیو یارک سے لاس اینجلس تک بذریعہ ہوائی جہاز سفر کیا جائے تو یہ چھ گھنٹے کی فلائٹ ہے۔ میں نے یہ سفر کیا ہے۔ یورپ، برطانیہ اور دیگر ممالک کے لوگ وہاں جا کر آباد ہوئے۔

افریقی لوگوں کو غلام بنا کر امریکہ لایا گیا

امریکہ کو کار آمد بنانے کے لئے دریافت کرنے والوں کو انسانوں کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے افریقہ کے لوگوں کو غلام بنایا اور یہاں امریکہ لے آئے۔ جس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ افریقہ کے کسی گاؤں میں جاتے، وہاں جال ڈال کر گاؤں کا محاصرہ کرتے، سارے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان ان سب کو گرفتار کرتے، جو بھاگنے کی کوشش کرتا، اُسے زخمی کرتے۔ جس طرح

جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح انسانوں کا شکار کرتے اور پھر ان میں سے چھانٹتے کہ کون کام کا ہے اور کون کام کا نہیں ہے۔ جواُن کے کام کا نہ ہو، اسے وہیں چھوڑ دیتے نتیجہ یہ نکلتا کہ کسی کا باپ رہ جاتا، کسی کی ماں رہ جاتی، کسی کا بھائی رہ جاتا اور کسی کی بہن رہ جاتی۔ ان لوگوں کو اس سے بحث نہیں تھی کہ کس کا کون سا رشتہ دار رہ گیا، انہیں صرف اپنے مقصد سے غرض تھی۔ جانوروں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو انہوں نے افریقہ کے ان کالوں اور سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کیا۔ اس طرح یہ ان افریقیوں کو امریکہ لے کر پہنچے اور امریکہ کی سرزمین کو ان کے ذریعے آباد کیا۔

اسپین کے مسلمانوں کو زبردستی امریکہ پہنچایا گیا

اسپین کے لوگوں کو بھی اسی طرح زبردستی امریکہ پہنچایا گیا۔ جب امریکہ دریافت ہوا تو تقریباً یہ وہی دور تھا کہ جب سقوط غرناطہ ہوا۔ اسپین میں اسلامی خلافت کا خاتمہ ہوا تو وہاں کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا، بہت سے مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے مسلمان وہاں سے بھاگ کر مراکش وغیرہ میں پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے مسلمانوں کو انہوں نے زبردستی عیسائی بنا کر امریکہ پہنچایا۔

امریکہ میں غلاموں کی خرید وفروخت

اس نئی دنیا کو آباد کرنے کے لئے افریقہ کے ان آزاد انسانوں کو غلام بنایا گیا جو آزاد ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ انہیں، ان کے والدین کو، ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لایا گیا اور یہاں امریکہ میں ان غلاموں کی

خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ان کی منڈیاں اور بازار لگتے تھے۔

یہ خرید وفروخت اسی طرح ہوتی تھی جس طرح پچھلے چند مہینوں میں یہاں افغانستان کے اندر امریکہ نے قیدیوں کی خرید وفروخت کروائی ہے۔ کتنے مسلمان قیدیوں کو ہندوستان خرید کر لے گیا۔ حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر لکھا ہوا ہے کہ اب غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے، اب کسی کو غلام نہیں بنایا جائے گا لیکن افغانستان کے قیدیوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے ان کا نام غلام نہیں رکھا لیکن معاملہ غلاموں سے بدتر کر رکھا ہے۔ اب بھی ان کی خرید وفروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ قیدی جو ہمارے بھائی ہیں۔ اب بھی بک رہے ہیں۔

قدرت کا انتظام

قدرت کے بھی عجیب کھیل ہیں۔ قدرت کیسے کیسے انتظامات کرتی ہے۔ آج آپ اگر امریکہ جائیں تو وہاں جتنے آپ کو گورے نظر آئیں گے، اتنے ہی کالے بھی نظر آئیں گے۔ وہ پرانے امریکی نیشنل ہیں۔ قانونی اعتبار سے برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کالے ان گوروں کیلئے وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ وہی سیاہ فام جنہیں غلام بنا کر امریکہ لایا گیا تھا۔ انہوں نے گوروں کے ناک میں دم کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں۔ مجبوراً امریکی حکومت کو ان کے حقوق دینے پڑتے ہیں، اگر چہ صدیوں تک انہوں نے غلامی کی لیکن اب غلامی کے خاتمے کی وجہ سے انہوں نے آزادی حاصل کر لی ہے اور برابر کے امریکی شہری ہیں۔

اسلام میں غلامی کا تصور

غلامی کے متعلق انسانی حقوق کے علمبردار امریکہ اور اس کے حواری یورپ

ممالک کا طرز عمل بیان کرنے کے بعد اب ہم بتلاتے ہیں کہ اسلام میں غلامی کا کیا تصور ہے؟ اسلام پہلا دین ہے جس نے غلامی کے راستوں پر قدغن لگادی۔ انسانوں کو غلام بنانے کے راستہ میں جابجا رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کیں، اور اگر اتنی پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کسی کو غلام بنایا گیاتو پھر ان غلاموں کے زبردست حقوق مقرر کئے اور ان کی آزادی کے بے انتہا راستے کھولے اور جب تک وہ غلام رہیں انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ گویا نام تو غلامی کا رہا لیکن عملاً غلامی ختم کردی گئی، غلام بھائی بنادیئے گئے، ہر غلام مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے۔ (جوآگے آئے گی) پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام میں غلام بنانے کی کیا کیا شرائط ہیں۔

اسلام میں غلام بنانے کی شرائط

اسلام میں غلام بنانے کیلئے متعدد شرائط ہیں۔ جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ دوسرا مسلمان کالا ہو یا گورا، اس کا تعلق دنیا کی کسی بھی نسل، علاقے اور زبان سے ہو، اُسے غلام بنانا جائز نہیں کیونکہ دنیا میں بسنے والے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہ شرط اسلام میں ہے دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی پابندی نہیں تھی نتیجہ یہ کہ عیسائی عیسائی کو غلام بنالیتا تھا۔ یہودی، یہودی کو غلام بنالیتا تھا وغیرہ، تو اس شرط کی وجہ سے دنیا میں بسنے والے انسانوں کی کتنی بڑی تعداد غلامی سے محفوظ کردی گئی۔ اس وقت دنیامیں ایک ارب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ یہ سب مسلمان ہمیشہ کیلئے غلامی سے محفوظ ہوگئے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تمام کافروں کو غلام نہیں بنا سکتے بلکہ صرف انہی کافروں کو غلام بنایا جاسکتا ہے جو جنگ کے دوران ہمارے مقابلے میں آئیں۔

کافروں کی تین قسمیں

کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک کافر وہ ہیں جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں۔ اسلامی ملک اور اسلامی حکومت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں جیسے پاکستان میں یہود، عیسائی، ہندو، پارسی، قادیانی وغیرہ رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو غلام بنانا جائز نہیں، نہ مرد کو، نہ عورت کو، نہ چھوٹے کو، نہ بڑے کو تو اس طرح کافروں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد غلامی سے بچادی گئی۔ دوسرے کافر وہ ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں اور ویزہ لیکر اسلامی ملک میں آتے ہیں۔ انہیں شریعت کی اصطلاح میں ''مستامن'' کہا جاتا ہے۔ انہیں بھی غلام بنانا جائز نہیں خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا بچہ، باقی دنیا میں جو کافر بچ گئے انہیں بھی اس طرح غلام بنانا جائز نہیں کہ جب چاہو پکڑ لو اور غلام بنالو جیسا کہ یورپ والوں نے کہا۔ بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کی کسی کافر قوم سے جنگ ہو اور اس جنگ کے دوران کچھ قیدی پکڑے جائیں، تو ان قیدیوں کو پکڑنے کے بعد اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو ان قیدیوں کو ویسے ہی بلا معاوضہ چھوڑ دے یا فدیہ (معاوضہ) لے کر چھوڑے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنالے۔ اس تفصیل میں بھی پہلی دوصورتوں میں غلامی نہیں آئی۔

اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کی؟

اگرچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے جنگ کے دوران پکڑے جانے والے کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے لیکن اسلام نے قیدی بنا کر رکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ان انسانوں کو جیل میں ڈال کر سڑایا جائے، ملک کے

خزانے پر بوجھ ڈالا جائے، انسان کو بالکل بیکار کر کے ڈال دیا جائے کہ کھانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں۔ عام طور پر جیلوں میں پڑے ہوئے قیدی طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جنسی جرائم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر ان میں مختلف طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر یہ کہ ان قیدیوں پر مختلف طرح کے مظالم بھی ڈھائے جاتے ہیں جیسے کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

کیوبا کے قیدیوں پر ہونے والے مظالم

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کیوبا میں ہمارے بھائیوں پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، تصویریں آ چکی ہیں، کیوبا کے قیدیوں کی حالت یہ ہے کہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے انہیں اکڑوں بٹھا رکھا ہے۔ اکڑوں بیٹھنا کس قدر مشکل ہے اگر صرف دو گھنٹے کے لئے اکڑوں بیٹھنا پڑے تو پتہ چل جاتا ہے، اور ان قیدیوں کو اسی حال میں کئی مہینے گذر گئے ہیں، ہاتھ پیچھے سے بندھے ہوئے ہیں، کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی آواز سنائی نہ دے، آنکھوں پر پٹی باندھی ہوئی ہے تاکہ کوئی چیز نظر نہ آئے، ناک میں روئی ٹھونسی ہوئی ہے تاکہ کوئی بو یا بدبو سنگھائی نہ دے، ہاتھوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھائے گئے ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو چھو کر محسوس نہ کر سکیں۔ اسی حالت میں اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے، وہ جانتے ہیں یا پھر ان کا رب جانتا ہے۔

اسلام ایسے انسانی حقوق کا روا دار نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم ان قیدیوں کو غلام بنا لو۔

غلاموں کے حقوق

لیکن غلام بنانے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ان غلاموں کے حقوق بھی ادا کئے جائیں، مثلاً ان کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرو، انہیں تعلیم بھی دلواؤ، ان کی تربیت بھی کرو، ان کی شادیاں بھی کرو، انہیں معاشرے کا حصہ بناؤ، انہیں کاروبار میں لگاؤ، ان کو عہدے اور ملازمتیں بھی دو، البتہ ملکیت تمہاری رہے گی، اور اگر کسی عورت کو باندی بناؤ تو اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کی بھی اجازت ہے، شرعاً مالک اور باندی کے درمیان وہ جنسی تعلق قائم ہوسکتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس تعلق کے نتیجہ میں اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام جنگی قیدی ہیں لیکن............

گویا غلام جنگی قیدی ہیں۔ ان جنگی قیدیوں کو غلام و باندی کا نام دیا گیا، لیکن ان قیدیوں کو جیلوں میں بے کار نہیں رکھا، اکڑوں نہیں بٹھایا، ہاتھ پاؤں نہیں باندھے، بیڑیاں نہیں ڈالیں، بلکہ انہیں چلتا پھرتا رکھا تاکہ ان کی صحت بھی ٹھیک رہے، خوش بھی رہیں، تعلیم و تربیت بھی حاصل کریں اور ترقیاں بھی کریں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے غلاموں کی تعداد بے شمار ہے جو بڑے بڑے علماء و مشائخ، سائنس دان اور فلکیات کے ماہرین بنے ہیں۔ فوج کے سردار اور جرنیل بنے ہیں حتی کہ بادشاہ بھی بنے ہیں۔

قیدی بنانے کا بہتر طریقہ

پھر اس طرح غلام بنانے کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت

کے خزانے پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اتنے قیدیوں کو اگر جیلوں میں رکھا جائے تو ان کے لئے بہت بڑی جیل بنوانی پڑتی ہے۔ ان کی حفاظت کیلئے عملہ رکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسلام کی اختیار کردہ صورت میں حکومت کو ان قیدیوں پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور قیدی بھی زیادہ آرام سے رہتے ہیں، ان کی صحت بھی زیادہ اچھی رہتی ہے اور پھر یہ کہ ان کے تمام فطری اور جنسی تقاضوں کے پورے ہونے کا انتظام بھی ہوتا ہے تو بتلایئے کہ قیدی بنانے کا یہ طریقہ زیادہ اچھا ہے یا وہ طریقہ زیادہ اچھا ہے جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہے۔

اسلام غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے

بات صرف یہاں پر ختم نہیں ہوتی کہ اسلام نے قیدی بنانے کا ایک بہتر طریقہ اختیار کیا اور ان قیدیوں کو غلاموں کا نام دیکر انہیں ان کے تمام حقوق دیئے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اس غلامی کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے غلامی کے سلسلہ میں جو اقدامات کئے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو دنیا میں غلامی کا طریقہ ختم ہوا ہے، یہ دراصل اسلام کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

غلامی کے خاتمے کیلئے اسلام کے اقدامات

غلامی کے خاتمہ کیلئے اسلام نے بہت اہم اقدامات کئے۔ جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کے اتنے زیادہ راستے بنادیئے کہ بہانے بہانے سے غلام کو آزادی مل جاتی ہے۔ غلام کی آزادی کی صورتیں یہ ہیں۔

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

اسلام نے پہلا کام تو یہ کیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب بہت زیادہ رکھا۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں بتلایا گیا کہ سب سے افضل عمل ایمان باللہ ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا عمل جو اس حدیث میں بتلایا گیا وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے بعد سب سے بڑا عمل، غلام کو آزاد کرنا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ہر عضو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غلام آزاد کرنے کے اور بھی متعدد فضائل ہیں۔

مختلف کفاروں میں غلام کی آزادی

معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہوا کہ غلام آزاد کرنے کو صرف ایک فضیلت کی چیز قرار دیا گیا ہو، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ قوانین بھی مقرر فرما دیئے گئے مثلاً یہ کہ چار قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارۂ قتل

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کرے مثلاً جانور کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے گولی انسان کو لگ گئی اور وہ شخص مر گیا تو یہ قتل خطا ہے، ایسے قتل میں دیت بھی واجب ہوتی ہے جسے ''خون بہا'' کہا جاتا ہے۔ دیت کی قیمت لاکھوں روپے تک ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہی قانون رائج ہے۔ یہ

دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی ہے لیکن دیت کے ساتھ اس عمل کا کفارہ ادا کرنا بھی ضروری ہے اور وہ کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام دستیاب نہ ہو تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھنا ضروری ہیں۔ آج کل چونکہ غلام موجود نہیں اس لئے روزے رکھنے ہوں گے۔

کفارۂ ظہار

دوسری صورت کفارۂ ''ظہار'' ہے۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا " أنتِ علی کظھرِ أمیّ " ''تم مجھ پر میری ماں کی کمر کی طرح ہو'' یعنی جس طرح میری ماں مجھ پر حرام ہے۔ اسی طرح تم بھی مجھ پر حرام ہو۔ اس طرح کہنے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے۔ اب حکم یہ ہے کہ اگر بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو تو اس کا کفارہ ادا کرو، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگر غلام آزاد نہیں کرسکتے تو پے درپے دو مہینے کے روزے رکھو۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر اُسے توڑ ڈالے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے یا پھر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔ اس کے اور کفارۂ ظہار کے احکام ایک جیسے ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے اور پھر اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿فکفارتہٗ إطعام عشرة مساكين من أوسط ماتطعمون أهليكم أوكسوتهم أو تحرير رقبة۔ فمن لم يجد فصيام ثلثة أيام﴾۔ (المائدہ:۸۹)

یعنی ”دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں جوڑے پہناؤ یا غلام آزاد کرو“۔

دیکھئے مذکورہ گناہوں کے کفاروں کے اندر ہر جگہ غلام کے آزاد کو کفارہ کے طور پر ذکر کیا جارہا ہے اور اگر غلام نہ ہوتو اس صورت میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

”تو آزاد ہے“ کہنے سے غلام کی آزادی

اس کے علاوہ ایک اور قانون یہ بتایا کہ اگر کوئی شخص زبان سے یہ کہہ دے کہ ”تو آزاد ہے“ تو وہ آزاد ہوجاتا ہے۔ اس کی غلامی فوراً ختم ہوجاتی ہے۔ اس میں کہنے والے کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، یہ جملہ خواہ وہ آزاد کرنے کی نیت سے کہے یا کسی اور نیت سے کہے، ہرصورت میں غلام آزاد ہوجاتا ہے مثلاً کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ میاں تم بڑے ذہین آدمی ہولیکن غلطی سے زبان سے یہ جملہ ادا ہوگیا کہ تم آزاد ہوتو وہ غلام آزاد ہوجائے گا۔ اب اگر مالک یہ کہے کہ صاحب! میری تو نیت غلام آزاد کرنے کی نہیں تھی۔ میں نے تو غلطی سے کہہ دیا تھا تو اُسے جواب دیا جائے گا کہ نیت ہو یا نہ ہو، جب صاف لفظوں میں غلام سے یہ کہا کہ تو آزاد ہے، تو اب آزاد ہوگیا، اب غلام کی واپسی کی کوئی صورت نہیں۔

غلام کا آزاد کرنا طلاق دینے کی طرح ہے

یہ بالکل طلاق کی طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں طلاق

دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ آج کل بہت سے لوگ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب! میں نے تو غصے میں طلاق دی تھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ محبت میں طلاق کون دیتا ہے۔ سب غصے ہی میں تو دیتے ہیں۔ تو طلاق غصے میں دی جائے یا پیار میں، جان بوجھ کر دی جائے یا بھول کر جب لفظ طلاق صریح بولا جائے گا تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

تیر مارنے کی طرح

یہ دونوں معاملے بالکل تیر مارنے کی طرح ہیں جیسی کوئی شخص کہے کہ میں نے تیر تو مارا تھا لیکن میری نیت تیر مارنے کی نہیں تھی، تو اُسے کہا جائے گا کہ نیت تھی یا نہیں تھی، سامنے والے کو تیر تو لگ گیا۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے میں نیت ہو یا نہ ہو، غلام آزاد ہوجائے گا اور صریح طلاق میں نیت ہو یا نہ ہو، بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

غلامی کے خاتمے کیلئے ایک اور قانون

مذکورہ تمام صورتوں کے علاوہ غلامی کے خاتمہ کیلئے ایک اور قانون یہ بنایا گیا کہ اگر مسلمانوں کا کسی غیر مسلم قوم سے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ ہوجائے کہ وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو شرعاً اسکی پابندی لازمی ہوجاتی ہے اور پھر کسی قوم کے قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں رہتا۔

اس زمانہ میں غلامی کیسے ختم ہوئی؟

چنانچہ اس زمانہ میں غلامی ختم ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ

ہمارے سمیت دنیا کے بہت سے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن اسرائیل بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اسی طرح ہمارا سب سے بڑا دشمن بھارت بھی اقوام متحدہ کا رکن ہے اور ہم بھی اس کے رکن ہیں، اور جتنے ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں ان سب نے اقوام متحدہ کے ایک چارٹر پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور یہ معاہدہ کیا ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے قوانین کی پابندی کریں گے۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر جنگ ہوگی تو کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائے گی۔ چنانچہ اب اسلام کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر ہماری جنگ کسی بھی ایسے ملک سے ہو جو اقوام متحدہ کا رکن ہے تو ہم ان کے جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی نہیں بنا سکتے اور وہ بھی ہمارے جنگی قیدیوں کو غلام اور باندی نہیں بنا سکتے۔

گذشتہ جہادِ افغانستان میں روسیوں کو غلام بنانے کا مسئلہ

لیکن اسلام کی رو سے اس حکم کا اطلاق ان ممالک کیلئے ہوگا جو اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ جو ممالک اقوام متحدہ کے رکن نہیں، ان کیلئے یہ حکم بھی نہیں چنانچہ جب افغانستان میں روسیوں کے خلاف جہاد ہو رہا تھا اور مجاہدین اپنے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے تو یہ مجاہدین وہ لوگ تھے کہ جن کی نہ اپنی کوئی حکومت تھی اور نہ یہ کسی اور حکومت کے ماتحت تھے چنانچہ یہ اقوام متحدہ کے رکن بھی نہیں تھے۔ اس وقت میں ان مجاہدین سے کہا کرتا تھا کہ ان روسیوں کو پکڑو اور غلام بناؤ اور اگر ان کی عورتیں ہاتھ آ جائیں تو انہیں باندی بناؤ۔ ہم پاکستانیوں کیلئے تو انہیں غلام بنانا جائز نہیں، تمہارے لئے جائز ہے، اس لئے کہ ہم اقوام متحدہ کے رکن ہیں، تم اس کے رکن نہیں ہو۔

اسلام میں انسانی احترام

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام نے انسانی احترام اور عظمت کا اتنا خیال رکھا کہ غلام بنانے کے بہت سے راستے مسدود کردیئے اور یہ کوشش کی کہ غلامی میں بدستور کمی واقع ہوتی رہے یہاں تک کہ ختم ہوجائے اور جب تک یہ غلامی رہے تو غلاموں کی حالت قیدیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے جو عمر دراز تک جیلوں کے اندر گلتے رہتے ہیں اور شدید مظالم کا شکار ہوتے ہیں۔ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم

اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے جو احکامات اور ترغیبات دی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا صرف نام ہی نام ہے، ورنہ غلام تو درحقیقت بھائی ہوتا ہے، آدمی اس جنگی قیدی کو اپنا بھائی بنالیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنے اور ان سے کام لینے کا حکم دیا ہے جس طرح بھائیوں سے لیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ برداشت نہ کرسکے، اگر کبھی اتنا کام بتاؤ تو اسکے ساتھ خود بھی حصہ لو اور اس کی مدد کرو اور ایک مستحب حکم یہ بھی ہے کہ جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، ایسا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معمول یہی تھا کہ جو خود پہنتے تھے، وہی غلام کو پہناتے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوذر غفاری

رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بدن پر ایک عمدہ چادر ہے لیکن تہہ بند کسی اور کپڑے کا ہے اور دوسری اسی طرح کی عمدہ چادر ان کے غلام کے بدن پر ہے اور اس کا تہہ بند بھی کسی اور کپڑے کا ہے۔ تو اس صحابی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر دونوں عمدہ کپڑوں کو آپ ہی استعمال کرلیتے تو آپ کے پاس ایک حلہ (سوٹ) بن جاتا اور ہلکے درجے کی دونوں چادریں غلام کو دے دیتے تو اس کے پاس بھی ایک حلہ بن جاتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم خود پہنو، وہی لباس اپنے بھائیوں (غلاموں) کو بھی پہناؤ۔ لہٰذا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں عمدہ لباس پہنوں اور غلام کے پاس کم درجے کا لباس ہو۔ لہٰذا اگر میں یہ دونوں عمدہ چادریں استعمال کرلیتا تو میرے بھائی (غلام) کو اس جیسا لباس نہ ملتا۔

غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاموں کیلئے بھائی کا لفظ استعمال فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

﴿اخوانکم وخولکم﴾
''یہ تمہارے بھائی اور خادم ہیں''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے شام کے علاقہ فلسطین تشریف لے گئے تو آپ کے پاس ایک سواری تھی اور ایک

غلام بھی ساتھ تھا تو آپ نے غلام کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ اتنی دیر تم پیدل چلو گے، میں سواری کروں گا اور اتنی دیر میں پیدل چلوں گا تم سواری کرو گے، برابر برابر کی باری مقرر کر رکھی تھی۔ کُل ایک مہینے کا سفر تھا، اسی طرح باری باری سواری کر کے شام کے علاقہ میں پہنچے۔

اس زمانہ میں شام بڑا متمدن علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ پڑھے لکھے، ترقی یافتہ اور شہری قسم کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استقبال کیلئے ایک زبردست مجمع باہر آیا۔ چونکہ یہ علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ اس لئے استقبال کیلئے اسلامی لشکر بھی آیا تھا اور ان کے علاوہ نومسلم لوگ اور کچھ غیر مسلم سردار اور عام لوگ بھی استقبال کیلئے آئے تھے کہ وہ امیر المؤمنین آ رہے ہیں جن کی حکومت درجنوں ممالک پر پھیلی ہوئی ہے اور جن کی عظمت کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ جب وہ مقام آیا جہاں پر استقبال کرنے والے آپ کو دیکھ سکتے تھے تو اُس وقت غلام کے سوار ہونے اور آپؓ کے پیدل چلنے کا نمبر آ گیا چنانچہ آپؓ اس شہر میں اسی حال میں داخل ہوئے ہیں کہ غلام سوار تھا اور آپؓ اسکے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔

غلام کو تھپڑ مارنے پر بدلہ دلوانا

ایک صحابی کے بیٹے نے غلام کو تھپڑ مار دیا اور پھر بھاگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اگرچہ یہ غلام ہے لیکن میرا والد اس بات کو بھی برداشت نہیں کریگا اور وہ میری پٹائی کریگا۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ظہر کے وقت گھر واپس پہنچا تو باپ نے مجھے بلالیا اور اس غلام کو بھی بلایا اور پھر اس غلام سے کہا کہ اپنا بدلہ لے لو۔

تھپڑ مارنے پر آزادی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو پھر فوراً اُسے آزاد کر دیا، اور پھر فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے تو پھر اُسے آزاد کر دے!" اس حدیث پر علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ کیا اس صورت میں غلام کا آزاد کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اس میں دونوں احتمال ہیں تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ظاہری مفہوم یہ بتلاتا ہے کہ غلام کو تھپڑ مارنے کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اب غور کیجئے کہ ایک تھپڑ کہاں اور ایک پورے غلام کی آزادی کہاں۔

مارنے پر آزاد کرنے کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ غلام یہ کہہ رہا تھا "اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ" لیکن وہ صحابی غصے کی وجہ سے اس کا یہ جملہ سن نہیں رہے تھے۔ غلام نے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا کہ "رسول اللہ کی پناہ، رسول اللہ کی پناہ" پہلے غصہ کی وجہ سے اس صحابی نے غلام کا پہلا جملہ سنا نہیں تھا لیکن اب شائد غصہ کچھ کم ہو چکا تھا، اس لئے غلام نے جب "رسول اللہ کی پناہ" کا جملہ بولا تو اس صحابی نے سن لیا، پلٹ کر دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر انہوں نے فوراً اپنا وہ کوڑا پھینک دیا جس سے غلام کو مار رہے تھے اور فرمایا کہ یہ غلام اللہ کیلئے آزاد ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے پکڑ لیتی۔

غلام بادشاہ بنے

یہ تھی وہ غلامی جس کی اجازت اسلام نے دے رکھی تھی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا گیا، اور اتنا خیال رکھا کہ باندیوں کی اولاد کو بادشاہ تک بنادیا۔ چنانچہ تاریخ اسلام اور بنوعباس واندلس کی تاریخ میں کئی مرتبہ یہ واقعات پیش آئے کہ بادشاہ کے حرم میں باندی تھی، اس سے اولاد پیدا ہوئی، وہ شہزادے بنے اور پھر یہی شہزادے اسلامی حکومت کے فرمانروا بنے۔ چنانچہ خلافت بنو عباس کے دور کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید جو ایک عرصے تک بادشاہ رہا ایک باندی کا بیٹا تھا۔ اب دیکھئے کہ اسلام نے باندی کو کتنا اونچا مقام دیا کہ اس کے بیٹے کو بادشاہ بننے کا موقع دیا۔

خلافت بنوعباس کی زمینی وسعت

اور اس زمانے میں مسلمانوں کی زیرنگیں سلطنتیں بھی بڑی بڑی ہوتی تھیں چنانچہ یہی بنوعباس جن کا تذکرہ پہلے ہوا، ان کی حکومت پورے براعظم ایشیا، عراق اور افریقہ کے بہت سے ممالک پر تھی۔ بنوعباس کے دور میں ایک مشہور خلیفہ ابوجعفر منصور گذرے ہیں۔ ان کے دور کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دارالخلافۃ بغداد میں پانی کی سخت قلت ہوئی، لوگ بارش کیلئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک روز ایک گھنگھور گھٹا بغداد کے اوپر آئی۔ سب خوش ہوگئے کہ اب بارش ہوگی، خلیفہ منصور بھی بڑی امید کے ساتھ اپنے محل سے باہر نکلے اور بادل کو دیکھنے لگے لیکن خلیفہ منصور اور اہل بغداد دیکھتے ہی رہے، وہ بادل بغداد سے گذر کر آگے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ منصور نے مسکرا کر کہا کہ اے بادل! تو جہاں چاہے جا کر برس، تیرے پانی کی جو پیداوار ہوگی،

اس کا خراج تو یہیں آئے گا، تو اسلام نے اتنے بڑے علاقوں اور سلطنتوں کا بادشاہ غلاموں کو بنادیا۔

غرض غلام سے متعلق یہ ساری تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک حصہ کی تشریح کی گئی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنا افضل عمل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے کی اور دین پر صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ العلمین

صدقہ کرنے کے آسان طریقے

موضوع: صدقے کی آسان قسمیں
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: مدرسۃ البنات جامعہ دارالعلوم کراچی
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿صدقے کی آسان قسمیں﴾

خطبہ مسنونہ!

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد

عن ابی ذر رضی الله عنه: ان ناساًمن اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قالواللنبی صلی الله علیه وسلم: یارسول اللّٰہ، ذهب اهل الدثور بالأجور یصلون کما نصلی و یصومون کما نصوم و یتصدقون بفضول اموالهم۔ قال: أولیس قدجعل اللّٰہ لکم ما تصدقون ، ان بکلّ تسبیحةٍ صدقة و کل تکبیرة صدقة و کل تحمیدة صدقة و کل تهلیلة صدقة و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن منکر صدقة و فی بضع احدکم صدقة۔ قالوا: یارسول اللّٰہ، أیاتی أحدناشهوته و یکون لہٗ فیها أجرٌ؟ قال: ”أرَء یتم لووضعها فی حرام أکان علیه وزر؟ فکذلك اذا و ضعها فی الحلال کان لہٗ اجرٌ۔

(مسلم، ج۲، ص۶۹۷ رقم الحدیث ۱۰۰۶)

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللہ عنه أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، وکل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواہ مسلم)

عن أبی هریرة رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من غدا الی المسجد أوراح، اعد اللہ لهٗ فی الجنة نزلاً کلّما غدا اوراح" (متفق علیه)

غریب صحابہؓ کی شکایت:

اِس حدیث میں صدقہ کرنے کے مختلف اور عجیب طریقے ذکر کئے گئے ہیں۔حدیث کا مفہوم یہ ہے:

ایک مرتبہ غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ امیر صحابہ نے تو خوب ثواب کما لیا، زکوٰۃ دی تو اس کا ثواب ان کو ملا، قربانی کی تو اس کا ثواب ان کو ملا، صدقۃ الفطر اور نفلی صدقات دیئے تو ان کا ثواب ملا۔ اِن سب چیزوں کا ثواب صرف انہیں ملا۔ چونکہ ہمارے پاس مال نہیں، اس لئے ہمیں اِن چیزوں کا ثواب نہ مل سکا۔ جب کہ وہ اعمال جو ہم کرتے ہیں، وہ مال دار بھی کرتے ہیں مثلاً نماز ہم پڑھتے ہیں، وہ بھی پڑھتے ہیں، روزہ ہم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی رکھتے ہیں تو اس طرح یہ مالدار لوگ ہم سے بہت آگے نکل جائیں گے کیونکہ جن اعمال میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں، ان کا ثواب ہمیں بھی ملتا ہے اور ان کو

بھی ملتا ہے لیکن جو اعمال صرف وہ کرتے ہیں، ان کا ثواب انہیں تو ملتا ہے، ہمیں نہیں ملتا۔ تو اس طرح جنت کے داخلے کے وقت بھی صرف مالداروں کے مزے ہوں گے لہٰذا غریب لوگ دنیا میں بھی پیچھے ہیں، آخرت میں بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

صدقے کی صورتیں:

ان کی یہ شکایت سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کے مختلف طریقے بتلائے۔ اور سمجھایا کہ تم میں سے ہر شخص صدقہ کرسکتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا:

﴿ان بكل تسبيحة صدقة، و كل تكبيرة صدقة و كل تحميدة صدقة و كل تهليلة صدقة و امرٌ بالمعروف صدقة و نهى عن المنكر صدقة و فى بضع أحدِكم صدقة﴾

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کے ایسے طریقے بتادیئے کہ غریب سے غریب آدمی بھی اسے کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اب یہ صدقات کرنا کتنا آسان ہے۔ مالدار حضرات اتنا لاتعداد اپنا مال خرچ نہیں کر سکتے جتنی لاتعداد مرتبہ یہ کلمات کہہ کر غریب صدقات کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اِن کلمات کو پڑھتے رہیں، صدقہ ہوتا رہے گا اور اس طرح مالداروں سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔

دین میں کہیں مایوسی نہیں:

دیکھئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کیسا پیارا دین ہے کہ اس میں

کہیں مایوسی نہیں ہے، امید ہی امید ہے، امید کے راستے کھلے ہوئے ہیں، امید کی روشنیاں جگ مگا رہی ہیں۔ غریب سے غریب، بیمار سے بیمار اور کمزور سے کمزور آدمی اگر کچھ نہیں کرسکتا تو سبحان اللہ، الحمدللہ تو کہہ سکتا ہے، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ تو کہہ سکتا ہے، درود شریف تو پڑھ سکتا ہے، استغفار تو کرسکتا ہے، یہ سب صدقات ہیں اور ان سے آخرت کا اجر وثواب اور درجات کی بلندی ملنے والی ہے۔

امر بالمعروف صدقہ بھی، فریضہ بھی:

اور اس حدیث میں یہ بھی بتلا دیا کہ امر بالمعروف یعنی کسی دوسرے کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر یعنی کسی دوسرے کو کسی برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صدقہ ہونے کے علاوہ بڑا اہم فریضہ بھی ہے۔ کسی برائی کو دیکھنے کے بعد اسے مقدور بھر ختم کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اسی طرح اپنی قدرت کے بقدر دوسروں کو نیک کام کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً کوئی نماز نہیں پڑھتا تو اُسے نماز پڑھنے کی ترغیب دینا وغیرہ صدقہ بھی ہے اور ایک حد تک مسلمان کا فریضہ بھی ہے۔ اور یہ دین کا قطبِ اعظم ہے۔

اور یہ عمل اپنے اپنے درجے میں فرض ہوتا ہے۔ باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرے، ناجائز کاموں سے روکنے کی کوشش کرے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو سمجھائے، استاذ پر لازم ہے کہ وہ شاگردوں کو سمجھائے اور ایک دوست کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے دوست کو نیکی کی تلقین کرے۔

امر بالمعروف کب صدقہ بنے گا؟:

لیکن یاد رکھئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس وقت صدقہ بنے گا جب یہ کام اصول وضوابط کے مطابق کیا جائے۔ عام طور پر لوگوں سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی شخص امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرتا ہے تو جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمیں کسی کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں:

یہ کام جتنا زیادہ ضروری ہے اتنا ہی یہ نازک بھی ہے۔ اگر یہ کام سنت کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا اور اگر سنت کے خلاف کیا جائے گا تو اس کے اُلٹے اثرات پڑیں گے۔ مثلاً ایک شخص مسجد میں وضو کر رہا ہے، آپ نے دیکھا کہ اس کا ایک عضو خشک رہ گیا تو اس صورت میں آپ کا کام یہ ہے کہ آپ اسے چپکے سے جا کر کہہ دیتے کہ میاں تمہاری یہ کہنی خشک رہ گئی ہے۔ لیکن اگر دور سے ہی آپ نے اسے کہہ دیا کہ دیکھو تمہاری کہنیاں خشک رہ گئی ہیں، وضو کرنا تو سیکھو۔ اب اِسی بات پر جھگڑا ہو جائے گا کیونکہ آپ نے اپنے اس عمل سے اس کا دِل دکھا دیا اور اس کی توہین کر دی جس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس نے تو صرف ایک غلطی کی کہ وضو صحیح طرح نہ کیا لیکن آپ نے کئی غلطیاں کر دیں۔ ایک مسلمان کا دِل دکھا دیا، اُسے ذلیل و رسوا کیا اور اُسے ڈانٹا حالانکہ آپ کو اس میں سے کسی بات کا بھی حق نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ شخص آپ کا ماتحت نہیں، آپ کا شاگرد نہیں، آپ کا خادم نہیں ہے ہاں آپ صرف اس سے درخواست کر سکتے ہیں، ڈانٹنے اور سخت کلامی کا بالکل اختیار نہیں۔

فرعون کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت:

اور مجھے یا آپ کو اِس کا کیا اختیار حاصل ہوتا، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو انہیں بھی فرعون کو ڈانٹنے کا اختیار نہیں دیا بلکہ یوں فرمایا:

﴿قُولا لہٗ قولاً لینا﴾

''اس سے نرمی سے بات کرنا''

حالانکہ فرعون وہ شخص تھا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اس کا یہ اعلان تھا کہ "أنا ربکم الأعلی" (میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک مقولہ:

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے زیادہ مصلح نہیں، جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اپنے مخاطب فرعون کے مقابلہ میں سخت کلامی کی اجازت نہیں دی گئی تو ہمیں اپنے مخاطب سے سخت کلامی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے۔

مسجدوں میں جھگڑے کیوں ہوتے ہیں؟:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ بنیادی اصول ہے۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کل مسجدوں میں جگہ جگہ جھگڑے ہوتے ہیں مثلاً آج آپ نے کسی کو مسجد میں سب کے سامنے ڈانٹ دیا اور ذلیل کر دیا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ اب آئندہ وہ اس فکر میں رہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آپ کو

ذلیل کرے۔ آپ کی برائیاں تلاش کرے گا اور انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ آپ کو پتہ چلے گا تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، جس کے نتیجہ میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔

بدعات ختم کرنے کا صحیح طریقہ:

بعض مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ مسجد میں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بدعت کا عمل ناجائز اور حرام ہے، لیکن اُسے بھی سخت کلامی سے روکنا درست نہیں کیونکہ اس طرح کرنے سے جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت تنہائی میں عزت و احترام کے ساتھ، اپنے آپ کو چھوٹا اور اس کو اپنے سے بڑا ظاہر کر کے نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں بات کریں اور بہتر یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت سے دُعا بھی کر لیں کہ اے اللہ مجھے اخلاص نصیب فرمادے اور میری بات میں اثر بھی پیدا فرمادے۔

لیکن آج کل عام طور اس کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ دِل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اس سے بلند ہوں اور اپنی بڑائی اور اس کی حقارت ظاہر کرنے کے لئے سخت لہجے میں اُسے منع کیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ برائی، برائی سے نہیں مٹا کرتی، برائی خیر سے مٹا کرتی ہے۔

ایک حرام کو اگر آپ حرام افعال کا ارتکاب کر کے مٹانا چاہیں گے تو اس سے حرام تو پھیلے گا، خیر نہیں پھیلے گی۔

ایک عجیب صدقہ:

اور اِس حدیث میں ایک اور صدقہ یہ بتلایا کہ "في بضع أحدِكم صدقة"

کہ میاں بیوی جو جنسی عمل کرتے ہیں، وہ بھی صدقہ ہے حالانکہ یہ عمل جنسی لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے بظاہر اس میں عبادت کا کوئی پہلو بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک لذیذ عمل کو صدقہ بنا دیا۔

صحابہ کرامؓ کو یہ سن کر تعجب ہوا اورانہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! اگر آدمی اپنی بیوی سے شہوت کو پورا کرے تو کیا اس پر بھی اُسے ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اپنی شہوت کو غلط طریقے سے پورا کرتا تو اُسے گناہ ہوتا یا نہ ہوتا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اُسے گناہ ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے اپنے آپ کو حرام سے بچا کر حلال طریقے سے اپنی شہوت کو پورا کیا تو اُسے اس پر صدقے کا ثواب عطا کیا گیا۔

دیکھئے اللہ رب العزت نے دین کو کتنا آسان فرما دیا۔ ذکر کردہ اعمال میں سے بہت سے عمل ایسے ہیں کہ ان کا کرنا انتہائی آسان ہے مثلاً سبحان اللہ کہنا، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا، درود شریف پڑھنا، کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان میں یہ بھی پابندی نہیں کہ بیٹھ کر اور باوضو ہو کر پڑھو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ حالت جنابت میں نہ ہو اور یہ بھی پابندی نہیں کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو بلکہ جس حال میں بھی ہوں، انہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ آپ بازار جا رہے تو بھی پڑھ سکتے ہیں، کہیں اور جا رہے ہیں تو بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حالت جنابت میں اُسے چھونا اور پڑھنا جائز نہیں، بلاوضو پڑھ تو سکتے ہیں، چھو نہیں سکتے باقی تمام اذکار بلاوضو اور جنابت کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں۔

امیر صحابہؓ کے اندر عبادت کی حرص:

غریب صحابہ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنا شروع کر دیا یعنی آپ کے بیان کردہ طریقے کے مطابق ذکر شروع کر دیا۔ ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مالداروں نے بھی یہ حدیث کہیں سے سن لی تو انہوں نے بھی وہ سب کام شروع کر دیئے، تسبیح، تہلیل، تکبیر اور امر بالمعروف وغیرہ وغیرہ کام کرنا شروع کر دیئے۔ اب یہ غریب صحابہ کرام دوبارہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اب تو مالدار بھی یہ کام کرنے لگے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾

''یہ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے انعام ہے کہ انہیں دونوں چیزوں کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

غریب صحابہؓ کی نئی تدبیر:

یہ جواب سننے کے بعد بہت سے غریب صحابہ کرامؓ نے سوچا کہ اب تو ہم پیچھے رہ گئے چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تدبیر نکالی کہ مزدوری شروع کی، جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹیں، بازار لا کر انہیں فروخت کیا اور اس سے جو پیسے ملے، اس سے صدقہ وخیرات کیا۔ اسی طرح مختلف صحابہ نے مختلف طرح کے کام کئے اور ان سے حاصل ہونے والی آمدنی کا صدقہ وخیرات کیا۔

صحابہ کرامؓ حقیقت کو سمجھ چکے تھے:

یہ صحابہ کرامؓ کی شان تھی کہ ان کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ، جنت کی طرف دوڑ کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ وہ دنیا کی حقیقت سمجھ چکے تھے کہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی زندگی ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کرنی چاہئے جتنا ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کریں، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ دنیا کی اِس محدود زندگی کو آخرت کی لامحدود زندگی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جائے۔ صحابہ کرام اس راز کو سمجھ چکے تھے اس لئے ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ ہم نیکیوں میں آگے نکل جائیں۔

آج کل مال و دولت کے اندر دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں مال و دولت میں اس سے آگے نکل جاؤں، میرا مکان اس سے اعلیٰ ہو، میری گاڑی اس سے بڑھیا ہو، میرے کپڑے اس سے بہتر ہوں، میرا بنک بیلنس اس سے زیادہ ہو۔ یہ ہماری دوڑ ہے۔

لیکن صحابہ کرام کی دوڑ وہ تھی جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿سابقوا الی مغفرۃٍ من ربکم و جنۃٍ عرضھا السمٰوٰت والارض﴾ (ال عمران:۱۳۳)

”تم دوڑ لگاؤ اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین و آسمانوں کے برابر ہے“

اللہ رب العزت ہمیں صحابہ کرام کے طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

دوسری حدیث:

و عن ابی ذر ایضاً رضی اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة، فکل تسبیحةٍ صدقة و کل تحمیدةٍ صدقة، و کل تهلیلةٍ، و کل تکبیرة صدقة، و أمر بالمعروف صدقة و نهی عن المنکر صدقة و یجزی من ذلك رکعتان یرکعهما من الضحی" (رواہ مسلم)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کے بدلے میں انسان پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہو جاتا ہے، پس سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمدللہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے اور چاشت کے وقت دو رکعتیں پڑھ لینا اِن سب سے کفایت کرتا ہے''۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ سَلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ یَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ یُعِیْنُ الرَّجُلَ عَلٰی دَابَّتِهٖ فَیَحْمِلُ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّ کُلُّ خُطْوَةٍ یَّخْطُوْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ۔

(بخاری ومسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا انسان کے ہر جوڑ پر ہر روز ایک صدقہ لازم ہے دو شخصوں کے درمیان انصاف کر دے یہ بھی صدقہ ہے کسی شخص کو جانور پر سوار کرنے میں یا اس کا اسباب لادنے میں مدد کر دے یہ بھی صدقہ ہے کوئی اچھی بات (جس سے کسی کا بھلا ہو جائے) یہ بھی صدقہ ہے جو قدم نماز کی طرف اُٹھائے وہ بھی صدقہ ہے۔ کوئی تکلیف کی چیز راستہ سے ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے"۔ (بخاری و مسلم)

ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہوتا ہے:

اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ واجب ہوتا ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ گذشتہ حدیث میں صدقہ کی ادائیگی کے مختلف طریقے بیان کئے گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے وغیرہ۔ یہاں پر صدقہ کی ادائیگی کے کچھ اور طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے:

پہلا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی نزاع ہے اور آپ نے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو یہ بھی صدقہ ہے۔

سوار ہونے میں مدد کرنا صدقہ ہے:

دوسرا طریقہ یہ بتایا گیا کہ اگر کسی شخص کے ساتھ اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کر دی جائے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس کے مختلف طریقے ہیں،

کوئی بوڑھا شخص ہے تو اس کے لئے سہارا بن جائے، کسی کا ہاتھ پکڑ لیا یا اس کا سامان اٹھوا کر گاڑی میں رکھوا دیا یا وہ خود اٹھا رہا ہے تو اس کی مدد کر دے وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہیں۔ پہلے زمانے میں سواری کے جانور ہوتے تھے جب کہ آج کل عام طور پر گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں تو گاڑی پر سوار ہونے میں مدد کرنے کی جو جو صورتیں ہیں، وہ سب بھی اِس میں داخل ہیں۔

مدد کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس کی مدد کی جا رہی ہے وہ شخص بوڑھا یا ناتواں ہو بلکہ ہر ایک کی مدد کی جا سکتی ہے۔

اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ آدمی روزانہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اگر آپ ایئرپورٹ پر جائیں تو وہاں بہت سے لوگ ملیں گے جنہیں مدد کی ضرورت ہوگی، اسی طرح ریلوے اسٹیشن، بسوں کے اڈے، بس اسٹاپ وغیرہ پر جا کر دیکھیں۔ وہاں پر خدمت کرنے کے کیا کیا مواقع ہیں اور یہ سارے مواقع اِسی صورت میں داخل ہیں۔

کسی سے اچھی بات کر لینا صدقہ ہے:

تیسرا طریقہ یہ بیان کیا گیا کہ کسی سے اچھی بات کر لینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کسی بھی قسم کی ہو وہ اس میں داخل ہے۔ دین کی کوئی بات کی، اچھے کام کی تلقین کی، گناہ سے بچنے کی بات کر دی، ایسا کوئی جملہ بول دیا جس سے وہ خوش ہو جائے، دعا کا کوئی کلمہ کہہ دیا، مہمان کے آنے پر اُسے ایسا جملہ کہہ دیا جس سے اس کا دِل خوش ہو جائے مثلاً عربوں میں یہ رواج ہے کہ جب مہمان آتا ہے تو اُسے اھلاً و سھلاً کہتے ہیں، ہمارے ہاں خوش آمدید کہنے کا رواج ہے یا یوں کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی وغیرہ وغیرہ یہ ساری صورتیں اسمیں داخل ہیں اور ان پر صدقہ کا ثواب ہے۔

مسجد کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر صدقہ کا ثواب:

چوتھی صورت یہ بیان کی گئی کہ نماز پر جاتے ہوئے ہر قدم پر ایک صدقہ کا ثواب ہے۔ ایک شخص مسجد جا رہا ہے تو گھر سے لے کر مسجد جانے تک وہ جتنے قدم اٹھائے گا، ہر قدم پر ایک صدقے کا ثواب ملے گا۔ مسجد کی طرف جانے کی اور فضیلتیں بھی احادیث میں مروی ہیں۔

مسجد کی طرف جانے کے دیگر فضائل

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

﴿من غدا الی المسجد أوراح اعد اللّٰه لهٗ فی الجنة نزلًا کلما غدا أوراح﴾ (متفق علیہ)

’’جو شخص صبح کو یا شام کے وقت مسجد میں جائے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان تیار کر دیتے ہیں‘‘

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے، آدمی جتنی مرتبہ بھی نماز کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مہمانداری کا سامان ہوتا ہے۔ وہ سامان کتنا عظیم الشان ہوگا! دنیا کی ساری نعمتیں جنت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا أذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر﴾

(اخرجه احمد و الستة سوی النسائی وابوداود)

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو
کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں اور کسی دِل پر ان
کا خیال تک نہیں گزرا''

یہ ساری نعمتیں مسجد میں جانے والے آدمی کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ تو گویا مسجد میں جانے کے بدلے میں ہر قدم پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کا سامان تیار کیا جاتا ہے۔ یہ سامان جنت میں ہمارے لئے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں یہ سامان ملنے والا ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے:

پانچویں صورت یہ بیان کی گئی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے، مثلاً راستہ میں کوئی کانٹا، شاخ، اینٹ، پتھر، لوہا، میخ وغیرہ پڑی ہے تو اگر کسی نے راستہ سے اُسے ہٹا دیا تو یہ بھی صدقہ کرنے میں داخل ہے۔

یہ تمام طریقے صدقہ میں داخل ہیں۔ اِس حدیث اور گذشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف پیسوں سے نہیں ہوتا بلکہ صدقہ زبان سے بھی ہوتا ہے، ہاتھ سے بھی ہوتا ہے، عمل سے بھی ہوتا ہے اور وہ اعمال بھی بہت آسان آسان ہیں، جن کی وجہ سے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

ایک اور حدیث:

اسی طرح کی ایک اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے (یعنی ہر انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں) پس جس شخص نے اللہ اکبر کہا یا الحمد للہ کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا سبحان اللہ کہا یا استغفر اللہ کہا یا راستہ سے کوئی پتھر، کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹا دی یا کسی کو نیک کام کی تلقین کر دی یا کسی سے گناہ سے رکنے کی بات کر دی تو اس دِن وہ شام اِس حال میں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو آگ سے بچا ہوا پائے گا'' (صحیح مسلم رقم:۱۰۰۷ ج۲ ص۶۹۸)

خلاصہ:

خلاصہ یہ کہ یہ اعمال بہت آسان ہیں، ان پر نہ کوئی رقم خرچ ہوتی ہے اور نہ کچھ محنت خرچ ہوتی ہے۔ صرف ان کی عادت ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان کی عادت ڈال لیں تو ہمارے اعمال نامہ میں کسی محنت کے بغیر نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰه ربّ العالمين

فضولِ خرچی اور اُسکے خطرناک نتائج

موضوع: فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
مقام: جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فضول خرچی اور اس کے خطرناک نتائج﴾

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله:

امابعد!

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾

یہ سورہ اعراف کی ایک آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اللہ پاک نے

فرمایا کہ تم کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ جب کہ اسی کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

ترجمہ سے یہ بات تو واضح ہوچکی ہے کہ اسراف فضولی خرچی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے جس طرح ہماری جسمانی نشو ونما اور صحت کو تندرست اور توانا رکھنے کے لئے ہمیں کھانے پینے کا حکم دیا ہے اسی طرح باری تعالیٰ نے ہماری روحانی نشو ونما اور صحت کے فائدے کے لئے ہمیں فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تو یہ حکم اس آیت سے واضح ہے کہ فضول خرچی حرام اور ناجائز ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم

ہمارے معاشرے میں دیگر طرح طرح کی بیماریوں میں سے ایک سنگین مرض فضول خرچی کا ہے جس میں اکثر حضرات ملوث ہیں۔ کھانا پینا تو ماشاء اللہ خوب چلتا ہے لیکن اسراف کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ خاص طور پر دعوتوں کے مواقع پر ایسے مناظر کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں بے انتہا فضول خرچی اور رزق کی بے قدری کی جاتی ہے۔ اول تو اہتمام کرنے والے حضرات فضول خرچی کرتے ہیں جو سراسر ناجائز ہے۔ پھر باقی کسر کھانے والے حضرات پوری کردیتے ہیں۔ پلیٹوں میں چاول یا سالن وغیرہ خوب بھر کر ڈال لیتے ہیں۔ اب کھایا نہیں جاتا تو بہت سارے چاول اور سالن پلیٹ میں چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مال مفت دل بے رحم۔ حالانکہ درست طریقہ یہ ہے کہ پہلے تھوڑا سا نکال کر کھالیا جائے پھر اور نکال کر کھائیں۔ اس طرح فضول خرچی اور رزق کی ناقدری نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ دعوتوں وغیرہ میں پلیٹ میں کھانا بچانا آج کل ایک فیشن بن گیا ہے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

قرآن پاک میں ایک اور جگہ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنُ﴾

''بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔

(سورہ الاسراء، آیت ۲۷)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ فضول خرچی کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور شیطان خوش ہوتا ہے۔

مطلقاً فضول خرچی حرام ہے

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے فضول خرچی کو کسی شے کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ مال میں فضول خرچی ناجائز ہے۔ کھانے پہننے وغیرہ کو ذکر نہیں فرمایا بلکہ مطلقاً فرمادیا کہ تم اسراف نہ کرو تو اب اس اسراف کے تحت ہر چیز میں فضول خرچی اور اسراف کرنا ناجائز ہوگیا۔ چاہے وہ وقت کے ضیاع کی صورت میں ہو یا جسمانی توانائی کے بے جا خرچ کی صورت میں ہو یا زبان کو بے مقصد باتوں میں استعمال کرنے سے ہو۔

وقت کی قدر کرنا بہت اہم ہے آج کل عموماً لوگوں کو اس کا احساس نہیں رہا،

خاص طور پر چھٹی وغیرہ کے مواقع پر وقت زیادہ جان کر بے جا خرچ کرتے ہیں۔ خیال بھی نہیں رہتا کہ یہ ناجائز کام کررہا ہوں، لہٰذا سوچ سمجھ کر اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ دینی کاموں میں خرچ کریں، کیونکہ آخرت میں اس وقت کا بھی حساب ہوگا۔ اسی طرح جسمانی توانائی کو جائز کاموں یا اللہ کے دین اور اس کی مخلوق کے فائدے میں استعمال کیا جائے گا تو نفع ہی نفع ہے ورنہ ناجائز اور گناہ کا کام ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی سنتیں

حضور پاک ﷺ نے امت کو معمولی سے معمولی کام کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے وقت کی قدر کرنے کی اہمیت دلائی اور توانائی کو بہتر کاموں میں خرچ کرنے کے طریقے بتائے۔ اسی طرح کھانے کے بارے میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ کھانے سے پہلے تصور میں اپنے پیٹ کے تین حصے کرلے (۱) ایک کھانے کے لئے (۲) دوسرا پانی کے لئے (۳) تیسرا سانس کے لئے۔ اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر کھانا بھی سنت ہے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرنے کے بعد چاٹ لینا بھی سنت ہے تاکہ رزق کی بے قدری نہ ہو اور شاید کھانے کے اسی حصے میں برکت ہو۔ جسے پلیٹ یا انگلیوں میں لگا رہنے دیا گیا اور پانی میں بہادیا گیا۔

کھاتے ہوئے سنتوں کا اہتمام کریں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ یہ سنتیں الا ماشاء اللہ کم لوگ ہی پوری کرتے ہوں گے۔ اور خاص طور پر سانس کے لئے تو کوئی حصہ نہیں چھوڑتے، اس میں بھی کھانا بھر لیتے ہیں، ادھر رزق کی بے قدری کرتے ہیں پھر اگر پیٹ پھول جائے اور

ہاضمہ خراب ہو جائے تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور گلہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بیماری ترک سنت کی وجہ سے آئی۔ اور رزق کی ناقدری کی وجہ سے شاید برکت والا حصہ اس کے پیٹ میں نہ گیا ہو۔ اور پانی میں بہادیا گیا ہو، اس لئے تکلیف ہوگئی ہو لہٰذا ہمیں ان سنتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

زبان کی فضول خرچی

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں ایک بہت عجیب وغریب آلہ زبان کی صورت میں رکھا ہے کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا جائے اس کی کارکردگی پر مزید حیران ہوجاتا ہے۔ ذہن میں جونہی کوئی بات آئی وہ زبان سے ادا ہوگئی۔ جانوروں میں بھی زبان ہوتی ہے مگر وہ بول نہیں سکتے۔ اب انسان کو اللہ نے اتنی عظیم نعمت دی ہے تو یہ اس کی قدر کرنے کی بجائے اس کو بیہودہ اور لغو باتوں میں مشغول رکھے تو اس سے بڑا بیوقوف اور ناقدرا کون ہوگا؟ اس کے ساتھ ساتھ فضول وقت بھی خرچ ہوگا اور توانائی بھی۔ تو گویا زبان کو فضول خرچ کرنے سے انسان کتنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿من صمت نجا﴾

”جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا“

(احمد وترمذی)

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

﴿املاء الخیر خیر من السکوت والسکوت خیر من املاء الشر﴾ (بیہقی)

” اچھی بات کہنا بتانا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموش

رہنا بری بات بتانے سے بہتر ہے۔“

لہٰذا ہمیں زبان کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارے منہ سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کا حساب ہوگا۔ زبان کو زیادہ سے زیادہ اچھی باتوں میں استعمال کریں۔

پانی میں اسراف

ایک اور بری عادت جو آج کل لوگوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے وہ پانی میں فضول خرچی کرنا ہے۔ وضو کے اوقات میں اس سے خصوصاً لاپرواہی برتی جاتی ہے کہ مسواک کرتے ہوئے بھی ٹونٹی کھلی ہے۔ اسی طرح اعضاء کو رگڑ رہے ہیں اور پانی کھلا ہوا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ اس سے پانی جیسی عظیم نعمت ضائع ہوتی ہے اس لئے ایسے مواقع پر ٹونٹی فوراً بند کردینی چاہئے۔ ویسے بھی اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین دفعہ دھونا سنت ہے۔ اس سے زیادہ سنت نہیں ہے۔ پانی اگر زیادہ مقدار میں بھی ہوتب بھی اس کی فضول خرچی ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی کو وضو میں آپ ﷺ نے زیادہ پانی خرچ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو صحابی نے عرض کیا کہ پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ پانی کے ہونے پر بھی اس کی ناقدری کرنا درست نہیں۔ اگرچہ تم دریا کے کنارے کھڑے ہو۔

بجلی میں اسراف

اسی طرح آج کل بجلی ضائع کرنے کی بھی ایک عادت بہت عام ہے۔ لوگ بعض اوقات بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے بجلی جلائے رکھتے ہیں۔ بجلی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جسے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے۔ اس کو دیکھ بھال کر

استعمال کرنا چاہیئے۔

پیسوں میں اسراف

اسی طرح بہت سے لوگ دوسروں کو دکھانے کی خاطر اپنے مال اور پیسوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جس سے نہ صرف فضول خرچی کا گناہ ہوتا ہے بلکہ ریا کاری کا بھی گناہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں یہ سب ناجائز ہے۔

فضول خرچی نے ہم سے آزادی چھین لی

اب آیئے ذرا اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ وہ ملک جس کو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ اس کی آج فضول خرچیوں کی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ہم غلام بن چکے ہیں۔ یہ آزادی صرف نام کی آزادی ہے، اسی وجہ سے ہم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کشمیر کو بھول جائیں، اس کو بھارت کا حصہ قرار دے دیں، کیونکہ اب ہم اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے امریکہ، آئی ایم ایف اور دیگر ممالک کے مقروض ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اخبارات میں خوشخبری کے طور پر یہ خبر دی جاتی ہے کہ آج اتنے ڈالر کے قرضے کی منظوری ہوگئی، ہمارا اس طرف خیال نہیں جاتا کہ منظوریاں تو کرا رہے ہیں مگر ان کو ادا کون کرے گا؟ پاکستان کا بچہ بچہ اور اس کی آئندہ نسل بھی اسی طرح مقروض رہے گی۔ پھر اس قرضے پر سود الگ لگتا ہے جو کہ اسلام میں قطعی حرام ہے۔

اب اگر آئی ایم ایف کی طرف سے سختی ہوجاتی ہے تو کسی دوسرے ملک سے وقتی طور پر مانگ کر قسط ادا کردیتے ہیں مگر وہ بھی صرف سود کی رقم ہوتی ہے اور

ساتھ ہی اس دوسرے ملک کے بھی مقروض ہو جاتے ہیں۔

فضول خرچی برائیوں کی جڑ ہے

ایک وقت وہ تھا جب پاکستان نے اتنی تیزی سے ترقی کی کہ ہندوستانی حیران تھے کہ یہ لٹی پٹی قوم جس کو ہم نے کسی قابل نہ چھوڑا تھا کس طرح ترقی کر رہی ہے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم نے اس وقت فضول خرچی کی بجائے کفایت شعاری اختیار کی تھی۔ لیکن جب حکمرانوں نے خاص طور پر فضول خرچی شروع کی تو آج یہ وقت بھی آ گیا کہ ملک کے خزانے ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئے۔ آج کل جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کی وجہ دیکھیں تو جڑ فضول خرچی ہی نظر آئے گی۔ یہ فضول خرچی صرف حکمرانوں میں ہی نہیں عوام میں بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اس برائی پر قابو پانا چاہئے وگرنہ وہ کل دور نہیں کہ یہ فضول خرچی آخرت تو اکارت کرے ہی گی دنیا کو بھی بربادی کا نمونہ بنا دے گی۔

ماں باپ کی طرف سے تربیت میں کمی

اس فضول خرچی میں ماں باپ کی تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ عموماً آج کل والدین بچوں کو زیادہ پیسے دیتے ہیں جو کہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ناسمجھ بچے کو ان کے مصرف کا علم تو ہوتا نہیں وہ ان کو یونہی فضول چیزیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا ہے۔ پھر بچپن سے ہی جیسی عادت پڑتی ہے بڑے ہو کر وہی پختہ ہو جاتی ہے والدین کو چاہئے کہ نابالغ اولاد کی ضرورتوں کو زیادہ زیادہ خود پورا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے ہاتھ میں کبھی زیادہ پیسے نہ دیں اس سے عادت بگڑتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی اور ضروری باتوں پر والدین توجہ نہیں کرتے اور بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے

ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بڑا ہو کر سنور جائے گا۔ جب ابھی سے ہی تربیت درست نہ ہوگی تو پھر کیسے سنورے گا؟ بلکہ آج کل تو ہمارے معاشرے کے مطابق اس کے بگڑنے کے مواقع زیادہ ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں بعض اوقات سنگین واقعات کا پیش خیمہ بنتی ہیں جن میں والدین الگ تکلیف کا شکار ہوتے ہیں اور اولاد بھی مصائب میں گھر جاتی ہے۔

ایک قاتل کا پیغام

مشہور ہے کہ ایک قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ جب اس کو تختہ دار پر چڑھانے لگے تو اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی، اس نے جواب میں کہا'' میری ماں کو میرا یہ پیغام دے دینا کہ ماں! آج تیری وجہ سے تیرا بیٹا پھانسی پر چڑھ گیا ہے۔'' پوچھنے والے نے حیرت سے کہا کہ بھئی کیا قتل کا حکم تیری ماں نے تجھے دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو میرے والد کی قمیص کھونٹی سے لٹک رہی تھی، میں نے اس میں ایک روپیہ نکال لیا۔ ماں نے دیکھا مگر کچھ نہ کہا۔ پھر اگلے دن دو روپے نکال لئے ماں نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ پھر میں چھوٹی چھوٹی دوسری چوریاں کرنے لگا، لیکن ماں نے علم ہونے کے باوجود کچھ نہ کہا۔ اس طرح بڑے ہو کر مجھے چوری کی عادت ہوگئی اور چوری سے ڈاکے مارنے لگا۔ انہی ڈاکوں میں ایک دفعہ مجھ سے قتل ہوگیا جس کی سزا آج مجھے پھانسی کی صورت میں دی جا رہی ہے۔ اگر میری ماں مجھے پہلے ہی دن ایک روپیہ نکالنے پر منع کردیتی تو آج میرے گلے میں پھانسی کا پھندا نہ ہوا۔

تو دیکھئے کہ ایک ماں کے صرف ایک روپے سے نہ روکنے کی وجہ سے بیٹے کی آخرت تو خراب ہوئی دنیا میں بھی ذلت کی موت مرا۔ اور اس کے بعد ماں کو کیسے

سکون آیا ہوگا؟

ابتداء معمولی انتہا سنگین

ماں باپ چھوٹی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں یاد رکھیں کہ ابتدأ غلطی نہایت معمولی ہوتی ہے مگر اس کی انتہا نہایت سنگین ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ابتداء صرف ایک روپے سے ہوئی اور انتہا سزائے موت پر ہوئی، تو خاص طور پر معمولی غلطیوں پر بھی سمجھانا چاہئے معمولی غلطیاں ہی بڑی غلطیوں کا سبب بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلطیوں سے خود بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کی توفیق عطاء فرمائے اور فضول خرچی واسراف جیسی مہلک بیماریوں سے بچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ ﴿آمین﴾

واخر دعوانا اَن الحمدللّٰہ رب العالمین

دو قومی نظریہ

موضوع: دوقومی نظریہ جس پر پاکستان بنا

بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

باہتمام: محمد ناظم اشرف

مقام: جامعہ ریاض العلوم۔ حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دو قومی نظریہ﴾

بعد از خطبۂ مسنونہ! امابعد:

بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کا خونی ڈرامہ رچانے کے بعد کہا تھا کہ "ہم نے دو قومی نظریہ کو (جس پر پاکستان بنا ہے) خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے"۔ اور بعض نجی مجلسوں میں یہ بھی کہا تھا کہ "اب ہمارا اگلا نشانہ سندھ ہوگا"۔ دو قومی، یا دو ملی نظریہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ قرآن وسنت کا نظریہ ہے اور اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾

"اللہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا (جس کا تقاضا تھا کہ اس پر سب ایمان رکھتے اور سب مومن ہوتے لیکن) پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور بعض مومن رہے" (سورۃ تغابن۔۲)

اس آیت کے لفظ "فَمِنْكُمْ" میں جو حرف فا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ "پس" یا

''پھر'' کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی تخلیق و آفرینش کے ابتدائی دور میں کوئی انسان کافر نہیں تھا۔ یہ کافر اور مومن کی تقسیم بعد میں کچھ لوگوں کے کافر ہوجانے سے وجود میں آئی۔ ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿ کُلُّ مَوۡلُوۡدٍ یُّوۡلَدُ عَلَی الۡفِطۡرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوۡیُنَصِّرَانِہٖ ﴾

''ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے (جس کا تقاضا مومن ہونا ہے) پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی وغیرہ بنادیتے ہیں۔'' (تفسیر معارف القرآن ص ۴۶۳ ج ۸ بحوالہ قرطبی)

دنیا بھر کے مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت:

بہرحال اوپر سورۃ تغابن کی جو آیت ذکر کی گئی اس میں قرآن حکیم نے تمام بنی آدم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے'' کافر اور مومن'' جس کا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو ایک برادری تھی اور دنیا کے سب انسان اس برادری کے افراد تھے اس برادری کو توڑنے اور الگ الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو لوگ کافر ہوگئے وہ انسانی برادری کا رشتہ توڑ کر مومن برداری سے خارج ہوگئے اس لئے مسلمان خواہ کسی ملک اور خطہ کا ہو کسی بھی رنگ اور قبیلہ کا ہو کوئی زبان بولتا ہو، ان سب کو قرآن حکیم نے ایک برادری قرار دیا۔ ارشاد ہے:۔

﴿ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ ﴾

''مسلمان تو سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں''۔

(سورۃ الحجرات۔۱۰)

اور دوسری طرف اسلام نے قیامت تک کے لئے یہ قانون بنادیا کہ مسلمان اور کافر اگرچہ آپس میں باپ بیٹے یا حقیقی بھائی ہوں تب بھی وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

﴿لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا یَرِثُ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ﴾

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۰۱۸)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

﴿لَا یَتَوَارَثُ اَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی﴾

''دو مختلف ملّتوں (دین) والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے'' (سنن ابی داؤد۔ حدیث ۲۹۱۱)

اس طرح قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو دو الگ الگ ملتوں میں تقسیم کرکے فیصلہ کردیا کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کافر دوسری ملت، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تمام کفار سے برسرپیکار رہاجائے اور ان کے کوئی حقوق تسلیم نہ کئے جائیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور برتاؤ کے سلسلے میں جو تفصیلی ہدایات دی ہیں، ان میں ان کے ساتھ حسن سلوک ، انصاف ،ہمدردی، خیر خواہی ، مداراۃ ، و رواداری کی غیر معمولی ہدایات بھی اہمیت کے ساتھ شامل ہیں البتہ ان کی حدود اعلیٰ درجے کے اعتدال وتوازن کے ساتھ مقرر کردی گئی ہیں۔

﴿غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود﴾

اس سلسلے میں اسلامی ہدایات اور ضوابط کا ایک مختصر خاکہ یہ ہے۔

ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنا فرض ہے:

اسلام نے ہمیں کفار کے ساتھ بھی عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہر حال میں ہمارا مقدس فریضہ ہے، اگرچہ وہ ہم سے برسرِ پیکار ہوں، بلکہ اسلام میں تو عدل وانصاف جانوروں کے ساتھ بھی واجب ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ بار ان پر نہ ڈالا جائے اور ان کے چارے اور آرام کا مناسب انتظام کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْاقف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾۔

''اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ کو تمہارے ہر عمل کی پوری خبر ہے۔

(سورۃ المائدہ۔۸)

صلح کر لینا بھی جائز ہے:

اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان سے صلح (ترک جنگ) کا

معاہدہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔ قرآن حکیم ہی کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا)

(معارف القرآن صفحہ ۲۷۱ ج ۴) (سورۃ الانفال ۔ ۶۱)

دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی ایک حد تک جائز ہے:

بعض شرائط کے ساتھ ان سے ایک حد تک دوطرفہ تعاون کا معاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے جواہر الفقہ ص ۲۰۴ تا ۲۱۷ جلد ۲)

تجارتی معاملات کی بھی گنجائش ہے:

حسب ضرورت و مصلحت ان سے خرید و فروخت اور تجارتی معاملات کرنے کی بھی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات اور تجارت نہ کی جائے۔

(جواہر الفقہ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰)

ہمارے ملک کے غیر مسلموں کے حقوق ہمارے فرائض ہیں

جو غیر مسلم ہمارے ملک میں ہماری اجازت سے داخل ہوں (مثلاً ویزا وغیرہ لے کر) یا ہمارے ملک کے باشندے اور ہمارے قانون کے پابند ہوں، ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت اور ان کی عبادات میں عدم مزاحمت بھی ہماری ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

﴿ألا من ظلم معاهدا أو انتقصهٔ أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئاً بغير طيب نفس منه فانا حجيجه يوم القيامة﴾۔ (مشکوۃ المصابیح ۳۵۴)

خبردار جو شخص کسی معاھد (یعنی ایسے کافر جو اسلامی مملکت کے ماتحت رہتے ہیں یا باہر سے ویزا لیکر آتے ہیں) پر ظلم کریگا یا اس کے حقوق میں کمی کریگا یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر (ناحق) لیگا تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف فیصلہ کن گواہی دوں گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

﴿ان اللّٰه تعالى لم يحل لكم ان تد خلوا بيوت أهل الكتاب إلّا باذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم﴾ (ابوداؤد کتاب الامارۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے، ان کی عورتوں کو مارنے پیٹنے اور ان کے

پھل (بلا اجازت) کھانے کو حلال نہیں فرمایا''۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ اٰذیٰ ذِمِّيًّا فَاَنَا خَصْمُهٗ وَمَنْ كُنْتُ خَصْمَهٗ خَصَمْتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار ہوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص۱۵۸ج۲)

ان کے ساتھ احسان کرنا مستحب ہے:

جو غیر مسلم ہم سے برسر پیکار اور ہمارے درپے آزار نہ ہوں اور ہمارے دینی مقاصد میں حائل نہ ہوں ان کے ساتھ ہمیں رواداری، ہمدردی، خیر خواہی اور احسان کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بلکہ قرآن وسنت میں اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ط﴾

''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۸)

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کی والدہ بحالت کفر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچیں۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کفار مکہ سے صلح حدیبیہ ہو چکی تھی، ان خاتون کا نام "قبیلہ ہے") تو حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہیں، اور وہ کافر ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو، یعنی ان کیساتھ اچھا سلوک کرو، اس پر (سورہ ممتحنہ) کی یہ آیات نازل ہوئی جس میں اس قسم کے دوسرے غیر مسلموں کیساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم بیان فرمادیا گیا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۴۰۵ ج ۸)

فقہائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ کوئی کافر بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی اور عیادت جائز ہے، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک پڑوسی یہودی بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی عیادت فرمائی۔ (ہدایہ وردالمختار ص ۳۴۱۔ ج ۵)

لیکن دوستی جائز نہیں:

یہ سب کچھ ہے لیکن اسلام کی معتدل اور متوازن تعلیمات نے ہمیں اپنے دین وملت کی حفاظت اور ملیّ تشخص کی خاطر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دی ہیں کہ کسی بھی قسم کے کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، ایسا میل جول اور ربط وضبط پیدا کرنے کی اجازت نہیں جس سے ان کے ساتھ محبت والفت کا اظہار ہوتا ہو، کیونکہ مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعوے دار ہے وہ ان کے دشمنوں کو اپنا دوست کیسے

بنا سکتا ہے۔ ایسے تعلقات کو قرآن حکیم نے قطعی طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰیٓ اَوْلِیَآءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْھُمْ ط﴾ (سورۂ مائدہ آیت ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست مت بنانا وہ خود ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو بلا شبہ وہ انہیں میں سے ہوگا"

سورۃ میں آگے ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ج﴾

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (تورات وانجیل) مل چکی ہے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کافروں کو دوست مت بناؤ"۔

سورۃ ممتحنہ کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس حکم سے فرمایا ہے کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ﴾

"اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ"۔ (سورۃ ممتحنہ۔۱)

غیر مسلموں کو اپنا رازدار اور بھیدی بنانا بھی جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْابِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ﴾

''اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ آل عمران۔۱۱۸)

فاروقِ اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں ایک غیر مسلم نوجوان ہے جو بڑا اچھا کاتب ہے۔ اگر آپ اس کو اپنا میر منشی بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''قَدِاتَّخَذْتُ اذًا بِطَانَۃً مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ'' یعنی میں ایسا کروں تو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری ملت والے کو راز دار بنالوں گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ (تفسیر معارف القرآن ص۱۵۹ ج۲ بحوالہ ابن ابی حاتم) امام قرطبیؒ جو پانچویں صدی میں اسپین (اندلس) کے مشہور مفسر قرآن ہوئے ہیں، بڑی حسرت اور داد کے ساتھ فرماتے ہیں کہ'' اس زمانے میں حالات میں ایسا انقلاب آیا کہ یہود ونصاریٰ کو راز دار وامین بنالیا گیا، اور اس ذریعہ سے وہ جاہل سرمایہ داروں اور حکمرانوں پر مسلط ہوگئے۔ (حوالہء بالا)

وضع قطع اور طرز معاشرت میں ان کے ساتھ ایسی مشابہت اختیار کرنا بھی ممنوع ہے جس سے اسلام کے امتیازی نشانات اور ملی تشخص گڈمڈ ہونے لگیں۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿ مَنۡ تَشَبَّهَ بِقَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ ﴾

(سنن ابی داؤد حدیث ۴۰۳۱)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کر لی وہ اس قوم میں سے سمجھا جائے گا''۔

جو کافر حالت کفر میں مر گئے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کو بھی قرآن حکیم نے ممنوع فرمادیا ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡا اُوۡلِىۡ قُرۡبٰى مِنۡ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴾

''نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس بات کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ (کفر پر مرنے کی وجہ سے) دوزخی ہیں''۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

البتہ زندہ کافروں کے لئے ہدایت واصلاح کی دعا جائز ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

﴿ رَبِّ اهۡدِ قَوۡمِىۡ فَاِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾

''اے میرے رب میری قوم کو ہدایت عطاء فرمادے کیونکہ انہیں (حقیقت) معلوم نہیں''۔

اللہ کے راستہ میں جہاد:

بلکہ جو کفار مسلمانوں سے برسرپیکار یا ان کے درپے آزار ہوں یا اسلام

یا مسلمانوں کیلئے خطرہ بنیں، ان سے تو ہمیں جہاد کا حکم ہے، ایسے کافروں کے بارے میں قرآن حکیم نے ہدایت کی ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تقلید کریں جنہوں نے اپنے ایسے ہی کافر ہم وطنوں اور اہل خاندان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

﴿إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾

''ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تمہارے منکر ہیں، اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی''۔ (سورۃ ممتحنہ۔۴)

خلاصہ یہ کہ قرآن وسنت نے دنیا کے تمام انسانوں کو ''مومن اور کافر'' دو ملتوں میں تقسیم کر کے دونوں کے درمیان تعلقات ومعاملات اور جنگ وصلح کی حدود بھی نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ مقرر فرمادی ہیں اور ان کو گڈمڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کافروں سے جتنے جہاد ہوئے وہ اسی دوملّی نظریہ پر مبنی تھے، ساری صلیبی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، انبیاءؑ سابقین کو کافروں سے جتنے معرکے پیش آئے ان سب میں یہی دوملّی نظریہ کارفرما تھا۔

نظریہ پاکستان:

پاکستان کا وجود بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے جو ہندوستان کو تقسیم کرکے محض اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مسلمان یہاں دوسری قوموں سے آزاد اور خودمختار رہ کر خدا پرستی اور قرآن وسنت کے ہمہ گیر نظام عدل اور معاشی انصاف کی بنیاد پر اسلام کا پاکیزہ فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں اور اسے مضبوط ترقی یافتہ اسلامی ریاست بنا سکیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ، پھر جب ہندو کانگریس نے مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے جال میں پھانسنے کے لئے ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کا نعرہ چلتا کیا تو ہم سب نے مل کر ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' کا جوابی نعرہ بلند کیا، جس سے پورا برصغیر گونج اٹھا تھا، یہ صرف جذباتی نعرہ نہ تھا یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کی آواز اور ہمارے سیاسی منشور کا عنوان تھا۔ ہم اُس دوملّی نظریہ کے ترجمان تھے جو ہمیں قرآن وسنت نے عطا کیا ہے، اسی نظریہ کی طاقت پر ہم نے بیک وقت تین طاقتوں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے چومکھی لڑکر پاکستان حاصل کیا۔

دوملّی نظریہ عالمی اتحاد کا پیغام:

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی برادری کو مختلف سیاسی نظریات نے کہیں رنگ کی بنیاد پر تقسیم کیا۔ جیسا کہ جنوبی افریقہ میں آزادی سے پہلے تھا کہ وہاں جو حقوق کتے کو حاصل تھے کالے آدمی کو حاصل نہیں تھے، کہیں نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا، جیسا کہ اسلام سے پہلے قبائل عرب کا حال تھا اور آج بھی

دنیا کے بعض قبائلی علاقوں میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، اور کہیں اس برادری کو زبان اور وطن کی بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ جیسا کہ لسانی اور وطنی قومیت کی بنیاد پر آج پاکستان میں ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ان سب کے برخلاف اسلام نے بنی نوع انسان کی تقسیم کا مدار ''ایمان اور کفر'' پر رکھا ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صرف یہی ایسی تقسیم ہے جو انسانی برادری کے مکمل اتحاد کا وسیع ترین میدان اور موثر ترین پیغام بھی ساتھ رکھتی ہے، اس لئے کہ ''مومن اور کافر'' ان دوملتوں کی بنیاد ایسی دو چیزوں پر ہے جو ہر انسان کے اختیار میں ہیں، کیونکہ ایمان بھی انسان کے اختیار میں ہے اور کفر بھی، اگر کوئی شخص ان میں سے ایک ملت چھوڑ کر دوسری ملت میں شامل ہونا چاہے تو بڑی آسانی سے اپنے عقائد بدل کر دوسری ملت میں شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ آخری زمانے میں جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے مطابق وہ دور پھر واپس آجائے گا کہ دنیا کے تمام انسان ایمان لاکر ایک ملت ہوجائیں گے اور انسانی برادری جو کفر کی وجہ سے دوملتوں میں بٹ گئی تھی اس کا بٹوارہ ختم ہوجائے گا۔

(تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵ ج ۲)

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گُل کی ہم نفس بادِصبا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

وطنی، لسانی اور نسلی قومیت فساد عالم:

برخلاف قبیلہ، خاندان؛ رنگ وزبان اور ملک ووطن کے کہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ اپنا قبیلہ وخاندان بدل دے۔ زبان اور وطن اگرچہ بدلے جاسکتے ہیں مگر زبان اور وطن کی بنیاد پر بننے والی قومیں دوسروں کو عموماً اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اگرچہ ان کی ہی زبان بولنے لگیں اور ان کے وطن میں آباد ہوجائیں۔ غرض ان غیر فطری تقسیموں میں بٹ جانے کے بعد انسانی برادری کے اتحاد اور پائیدار عالمی امن کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، بلکہ وطن اور نیشنلزم کی بنیاد پر جو تقسیم ہوتی ہے اس کی رو سے تو انسانی برادری پہلے ملکوں کی بنیاد پر تقسم کی گئی پھر ان کا بٹوارہ صوبوں کی بنیاد پر کیا جانے لگا اور اب تو شہروں اور محلوں کی بنیاد پر بھی تقسیم کا المناک منظر ہمارے سامنے ہے۔

تفریقِ مِلَل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم

انسانیت کو ان لامحدود تقسیموں سے بچانے کے لئے قرآن وسنت کی ان صریح ہدایات اور دیگر بہت سی آیات واحادیث نے واضح کردیا کہ پوری دنیا میں گروہ بندی صرف ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوسکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب اور قبیلہ، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز اس قابل نہیں کہ اس کی بنیاد پر انسانی برادری کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک باپ کی اولاد اگر مختلف شہروں میں بسنے لگے یا مختلف زبانیں بولنے لگے یا ان کے رنگ میں تفاوت ہو، تو وہ الگ الگ گروہ نہیں ہوجاتے، رنگ وزبان اور ملک وطن کے اختلاف کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی

رہتے ہیں، ان کو مختلف گروہ قرار دینا عقل وحکمت کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہاں کفروہ بدترین اختلاف ہے اور اپنے خالق ومالک اور پالنے والے کے خلاف اعلان بغاوت ہے جس نے پوری انسانی برادری کو الگ الگ ملتوں میں بانٹ دیا۔

مسلم برادری:

رنگ، زبان اور قبائل کے فرق کو قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی اور انسان کے لئے بعض فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک نعمت تو قرار دیا ہے۔ (سورۃ الروم۔ آیت نمبر ۲۲ وسورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

لیکن اس کو بنی آدم میں گروہ بندی کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں دی، اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قبائل کو گروہ بندی کی بنیاد بنادیا گیا تھا، اسلام نے ان سب گروہ بندیوں کو توڑ ڈالا۔

کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے ہم وطن، ہم زبان اور ہم قبیلہ تھے۔ آپ نے اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے ایمان وکفر ہی کی بنیاد پر ان سے دشمنی مول لی، آبائی وطن سے ہجرت کی اور اپنے رشتہ داروں تک سے بار بار جہاد فرمایا، اُن سے الگ ایک ''مسلم برادری'' قائم فرمائی جس میں انصار مدینہ کو اور حبشی، رومی اور فارسی (ایرانی) مسلمانوں کو بھائی بنا کر گلے سے لگالیا۔ جس قبیلے اور جس علاقے کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے وہ اس برادری میں شامل ہوتے چلے گئے اسلام نے ان کو سبق ہی یہ دیا تھا کہ:

بتانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ایک سفر میں دوصحابیوںؓ کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری، مہاجر نے انصاری کی پشت پر مار دیا تھا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو "یا للاَ نصار" کہہ کر پکارا، اور مہاجر نے مہاجرین کو "یا لَلْمُھَا جرین" کہہ کر پکارا آپ ﷺ نے یہ آواز سنی تو پوچھا:۔

﴿ مابَالَ دَعوٰی الجَاھِلِیَّة ﴾

''یہ جاہلیت کے الفاظ کیوں پکارے جارہے ہیں؟''

لوگوں نے واقعہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ دَعُوھَا فَاِنَّھا مُنتِنَة ﴾

''ان (متعصبانہ اور گروہ بندیوں کے) الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ ان میں (جاہلیت اور کفر کی) بدبو ہے''

(جامع ترمذی۔ حدیث ۳۳۱۵ تفسیر سورۃ المنافقون ج ۲)

یہی وہ اسلامی برادری اور ایمانی اخوت تھی جس نے تھوڑے ہی عرصے میں مشرق ومغرب، جنوب وشمال، کالے گورے، امیر وغریب اور عرب وعجم کے بے شمار افراد کو ایک لڑی میں پرو دیا اور مسلمان دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئے۔

پرانا جال، نیا شکاری:

اس طاقت کا مقابلہ دنیا کی قومیں نہ کرسکیں تو انہوں نے پھر ان بتوں کو زندہ کیا جن کو رسول اللہ ﷺ نے پاش پاش کر ڈالا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم ملت واحدہ کو ملک ووطن، رنگ وزبان اور نسب وقبائل کے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرکے ان کو باہم

ٹکرادیا۔ اسپین (اندلس) سے مسلمانوں کا تقریباً ایک ہزار سالہ اقتدار اسی آپس کی پھوٹ کی نذر ہوا۔ ترکی خلافتِ عثمانیہ اسی ٹکراؤ کے نتیجہ میں پارہ پارہ ہوئی اور ......سقوطِ مشرقی پاکستان کے المناک سانحہ کے لئے بھی بھارت نے اسی وطنی اور لسانی قومیت کو آلہ کار بنایا۔ عرب ممالک تو ''عربی قومیت'' کے فریب سے اس کے تلخ وسنگین تجربات کے بعد کسی حد تک نکل بھی گئے، بنگلہ دیش بھی بنگالی قومیت کی تباہ کاریوں سے نڈھال ہوکر ''مسلم ملت'' کی طرف واپس آرہا ہے۔ لیکن پاکستان اور خصوصاً کراچی اور اندرونِ سندھ میں لسانی اور وطنی قومیت کے نئے بت تراش لئے گئے ہیں، جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی ملت واحدہ کو پھر ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لسانی اور وطنی عصبیتوں نے ایسا اندھا کردیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی طرح اب پھر بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی دل سوزی سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

﴿لَا تَرجِعُوابَعدِیْ کُفَّارًا یَّضرِبُ بَعضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ﴾

''میرے بعد تم کافر نہ ہوجانا کہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو''

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الانصات للعلماء، ص ۲۱۷ ج اول مع فتح الباری)

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہر خود ساختہ لسانی گروہ اپنے مقتولوں کو شہید کا مقدس خطاب دینے پر مصر ہے۔ حالانکہ رحمۃ للعالمین ﷺ ایسی لڑائی میں مرنے والوں کے بارے میں آگاہ فرماچکے ہیں کہ:

﴿اذَا التَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیفَیْھِمَا فَقَتَلَ احَدُ ھُما

صَاحِبَه فَالقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِی النَّارِ﴾

''جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کو قتل کر ڈالے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (کیونکہ مقتول کا ارادہ بھی قتل کرنے کا تھا۔)'' (سنن نسائی۔ حدیث ۴۱۲۴)

اب جن گھناؤنی عصبیتوں کا صور پھونکا جا رہا ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر مسلمان کے کانوں تک پہنچ جانا چاہئیے کہ:

﴿لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَی العَصَبِیَّة وَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ علٰی عَصَبِیَة﴾

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے۔ اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر لڑے اور وہ شخص میں ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے''

(سنن ابی داؤد حدیث ۵۱۲۱ کتاب الادب، باب فی العصبیۃ)

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے انہی تعصبات کے بارے میں بڑے درد سے یہ کہا تھا:

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جَم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف وکرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حَرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صَنم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کا شانۂ دینِ نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مُصطفویؐ ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اس بُت کو ملادے

ہماری کمزوریاں:

اس شرمناک خانہ جنگی کی پشت پر ہمارے دشمنوں کی سازشیں تو کارفرما ہیں ہی لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کوئی بیرونی سازش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اسے ہماری کچھ ایسی کمزوریاں ہاتھ نہ آجائیں جن کے ذریعہ وہ اپنے مکرو فریب کا تانا بانا بُن سکیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری وہ ظلم، بدعنوانیاں اور حق تلفیاں ہیں جن کا موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بازار گرم ہے، اور جو اس ظالمانہ نظام کی بے دین فضانے قدم قدم پر پھیلا رکھی ہیں۔ نئی نسل اس صورت حال پر مضطرب ہے اور اس اضطراب کو بنیاد بنا کر بیرونی سازشوں نے ان پر لسانی اور صوبائی عصبیت کا جال پھینکا ہے۔ اگر اسلام کا صرف نام لے کر نہیں، بلکہ اسلام کے نظام معیشت اور نظام عدل کو عملاً نافذ کر کے ان مظالم، بدعنوانیوں اور حق تلفیوں کا خاتمہ کر دیا جائے تو کچھ غدار تو شاید پھر بھی ملک میں باقی رہیں، لیکن ان سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کا راستہ بند ہو جائے گا جو نہ ملک کے دشمن ہیں نہ اسلام کے باغی، بلکہ انہیں مظالم اور حق تلفیوں نے فساد پر آمادہ کیا ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ پنجابی پٹھان سندھی یا مہاجر نہیں، ان میں سے کسی طبقے کو علی الاطلاق ظالم اور دوسرے کو علی الاطلاق مظلوم قرار دینا پرلے درجے کی ناانصافی کی بات ہے، یہ منطق دین ودانش کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہوسکتی کہ ظلم ہمیشہ دوسرے علاقے کے باشندے کرتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہم وطن یا ہم زبان ظلم کرے تو وہ ظلم نہیں انصاف ہے اور حقوق کی جدوجہد ہے۔

دراصل ہمارا اصل مسئلہ وہ بے دینی اور خدا فراموشی ہے جو ظالم کو بے خوف وخطر ظلم پر آمادہ کرتی ہے، یہی ذہنیت ہے جس نے ہر جگہ مظالم اور حق تلفیوں کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ یہی ذہنیت دوسروں سے ہر وقت اپنے نام نہاد حقوق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے لیکن اسے نہ اپنے فرائض کا کوئی احساس ہے نہ دوسروں کے حقوق کا پاس۔

جب تک یہ بے دین اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے عاری ذہنیت موجود ہے اگر ہر صوبہ اور ہر علاقہ خدا نہ کرے الگ بھی ہوجائے تب بھی اسے مظالم اور حق تلفیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ بنگلہ دیش کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین

"وصلی اللہ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین"

عَقِیدۂ ختمِ نبوّت اور اُس کا تحفّظ

موضوع: عقیدہ ختم نبوت اور اس کا تحفظ
بیان: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
مقام: سنٹرل جامع مسجد برمنگھم (برطانیہ)
ضبط وترتیب: محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
باہتمام : محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ ختم نبوت ﷺ اور اس کا تحفظ

نحمدونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

صدر محترم! حضرات علماء کرام اور میرے عزیز دوستو اور بھائیو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم اور محبوب ہے کہ اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو پر اگر بولنے والا شروع کرے تو دن تو کیا ہفتے اور مہینے گذر جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بولنے والے کم نہیں ہوں گے۔

چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف آنے کا شائبہ بھی پیدا ہوا تو لاکھوں فدائی اور پروانے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔

فتنوں کی بہتات

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں یہ فتنوں کا دور ہے، مسلمانوں کے لیے

آزمائشوں اور امتحانوں کا دور ہے میرے مرشد حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ فتنے کم نہیں ہوں گے۔ فتنوں کا یہ سیلاب رفتہ رفتہ طوفان بنے گا اور پھر یہ طوفان جاکر قیامت سے ٹکرائے گا، بس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی توانائیاں اس سیلاب کی روک تھام کے لئے صرف کرتے رہیں گے۔ اور ثواب کماتے رہیں گے۔

لہٰذا یہ سیلاب رکے گا تو نہیں، ایک فتنہ ختم نہیں ہوگا کہ دوسرا آجائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں جو فتنے آئیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ ''یرقق بعضها بعضا'' یعنی جو فتنہ آئے گا لوگ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ ابھی یہ ختم نہیں ہونے پائے گا کہ دوسرا اس سے بڑا فتنہ آجائے گا اور وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کی سامنے پہلا فتنہ چھوٹا معلوم ہونے لگے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'یہ فتنے اس طرح آئیں گے جیسے سمندر کی موجیں ہوتی ہیں، ایک موج آتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہونے پاتی کہ اس سے بڑی موج آکر اس کو چھپا دیتی ہے، اور جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں یہ فتنے بھی ہر طرف سے آئیں گے، اور جیسے سمندر کی موجیں طرح طرح کی ہوتی ہیں یہ فتنے بھی طرح طرح کے ہوں گے، یہ فتنوں کا دور ہے اور اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ ہمارے پاس صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان (۲) ان تعلیمات پر اللہ کی پناہ اور مدد مانگتے ہوئے عمل کرنے کی بھرپور جدوجہد۔

قادیانی فتنے کی سرکوبی

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے

اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قادیانیت کے رد اور اس کے تعاقب میں خرچ کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب یہ قادیانی فتنہ بڑھنے لگا تو میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ ملاقات طویل مدت کے بعد ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر کمزوری اور حزن وملال کے آثار ہیں، میں نے خیریت دریافت کی تو فرمایا۔ خیریت کیا پوچھتے ہو زندگی برباد ہوگئی۔ خیال فرمایئے کون کہہ رہا ہے کہ عمر برباد ہوگئی؟ وہ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی حفاظت اس کی نشر واشاعت، اسلامی علوم کے درس وتدریس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خصوصی تحقیق میں صرف کیا تھا، اور جس کے ہزاروں شاگرد ہیں، آج ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں جو کوئی عالم دین موجود ہے، گو براہ راست ان کا شاگرد نہ ہو کیونکہ اب غالبًا ان کا کوئی شاگرد زندہ نہیں ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کا شاگرد ہے، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہے، اس مجمع میں بھی جو علماء کرام موجود ہیں، بلا استثناء کوئی ان کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا، یا شاگردوں کے شاگردوں کا شاگرد ہوگا۔

اتنا کام اللہ رب العلمین نے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ سے لیا، وہ کہتے ہیں کہ 'میری عمر برباد ہوگئی، جس کے شاگرد مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور علامہ بنوریؒ جیسے علماء وقت ہوں، جس کے شاگرد مولانا بدر عالمؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے محدثین ہوں، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے محققین ہوں وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میری عمر برباد ہوگئی!

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیا بات ہوئی؟ فرمایا عمر برباد ہوگئی، ہم مدرسوں میں معتزلہ کے مذاہب پڑھاتے رہے ان کا رد کرتے رہے، خوارج، کرامیہ، مرجئیہ، جہمیہ کے مذاہب پڑھاتے اور ان کا رد کرتے رہے اور

فقہی مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بیان کرنے میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے لیکن اب یہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ کھول دیا ہے، قادیانیت کا یہ فتنہ مسلمانوں کو مرتد اور کافر بنا رہا ہے، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اتنی بڑی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ہم یہاں دوسرے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں'' فرمایا کہ تم میری خیرت پوچھتے ہو؟ جب سے اس قادیانی گروہ کے حالات پڑھے اور سنے میری بھوک بھی اڑ گئی ہے اور نیند بھی، والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کا کسی اور کام میں دل نہیں لگتا تھا بس وہ اپنی زندگی کا باقی حصہ اس فتنہ کی سرکوبی میں خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ملحدین کی تکفیر کا اصول

چنانچہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس سلسلہ میں خود بڑی عظیم کتابیں تالیف کیں اور اپنے نابغہ روزگار شاگردوں کو بھی اس مہم پر لگا دیا۔ اس مسئلے کے جتنے علمی پہلو اور علمی گوشے تھے ان کو اپنی دوررس اور دقیقہ رس تحقیق سے حل کیا اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ آپ کی عربی تصنیف ''اکفار الملحدین'' بھی اسی سلسلے کا ایک بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس وقت عام طور سے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ یہ قادیانی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا کلمہ پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی مانتے ہیں، تمام رسولوں کو بھی مانتے ہیں، سب فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، پھر ان کو مسلمان کیوں نہیں کہا جاتا؟ اور ان کو کافر کیوں کہا جاتا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے وہ مشہور عربی کتاب تالیف فرمائی جس کا نام ''اکفار الملحدین'' ہے، اس میں اس مسئلہ کی بے مثال تحقیق فرمائی ہے کہ کسی ملحد اور بے دین اور زندیق کو کافر قرار دینے کے کیا اصول ہیں اور کیا شرائط

ہیں؟ کن پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ کسی کو کافر کہا جاسکتا ہے؟ اور اسے کافر کہنا واجب ہوجاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی تمام تعلیمات کو مانتا ہو لیکن اگر کوئی ایک بات جس کا ثبوت قرآن کریم سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے صراحۃً ہوا ہو، اس کی حقانیت سے منکر ہوجائے تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایسی تعلیمات میں سے کسی ایک بات کو حق ماننے سے انکار کردیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو العیاذ باللہ جھوٹا کہہ دیا اور رسول کو جھوٹا کہنے والا کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟ یہ قادیانی سب چیزیں مانتے ہیں لیکن ختم نبوت کے جو معنی قرآن کریم اور سنت متواترہ نے مقرر اور متعین کردیئے ہیں اس کا انکار کرتے ہیں۔

میرے والد ماجدؒ کی ایک کتاب جس کا نام ''ختم نبوت'' ہے اس میں حضرتؒ نے قرآن کریم کی ایک سو دس آیات نقل فرمائی ہیں جن سے پوری طرح واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آسکتا، کسی قسم کا چھوٹا یا بڑا، ظلی یا بروزی، تشریعی یا غیر تشریعی، نہ رسول آسکتا ہے نہ نبی آسکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے گا وہ بدترین جھوٹا اور کذاب ہوگا۔ اسی طرح اسی کتاب میں دو سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرمائی ہیں اور پھر اجماع امت کو نقل فرمایا ہے اور اکابرین امت کے اقوال نقل کئے ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ جو شخص ختم نبوت کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

خوب یاد رکھئے! کہ جس طریقہ سے قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پورے قرآن کو مانتا ہوں لیکن ''صراط مستقیم'' کے اندر جو لفظ ''صراط'' ہے اس کو نہیں مانتا یا لفظ ''مستقیم'' کو نہیں مانتا، یا اس کی ''ر'' کو نہیں یا اس کی ''ط'' کو نہیں مانتا۔ گویا کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے گا تو کافر ہوجائے گا،

کیونکہ اس نے قرآن کریم کے ایک جز کا انکار کردیا، تو جس طرح قرآن کریم کے کسی لفظ کا انکار کفر ہے، اسی طرح قرآن کریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث متواترہ سے قطعی طور پر ثابت ہونے والے مضمون کے کسی ایک حصہ کا انکار کردینا بھی کفر ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بھی قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات، اور دو سو سے زیادہ احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کا منکر پوری امت کے نزدیک بالاتفاق کافر ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کتنے ہی روزے رکھتا ہو، اور اگرچہ زبان سے کلمہ طیبہ بھی پڑھتا ہو۔

مثلاً دیکھئے! قرآن کریم نے کتنے واشگاف انداز میں فرمایا کہ:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

"کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن یہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں (آپ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں)"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۰)

چنانچہ ہمارے بزرگوں نے قادیان میں جاجا کر قادیانیوں کو للکارا اور ان سے مناظرے کئے اور ہر مرتبہ یا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور اگر کبھی مناظرے کئے تو شکست فاش کھائی۔

پاکستان اور قادیانی

افسوس صد افسوس کہ مملکت خداداد پاکستان بن جانے کے بعد ہماری حکومتوں میں قادیانی داخل ہوگئے۔ پاکستان کی سب سے پہلی حکومت بنی اس میں

سرظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ بنا، ہماری حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ کام کرتیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہی کیا تھا۔ خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے مسلیمہ کذاب، طلیحہ، سجاح وغیرہ ان کے خلاف صحابہ کرامؓ کے لشکر بھیجے اور جب تک ان فتنوں کا قلع قمع نہیں ہوگیا حضرت ابوبکر صدیقؓ چین سے نہیں بیٹھے، یہ ان کا دینی فریضہ تو تھا ہی، ایمانی فراست کا تقاضا بھی تھا، کیونکہ جب تک اندرونی دشمنوں سے نہ نمٹا جائے، بیرونی دشمنوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا کم ازکم اتنی احتیاط تو فوراً کی جاتی کہ قادیانیوں کو اس نئے مسلم ملک میں کلیدی عہدوں پر نہ رکھا جاتا۔

نیز پاکستانی حکومت کا شرعی اور دینی فریضہ تھا کہ وہ پاکستان بن جانے کے بعد کم ازکم یہ کام تو کرتی کہ دستوری اور قانونی طور پر فیصلہ کردیتی کہ جو شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت ہو وہ کافر ہے، مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو ماننے والے سب کافر ہیں، قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں، لیکن (حکومت نے) یہ نہیں کیا، اس کے بعد سرظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ بنائے رکھا، اس وقت کے حالات سے جو لوگ باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ سرظفر اللہ ہی کی غدارانہ سازش کی وجہ سے اس وقت کشمیر کے مجاہدین جو "بارہ مولا" پر قبضہ کرچکے تھے اور اگلے روز "سری نگر" میں داخل ہونے والے تھے، اپنی جیتی ہوئی جنگ ہار بیٹھے، اور کشمیر کا مسئلہ ایک ناسور بن کر رہ گیا۔

میرے ایک استاذ کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم کراچی میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا تو ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا امیر الزماں کشمیری صاحبؒ تھے، جن کا آزاد کشمیر میں حال ہی میں انتقال ہوا ہے، ان سے ہم نے فارسی پڑھی تھی، ان

کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، نئی نویلی دلہن گھر میں تھی کہ انہی دنوں میں قادیانیوں نے ایک بڑی کانفرنس کراچی میں منعقد کی، جہانگیر پارک اس زمانے میں کراچی کا مشہور باغ تھا، بڑے بڑے جلسے وہیں ہوتے تھے، جہانگیر پارک ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور مغرب کے بعد قادیانیوں کا جلسہ شروع ہونے والا تھا، تو ہمارے استاذ گھر پر تشریف لائے، حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ والد صاحبؒ کے شاگرد تھے، اور اپنا کچھ زیور، کچھ نقدی، کچھ امانتیں اور ایک وصیت نامہ لکھ کر والد صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا کہ، حضرت میں تو اب جا رہا ہوں جلسہ گاہ میں، یا تو اس جلسے کو روکنے میں کامیاب ہوجاوں گا ورنہ شہید ہوجاؤں گا، یہ چیزیں آپ کے پاس امانت ہیں وصیت نامہ کے مطابق ان کو تقسیم فرمادیجیئے، میری ایک بیوی ہے، کوئی بچہ نہیں ہے میں شہید ہوجاؤں تو عدت کے بعد اسے وطن بھیجنے کا انتظام فرمادیجیئے، وہ بندہ خدا تو والد صاحب کے پاس امانت اور وصیت رکھوا کر چلے گئے، مجھے پتہ چلا تو میں اور میرے برادر بزرگوار جناب محمد ولی رازی صاحب اور میرے پھوپھی زاد بھائی جناب فخر عالم صاحب بھی جلسہ گاہ کو روانہ ہوگئے۔ راستے میں زبردست پہرے تھے، داڑھی والوں کو جلسے کے پاس تک نہیں جانے دے رہے تھے، میری داڑھی ابھی نکلنی شروع ہوئی تھی، بہر حال کسی نہ کسی طرح ہمیں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ وہ جلسہ گاہ ایک جیل سی بنی ہوئی تھی کیونکہ مسلمانوں نے اس جلسہ گاہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا، کوئی قادیانی باہر نہیں نکل سکتا تھا، اندر جانے کے لئے فوجی پہرے تھے، جس کے ذریعہ قادیانی اندر جاتے تھے، لیکن انہوں نے لاؤڈ اسپیکر باہر دور تک لگائے ہوئے تھے ہم نے ان کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا جن پر لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے تھے اور ان کی بتیوں کو پتھر مار مار کر توڑنے لگے، آس پاس جو مسلمان جمع تھے ان کے سامنے کسی نے یہاں تقریر شروع کردی، کسی نے وہاں، اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں

نے جلسے کو درہم برہم کردیا، پولیس آگئی، بھگدڑ مچی، پولیس نے گولی چلائی، ہمیں گھیر کر لاٹھی چارج کیا جس میں کئی لاٹھیاں میرے بھی لگیں، مگر پھر الحمدللہ کراچی میں قادیانیوں کا کوئی قابل ذکر جلسہ نہ ہوسکا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن یہ آگ جو مسلمانوں کے دلوں میں لگی ہوئی تھی۔ بڑھتی چلی گئی، کیونکہ قادیانیوں کو بڑے بڑے عہدوں پر رکھا جارہا تھا اور غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا جارہا تھا، یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی وہ مشہور تحریک چلی، جس میں صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کیں، پاکستان میں سب سے پہلے ''مارشل لاء'' وہیں لگا تھا، پورے پاکستان میں ایک آگ تھی اور ہر مسلمان بے تاب تھا کہ اپنی جان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کی حفاظت کے لیے قربان کردے۔ جس دن تحریک شروع ہونے والی تھی وہ جمعہ کا دن تھا لیکن راتوں رات تحریک کے تمام علماء کو گرفتار کرلیا گیا، پورے پاکستان میں جس شہر میں جہاں کوئی عالم دین تحریک کا سرگرم نمائندہ تھا گرفتار کرلیا گیا اور پھر ان پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلے، فوج کا حکم یہ تھا کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہ نکلے، گلیوں کے اندر بھی نکلنے کی اجازت نہیں تھی، فوج نے مورچے سنبھالے ہوئے تھے اور مشین گنیں نصب کررکھی تھیں اور فوج کو یہ حکم تھا کہ جس کو باہر دیکھو گولی ماردو، بکتر بند گاڑیوں میں فوجی جوان اپنی مشین گنیں تانے ہوئے لاہور کی سڑکوں پر گشت کررہے تھے۔ میری بہن کا اور میرے بڑے بھائی صاحب کا گھر لاہور میں ہے۔ وہ اپنے گھروں میں سے یہ سب نظارے دیکھتے تھے، حکم یہ تھا کہ کوئی شخص باہر نہ نکلے، لیکن اچانک ایک گلی سے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا ایک دستہ نمودار ہوتا اور ''ختم نبوت زندہ باد'' کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھتا اور اپنے کھلے ہوئے سینوں کی طرف اشارہ کرکے

کہتے گولی یہاں مارو، یہاں مارو، فوج جس میں قادیانی بھی گھسے ہوئے تھے وہ مشین گنوں سے تڑتڑ گولیاں چلاتی، لیکن جلوس کا کوئی آدمی پیچھے نہیں بھاگتا تھا، وہیں گر کر شہید ہوجاتا تھا، ابھی یہ خون ریزی ختم نہ ہوتی کہ دوسری گلی سے ایسا ہی جلوس نکلتا، پھر تیسری سے، پھر چوتھی سے، پھر پانچویں سے، ہفتوں یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ صرف لاہور کے اندر دس ہزار مسلمانوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔

﴿رحمهم الله اجمعين﴾

مخلصانہ قربانیوں کے اثرات

وقتی طور پر وہ تحریک بظاہر ناکام ہوگئی، کیونکہ ظفر اللہ اسی طرح وزیر خارجہ رہا اور قادیانیوں کو حکومت نے غیر مسلم اقلیت بھی قرار نہیں دیا اور مسلمانوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے راستے میں دی جانے والی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی اس کے اثرات کبھی فوراً سامنے آجاتے ہیں، کبھی دیر لگتی ہے، کبھی وہیں ظاہر ہوجاتے ہیں، کبھی دوسری جگہ، آپ نے دیکھا؟ غزوۂ خندق میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے اور چھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا وہ خندق ساڑھے تین میل میں پھیلی ہوتی تھی، کھدائی کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دس دس آمیوں کی جماعت میں تقسیم کرکے ہر جماعت کو دس دس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا تھا، جس جماعت میں حضرت سلمان فارسیؓ تھے (انہی کی رائے پر انہی کے مشورہ سے اس خندق کے کھودنے کا فیصلہ ہوا تھا) ان کی کھدائی میں ایک بہت سخت چٹان آگئی، صحابہ کرامؓ سے وہ ٹوٹ نہیں رہی تھی، بلکہ اس کوشش میں ان کے اوزار بھی ٹوٹ گئے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو، میں خود اترتا ہوں، بھوک کی وجہ سے

آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی، آپ نے دعا پڑھ کر کدال سے اس چٹان پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔

آپ نے فرمایا:

> ”اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم شام کے سرخ محلات اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار دعا پڑھ کر کدال ماری تو چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ”اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، اللہ کی قسم مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“

تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا پڑھ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

> ”اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں عطا کردی گئیں، اللہ کی قسم، میں صنعا (شہر) کے دروازوں کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔“

دیکھئے! کھدائی مدینہ منورہ میں ہورہی تھی، لیکن فیصلہ ملک شام کی فتح کا

ہورہا تھا، کدال کی ضرب یہاں پڑ رہی تھی، خوشخبری ایران، فارس اور یمن کی فتوحات کی مل رہی تھی۔ فاقہ کشی اور کھدائی کی مشقت یہاں جھیلی جارہی تھی لیکن اس کے نتائج وہاں مرتب ہورہے تھے، قربانی آج دی جارہی تھی؟ اس کے ثمرات کئی سال بعد مرتب ہورہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوۃ

اسی طرح ۱۹۵۳ء کے شہیدوں کا لہو کئی سال بعد رنگ لایا، ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک دوبارہ اٹھی، اس مرتبہ اس کی قیادت حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس بار فتح مبین عطا فرمائی، پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے آئین میں ترمیم کی گئی، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لئے کئی قانونی اور انتظامی اقدامات ضروری تھے تاکہ قادیانی خود کو مسلمان کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان قانونی اور انتظامی اقدامات کی سعادت صدر پاکستان شہید ضیاء الحق مرحوم کو عطا فرمائی، مسلمانوں اور علماء کرام کے مطالبے کے مطابق انہوں نے آرڈیننس نافذ کیا، جس کے بعد الحمدللہ پاکستان میں اب قادیانیت کا مسئلہ طے ہوگیا ہے، اب وہاں کسی قادیانی کو جرات نہیں ہے کہ وہ اسلام کے نام پر قادیانیت کا فریب دے سکے یا اسلامی اصطلاحات کو قادیانیت کے لئے استعمال کرے، یا اپنے آپ کو قادیانی بھی کہے مسلمان بھی کہے، جیسا کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ نے ابھی آپ کو وہ آرڈیننس پڑھ کر سنایا ہے۔

مسلمانان برطانیہ کی ذمہ داری

لیکن اے مسلمانان برطانیہ! اب آزمائش آپ کے کندھوں پر آگئی ہے،

برصغیر کے مسلمانوں نے اللہ کے فضل وکرم سے اس فتنے کی سرکوبی کر کے وہاں سے اسے جلا وطن کردیا ہے۔ اب یہ فتنہ اور فراڈ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دشمن ٹولہ یہاں آپ کے انگلینڈ میں آ گیا ہے، یہاں اس نے اپنا سب سے بڑا مرکز بنایا ہے، اور یہاں سے وہ یورپ اور امریکہ میں نوجوانوں میں عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف تحریک چلا رہا ہے، پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے اپنا مرکز لندن کو بنایا ہے اور بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے یورپ کے مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا یہ قدم اٹھایا ہے، کیونکہ یہاں اسلام دشمن طاقتیں ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں، اب دیکھئے کس کس طریقہ سے یہ اپنی باطل تحریک قادیانیت کی تبلیغ کررہے ہیں، کئی یورپین ممالک کسی پاکستانی یا ہندوستانی کو آسانی سے ویزہ نہیں دیتے، لیکن ان ممالک میں قادیانیوں کو یہ مراعات حاصل ہیں کہ اگر وہ کسی کی سفارش کردیں اور ذمہ داری لے لیں تو اس کو بہت آسانی سے یہاں ملازمت کرنے کا ویزہ مل جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کو کہتے ہیں، دیکھو! تم کو ویزہ دلوا دیں گی، پرمٹ ویزہ دلوا دیں گے، تم اس فارم پر دستخط کردو، اس فارم میں اس بات کا عہد لیا جاتا ہے کہ وہ ''احمدی'' ہے، بہت سے نوجوان قادیانیت کا شکار اسی طریقے سے ہوئے ہیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ بندۂ خدا تم کفرنامہ پر دستخط کررہے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو دستخط ایسے ہی جھوٹ موٹ کررہے ہیں۔ دل میں تو ہمارے ایمان ہے، لیکن یاد رکھئے جو شخص کھلا ہوا صریح کلمۂ کفر قلم یا زبان سے نکالتا ہے تو جب تک وہ اس کفر سے اپنی مکمل علیحدگی کا مظاہرہ نہیں کرے گا، دنیا میں اسے قادیانی ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس نے کھلے کفر پر دستخط کئے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالے جارہے ہیں۔ اب یہ ساری ذمہ داری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں پر آ گئی ہے، خاص طور پر برطانیہ میں بسنے

والے مسلمانوں کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے کہ وہ ان نقش قدم پر چلیں جو پاکستان کے مسلمانوں نے آپ حضرات کے لئے تاریخ پر ثبت کردیئے ہیں۔ اپنے بچوں اور اپنے نسلوں کو اس فتنے سے بچانے کے لئے جو اقدامات ہوسکتے ہیں کئے جائیں، اپنی تعلیمی اداروں میں اس فتنہ سے ہمارے طلبہ اور طالبات کو باخبر کیا جائے۔ خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ان کی لڑکیوں کا حربہ بڑا خطرناک ہے، اس پر خصوصی نظر رکھی جائے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کا حامی وناصر ہو، میں اپنی گذارشات اسی دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ برطانیہ، یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اس خطرناک فتنے سے محفوظ رکھے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

إنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے
- کامل مسلمان کون
- اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں
- اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات و نتائج
- ظلم کی مختلف صورتیں
- ماہ ذی الحجہ کے فضائل
- عہدے کا ہدیہ
- دیوبندیت کیا ہے؟
- دینی تعلیم اور عصبیت
- اس خلا کو پر کریں
- صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مد ظلہ

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

جلد ہفتم

اصلاحی تقریریں

عمل پر ابھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہفتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب: اصلاحی تقریریں
جلد: ہفتم
خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی)
باہتمام: محمد ناظم اشرف
ناشر: بیت العلوم ۔ ۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دار الاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دار العلوم = جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو قلم بند کروا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے چھ درجن سے زیادہ کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ہفتم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے اور ان کے رفقائے کار نے ٹیپ

ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور جلد سوم کے بعد کی جلدوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور استاذ مولوی اعجاز احمد صمدانی سلمہ نے ضبط و ترتیب کا یہ کام اس مفید اضافے کے ساتھ کہ تقریروں میں بیان ہونے والی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کے مفصل حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور "بیت العلوم" کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کر رہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم اور ششم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہفتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں

کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط و ترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط و ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات و احادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

اجمالی فہرست

فہرست

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

﴿ کامل مسلمان کون؟ ﴾

﴿اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں﴾

﴿اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج﴾

﴿ظلم کی مختلف صورتیں﴾

﴿ماہِ ذی الحجہ کے فضائل﴾

عہدے کا ہدیہ

دیوبندیت کیا ہے؟

دینی تعلیم اور عصبیت

اِس خلا کو پُر کریں

صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

موضوع: اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: بموقع ختم بخاری شریف ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمے﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً ○

امابعد!

باب قول اللّٰہ تعالٰی: ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ وأن اعمال بنی آدم وقولھم یوزن وقال مجاھد: القسطاس: العدل بالرومیۃ ویقال القسط مصدر المقسط وھو العادل اما القاسط فھو الجائر.

حدثنا احمد بن إشكاب حدثنا محمد بن فضيل بن عمارة بن القعقاع عن ابى زرعة عن أبى هريره رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم : كلمتان حبيبتان إلى الرحمن ، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان: "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.[1]"

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز اور عزیز طلبہ کرام!

جیسا کہ معلوم ہے کہ کتاب صحیح بخاری کے سب سے آخری باب کی عبارت ابھی پڑھی گئی۔ اور اِسی باب کے تحت آنے والی حدیث اس کتاب کی سب سے آخری حدیث ہے۔ اسی پر امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مکمل فرمائی ہے۔

جہاں تک اس ترجمۃ الباب اور حدیث کے الفاظ کی لغوی، نحوی اور صرفی تحقیق کا معاملہ ہے۔ اس کی ضرورت منتہی طلبہ کو عموماً نہیں ہوتی اور اگر کچھ ہوتی ہے تو اساتذہ بیان فرمادیتے ہیں۔ یہ حدیث دوبار پہلے بھی آچکی ہے۔ آپ اس کی لغوی وصرفی تحقیق پیچھے پڑھ چکے ہوں گے۔ اس لئے میں اس باب کے الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق میں زیادہ کلام کرنے کے بجائے بعض دوسری چیدہ چیدہ باتوں کے بارے میں عرض کروں گا البتہ کہیں کہیں لغوی وصرفی تحقیق کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی ضمناً آجائے گی۔

ترجمۃ الباب کا مفہوم:

آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ امام بخاری کا طریقہ اپنی کتاب میں یہ

---

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالب علم نے پڑھی۔ م

ہے کہ ان کے باب کا عنوان (جسے علم حدیث کی اصطلاح میں ''ترجمۃ الباب'' کہا جاتا ہے) شریعت کا ایک مسئلہ ہوتا ہے اور اس ترجمۃ الکتاب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جو حدیث یا حدیثیں لاتے ہیں، وہ اس مسئلہ شرعیہ کی دلیل شرعی ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہاں امام بخاری نے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے، وہ آیت قرآنی کا ایک حصہ ہے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿بَابُ قَولِ اللّٰہِ وَنَضَعُ المَوازِیْنَ القِسْطَ لِیَومِ القِیمَۃِ﴾

یہ باب ہے اللہ کے ارشاد'' ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ'' کے بارے میں۔

آیت کے اس حصے کا ترجمہ یہ ہے: اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے۔ (الانبیاء:۴۷)

''موازین'' میزان کی جمع ہے۔ اردو، عربی اور فارسی میں یہ لفظ ترازو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ آلہ جس کے ذریعے سے کسی چیز کا وزن کیا جائے گا وہ میزان ہے۔

''ألقسط'' موازین کی صفت ہے کہ وزن کرنے والی چیزیں (یعنی ترازو یا آلات) انصاف کرنے والی ہوں گی۔

اصل میں تو ''قسط'' مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں ''انصاف کرنا''۔ لیکن یہاں پر مصدر ''مقسط'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انصاف کرنے والا۔ جیسے ''زیدٌ عَدْلٌ'' کہا جاتا ہے جو کہ زیدٌ عادِلٌ کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو مطلب یہ ہو گیا کہ ہم ایسی میزانیں قائم کریں گے کہ جو پورا پورا انصاف کرنے والی ہوں گی۔ ان میں ذرہ برابر بلکہ بال برابر بھی فرق نہیں ہوگا۔ بالکل صحیح صحیح

وزن کریں گی، ان میں کمی بیشی کا دور دور تک کوئی گذر نہیں ہوگا۔

"لیوم القیمة" أی فی یوم القیمة۔ قیامت کے دن یہاں پر لام فی کے معنی میں ہے۔ یعنی میزانیں قیامت کے روز قائم کی جائیں گی۔

اِن میزانوں میں کس چیز کا وزن ہوگا؟ اُس کا ذکر اس بات میں نہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آگے فرمایا کہ:

﴿وأن اعمال بنی آدم وقولھم یوزن﴾

"انسان کے تمام اعمال اور ان کے اقوال کا وزن کیا جائے گا۔"

اس سے پتہ چلا کہ ان میزانوں کے اندر انسان کے اعمال اور اقوال کا وزن کیا جائے گا۔

یہاں پر "وَقَولُهُم" کا لفظ ہے۔ بعض دوسرے نسخوں اور روایتوں میں "أقوالهُم" ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے اور یہی زیادہ راجح اور اعمال کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اعمال بھی جمع ہے اور اقوال بھی جمع ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ انسان کے تمام اچھے برے اعمال اور اچھے برے اقوال کا وزن ان میزانوں میں کیا جائے گا جو قیامت کے روز میدان حساب میں قائم کی جائیں گی۔

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کا دن وہی دن ہے جس کو قرآن کریم روز یاد دلاتا ہے۔ اور اللہ رب العالمین نے اسے روز یاد دلانے کے لئے سورۃ فاتحہ میں "یوم الدین" کے نام سے ذکر کیا اور تمام مسلمانوں پر قیامت تک کیلئے لازم کر دیا کہ وہ جو نماز بھی پڑھیں، فرض ہو یا واجب ہو، سنت ہو یا نفل، دن کی ہو یا رات کی، سری ہو یا جہری، اکیلے ہو یا جماعت سے، سفر میں ہو یا حضر میں، ہر حالت میں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔

اور سورۃ فاتحہ کے اندر یہ آیت ہے۔

﴿مالِکِ یَومِ الدِّین﴾ (الفاتحہ)

''(اللہ تعالیٰ) مالک ہے روز جزا کا۔''

جزا ملنے کا یہ دن بڑا خوفناک دن ہے۔ اس پوری کائنات کی تخلیق کا انجام اس دن ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم سب یہاں امتحان گاہ میں بیٹھے ہیں۔ نتیجہ اس دن نکلنے والا ہے۔ ہم سب کو جو لمحات گذر رہے ہیں چاہے وہ گھر میں گذریں یا مسجد میں، مدرسے میں گذریں یا بازاروں میں، عبادت میں گذریں یا کھیل و تفریح میں، اچھے کاموں میں گذریں یا برے کاموں میں۔ یہ تمام لمحات درحقیقت امتحان کے لمحات ہیں اور یہ پوری دنیا امتحان گاہ ہے اور ہر انسان بالغ ہونے کے وقت سے لے کر موت کے آنے تک اس امتحان گاہ میں ہے۔ یہ ایسی امتحان گاہ نہیں ہے کہ جس میں قلم سے لکھ کر امتحان دیا جائے بلکہ یہاں ہر حرکت اور سکون، ہر قول اور فعل امتحان کا حصہ ہے اور امتحان کا ہر ہر حصہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کے نمبر لگ رہے ہیں۔ کوئی چیز ضائع ہونے والی نہیں ہے، کراماً کاتبین اس کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

پہلے یہ باتیں سمجھ میں آنا مشکل ہوتی تھیں لیکن جدید دور کی ایجادات نے ان کو سمجھنا آسان کر دیا کہ اقوال کو کیسے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور اعمال کو کیسے دوبارہ دکھایا جا سکتا ہے۔

عمر بھر نہ ہنسنے کی قسم:

حضرت ربعی بن خراش جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد رشید ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں، جب انہوں نے یہ حدیث پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ مخلوق جنت کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کچھ مخلوق کو جہنم کیلئے پیدا کیا تو ان کے اوپر ایسا خوف

سوار ہوا کہ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت والوں میں شامل ہوں، اس وقت تک میں ہنسوں گا نہیں۔ عمر بھر اس خوف کی وجہ سے ہنسے نہیں کہ پتہ نہیں میرا شمار کون سی جماعت میں ہے۔ جب انتقال ہوا تو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ہم سب نے دیکھا کہ وہ ہنس رہے تھے۔

انہی کے بھائی ربیع نے بھی ایسی قسم کھائی تھی اور وہ بھی عمر بھر اس خوف سے نہیں ہنسے کہ پتہ نہیں میرا نام کون سی جماعت میں شامل ہے۔ غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب ہم ان کو غسل دے رہے تھے تو وہ مسلسل مسکرا رہے تھے۔ یہ مسکراہٹ مرنے کے بعد بھی ان کے چہرے پر نمایاں تھی۔

تو قرآن کریم قیامت کے خوفناک مناظر کو روزانہ یاد دلاتا ہے۔ نماز کی ہر رکعت میں کہتا ہے کہ یہ یاد رکھو کہ میدان حساب میں ہی تمہارے تمام اعمال کا نتیجہ نمودار ہونے والا ہے۔ اس دنیا کی غفلتوں میں گم نہ ہو جانا۔ یہ متاع الغرور ہے، اس میں کھو نہ جانا، اپنی منزل بھول نہ جانا، اپنی پونجی کھوٹی نہ کر دینا۔

تین ایسے مقامات جہاں کوئی کسی کا خیال نہیں کریگا:

آنحضرت ﷺ کی جلیل القدر چہیتی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ غور کیجئے! سوال کس سے کیا جا رہا ہے، رحمۃ للعالمین سے، جو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اور وہ آپ کے شوہر بھی تھے اور شوہر بھی ایسے کہ بہت چاہنے والے شوہر اور بیوی بھی چہیتی بیوی۔ تو اس چہیتی بیوی نے سوال کیا: یا رسول اللہ! جب ہم لوگ میدان حساب میں ہوں گے تو آپ وہاں بھی ہمارا خیال رکھیں گے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ وہاں تین مواقع ایسے ہوں گے کہ کسی کو کسی کا خیال نہیں آئے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی

ہوگی۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

ایک وہ وقت جب اعمال نامے لے کر آئیں گے جب تک دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ آجائے اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔ دوسرا وہ وقت جب اعمال نامے میزانِ عمل میں تل رہے ہوں گے، اُس میں جب تک نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ ہوجائے، اس وقت تک کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔ تیسرا وہ وقت جب پل صراط سے گذر ہوگا۔ جب تک پل صراط سے پار نہ ہوجائیں، کسی کو کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

یہ کون فرمارہا ہے؟ تاجدار دو عالم، شفیع المذنبین، صاحب مقامِ محمود اور صاحبِ شفاعت کبریٰ اپنی زوجہ محترمہ صدیقہ بنت صدیق کے سوال کے جواب میں فرمارہے ہیں۔ یہ روایت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل فرمائی ہے۔

اعمال کا وزن کس طرح ہوگا:

انسانی اعمال واقوال کا وزن کیسے ہوگا؟ جمہور علماء اہل سنت والجماعت یہ جواب دیتے رہے ہیں، روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور بعض آیات قرآنیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے تمام اعمال واقوال آخرت میں مجسم شکل میں بنادیئے جائیں گے۔ اعمال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی اور اقوال کو بھی جسمانی شکل دے دی جائے گی پھر ان کا وزن ہوگا۔

وزن ایک ''عارضی'' اور ''اضافی'' چیز ہے:

اور اب جدید سائنس نے یہ بات بھی بتلادی کہ کسی بھی چیز کا کوئی وزن اس کے ساتھ کوئی لازمی چیز نہیں ہے، ایک عارضی اور اضافی چیز ہے۔ دنیا میں ہمارا اپنا ایک وزن ہے۔ یہ گلاس رکھا ہے، اس کا ایک وزن ہے۔ یہ علم ہے، اس کا ایک وزن ہے لیکن

جب اسے اوپر لے جائیں یہاں تک کہ خلا میں پہنچا دیں۔ اُس وقت ان کا کوئی وزن نہیں رہے گا، بلکہ بے وزن ہو جائیں گے۔

اب تو سٹیلائٹ ایجاد ہو گئے، خلائی جہاز خلاؤں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ زمین کی کشش سے آزاد ہو کر وہاں ان کا کوئی وزن ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ بات آپ حضرات کو معلوم ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وزن کسی جسم کا لازمی جزو نہیں ہے۔ ایک عارضی شئ ہے۔ کبھی اس کا وزن ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ زمین کی فضا میں وزن ہے، خلا میں وزن نہیں، چاند پر پہنچیں تو وہاں وزن تو ہے لیکن زمینی فضا کے مقابلے میں کم وزن ہے کیونکہ زمین بڑا جسم ہے۔ اس کی کشش زیادہ ہے اس لئے یہ زیادہ تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتی ہے جبکہ چاند زمین کے مقابلے میں کم جسامت والا جسم ہے۔ وہ کم تیزی سے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کھینچنے کی اس قوت کو ''کشش ثقل'' کہتے ہیں اور کشش ثقل ہی درحقیقت وزن کا حاصل ہے۔ ایک چیز جس کا وزن زمین پر ایک کلو ہے، جب آپ اُسے چاند پر لے جائیں گے تو وہ آدھا کلو کے قریب رہ جائے گا اور اگر خلا میں لے جائیں تو اس کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا۔

جدید آلات نے اس حقیقت کو سمجھنا آسان کر دیا ہے:

اسی طریقے سے ہمارے یہ اعمال کہ آج دنیا میں ان کا کوئی وزن نہیں لیکن آخرت میں ان کا وزن ہو جائے گا اور میزانِ عمل میں وہ وزن سامنے آ جائے گا۔ اس لئے اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟

اور پھر آج کل کی جو ایجادات ہیں، انہوں نے تو اس بات کو سمجھنا اور زیادہ آسان کر دیا۔ آج کل ہر چیز کو ناپا جاتا ہے۔ حرارت کو بھی ناپا جاتا ہے، گرمی کو بھی، بخار کو

ناپا جاتا ہے، رفتار کو بھی۔ غرضیکہ ہر چیز کی پیمائش اور ناپنے کے آلات ایجاد ہو گئے ہیں تو اللہ رب العالمین جو ساری کائنات کے خالق ہیں۔ اس کے لئے اعمال کا وزن کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ ان میزانوں کے ذریعے اعمال کا وزن فرمائے گا۔

ہمیں کس چیز کی فکر کرنی ہے؟

اس کے چکر میں زیادہ نہ پڑیئے کہ وہ کیسے وزن کریگا؟ یہ کام اس کے کرنے کا ہے۔ ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو اس بات کی فکر کرنی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہونے والا ہے۔ آخرت میں ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم یہ بتلاؤ کہ ہم اعمال کا وزن کس طرح کریں گے؟ اس کی سائنسی توجیہ کیا ہوگی؟ آخرت میں تو یہ کہا جائے گا کہ وزنِ اعمال کے لئے لائے کیا ہو؟

صرف ایک نیکی کا مسئلہ:

اور یہ وہ وقت ہوگا کہ جب ایک ایک نیکی کام آنے والی چیز ہوگی۔ اپنے استاد محترم حضرت مولانا سحبان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت سنی تھی جو میدان حساب میں پیش آنے والی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک شخص اپنے اعمال لے کر آئے گا، اس کے نیک اعمال اور گناہوں دونوں کا وزن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاعدہ یہ ہے اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وزنِ اعمال کے نتیجے میں جس کے اعمال کا وزن بڑھ جائے گا، وہ جنت میں جائے گا اور جس کا وزن کم ہو جائے گا، وہ جہنم میں جانے کا مستحق ہوگا۔ اور جس کا وزن برابر رہے گا، وہ اعراف میں روک لئے جائیں گے۔ نہ جنت میں نہ دوزخ میں۔

تو ایک شخص آئے گا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں اس کی نیکیاں رکھی جائیں گی

اور دوسرے پلڑے میں گناہ، نیکیوں کا پلڑا تھوڑا سا اونچا ہوجائے گا اور گناہوں کا پلڑا تھوڑا سا نیچا ہوجائے گا۔ یہ پریشان ہوجائے گا۔ فرشتے کہیں گے تمہارے پاس صرف ایک نیکی کی کمی ہے۔ کہیں سے لے آؤ تو نیکیوں کا پلڑا جھک جائے گا، جان بچ جائے گی۔

اس کو قدرے اطمینان ہوگا کہ معاملہ آسان ہے۔ صرف ایک نیکی کا مسئلہ ہے۔ کسی عزیز، رشتہ دار سے مانگ لوں گا، وہ مجھے دے دیگا۔ یہ جائے گا، ایک دوست سے ملاقات ہوگی۔ اسے سارا ماجرہ سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ بھائی! معذرت چاہتا ہوں۔ دنیا کا معاملہ الگ تھا۔ یہاں پر میں تو کچھ سخاوت نہیں کرسکتا کیونکہ میرے اعمال کا بھی وزن ہونے والا ہے۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کی کمی رہ گئی تو میں کیا کروں گا۔

یہ شخص اس سے جدا ہوکر دوسروں کے پاس جائے گا۔ بھائی کے پاس پہنچے گا، وہ بھی انکار کردے گا، باپ کے پاس جائے گا، باپ کہے گا بیٹا! دنیا میں جو میں تمہارے لئے کرسکتا تھا، کرچکا، یہاں میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اگر میرے پاس ایک نیکی کم ہوگئی تو میں کیا کروں گا۔ آخر میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی ذات ماں یاد آئے گی۔ ماں کے قدموں میں جاکر پڑے گا کہ ماں! میری جان بچالے۔ ماں کہے گی کہ بیٹا! دنیا میں تمہاری خاطر میں بھوکی بھی رہی، پیاسی بھی رہی، خود جاگ کر تجھے سلایا، سب کچھ کیا، لیکن وہ دنیا تھی، یہ میدان حساب ہے، میرے سامنے بھی میزانِ عمل ہے۔ مجھے بھی جنت اور دوزخ کا سامنا ہے۔ میں یہاں تیری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔

ہکا بکا پریشان۔ ایک شخص اس کا یہ سارا منظر دیکھ رہا ہوگا۔ وہ اسے بلاکر پوچھے گا کہ قصہ کیا ہے؟ یہ اپنا ماجرا اور بپتا سنائے گا۔ وہ کہے گا کہ عجیب بات ہے۔ تمہارے پاس ایک نیکی کی کمی ہے اور جنت میں داخلہ رکا ہوا ہے جبکہ میرا معاملہ یہ ہے کہ میرے پاس نیکی ہی صرف ایک ہے تو جب تمہاری اتنی نیکیاں تمہیں نہ بچاسکیں تو میری ایک نیکی

میرے کیا کام آئے گی۔ چلو، میں یہ نیکی تمہیں دے دیتا ہوں تاکہ تمہاری تو جان بچ جائے۔

یہ خوشی خوشی ایک نیکی لے کر میزانِ عمل کے پاس پہنچے گا اور اپنی نیکیوں میں شامل کریگا۔ پلڑا جھک جائے گا۔ نجات ہو جائے گی۔ اللہ رب العالمین یہ سارا ماجرا دیکھ رہا ہوگا لیکن بندوں اور فرشتوں کو جتانے کے لئے اس سے پوچھے گا کہ یہ نیکی کہاں سے لائے؟ وہ اپنا واقعہ سنائے گا۔ جواب ملے گا کہ لے کر آؤ وہ سخی کون ہے جو آج کے دن بھی سخاوت کر رہا ہے۔ وہ شخص حاضر کیا جائے گا۔ اس سے اللہ رب العالمین پوچھیں گے کہ تم نے یہ سخاوت کیسے کر دی، حالانکہ اس کے ماں باپ نے اسے جواب دے دیا تھا۔ وہ کہے گا کہ میں نے یہ سوچا کہ یہ ایک نیکی میری جان تو بچا نہیں سکتی۔ چلو میں اس سے اپنے بھائی کی جان بچا دو۔ اس لئے یہ نیکی میں نے اس کو دے دی۔ ارشاد ہوگا تم نے ہمارے ایک بندے پر رحم کیا۔ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ تمہاری بھی بخشش کرتے ہیں۔

عکاشہ تم سے سبقت لے گئے:

تو یہ میدان حساب ہے اور وزنِ اعمال کا کٹھن مرحلہ آنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں مجھے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ستر ہزار آدمی ایسے ہیں کہ جو جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ حضور ﷺ نے دُعا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی شامل فرما دیا۔ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میرے لئے بھی دُعا فرمادیجئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علیٰ دخول طوائف من المسلمین الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب)

یہ ایک طویل بحث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مجلس میں عکاشہ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ دُعا کیوں نہیں فرمائی؟ طلبہ نے یہ بحث بخاری ومسلم میں پڑھ لی ہوگی۔ اس لئے میں اُسے چھوڑ رہا ہوں۔ البتہ اس حدیث سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جب صرف ستر ہزار بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے تو جب سارے کے سارے صحابہ بھی اس جماعت میں داخل نہیں ہوسکیں گے تو یہ دُعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل کردے کہ ہم کس شمار وقطار میں! پھر یہ صحابہ کرام کے علاوہ جلیل القدر تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین کرام اولیاء اللہ ہیں اور شہداء بھی موجود ہوں تو ہم کس منہ سے یہ دُعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں بھی اس جماعت میں شامل فرمادے۔

بلاحساب وکتاب جنت میں جانے والوں کی تعداد:

لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جنہوں نے مسلم شریف کی شرح ''فتح الملہم'' لکھی اور اس میں یہ حدیث ذکر کرکے اس کے تحت ایک روایت اور لائے۔ وہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں یہ جملہ زائد ہے کہ

﴿مَعَ كل أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلفًا﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''(ان ستر ہزار کے مجمع میں) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے (جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے)''

اب تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی لیکن پھر بھی ہم سوچتے تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد تو صحابہ کرام کی ہے، پھر تابعین، اولیاء، صدیقین، شہداء ہیں۔ اس لئے پھر بھی دُعا مانگنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کو کہ آگے انہوں نے ایک روایت سند جید کے ساتھ نقل کی۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

﴿ثم یحثی ربک ثلاث حثیات﴾ (فتح الملہم ۲/۵۵۳)

''پھر تمہارا رب اپنے تین لپ بھرے گا (انسانوں کے)''

یعنی پھر اور انسانوں کے تین لپ بھر کر انہیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دیگا جو بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک ہی لپ میں کروڑوں، اربوں انسان آ جائیں تو تین لپوں کے اندر نجانے کتنے لوگ آ جائیں گے۔ اس واسطے میں تو اس روز سے یہ دُعا مانگنے لگا کہ اے اللہ! ہمیں اپنی جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل فرما۔ میں اپنے لئے بھی یہ دُعا کرتا ہوں، آپ کے لئے بھی کرتا ہوں، اور آپ سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ آپ بھی یہ دُعا کیا کیجئے۔

بلاحساب وکتاب جنت میں جانے والوں کی صفات:

یہ لوگ جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی صفات ذکر فرمائی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ رب العالمین پر توکل کرتے ہوں گے۔ توکل کا حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کا تقویٰ اور اخلاص وللھیت کے جامع ہوں گے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ! آپ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ بہت سے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیں جس طرح ایک نیکی دینے والے کو عام قاعدے سے مستثنیٰ کر کے جنت میں داخل کر دیا۔

قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں کی ہوئی نیکی کا تو ثواب ملتا ہے، آخرت میں کی گئی نیکی پر ثواب کا وعدہ نہیں۔ اگر ایک شخص نے دنیا میں نماز نہیں پڑھی اور میدان حساب میں کہے

کہ اللہ میاں! میں اب نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس کا اجر مجھے دے دیجئے۔ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ آخرت میں کوئی موقع نئے عمل کا نہیں ملے گا لیکن جس شخص نے اپنی ایک نیکی دے کر اپنے بھائی کی جان بخشی کروائی، اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی نواز دیا حالانکہ اس نے یہ نیک کام آخرت کے میدان میں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ٥ اے اللہ! آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ پر کوئی حساب و کتاب نہیں۔ آپ ہمیں بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرما دیجئے۔

حدیث کا متن:

آگے سند کے بیان کے بعد حدیث کا متن ہے۔ یہ حدیث اِس پوری کتاب کی جان ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ٥﴾

''دو کلمے ایسے ہیں جو محبوب ہیں رحمٰن کو، زبان پر بہت ہلکے ہیں لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:''

سبحان اللّٰہ وبحمدہ ، سبحان اللّٰہ العظیم

لفظ ''رحمٰن'' کو استعمال کرنے کی وجہ:

دیکھئے! یہاں یوں نہیں فرمایا کہ حَبِيْبَتَانِ إِلَى اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں) حالانکہ رحمٰن سے مراد بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ ''رحمٰن'' کا لفظ استعمال کرکے اللہ کی رحمت

والی صفت کا حوالہ دیا۔ اور رحمت والی صفات میں بھی ''رحیم'' کے بجائے ''رحمٰن'' کی صفت کو استعمال کیا۔ ''رحمٰن'' ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر نہیں بولا جاسکتا کیونکہ رحمٰن کے اندر رحمت کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ کسی اور کے اندر پائی نہیں جاسکتی۔ رحمٰن وہ ہے جس کی رحمت مسلمانوں پر بھی شامل ہو اور کافروں پر بھی شامل ہو، سارے جہانوں پر شامل ہو۔

تو بتلایا کہ یہ دو کلمے ایسی ذات کی پسندیدہ ہیں جس کی رحمت کی کوئی حد و انتہا نہیں اور جب اس کو یہ کلمات پسندیدہ ہیں تو جو شخص ان کلمات کو ادا کریگا، وہ بھی رحمٰن کا محبوب بن جائے گا اور پھر اس پر رحمتوں کی بے انتہا بارش ہوگی۔

اِن عظیم کلمات کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ یہ زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ ان کی ادائیگی میں کچھ مشقت اور وقت درکار نہیں ہوتا۔ اور پھر تیسری بات یہ ہے کہ میزان عمل میں بہت بھاری ہیں۔ جب انہیں میزان میں رکھا جائے گا تو میزانِ عمل کا پلڑا جھک جائے گا۔

وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِه سُبْحَانَ اللّٰهِ العَظِيْم:

''سُبْحان اللّٰهِ وبحمدِہ'' کا مطلب:

اِن کلمات کی صرفی و نحوی تحقیق کیا ہوگی؟ اس کی تفصیل آپ اپنے اساتذہ سے پڑھ چکے ہوں گے۔ بس اتنی مختصر عرض کرتا ہوں کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کے اندر جو ''واؤ'' آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو تشریحیں کی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ کہ یہ ''واؤ'' حالیہ ہے۔ اور مجھے ذوقاً یہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اگر یہ واؤ حالیہ ہو تو اس صورت میں لفظ ''متلبساً'' محذوف ہوگا۔ اور پوری عبارت یوں

ہوگی:

﴿اُسَبِّحُ سُبْحَانَ اللّٰهِ حَالَ كَوْنِي مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهٖ﴾

اُسَبِّحُ شروع میں محذوف ہے۔ سبحان اللہ اس کا مفعول مطلق ہے۔ وَبحمدہٖ متلبسًا محذوف کی وجہ سے حال بنے گا۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا:

میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اس حال میں کہ میں اس کی حمد بھی بیان کر رہا ہوں۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ پہلے میں اس کی تسبیح کروں گا۔ پھر حمد کروں گا۔ بلکہ دونوں کام ساتھ ساتھ کر رہا ہوں۔ گویا تسبیح و تحمید ساتھ ساتھ ہیں، آگے پیچھے نہیں۔ ایک ہی لمحے میں دونوں کام ہو رہے ہیں۔

ان دو جملوں کے فضائل:

یہاں پر کلمتان سے مراد ''جملتان'' ہیں یعنی یہ دو جملے ایسے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان میں سے صرف ایک جملہ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ دن میں سو مرتبہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ گناہ اتنے ہوں جتنے سمندروں کے جھاگ۔ آگے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس شخص کے گناہ نہیں ہیں تو سمندروں کے جھاگ کے برابر اسے نیکیاں مل جائیں گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر دوسرا جملہ بھی کہہ دے تو سبحان اللہ وبحمدہ کہنے سے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوئے، اگلے جملے سے اتنی ہی نیکیوں کا اضافہ ہو جائے گا جتنے گناہ معاف ہوئے۔

اِن کلمات کی سب سے اہم صفت:

آپ اندازہ کیجئے کہ یہ کلمات کتنے فضیلت والے ہیں اور ان میں ایک سب سے اہم صفت یہ ہے کہ یہ رحمٰن کو محبوب ہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں! غور کرو، اس میں لفظ ''حَبِیْبَتَان'' کتنا پیارا ہے کہ یہ کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔ اور جو چیز اللہ کو محبوب ہو، اس سے جو شخص بھی متصف ہوگا، وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگ اپنے مریدین کو جو معمولات یومیہ ارشاد فرماتے ہیں، ان میں کم از کم ایک تسبیح ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' کی بھی شامل ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی ابتداء اور انتہاء میں لطیف ربط:

آخر میں ایک بات مختصر عرض کر کے بات کو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب کو شروع کیا تھا ''اِنّمــا الأعْمَـال بـالنِّیَّـاتِ'' کی حدیث سے۔ جس میں ہمیں یہ سبق دیا کہ آگے پڑھنے سے پہلے اپنی اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ جیسی نیت ہوگی، ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ اگر آخرت کے لئے پڑھ رہے رہو تو آخرت بنے گی اور خدانخواستہ اگر اور مقصد ہے تو پھر وہ تمہارے سامنے آئے گا۔

اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے اخلاص سے، چنانچہ جو لوگ ریاکاری کے طور پر کام کرتے ہیں ان کے اعمال میں وزن نہیں ہوتا۔ اسی طرح کفار بھی اللہ کے لئے کام نہیں کرتے تو قرآن حکیم میں کافروں کے نیک اعمال کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف: ۱۰۵)

''قیامت کے روز ہم ان کا ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

عمل جتنا زیادہ خالص ہوگا، اتنا ہی اس کا وزن زیادہ ہوگا۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی حدیث میں سبق دیا کہ اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ اور آخر میں یہ بتایا کہ نیتوں کی درستگی کا انجام یہ ہوگا کہ اخلاص سے پڑھے ہوئے یہ چھوٹے چھوٹے جملے بھی میزان عمل کو جھکا دیں گے۔ اور اگر نیت صحیح نہیں ہوگی تو اعمال بے کار رہوں گے، ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کے کٹھن مرحلے سے، قبر کی منزل سے اور میدانِ حساب سے آسانی اور عافیت کے ساتھ گذار دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

کامِل مُسلمان کون

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۱۰ مارچ ۲۰۰۴ء
ترتیب و عنوانات	[illegible]

﴿ کامل مسلمان کون؟ ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

عن عبداللہ عمروبن العاص رضی اللہ تعالی عنہٗ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

اَلْمُسلم مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِہٖ ویَدِہٖ ○

(متفق علیہ)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، بخاری شریف میں بھی آئی ہے اور مسلم شریف میں بھی۔ ایسی حدیث جو بخاری و مسلم دونوں میں آئی ہو اُسے ''متفق علیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔''

کاش یہ حدیث ہر مسلمان کو حفظ د یاد ہو:

یہ ایسی عظیم الشان حدیث ہے کہ دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کو یہ حدیث حفظ ہو۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہم بالکل بچے تھے۔ دیوبند میں رہتے تھے۔ میں قاعدہ پڑھتا تھا، میری عمر اُس وقت چھ سات سال ہوگی، تو جمعرات اور جمعہ کے درمیان جو رات ہوتی تھی، اس میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ فرصت ہوتی تھی کیونکہ اگلے دن سبق نہیں پڑھانا ہوتا تھا جس کی وجہ سے رات کو مطالعہ بھی نہیں کرنا ہوتا تھا۔ تو اس رات کو اور جب کبھی بھی ایسا موقع مل جاتا تو اُس وقت وہ ہمیں انبیاء کرام کے قصے سنایا کرتے تھے۔ وہی قصے ہم نے بعد میں کتابوں میں بھی پڑھے لیکن ہمیں جب یاد آتے ہیں تو کتابوں کے حوالے سے یاد نہیں آتے بلکہ والد صاحب کے سنانے کے حوالے سے یاد آتے ہیں۔ وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت کی ساری باتیں یاد رہتی ہیں۔

اسی زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا مشہور رسالہ ''جوامع الکلم'' کے نام سے لکھا تھا۔ درس نظامی کے مدارس میں یہ رسالہ طلبہ کو پڑھایا بھی جاتا ہے

اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی چالیس احادیث اور ان کا ترجمہ ہے۔ دیوبند میں بھی چھپی تھی۔ یہاں بھی چھپتی رہتی ہے۔ اب کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم کراچی کے استاد مولانا راحت علی ہاشمی صاحب نے اس رسالے پر آسان سی تشریح بھی لکھ دی ہے۔ جس کی وجہ سے اب وہ عوام کے لئے بہت کام کی چیز ہوگئی ہے۔ تو ان چالیس حدیثوں میں ایک حدیث یہ بھی تھی کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ ہمیں یہ حدیث اسی وقت سے حفظ یاد ہے۔ جس وقت والد صاحبؒ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔

''تکلیف نہ پہنچنے'' کا مطلب:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ مراد یہ ہے کہ دوسروں کو ''ناحق تکلیف'' نہ پہنچے۔ اگر کسی حق کی وجہ سے تکلیف پہنچانی پڑے جیسے ''جہاد'' میں کافروں کو تکلیف پہنچانی پڑتی ہے۔ اسی طرح چوروں کے ہاتھ کاٹنے پڑتے ہیں۔ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹنے پڑتے ہیں۔ قاتلوں کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکلیف ممنوع نہیں کیونکہ یہ حق شرعی کی وجہ سے ہے۔ یہاں جس تکلیف سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ناحق تکلیف ہے۔

یہ حدیث معاشرتی احکام کا بنیادی اصول ہے:

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث پورے اسلامی معاشرے سے متعلق احکام کا بنیادی اصول اور محور ہے۔ پہلے بھی یہ بات بتاتا رہتا ہوں کہ اسلام مذہب نہیں ہے، دین ہے۔ پوری زندگی کا دستورالعمل ہے اور اگر اس کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے پانچ حصوں میں اس کی تعلیمات منقسم ہیں۔

پہلا حصہ ایمانیات ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا

ضروری ہے اور کن چیزوں پر ایمان نہ لانا ضروری ہے۔

دوسرا حصہ عبادات ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی وغیرہ وغیرہ

تیسرا بڑا حصہ معاملات ہے جیسے خرید وفروخت، تجارت، مزدوری، کاشتکاری، صنعت، اسی کے اندر حکومت، سیاست اور عدالتی نظام بھی آجاتا ہے۔

چوتھا بڑا حصہ معاشرت ہے۔ معاشرت کا لفظ عشرت سے نکلا ہے۔ عشرت کہتے ہیں ''زندگی'' کو۔ معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گذارنا۔ یہ جملے آپ بہت سنتے ہوں گے کہ ہمارا معاشرہ ایسا ہے۔ ہمارا معاشرہ بہت زیادہ خراب ہو چکا ہے وغیرہ۔ یہ لفظ اصل میں ''معاشرت'' ہی ہے۔

اسلام نے معاشرت یعنی مل جل کر زندگی گذارنے کے احکامات بھی بہت تفصیل سے بتائے ہیں۔ ہر انسان کو تقریباً ہر وقت کسی نہ کسی انسان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ آپ یہاں بیٹھے ہیں۔ اس وقت آپ کا مجھ سے بھی واسطہ ہے اور برابر میں اور آگے پیچھے بیٹھنے والوں سے بھی واسطہ ہے۔ نماز میں کھڑے ہوں گے تو وہاں آپ کا واسطہ امام سے بھی ہوگا اور اپنے دائیں بائیں والے نمازیوں سے بھی ہوگا۔ یہاں سے نکلیں گے تو جو راستے میں ملیں گے ان سے واسطہ ہے، گھر پہنچیں گے تو بیوی، بچوں، بہن، بھائی اور ماں باپ سے واسطہ ہوگا۔ بازار جائیں گے تو دکاندار اور دوسرے لوگوں سے واسطہ ہے۔ دفتر جائیں گے تو وہاں اپنے افسر اور اپنے ماتحتوں سے واسطہ ہے۔ دکان پر جائیں گے تو وہاں اپنے گاہکوں اور اپنے ملازمین سے واسطہ ہے۔ غرض ہر ایک انسان کو تقریباً ہر وقت کسی دوسرے انسان سے واسطہ ہے۔ انسان بدلتے رہتے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ زندگی گذارنے والا تقریباً ہر وقت ہوتا ہے تو ان کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ انہیں ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو، یہ اسلامی معاشرت ہے۔ اور اس اسلامی معاشرت کے احکام کا لب لباب اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ

اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو ادنیٰ تکلیف اور ناگواری نہ ہو۔

''ادب'' کیا ہے؟:

یہاں ایک بات اور عرض کردوں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس تھی۔ ہم بھی حاضر تھے۔ تو حضرت نے ایک سوال اٹھایا فرمایا کہ بھائی! یہ لفظ بہت استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کام ادب کے خلاف ہے۔ فلاں کام ادب کے موافق ہے۔ فلاں باادب ہے، فلاں بے ادب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ادب'' سے کیا مراد ہے؟ ہمیں تو کچھ ہمت نہ پڑی بولنے کی، اور بھی کوئی نہیں بولا۔ پھر خود ہی فرمایا کہ یہ بات آپ مجھ سے سن لیجئے۔ فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ دوسرے کو آپ کے کسی قول یا فعل سے ناحق ادنیٰ ناگواری پیش نہ آئے نہ چھوٹوں کو تکلیف پیش آئے، نہ بڑوں کو۔

اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھو۔ زور زور سے نہ بولو، یہ بھی ادب ہے لیکن یہ ادب اس لئے ہے کہ اگر آپ اس طرح بیٹھو گے تو انہیں ناگواری نہیں ہوگی، اگر تن کر بیٹھو گے تو سمجھیں گے کہ یہ صاحب بہادر بن کر بیٹھا ہوا ہے، اس سے انہیں ناگواری ہوگی۔ زور زور سے بولو گے تو انہیں تکلیف پہنچے گی جس سے ناگواری ہوگی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بڑوں کے پیچھے پیچھے چلو کیونکہ آگے چلنے سے انہیں ناگواری ہوگی۔ لیکن یہ بات کوئی قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ جب ''ادب'' کی تعریف یہ ہوئی کہ ادب یہ ہے کہ دوسروں کو آپ کے قول وفعل سے ناحق ناگواری نہ ہو تو اس کے حساب سے ادب کی تفصیلات اپنے موقع کے اعتبار سے مختلف ہوں گی۔ کبھی بڑوں کے پیچھے چلنا ادب ہوگا لیکن کبھی بڑوں کے آگے چلنا ادب ہوگا۔ مثلاً اگر راستہ تاریک اور خطرناک ہے، اس میں جھاڑیاں اور جھنکار ہیں تو وہاں ادب یہ ہے کہ آپ آگے چلیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر پیچھے چلنا ادب ہوگا۔

اگر دو آدمی کسی سے ملیں تو گفتگو میں ادب کیا ہے؟

مسلم شریف کے اندر ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ ہم دو آدمی تھے۔ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ وہ مسجد جارہے تھے جب ہم نے ان کو دیکھا تو ان کو سلام کیا اور ان کے ساتھ ہولئے اور بات کرنا شروع کردی۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طرف ہوگیا اور میرا ساتھی دوسری طرف ہوگیا۔

یہاں پر شارحین نے لکھا کہ اِن صحابہ نے اپنے اس عمل کے ذریعے سے یہ ادب بتایا کہ ''اگر دو آدمیوں کو کسی بڑے سے بات کرنی ہوتو وہاں ادب یہ ہے کہ ایک دائیں طرف ہو اور دوسرا بائیں طرف۔'' اگر یہ دونوں حضرات پیچھے چلتے تو بے ادبی کی بات ہوتی کہ اس میں اگلے آدمی کو بات سننے اور جواب دینے کے لئے بار بار پیچھے مڑنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر دونوں حضرات ایک طرف ہوکر بات کرتے تو یہ بھی بے ادبی کی بات ہوتی کیونکہ اس صورت میں اگر دوسرے سے بات کرتے تو بیچ میں ایک آدمی کو چھوڑ کر جھانک جھانک کر کرتے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بات کرنا ادب ہے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ بہت سے طلبہ ہم سے بہت آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں۔ اور زیادہ ادب کرنا ہوتو منہ پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں۔ اب کچھ سنائی نہیں دیتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ بار بار پوچھنا پڑتا ہے، پھر جا کر کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ ادب نہیں۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اتنی زور سے بولیں کہ وہ آسانی سے سن لیں۔ ہاں اتنی زور سے بھی نہ بولیں کہ یوں معلوم ہو جیسے تماشا کررہے ہو۔

اور یہ بات آدمی اپنے عقل وفہم اور تربیت سے سیکھتا ہے کہ میرے کون سے فعل سے دوسروں کو تکلیف پہنچے گی اور کون سے فعل سے تکلیف نہیں پہنچے گی، کون سا موقع آہستہ بولنے کا ہے اور کون سا موقع اونچی آواز میں بات کرنے کا ہے۔ کون سا موقع آگے چلنے کا ہے، کون سا موقع ساتھ چلنے کا ہے اور کون سا موقع پیچھے چلنے کا ہے۔

ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے، چھوٹوں کا بھی:

ادب کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ادب بڑوں کا بھی ہوتا ہے اور چھوٹوں کا بھی ہوتا ہے کیونکہ تکلیف سے تو چھوٹوں کو بھی بچانا ضروری ہے لہٰذا ایسی بات یا کام کرنا جس سے بچوں کو تکلیف پہنچے، بچوں کے ادب کے خلاف ہے۔

اللہ والوں کی باتیں سنت کے ڈھانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔ حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو بات فرمائی، یہ تقریباً وہی بات ہے جو جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مَنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ مامون ومحفوظ رہیں)

غیر مسلموں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے:

یہاں ایک اور بات سمجھ لیجئے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ''مسلمون'' کا لفظ قید احترازی نہیں ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان تو محفوظ رہیں لیکن کافر محفوظ نہ رہیں یا جانور محفوظ نہ رہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ''مسلمون'' کا لفظ آنحضرت ﷺ نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ مسلمانوں کی بستی میں زیادہ تر واسطہ دوسرے مسلمانوں سے پیش آتا ہے ورنہ جس طرح مسلمانوں کو ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں، اسی طرح کافروں کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

اور اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ وہ دوسرے خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر۔ یہ بہت اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ اس سلسلے میں بہت سے مسلمانوں کو غلط فہمی ہوجایا کرتی ہے۔ یہاں ہمارے ملک میں عام طور پر خاکروب عیسائی ہوتے ہیں یا ہندو ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ ان کو جتنا چاہو تکلیف پہنچادو، ہرگز درست نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے جس طرح کسی مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اِن بیچاروں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ ان کو گالی دینا، ان کو ناحق برا بھلا کہنا، ان کی دِل آزاری کرنا، ان کو مارنا پیٹنا اور ان کا حق مار لینا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ مسلمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا حرام ہے۔

اسلام نے جانوروں کے بھی حقوق رکھے ہیں:

بلکہ اسلام نے تو جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دی۔ ان کے بھی حقوق مقرر کئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جانورں کے حقوق سے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ہے ’’حقوق البھائم‘‘ (جانوروں کے حقوق) اس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اسلام نے جانوروں کے کیا کیا حقوق رکھے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جانوروں کے حقوق سے متعلق بڑی تفصیلات ہیں۔ اگر آپ نے کسی جانور کو پال رکھا ہے تو ان کے کھانے پینے کا انتظام آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس کی پشت پر اتنا بوجھ لادنا جائز نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔

سید اصغر حسینؒ کے واقعات:

مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبند میں رہتے تھے۔ مادر زاد

ولی اللہ کہلاتے تھے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے اور ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ بڑے اونچے درجے کے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ اُن کی باتیں بڑی ظرافت والی اور حکیمانہ ہوتی تھیں۔ کئی عظیم الشان تحقیقی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ والد صاحب کے ساتھ ہم بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ ہم تو اس لئے جایا کرتے تھے کہ ان کے ہاں جو بچے بھی جاتے، ان کو مٹھائی ملتی تھی۔ ہم جاتے تو ہمیں بھی ملتی۔ ان کے سرہانے مٹھائی رکھی رہتی تھی جب کوئی بچہ آتا، وہ اُسے کچھ مٹھائی دے دیتے۔ اور ہم بہن بھائیوں میں سے اگر کوئی بیمار ہوجاتا تو والد صاحب انہی کے پاس لے جاتے۔ وہ جھاڑ پھونک کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہوجاتے۔ ڈاکٹر اور حکیم کا نمبر شاذونادر ہی آتا، زیادہ تر انہی کے تعویذ اور جھاڑ پھونک سے کام چلتا تھا۔ دوسرے لوگوں کا خیال رکھنے میں ان کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

غریبوں کا محلّہ ہے، اس لئے مکان پکا نہیں بنواتا:

آپ جس محلے میں رہتے تھے وہ غریبوں کا محلّہ تھا۔ سب کے مکان کچے تھے۔ حضرت کا مکان بھی کچا تھا۔ برسات ہوتی تو اس کی مٹی بہہ جاتی۔ اس کی لیپائی پوتائی کرنا پڑتی۔ سال میں ایک دو دفعہ لیپائی پوتائی کی نوبت آہی جاتی جس پر اچھی خاصی محنت صرف ہوتی۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ حضرت! اس پر سیمنٹ کا پلستر کروادیں۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے بھی کہا۔ ان کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ جب کوئی چھوٹا انہیں کوئی مشورہ دیتا تو اس کی حوصلہ افزائی بھی بہت فرماتے۔ والد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تو گنجائش ہے۔ آپ اپنے

مکان پر سیمنٹ کا پلستر کرادیجئے۔ فرمانے لگے "کتنی عقلمندی کی بات کی۔ ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔" تعریف فرمادی لیکن بعد میں کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اور مرتبہ یاد دلایا۔ اس پر بھی خوب تعریفیں کیں کہ ماشاء اللہ کتنی عمدہ تجویز دی۔ بڑی حکیمانہ بات کی، فضول سال میں دو مرتبہ ہم تکلیف اٹھاتے ہیں، خرچہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہاں بھائی! آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور اس کے بعد بھی کچھ نہیں کیا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے پھر ایک مرتبہ یاد دلایا تو فرمایا کہ "دیکھو بھائی! بات یہ ہے کہ اس محلے میں سارے گھر غریبوں کے ہیں، سب کے گھر کچے ہیں۔ اگر میں نے اپنا گھر پکا بنوادیا تو ان کے دل ٹوٹیں گے، ان کے بچوں کے دل ٹوٹیں گے۔" چنانچہ جب تک اس محلے کے سارے مکانات پکے نہیں بن گئے، حضرت میاں صاحب نے اپنا مکان پکا نہیں بنوایا، یہ تھے "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسلمون من لسانه ویده" پر عمل کرنے والے۔

اگر یہاں چھلکے ڈالے تو غریب بچوں کا دِل ٹوٹے گا:

حضرت والد صاحب نے ان کا ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ انہوں نے آم کھائے۔ والد صاحب کو بھی کھلائے۔ جب چھلکے اور گٹھلیاں جمع ہو گئیں تو والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عرض کیا کہ میں پھینک کر آتا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں آپ رہنے دیں۔ والد صاحب نے جب بار بار اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھینکنے آتے ہیں؟ والد صاحب کہنے لگے کہ ہاں، پھینکنا کونسا مشکل کام ہے۔ باہر کوڑے پر پھینک کر آجاؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں، آپ کو پھینکنے نہیں آتے۔ والد صاحب نے پوچھا کہ ان کے پھینکنے میں کونسا فلسفہ ہے جو مجھے نہیں آتا۔ فرمایا، بہت گہرا فلسفہ ہے۔ رات کو جب سب سوجاتے ہیں تو گلی سے باہر نکل کر سڑک کے پاس یہ گٹھلیاں پھینکتا ہوں جہاں سے صبح

سویرے لوگ اپنے ڈنگروں (جانوروں) کو لے کر گذرتے ہیں۔ وہاں سے جانور گذرتے ہوئے انہیں کھالیتے ہیں۔ یہاں اس لئے نہیں ڈالتا کہ یہ غریبوں کا محلّہ ہے، اگر دن کے وقت اِن کو یہاں ڈالا تو غریبوں کے بچے جب اِن چھلکوں کو دیکھیں گے تو ان کے دلوں کو حسرت ہوگی، ان کا دل ٹوٹے گا۔

''انور'' ناول کیسا ہے؟:

ان کا ایک اور واقعہ تو ایسا عجیب وغریب ہے کہ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ واقعہ ہم نے اپنے والد صاحب سے بھی سنا اور اپنے بڑی بھائی ذکی کیفی صاحب مرحوم سے بھی بار بار سنا۔ ہمارے بڑے بھائی ذکی کیفی صاحب ان کے بڑے لاڈلے تھے اور بہت کثرت سے ان کے پاس جاتے رہتے تھے۔ وہ اِن کے عجیب عجیب قصے اور لطیفے سنایا کرتے تھے۔ ایک عجیب قصہ یہ سنایا کہ ان کے پاس ایک مشہور ناول تھا جسے وہ کسی دکاندار سے کرائے پر لے کر آئے تھے۔ جب پڑھ لیا تو دکاندار کو واپس دینے کے لئے جارہے تھے۔ راستے میں خیال آیا کہ میاں صاحب کا گھر درمیان میں پڑتا ہے۔ چلو، ان سے سلام کرتے ہوئے چلا جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ میں نے وہ ناول اپنے نیفے میں اڑس لیا اور اوپر سے کرتہ ڈال دیا اور پھر سلام کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا، حضرت نے خیر خیریت دریافت کی اور اس کے بعد فرمانے لگے میاں! وہ ''انور'' ناول کیسا ہے؟ (ناول کا نام ''انور'' تھا) آپ چونکہ صاحب کشف بزرگ تھے، اس لئے انہیں پتہ چل گیا کہ اس نے ناول چھپا رکھا ہے۔

بلاوجہ ایک مسلمان کا دل کیوں دکھاؤں؟:

بھائی جان صاحب ہی نے ان کا یہ قصہ بھی سنایا کہ حضرت جس محلے میں رہتے

تھے۔ راستے میں ایک فاحشہ عورت کا مکان پڑتا تھا۔ وہ پیشہ ور کسبی عورت تھی۔ کسی زمانے میں وہ جوان تھی تو اس کے پاس گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی تھی تو گاہک نہیں آتے تھے۔ وہ رات کو بن سنور کر بیٹھتی تھی کہ شاید کوئی گاہک آجائے لیکن عام طور پر کوئی گاہک نہیں آتا تھا۔ حضرت میاں صاحب جب اس کے گھر سے گذرتے تو پاؤں سے جوتے نکال لیتے اور ننگے پاوں وہاں سے گذرتے، البتہ آگے جاکر پہن لیتے۔ والد صاحب اور بھائی صاحب نے ان کو کئی مرتبہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔'' لیکن اس وقت وجہ نہیں بتائی۔ پھر کچھ عرصے بعد جب والد صاحب نے پوچھا تو فرمانے لگے کہ دراصل بات یہ ہے کہ پہلے جب یہ عورت جوان تھی۔ اس کے پاس گاہک بہت آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ گاہک نہیں آتے لیکن یہ انتظار میں رہتی ہے۔ میں اس کا گھر آنے سے بہت پہلے جوتے اس لئے اتار لیتا ہوں تاکہ میرے قدموں کی آہٹ اس کو سنائی نہ دے کیونکہ اگر اس کو آہٹ سنائی دے گی تو اس کے دل میں امید پیدا ہوگی کہ شاید کوئی گاہک آیا ہے اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا تو بلاوجہ ایک مسلمان کا دِل کیوں دکھاؤں، دیکھئے! ایک کسبی عورت کے بارے میں حضرت کی یہ احتیاط تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل بھی ساری زندگی یہ رہا کہ آپ کے کسی عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بھی لیٹ گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لیٹ گئے۔ (حجرہ تنگ تھا، سرہانے کی طرف سے باہر نکلنے کا راستہ نہ تھا البتہ پائنتی کی طرف سے راستہ تھا) میں

آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سمجھے کہ میں سو رہی ہوں حالانکہ میں جاگ رہی تھی۔ آپ نے میرا اس طرح خیال فرمایا کہ آپ آہستہ آہستہ پائنتی کی طرف سر کے، پھر بہت آہستہ سے جوتے پہنے، پھر بہت آہستہ آہستہ قدم بڑھا کر چلے، پھر چپکے سے دروازہ کھولا، پھر بہت آہستہ سے دروازہ بند کیا اور باہر چلے گئے۔ حضور جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ جب حضور ﷺ کو دیکھا کہ واپس آرہے ہیں تو یہ بھی بھاگ کر واپس اپنی جگہ پر لیٹ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ کیا بات ہے؟ تمہارا سانس پھولا ہوا کیوں ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وجہ بیان کی کہ میں آپ کے پیچھے آئی تھی اور پھر آپ کو واپس آتا دیکھ کر جلدی سے بستر پر آکر لیٹ گئی۔

ہم اپنا جائزہ لیں:

دیکھئے! اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے کمرے سے باہر نکلنے میں کتنی احتیاط فرمائی کہ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے سب کام کئے تاکہ عائشہ صدیقہ کی نیند خراب نہ ہوجائے۔ اب ہم اپنا عمل دیکھیں کہ ہم دوسرے لوگوں کو اذیت سے بچانے کی کتنی کوشش کرتے ہیں۔ آج کل یہ عادت عام ہوگئی ہے کہ کمرے میں جب کچھ لوگ سو رہے ہوں تو نیا آنے والا بتی ضرور کھولتا ہے۔ حالات کا جائزہ لیتا ہے اور پھر جا کر اپنی جگہ سو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیند کمزور ہوتی ہے۔ لائٹ جلنے سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے تو اس عمل سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ وہ تکلیف ہے جو ہم اپنے عمل کے ذریعے سے دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح ہم زبان سے بھی لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے رہتے

ہیں۔ یہ لاؤڈ سپیکر ایسا خطرناک آلہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچانے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اس سے جتنی چاہو، دوسروں کو تکلیف پہنچادو۔ سوتوں کو جگادو، عبادت کرنے والوں کی عبادتیں خراب کردو اور جتنا چاہو، دوسروں کو ستالو۔ خود یہاں بیٹھے ہیں اور اس کی مار دور دور تک ہو رہی ہے۔

''زبان'' کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا؟:

حدیث میں جو فرمایا گیا کہ ''مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے'' اس میں زبان کا ذکر پہلے ہے اور ہاتھ کا بعد میں۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت کم آتے ہیں جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانا مشکل بہت ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانا آسان بہت ہے۔ آپ کسی طاقتور کو ہاتھ سے تکلیف نہیں پہنچا سکتے، اگر آپ اُسے ہاتھ سے تکلیف پہنچائیں گے تو وہ آپ کی مرمت کردے گا لیکن زبان ایسی چیز ہے کہ کمزور سے کمزور آدمی طاقتور سے طاقتور آدمی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے مثلاً ٹیلی فون کر کے تکلیف پہنچادی، لاؤڈ سپیکر پر گالی دے دی یا ریڈیو اور ٹی وی پر برا بھلا کہہ دیا۔ ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں محنت خرچ ہوتی ہے جبکہ زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی محنت خرچ نہیں کرنا پڑتی۔ اسی لئے زبان کے ذریعے سے پہنچائی جانے والی تکلیفیں زبان کی تکلیفوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی ہیں تو چونکہ اس کی تکلیفیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان کا ذکر ہاتھ سے پہلے فرمایا۔

صرف ان دو اعضاء کا ذکر کیوں فرمایا؟:

اسی طرح زبان وہاتھ کا تذکرہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اعضاء مثلاً

ٹانگ، آنکھ یا سر سے کسی تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ ہرگز جائز نہیں۔ ان دو اعضاء کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر انہی دو اعضاء سے دوسروں کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔

خلاصہ:

حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی بھی انسان یا جانور کو ناحق تکلیف پہنچانا مسلمان کا کام نہیں اور اگر کوئی مسلمان اس طرح کرتا ہو تو وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُسے مسلمان کہا جائے۔ اس لئے صحیح اور کامل مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر وقت اِس بات کا خیال رکھیں کہ ہماری زبان و ہاتھ سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین○

اخلاص کی راہ میں حائل رُکاوٹیں

موضوع: اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ بموقع افتتاحِ بخاری

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

اخلاص کی راہ میں حائل رکاوٹیں

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِيَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريک لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آلِهٖ وصحبه اجمعين ٥

امابعد!

باب كيف كان بدء الوحي إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم وقول الله جل ذكرهٗ اِنّا اوحينا إليک كما اوحينا إلىٰ نوحٍ والنبيين من بعدهٖ، حدثنا الحميدي عبدالله بن زبير قال حدثنا سفيان قال

حدثنا يحيى بن سعيد الانصارى قال اخبرنى محمد بن ابراهيم التيمى أنه سمع علقمه بن وقاص الليثى يقول سمعت عمر بن الخطاب على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

اِنّما الأعمال بالنيات ، وانّما لِكُل امرِئٍ مَانَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إلٰى دُنيَا يُصيبها أو إلٰى إمْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا، فهجرتُهُ إلٰى مَاهاجَر إلَيْهِ.[1]

بخاری شریف، حدیث کی صحیح ترین کتاب:

معزز علماءِ کرام، عزیز طلبہ اور معزز سامعین!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ہمیں بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھنے کی توفیق ہورہی ہے اور اس تعلیمی سال کا آغاز بھی امام بخاری کی اس جلیل القدر کتاب سے ہورہا ہے۔ جس کے بارے میں پوری امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" ہے یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب یہی کتاب ہے۔

پوری دنیا کے اندر اس وقت بخاری شریف کے لاکھوں نسخے آج بھی موجود ہیں اور پچھلے تقریباً چودہ سو سال میں بھی نجانے کتنی کتابیں موجود رہی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کو قبولیت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ کسی اور کتاب اور اس کے مصنف کو نہیں ملا۔

امام بخاری "ماوراء النھر" کے رہنے والے تھے:

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخارہ کے رہنے والے تھے۔ جو ازبکستان کا

---

[1] حدیث کی عبارت اور سند طالبعلم نے پڑھی۔ م

مشہور شہر ہے۔ دس بارہ برس پہلے ہی روسیوں کے تسلط سے آزاد ہوا ہے۔ آزادی کے بعد ہم بھی وہاں حاضر ہوئے تھے۔ الحمدللہ، امام بخاری کے مزار پر بھی حاضری ہوئی جو سمرقند کے قریب ''خرتنگ'' کے مقام پر واقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ازبکستان کے رہنے والے تھے۔ ازبکستان مغربی ترکستان کا علاقہ ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جسے ماوراء النہر کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ آپ اپنی کتابوں میں ''ماوراء النہر'' کا لفظ بکثرت پڑھتے ہیں۔ نھر سے مراد ''دریائے آمو'' ہے جو افغانستان اور ازبکستان کے درمیان واقع ہے اور افغانستان اور تاجکستان کے درمیان بھی وہی دریا ہے۔ نھر سے اُس طرف ماوراء النہر کے ممالک ہیں جو مغربی ترکستان میں شامل ہیں۔ تاجکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور ازبکستان یہ چار ممالک ہیں۔ یہ چاروں مغربی ترکستان کے علاقے ہیں۔ روسیوں نے ان کو الگ الگ نام دے کر الگ الگ ملک بنادیئے تھے۔

اسلام آفاقی دین ہے:

بہرحال یہ پورا علاقہ عجمی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عجمی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ایک عجمی کو رسولِ عربی کی احادیث کا سب سے بڑا قابلِ اعتماد جامع بنا کر دنیا کو یہ بتایا کہ اسلام نہ عربی ہے نہ عجمی بلکہ یہ آفاقی دین ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ:

﴿اِنَّما الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''مسلمان تو سب بھائی ہیں۔''

جو اسلام کو قبول کر لے، وہ اس برادری میں داخل ہو جاتا ہے۔ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، کسی بھی نسل اور زبان اور علاقے سے اس کا تعلق ہو، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ کو دل و جان سے ماننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کے بعد وہ اسلامی برادری کا رکن بن جاتا ہے۔ اسلام کسی علاقے، کسی زبان اور کسی نسل تک محدود نہیں۔

امام بخاری بھی عجمی تھے لیکن............:

الحمدللہ، عرب میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، محدثین اور محققین موجود ہیں۔ عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ علماءِ عرب کسی عجمی عالمِ دین کو نظروں میں نہیں لاتے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش یا کسی اور عجمی ملک کا عالم ہو، اگر اس کی زبان عربی نہیں ہے تو اس کی طرف توجہ سے دیکھتے بھی نہیں۔ اگر وہ کوئی بات کرے تو توجہ سے اس کی بات سنتے بھی نہیں۔ علمی معاملات میں غیر عربی کی بات کو رنگ میں ہی نہیں لاتے۔ حدیث سناؤ تو توجہ سے سنتے ہی نہیں کہ میاں یہ عجمی کیا سنائے! لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام ہے کہ پورے عالم عرب میں کسی بھی علمی مجلس میں چلے جایئے چاہے اس مجلس میں کتنے ہی بڑے بڑے فقہاء اور محدثین موجود ہوں، جہاں آپ حدیث روایت کر کے یہ کہہ دیں ''رواہ البخاری'' (اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے) تو سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ جس حدیث کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے، پھر اس کی سند کوئی نہیں پوچھتا۔ بس اتنی بات کافی ہو جاتی ہے کہ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

اس زمانے میں علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا:

واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علم حدیث کے اندر اپنی پوری زندگی صرف کی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے نکلے تھے۔ باپ نے بہت مال و دولت چھوڑا تھا۔ سب خرچ کیا۔

اس زمانے میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ کسی مدرسے میں داخل ہوگئے اور سارا علم وہیں مل گیا جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص حدیث کا علم حاصل کرنا چاہے تو کسی ایسے مدرسے میں داخل ہو جائے جہاں دورۂ حدیث پڑھایا جاتا ہو، اساتذہ تجربہ کار ہوں، محنت سے پڑھانے والے ہوں تو علم حدیث کی بہت سی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ صحاح ستہ، مؤطین، شرح معانی الآثار جیسی بڑی بڑی علم حدیث کی کتابیں پڑھ لیتا ہے۔ اس زمانے میں تو یہ کتابیں ہی نہیں تھیں۔ علم حدیث پورے عالمِ اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔ جہاں جہاں صحابہ کرام اسلامی فتوحات کے ساتھ پہنچے تو بہت سے صحابہ کرام انہی علاقوں میں رہ گئے۔ وہیں انہوں نے حلقہ درس قائم کر دیا اور احادیث کی تبلیغ واشاعت کا مشغلہ شروع ہوگیا۔ یا کوئی تجارت میں بھی لگا تو اُسے بھی کچھ حدیثیں یاد تھیں۔ وہ حدیثیں بھی سنا رہا ہے اور خود ان پر عمل بھی کر رہا ہے۔ اس طریقے سے یہ علم حدیث پورے عالم اسلام میں بکھرا ہوا تھا۔

اور اس وقت کا عالم اسلام بھی اتنا ہی وسیع تھا جتنا آج وسیع ہے۔ اتنے بڑے عالم اسلام میں سے تلاش کر کر کے اور تحقیق کر کر کے صحیح احادیث کو جمع کرنا جوئے شیر لانا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے شہر کے تمام علماء کا علم حدیث حاصل کیا۔ قرآن کریم اس سے پہلے حفظ کر چکے تھے۔ اٹھارہ سال کے بعد سفر کے لئے نکلے ہیں تو کبھی بصرے میں ہیں کبھی کوفے میں، کبھی دمشق میں ہیں کبھی بغداد میں، کبھی مکے میں ہیں کبھی مدینے میں۔ پوری بخاری شریف اسی حالت سفر میں لکھی ہے۔ قربانیاں دیں، مشقتیں اٹھائیں، محنتیں کیں اور وہ سارا پیسہ جو باپ کے ترکے سے ان کو ملا تھا، وہ انہی سفروں میں خرچ ہوا۔

نقلِ حدیث میں امام بخاری کی احتیاط:

اور احتیاط کا یہ عالم کہ اپنی کتاب میں کسی حدیث کو نقل کرنے کے لئے اپنے اوپر بہت کڑی شرطیں لگائیں۔ ان کی تفصیلات آپ انشاء اللہ دوران سال اپنے اساتذہ

سے پڑھ لیں گے۔ جب تک وہ ساری شرطیں پوری نہ ہو جاتیں، اس وقت تک حدیث نہیں لکھتے تھے۔ ساری شرطیں پوری کرنے کے بعد بھی فوراً حدیث نہیں لکھتے تھے بلکہ معمول یہ تھا کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے اور خوشبو لگاتے، اس کے بعد صلاۃ الاستخارۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے کہ اس حدیث کو لکھوں یا نہ لکھوں۔ اور جب مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے تو ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے طواف کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھ کر دُعا کرتے۔

تحصیل علم کیلئے مشقتیں:

اس کے علاوہ تحصیل علم کے لئے جو قربانیاں اٹھائیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ساری جوانی سفروں کی مشقتوں میں گذر گئی۔ جس استاد کی خدمت میں رہے، اس کی آنکھ کا تارا بن کر رہے کیونکہ حافظہ غضب کا تھا اور حافظہ بڑھتا ہے تقویٰ سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ بھی عطا فرمایا تھا اور بے پناہ حافظہ بھی۔ آپ کا حافظہ محیر العقول تھا اور محنت اور وقت کی پابندی سب طلبہ سے زیادہ کرتے تھے، اس لئے استادوں کی نظروں کا تارہ بن جاتے تھے۔

کسی جگہ ایک استاد کے پاس علم حاصل کر رہے تھے ایک روز درس میں حاضر نہ ہو سکے۔ استاد کو تعجب ہوا۔ ساتھیوں کو بھی تشویش ہوئی۔ ایک دن اور گذر گیا، تشریف نہیں لائے۔ تو استاد نے شاگردوں سے کہا کہ بخاری کی خبر لو، وہ تو کبھی بھی غیر حاضر نہیں ہوتا۔ طلبہ ان کے حجرے پر پہنچے، اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی، آوازیں دیں، بار بار آواز دینے کے باوجود کوئی جواب نہیں آیا۔ آخر میں ساتھیوں نے کہا: دیکھو بخاری! ہم تمہیں پکار رہے ہیں۔ ہم تمہیں قسم دیتے ہیں کہ تم ہماری بات کا جواب دو۔ اور اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہ دیا تو ہم دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ

تم زندہ ہو یا مردہ۔ تو اس وقت اندر سے بخاری کی آواز آئی۔ آپ نے جواب دیا کہ الحمدللہ، میں زندہ ہوں لیکن ایسی حالت میں نہیں ہوں کہ تمہارے لئے دروازہ کھول سکوں۔ اس لئے کہ میرے پاس کافی عرصے سے صرف ایک ہی جوڑا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتا تھا، پھٹ جاتا تو سی لیتا، پیوند لگا لیتا لیکن اب وہ دُھلتے دُھلتے اور سلتے سلتے اتنا بوسیدہ ہوگیا ہے اور جگہ جگہ سے اتنا پھٹ گیا ہے کہ وہ میرے جسم کے اس حصے کو بھی چھپا نہیں سکتا۔ جس حصے کو چھپانا فرض ہے۔ تو ایسا وقت بھی امام بخاری پر آیا۔

علم حدیث کے لئے محدثین کی قربانیاں:

ایسی ایسی قربانیوں کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قربانی تو ہے ہی، محدثین نے علم حدیث کیلئے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں کہ کسی قوم کے پاس ایسی مثالیں نہیں ہیں کہ اس نے اپنے نبی کی حدیثوں کے لئے ایسی قربانیاں دی ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ بڑے چہیتے صحابی ہیں۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس تھا۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ ایک حدیث ان کو کسی نے سنائی اور وہ حدیث ایک صحابی کے واسطے سے سنائی۔ پوچھا کہ وہ صحابہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ وہ دمشق میں رہتے ہیں۔ اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ سے دمشق پہنچے۔ یہ ایک مہینے کا سفر ہے۔ وہاں پہنچے۔ وہ اوپر بالا خانے پر تھے۔ استیذان کے لئے آواز دی۔ انہوں نے کہا کہ اوپر آیئے اور تشریف رکھئے۔ فرمایا کہ میں صرف ایک حدیث سننے کے لئے آیا ہوں۔ آپ کے حوالے سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ کے ساتھ سناتے ہیں۔ کیا یہ حدیث واقعۃً انہی الفاظ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے تائید کی۔ فرمایا کہ اچھا پھر میں جاتا ہوں۔ پھر

ایک مہینے کا سفر کر کے واپس مدینے پہنچے۔ دو مہینے کا سفر اونٹ کے ذریعے سے کیا اور سفر بھی ریگستانوں کا اور مدینہ طیبہ سے شام تک کے راستے میں آنے والے ریگستان بھی بڑے خوفناک ہیں۔ راستے میں تبوک پڑتا ہے، وہ انتہائی دشوار گذار راستہ ہے سفر تبوک کے واقعات بخاری شریف اور مسلم شریف میں آتے ہیں۔ کیسی کیسی مشقتیں پیش آئی ہیں۔ سینکڑوں سینکڑوں میل تک پانی کا کوئی نام ونشان نہیں ہوتا۔ لق ودق صحرا ہے۔

اس طرح اور کئی واقعات تاریخ میں رقم ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی گئی ہیں اور ان قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی آئی ہے۔

دیکھئے! الفاظ کی تشریح اور ان کے مباحث آپ انشاء اللہ درس میں پڑھیں گے۔ وقت مختصر ہے اور بہت سے وہ حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں جو طالب علم نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق دوسرے مشاغل سے ہے۔ اس لئے ہم خالص علمی اور فنی باتوں میں نہیں جائیں گے البتہ علم حدیث، محدثین اور مدرسوں کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔

پہلی حدیث مناسب باب کے عنوان سے نہیں، کیوں؟:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلا باب قائم کیا جس کا عنوان ہے:

﴿باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقول اللّٰہ عزوجل اِنّا أَوْحَیْنَا الیک. الخ﴾

باب کا عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ لیکن اس کے نیچے جو پہلی

حدیث لے کر آئے، وہ نیت سے متعلق ہے، وحی سے متعلق نہیں حالانکہ دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی عنوان لگایا جاتا ہے تو اس کے نیچے آنے والا مضمون اس عنوان کے مطابق ہوتا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں تو تراجم ابواب مستقل ایک فن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ بخاری شریف کے تراجم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ:

﴿فِقْهُ الْبُخَارِی فِی تَرَاجِمِهٖ﴾

''امام بخاری کا فقہ اس کے لئے تراجم میں موجود ہے۔''

بخاری شریف اگرچہ حدیث کی ایک بہت بلند کتاب ہے لیکن یہ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ درحقیقت امام بخاری نے یہ فقہ الحدیث کی کتاب لکھی ہے اور اپنا فقہ ابواب کے عنوانات میں بیان کیا ہے۔ ترجمۃ الباب میں جو بات لکھی ہوتی ہے وہ ایک مسئلہ شرعیہ ہوتا ہے۔ یا تو وہ ایمانیات سے متعلق مسئلہ ہوتا ہے یا اعمال ظاہرہ سے متعلق ہوتا ہے یا اعمالِ باطنہ سے متعلق ہوتا ہے۔ بہر حال مسئلہ شرعیہ ضرور ہوتا ہے۔ اور اس ترجمۃ الباب کے نیچے جو حدیثیں آتی ہیں وہ اس مسئلے کی دلیل ہوتی ہیں۔

لیکن یہاں پر معاملہ ایسا نہیں، عنوان تو یہ ہے کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا اور پہلی حدیث وحی سے متعلق نہیں بلکہ نیت سے متعلق ہے۔ البتہ اس باب کی اگلی ساری حدیثیں وحی سے متعلق ہیں لیکن پہلی حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر آدمی عملِ صالح اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہے تو وہ اللہ کے لئے ہوگا اور اگر کوئی دنیا کو دکھانے کیلئے کر رہا ہے تو وہ دنیا والوں کے لئے ہوگا، اللہ کے لئے نہیں ہوگا۔ منہ پر مار دیا جائے گا، اللہ کے نزدیک اس کی ذرہ برابر قیمت نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا تو ترجمۃ الباب سے واقعۃً کوئی تعلق نہیں لیکن یہ بات چونکا دینے والی ہے کہ عنوان کوئی لگایا اور حدیث کوئی اور لے کر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیش نظر بھی چونکانا ہی ہے کہ آدمی سوچے اور غور کرے کہ

امام بخاری جیسا جلیل القدر مصنف اس حدیث پر غیر متعلقہ عنوان کے تحت کیوں لایا۔ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اگلی حدیثیں پڑھنے سے پہلے ایک انتہائی ضروری کام کرلو، وہ یہ کہ اپنی نیتوں کو ٹھیک کرلو۔ اس طرح خالص اللہ کے لئے کرلو کہ غیر اللہ کا اس میں دخل باقی نہ رہے۔ نہ طلب شہرت اس میں رہے اور نہ طلب جاہ اس میں رہے۔ صرف یہ نیت کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر خود عمل کریں گے اور دوسروں تک بھی ان کو پہنچائیں گے اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کرلو۔

سال کے شروع میں ہی اپنی نیتیں درست کرلیجئے:

آج تعلیمی سال کا آغاز ہے۔ ایک طویل سفر شروع ہونے والا ہے۔ نیت کو ٹھیک کرلیجئے تاکہ اس سفر میں اٹھنے والا ہر قدم صحیح رخ پر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کا باعث بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ علم حاصل کیا جائے گا تو طالب علم کا جو وقت کھانے پینے میں لگے گا۔ وہ بھی عبادت اور جو کھیلنے کودنے میں لگے وہ بھی عبادت ہوگا کیونکہ وہ اس لئے کھیل رہا ہے تاکہ اس کی صحت ٹھیک رہے اور وہ زیادہ نشاط کے ساتھ علم دین کے کاموں میں مشغول رہے۔

علم کی فضیلت کب حاصل ہوگی؟:

پھر یہ کہ تمام علماء اور فقہاء کے نزدیک نفلی عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت علم دین کا مشغلہ ہے۔ آپ نے مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر پڑھا ہوگا کہ:

﴿تَدَارُسُ العِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيلِ خَيرٌ مِنْ إِحْيَاءِ هَا﴾

(مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۷، ج ۱)

''رات کے ایک گھنٹے میں علم کا مشغلہ اختیار کرنا ساری رات کی عبادت سے افضل ہے۔''

علم کا مشغلہ پڑھنے کا ہو یا پڑھانے کا، تکرار کا ہو یا مطالعہ کا، لکھنے کا ہو یا لکھوانے کا، املاء لینے کا ہو یا املاء کرانے کا، ہر حال میں اس علمی مشغلے میں ایک گھنٹے کے لئے لگنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ ایک شخص پوری رات تہجد پڑھتا ہے اور آپ نے صرف ایک گھنٹہ علمی مشغلے میں گذار دیا تو تمہاری عبادت اس کی عبادت سے بڑھ جائے گی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نیت ٹھیک ہو۔

دو بھوکے بھیڑیئے: حبّ مال اور حبِّ جاہ:

اس موقع پر میں آپ کی توجہ تاجدار دو عالم سرورکونین ﷺ کی ایک حدیث کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَاذِئبانِ جائعانِ أرسلا في غنمٍ بأفسدلها من حرصِ المرئِ على المال والشرف لدينه﴾

(مشکوٰۃ، کتاب الرقاق، الفصل الثانی، رقم الحدیث ۵۱۸۱)

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ دو بھیڑیے ہوں اور وہ بھی بھوکے۔ اگر انہیں بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا جائے اونٹوں اور گائے بھینس کے گلے میں نہیں۔ یہ جانور مضبوط ہوتے ہیں، اپنا دفاع کرلیں گے۔ جبکہ بکری ایک مسکین جانور ہے۔ وہ بھیڑیے سے نہ تو زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے اور نہ اس کے اندر اتنی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کرسکے تو اگر بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا تو اندازہ کیجئے کہ وہ کیسی چیڑ پھاڑ کریں گے اور پورے گلے کو تباہ کرڈالیں گے۔ فرمایا کہ جتنی تباہی وہ پھیلائیں گے۔ یہ تباہی دین کی اس تباہی سے زیادہ نہیں ہوگی جو انسان کے دین میں پیدا ہوتی ہے، حب مال اور حب جاہ کی وجہ

سے۔ حب مال کا مطلب ہے مال کی محبت اور حب جاہ کا مطلب ہے دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی محبت۔

اس وقت دینی حلقوں اور مدارس میں، دینی جماعتوں اور تنظیموں میں، سیاسی جماعتوں اور حکومتوں میں غرضیکہ جہاں کہیں بھی آپ دیکھیں، وہاں یہی دو بھوکے بھیڑیئے نظر آئیں گے۔ کہیں حب جاہ کا فتنہ نظر آئے گا، کہیں حب مال کا فتنہ نظر آئے گا۔

دنیا کا عظیم ترین منصب:

یہ حب جاہ کا فتنہ ہی تو ہے کہ آج ہمارے ملک میں کتنی مذہبی اور سیاسی جماعتیں ہیں، اور پھر ہر جماعت میں دو دو گروپ، پھر ہر گروپ کے دو دو گروپ، گروپ در گروپ۔ گروہ در گروہ۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہر ایک لیڈر بننے کا شوقین ہے، اور امیر اور قائد بننے کا شوقین ہے۔ تابع بننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔ ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے: مولوی رفیع! میں آپ کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں جو آپ سے کوئی چھین نہیں سکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ پر کوئی حسد نہیں کر سکتا، ایسا منصب بتاتا ہوں جس میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور وہ منصب اتنا اونچا، اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اللہ کے نزدیک اس سے اونچا کوئی منصب ہی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ ''خادم'' بن جاؤ۔ خادم بننے میں تم سے کون لڑے گا، کون حسد کرے گا، کون تم سے یہ منصب چھینے گا۔ کوئی نہیں چھین سکتا۔ اور اعلیٰ اتنا کہ خادم بننا ''عبدیت'' کا مقام ہے اور انسان کا سب سے اونچا مقام عبدیت ہے۔ انسان کے لئے کوئی مقام عبدیت سے زیادہ اونچا نہیں حتیٰ کہ انبیاء کرام کا مقامِ عبدیت ان کے مقامِ نبوت سے اونچا ہوتا ہے۔

''بعبدہٖ'' کیوں کہا گیا؟:

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں ایک بڑی اچھی بات ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ دیکھو قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ''[1] یہاں پر ''رسولہ'' یا ''بنبیہ'' نہیں فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اور عظیم صفاتی نام ہیں۔ ان میں سے کسی نام کا ذکر نہیں کیا۔ صرف آپ کی ''صفت عبدیت'' کا ذکر کیا۔ آپ کو معراج کی رات اتنا اونچا مقام عطا کیا جو کسی اور نبی کو میسر نہیں ہوا۔ اللہ رب العزت سے ہم کلامی نصیب ہوئی، اور ساتوں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔ اس اعزاز کا ذکر کرتے ہوئے یوں نہیں کیا گیا کہ ہم نے یہ اعزاز اپنے رسول کو دیا یا اپنے نبی کو دیا بلکہ یوں کہا کہ اپنے بندے کو دیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کی صفات میں سے سب سے محبوب صفت ''عبدیت'' ہے۔ اور خادم کا منصب عبدیت کا منصب ہے۔

یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو ہیں:

اور اس منصب کے لئے کوئی جھگڑا نہیں کرنا پڑتا۔ سارے جھگڑے مخدوم بننے سے آتے ہیں۔ اگر آج آپ کہیں کوئی جھگڑا دیکھیں گے تو وہاں ان دو بھیڑیوں میں سے کوئی ایک بھیڑیا ضرور نظر آئے گا۔ یا حب جاہ نظر آئے گی یا حب مال نظر آئے گا۔ یا عہدے کا چکر ہوگا یا چندے کا فتنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان دو فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

بخاری شریف کی پہلی حدیث اس طرف بھی توجہ دلا رہی ہے کہ ان دو بھوکے

بھیڑیوں سے بچنا۔ یہ اخلاص کے راستے کے ڈاکو اور قاطع الطریق ہیں۔ ساری محنتوں کو خاک میں ملا دینے والے ہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریریں کرنے سے منع کیوں کیا؟:

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جب انتقال ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میرا اور مولانا محمد تقی صاحب کی تقریر کا اعلان اخبار میں آیا کرتا تھا کہ آج فلاں جگہ تقریر ہوگی، آج فلاں جلسے میں خطاب ہوگا وغیرہ۔ اس زمانے میں ہمارا اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قائم ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت کی مجلس میں بیٹھے تھے تو فرمانے لگے "مولوی رفیع صاحب، مولوی تقی صاحب! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔" یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مجلس سے اٹھنے لگے تو پھر فرمایا: "بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں۔" اگلے ہفتے مجلس میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کے بعد پھر فرمایا کہ "بھائی! آپ تقریروں میں نہ جایا کریں، بھائی! فرمائشی تقریریں نہ کیا کریں۔ جلسوں میں نہ جایا کریں۔"

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ تقریریں کرنا تو اتنا ثواب کا کام ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، دین کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ حضرت نجانے کیوں منع کر رہے ہیں؟ خیر، ہم نے تقریروں میں جانا تو چھوڑ دیا لیکن حضرت سے سوال کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔ تیسری مجلس میں حاضر ہوئے تو اس میں یہی فرمایا کہ تقریروں میں نہ جا کریں۔ چوتھے ہفتے پھر یہی بات فرمائی۔

ادھر جب ہم نے لوگوں سے معذرت کی تو ان کا اصرار شروع ہوگیا۔ ایک مرتبہ حضرت نے اسی طرح فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ بہت اصرار کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب وہ اصرار کرنے لگیں تو کہہ دیا کرو کہ میں نے منع کر دیا ہے۔ میرے

اوپر ذمہ داری ڈال دیا کرو۔

کبھی کبھار ریڈیو پر تقریر ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت! ریڈیوں والے آئے تھے۔تقریر کے لئے فرمایا! بھائی! وہاں بھی نہ جانا۔

میں نے تصوف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا۔ حضرت نے اُسے دیکھا اور بہت پسند فرمایا ایک مرتبہ مولانا جمیل صاحب آئے اور کہا کہ جنگ کے اندر''اقرأ'' کے صفحے پر چھاپنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ مضمون انہیں دے دیا۔ حضرت نے وہ مضمون دیکھا۔فرمایا کہ بھائی! آپ کا اخبار میں ایک مضمون چھپا تھا، آپ کا وہ مضمون اچھا نہیں ہے، بے کار ہے، آئندہ ایسے مضمون نہ چھپوایا کریں۔ مجھے تعجب ہوا کہ حضرت نے تو اس مضمون کی تعریف کی تھی، اخبار میں چھپ گیا تو خراب کیسے ہوا؟

اسی حال میں کافی عرصہ گذر گیا۔ ایک دن ہم حضرت کی محفل میں بیٹھے تھے۔ فرمایا: اندر آ جاؤ۔ اندر تشریف لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر گئے۔حضرت نے بہت سارے خطوط نکالے۔ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خطوط تھے۔ ان بزرگوں کے درمیان ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ اندازہ کیجئے کہ بزرگوں کی شفقت کا، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لاکھوں مرید، اور خود کتنی مصروفیت والے۔ وہ ہمارے حضرت کو ہمارے بارے میں خط لکھتے اور ہر خط میں یہ بات لکھتے کہ مجھے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ آپ کی خدمت میں یہ دونوں صاحبزادے ہیں۔ مجھے بڑا اطمینان ہے۔ امید ہے کہ آپ ان کی طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔ آپ اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں خدانخواستہ ان میں کبر نہ پیدا ہوجائے۔ مجھے ان کے بارے میں کبر کا اندیشہ ہے۔ اس کا ذرا خیال رکھیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب یہ سارے خطوط ہمیں دکھانے کے بعد فرمانے لگے کہ

میں نے آپ کو جو تقریروں سے منع کیا، اس کی وجہ یہ خطوط ہیں۔ ابھی آپ تقریریں نہ کریں کیونکہ ابھی آپ کو بلوغ نہیں ہوا۔ خدانخواستہ، خدانخواستہ، اگر آپ کو شہرت کا شوق ہوگیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

دس سال تک اس طرح پابندی کروائی۔ دس سال کے بعد رفتہ رفتہ اجازت دی کہ اچھا فلاں جگہ چلے جاؤ۔ اور جب جاؤ تو فلاں فلاں دُعا پڑھنا، یہ نیت کرنا۔ پابندی لگا لگا کر اجازت دینا شروع کر دی۔ یہ ہے بزرگوں کی بات، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اسی کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کئی مواعظ اسی موضوع پر ہیں اور ایک مجموعہ مواعظ خاص اسی عنوان سے ''حب مال وحب جاہ'' کے نام سے چھپ گیا۔ اہلِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کریں۔

مدرسوں پر فتنوں کے بادل منڈلا رہے ہیں:

دوسری بات جس کی طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم اشارہ فرما رہے تھے۔ مدرسوں کے بارے میں اور ان فتنوں کے بارے میں جو مدرسوں پر منڈلا رہے ہیں۔ بلاشبہ، اس وقت عالم کفر کی آنکھوں میں سب سے زیادہ کھٹکنے والا شعبہ اگر کوئی ہے تو وہ دینی مدارس کا شعبہ ہے۔ اب وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ یہ مدرسے ٹوٹے پھوٹے نہیں، یہ روس کی طاقت کو بھی توڑ پھوڑ کر ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ بہت دنوں کے بعد انہیں علم ہوا کہ ہم خطرناک ہیں حالانکہ خطرناک تو ہم شروع سے ہیں۔ ان پر یہ راز بہت عرصے کے بعد کھلا ہے۔ ابھی چند روز پہلے اخبار میں یہ رپورٹ آئی تھی کہ پینٹاگون (جو وزارت دفاع کا سب سے بڑا مرکز ہے) اس میں وزیر دفاع نے خاص میٹنگ میں یہ سوال رکھا کہ مدارس میں

جو دہشت گردی کی تعلیم دی جارہی ہے اور وہاں سے جو دہشت گرد تیار ہورہے ہیں۔ کیا ہم ان سب کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر چکے ہیں اور کیا ہم ان کا خاتمہ کر چکے ہیں؟ غالباً ایسا نہیں ہے۔ یہ تھی رپورٹ۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے اِن مدرسوں کے اندر بھی امریکی جاسوس موجود ہیں لیکن وہ امریکن نہیں ہوں گے بلکہ پاکستانی مسلمان ہوں گے جو ان کے لئے مخبری کرتے ہوں گے۔ یہ جاسوس چھوٹے مدرسوں کے اندر بھی ہوں گے، بڑے مدرسوں میں بھی ہوں گے اور مسجدوں میں بھی ہوں گے۔

ہمارا ایٹمی پلانٹ دشمنوں کو کھٹکتا ہے:

ابھی حال میں امریکہ نے چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ منظور کیا ہے دہشت گردی کے مقابلہ کرنے کے نام سے، جبکہ امریکہ کا پورے سال کا بجٹ ساڑھے تین کھرب ڈالر کا ہوتا ہے۔ یہ بجٹ اس کے علاوہ ہے۔ چار کھرب ایک ارب ڈالر کا بجٹ صرف جنگ کے لئے ہے اور یہ جنگ کس سے ہوگی، مسلمانوں سے ہے بلکہ مسلمانوں کی طاقت کے مرکزوں سے ہے۔ ہمارے ایٹمی پلانٹ سے ہے۔ ہمارا ایٹمی پلانٹ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پوری امت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے پوری امت مسلمہ پر فرض تھا کہ ان کے مقابلے میں ایٹم بم تیار کرے۔ ''وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' کا یہ پیغام تھا اور حکم تھا جسے ہمارے ایٹمی سائنسدانوں نے پورا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں دین ودنیا کی فلاح عطا فرمائے۔ انہوں نے امت کا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ یہ ایٹمی پروگرام ان کو کھٹکتا ہے۔

اس وقت انہیں ایران اور شام کی بھی فکر ہے لیکن یاد رکھئے اصل حریف اور

اصل نشانہ ہم ہیں کیونکہ ایٹم بم ہمارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں۔ اور اسلامی قوت کا ایک جذبہ اور دین کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا ایک بے تاب جذبہ جو پاکستان کے مسلمانوں میں ہے، وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا اور یہ جذبہ پیدا کرنے والے یہ دینی مدرسے ہیں۔ اس لئے ان کی نظروں میں ہم آئے ہوئے ہیں۔

اب کرنا کیا ہے؟:

اب سوال یہ ہے کہ کرنا کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ:

﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

(سورۃ محمد: ۷)

''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمادے گا۔''

اگر ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریگا۔ طلبہ کے لئے دین کی مدد کا راستہ یہ ہے کہ وہ محنت اور لگن کے ساتھ پڑھیں۔ تقویٰ اور اخلاص کے ساتھ پڑھیں۔ اتباعِ سنت کا اہتمام کریں۔ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں سنت کی پیروی کریں۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

مسواک کرنے سے قلعہ فتح ہو گیا:

یہ واقعہ آپ نے سنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ایک مرتبہ ایک قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ امیر لشکر نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کر جتنی تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ وہ سب اختیار کرلیں لیکن پھر بھی یہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ امیر

المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے جواب میں لکھا کہ غور کرو کہ کونسی سنت ایسی ہے جو تم سب نے چھوڑ رکھی ہے۔ جب اس کا علم ہو جائے تو سب اس سنت پر عمل کرو، پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی۔

امیر لشکر نے یہ خط سب کو پڑھ کر سنایا۔ غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ویسے تو سب سنتوں پر عمل ہو رہا ہے۔ البتہ بہت عرصے سے سب نے مسواک نہیں کیا۔ امیر لشکر نے تمام مجاہدین کو مسواک کرنے کا حکم دیا۔ پورے لشکر نے مسواک کی، قلعہ اسی دن فتح ہو گیا۔

یاد رکھئے! ہماری فتح ونصرت رسول اللہ ﷺ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ہم ان کی سنتوں کا اتباع کرتے رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ ہم مفتوح اور مغلوب نہیں ہوں گے اور اس جماعت میں شامل رہیں گے جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا تھا:

﴿لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ الخ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''میری امت کی جماعت ایک ہمیشہ حق پر قائم رہے گی ان کو چھوڑنے والا اور رسوا کرنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

ہمیں کوئی مٹا نہیں سکے گا۔ ہم اگر مٹیں گے تو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مٹیں گے۔ ان دو بھیڑیوں کے کھانے سے مٹیں گے۔ جب مال کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ حب جاہ کا فتنہ آئے گا تو مٹ جائیں گے۔ لیکن اگر ان دونوں بھیڑیوں سے بچے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا اتباع زندگی کے ہر شعبے میں کیا تو کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ ہمارا ''قال اللہ وقال الرسول'' کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ہم دین کی خدمت کرتے رہیں گے۔ اس کے لئے مرتے رہیں گے، جانیں دیتے رہیں گے۔

''اتباعِ سنت'' کا عادی بنانے کا کیا مطلب ہے؟:

ایک بات یاد رکھئے! جب ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرو تو اس وقت ہمارے ذہنوں میں کچھ سنتیں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ داڑھی رکھو، ٹخنہ سے اونچا پاجامہ پہنو، مسجد میں جاؤ تو دایاں پاؤں اندر رکھو اور یہ دُعا پڑھو۔ نکلو تو بایاں پاؤں پہلے نکالو اور فلاں دُعا پڑھو۔ بلاشبہ یہ سب سنتیں ہیں اور بہت اہم سنتیں ہیں لیکن ہمارا ذہن اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ جب ہم ''سنت'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے یہ پوری صحیح بخاری مراد ہوتی ہے جو کہ نکاح وطلاق سے بھی متعلق ہے، میاں بیوی کے تعلقات سے بھی متعلق ہے، رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات سے بھی متعلق ہے، شہری زندگی سے بھی متعلق ہے اور حکومت سے بھی۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہے۔ اپنے آپ کو اتباعِ سنت کا عادی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

''حبِ مال'' کی ایک خطرناک صورت:

''حبِ مال'' کے سلسلے میں ایک اور بات عرض کردوں۔ وہ یہ کہ ہمارے مدارس میں الحمدللہ بہت بڑی تعداد ایسے طلبہ کی ہے، جن کی کفالت ہمارے مدرسے کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم سے کرتے ہیں تو جو طلبہ واقعی مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟ ان کے لئے یہ مال حلال ہے لیکن وہ طلبہ جو زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں ان کے لئے زکوٰۃ کا مال حرام ہے۔ ہمارے مدرسوں میں بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ طلبہ مدرسے میں زکوٰۃ کو استعمال کرتے کرتے اتنے عادی ہوجاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں مال دیتا ہے کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں رہتے، پھر بھی وہ زکوٰۃ کا مال لیتے رہتے ہیں۔

اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ حدیث سنی کہ:

﴿مَاخَا لَطَتِ الزَّکٰوۃُ مالاً قط الا أَھْلکتہُ﴾

(مشکوۃ، کتاب الزکوۃ الفصل الثالث رقم الحدیث: ۱۷۹۳)

''زکوٰۃ کا مال نہیں ملتا کسی مال سے مگر اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔''

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ میرے اوپر زکوٰۃ فرض تھی۔ میں نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کا مال میرے باقی ماندہ مال کے ساتھ مل کر اُسے تباہ کر کے چھوڑے گا۔ یعنی مال کے اندر بے برکتی آئے گی۔ بیماریوں، مصیبتوں اور ناگہانی آفات پر لاکھوں روپے خرچ ہو جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس اتنا مال تھا کہ اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تھا، پھر بھی اس نے زکوٰۃ لے لی تو جو مال پہلے سے اس کے پاس موجود تھا، زکوٰۃ کا مال اُسے بھی تباہ کر کے چھوڑے گا۔ اس لئے زکوٰۃ کے معاملے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

مدارس کے مال میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے:

اسی طرح مدارس کے مہتممین اور منتظمین کو بھی مدارس کے روپے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بڑی مقدس امانتیں ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال میں ذرا سی غفلت بہت بڑے وبال کا باعث بن سکتی ہے۔

میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ جس دن سے مدرسے کا انتظام میرے سپرد ہوا

ہے۔ اس دن سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دارالعلوم کا جو چندہ آتا ہے۔ یہ ایک سانپ ہے جو میرے گلے پڑا ہوا ہے جو کسی وقت ڈس لے گا حالانکہ میں یہ پیسہ خود نہیں لیتا۔ لینے والے بھی دوسرے ہیں اور خرچ کرنے والے بھی دوسرے لیکن ذمہ داری تو مجھ پر ہے۔

یاد رکھئے کہ مدرسے کا پیسہ سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ تمام کارکنان کو اس کے اندر بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی ایک ایک چیز خطرناک ہے۔ مدرسے کی بجلی ناجائز استعمال ہو یا پانی ناجائز استعمال ہو، پنکھا ناجائز استعمال ہو، مدرسے کی کتابوں کا غلط استعمال ہو۔ یہ سب ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اندر احتیاط کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اتباع سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

اَچھا یا بُرا طَرِیقہ جارِی کرنے کے اثرات ونتائج

موضوع: اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۷ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

اچھا یا برا طریقہ جاری کرنے کے اثرات ونتائج

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعینo وسلم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

فأعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم. بسمِ اللّٰہ الرحمن الرحیم.

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُولُونَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَامِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَاتِنَا

قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:۷۴)

کتاب کا تعارف:

یہ کتاب جسے ہم ہر بدھ کو عصر کے بعد پڑھتے ہیں اور اس پر مختصر خطاب ہوتا ہے علامہ نووی کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا نام ہے ریاض الصالحین۔ ریاض کے معنی ہیں باغات[1] ''الصالحین'' نیک لوگوں کو کہتے ہیں۔ تو ریاض الصالحین کا مطلب ہوا نیک لوگوں کے باغات۔

جس طرح باغ میں پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ کسی کا اپنا باغ ہے اور اس میں رنگ برنگے پھل اور پھول ہیں، جس کو جی چاہا توڑ کر استعمال میں لے آئے، اسی طرح یہ کتاب نیک لوگوں کے لئے باغ کی طرح ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو پھلوں سے بدرجہا قیمتی چیزیں ہیں۔ اس میں علامہ نووی نے ایسی ایسی احادیث جمع کی ہیں جو ہماری روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہیں گویا صالحین جب چاہیں احادیث کے ان باغات میں جا کر پھلوں اور پھولوں سے کہیں زیادہ قیمتی احادیث چن کر اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگی کو حسین اور راحت بخش بنا سکتے ہیں۔

باب کا تعارف:

آج ہم جس باب کو شروع کر رہے ہیں۔ اس کا نام ہے ''باب من سَنَّ سنّةً حسنةً أو سيّئةً'' (باب ہے ان لوگوں کے بارے میں جو کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیں، یا برا طریقہ جاری کر دیں) اس باب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا طریقہ جاری کرے جو اچھا ہو مثلاً اس نے خود کوئی اچھا عمل کیا اور دوسرے لوگوں نے اُسے دیکھ کر وہ

---

[1] ریاض روضۃ کی جمع ہے۔ بمعنی باغ۔

عمل کرنا شروع کردیا یا اس نے دوسروں کو اچھا کام کرنے کی دعوت دی اور لوگوں نے اس پر عمل شروع کردیا، تو اب جتنے لوگ اس پر عمل کرتے جائیں گے، ان عمل کرنے والوں کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس شخص کو بھی ملتا جائے گا، جس نے یہ طریقہ جاری کیا تھا۔

اور اس کے برعکس بھی یہی معاملہ ہے یعنی اگر کسی نے کوئی بُرا طریقہ جاری کردیا تو جتنے لوگ اس غلط طریقے پر عمل کرتے رہیں گے، ان سب کو بھی اس کا گناہ ہوگا اور جتنا گناہ ان کو ہوگا، اتنا گناہ اس غلط طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ہوگا۔

اللہ کے نیک بندوں کی ایک خاص دعا:

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب سے پہلے وہ آیت نقل کی ہے جو قرآن مجید میں عباد الرحمٰن (اللہ کے نیک بندوں) کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے۔

آیت یہ ہے:

﴿والَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا﴾ (الفرقان:۷۴)

''(اللہ کے نیک بندوں کی ایک صفت یہ ہے کہ) وہ یہ دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقیوں کا سردار بنادے۔''

یہاں پر ''ازواج'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ ''زوج'' کی جمع ہے۔ زوج شوہر کو بھی کہتے ہیں اور بیوی کو بھی کہتے ہیں۔ ''جوڑ'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اگر مرد دُعا مانگیں گے تو ترجمہ ہوگا ''ہماری بیویوں سے'' اور اگر عورتیں دُعا کریں گی تو ترجمہ ہوگا ''ہمارے شوہروں سے''۔ ''ذریاتنا'' کے معنی ہیں ہماری اولاد سے اور قرۃ اعین کے معنی ہیں آنکھوں کی ٹھنڈک، مراد ہے خوشی۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نیک بندے اور نیک بندیاں یہ دُعا کرتے ہیں اور کرتی ہیں کہ اے اللہ! ہمیں ہماری بیویوں سے اور ہمارے شوہروں سے اور ہماری اولاد سے خوشیاں عطا فرما۔

اس دُعا میں دنیا و آخرت کی ساری خوشیاں جمع ہوگئی ہیں:

دعا کا یہ حصہ اتنا جامع ہے کہ دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اس کے اندر جمع ہوگئی ہیں۔ ''خوشیاں عطا فرما'' کا مطلب ہے کہ دنیا کی بھی خوشیاں عطا فرما اور آخرت کی خوشیاں بھی عطا فرما۔ اور یہ خوشیاں اس وقت حاصل ہوں گی جب وہ صحت مند اور تندرست ہوں گے، مالی اعتبار سے بھی ٹھیک حالت میں ہوں گے، پریشان نہیں ہوں گے، آپس کے تعلقات اچھے ہوں گے، خوش اخلاق ہوں گے اور دوسرے لوگ بھی ان سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے، ان کے دلوں میں اُن کی محبت ہوگی اور اُن کے دلوں میں اِن کی محبت ہوگی۔ اولاد فرمانبردار، نیک اور تندرست ہوگی وغیرہ وغیرہ اور آخرت کی خوشیاں یہ ہیں کہ آخرت میں انہیں کوئی پریشانی اور عذاب نہ ہو۔ غرضیکہ اس دُعا میں وہ ساری نعمتیں آجاتی ہیں جو ایک انسان خوش رہنے کیلئے مانگتا ہے یا مانگ سکتا ہے۔

ہم سب کو یہ دُعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے:

میں لوگوں کو یہ دُعا پڑھنے کا بہت مشورہ دیتا ہوں۔ جو لوگ اپنی بیوی، بچوں کی

پریشانی کا ذکر کرتے ہیں، اپنی لڑکیوں یا لڑکوں کے لئے اچھے رشتوں کے طلب گار ہوتے ہیں، میں انہیں کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی بیماری کا ذکر کرتا ہے کہ ہمارا بیٹا بیمار رہتا ہے، ہماری بیوی بیماری رہتی ہے، میں انہیں بھی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے کو روزگار نہیں ملتا، تنگدستی ہے، اس کے لئے بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات خراب ہیں، اولاد نافرمان ہے تو اس کے لئے بھی یہی دعا پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ میاں بیوی اور اولاد و ماں باپ کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے کیلئے یہ انتہائی جامع دُعا ہے۔ اگرچہ اس آیت میں عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے وقت یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یہ دُعا کرتے ہیں لیکن درحقیقت ہم سب سے یہ کہا گیا کہ تم یہ دُعا مانگا کرو۔

دُعا کا دوسرا حصہ:

اس دُعا کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا﴾

''اور ہم کو متقی لوگوں کا پیشوا بنادے۔''

یعنی جتنے ہمارے چھوٹے ہیں مثلاً اولاد ہے یا اولاد کی اولاد ہے یا چھوٹے بہن بھائی ہیں یا چھوٹے رشتے دار ہیں یا شاگرد ہیں یا مرید ہیں یا معتقدین ہیں یا ہمارے پیچھے نماز پڑھنے والے ہیں، یہ سب کے سب وہ لوگ جن کے ہم کسی نہ کسی درجے میں پیشوا ہیں۔ تو اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ! جتنے ہمارے چھوٹے ہیں ان سب کو متقی بنادے، ان کو گناہوں سے بچنے والا بنادے۔

اس دُعا سے شادی بھی ہوگی اور اولاد بھی ہوگی انشاء اللہ:

جن لوگوں کی شادیاں نہیں ہوئیں، وہ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ابھی تو ہماری

شادی نہیں ہوئی، ہمارے بیوی بچے نہیں ہیں تو یہ دُعا مانگنے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا، یہ تو شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے۔ نہیں، ایسی بات نہیں ہے بلکہ غیر شادی شدہ لوگ بھی یہ دُعا پڑھ سکتے ہیں۔ اگر ابھی شادی نہیں ہوئی تو انشاء اللہ، آئندہ شادی ہوگی۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شادی کی دُعا بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ بیوی کی طرف سے خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب شادی ہوگی تو گویا یہ دُعا شادی کی دُعا کو بھی متضمن ہے بلکہ شادی کے ساتھ ساتھ اولاد کی دُعا کو بھی متضمن ہے۔ جب یہ دُعا کریں گے تو شادی بھی ہوگی اور شادی کے بعد اولاد بھی ملے گی۔ لہٰذا شادی شدہ لوگ ہوں یا غیر شادی شدہ، سب کے لئے یہ بہترین دُعا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس باب میں اس دُعا کے آخری حصّے کو اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اے اللہ! ہمیں متقی لوگوں کا امام اور مقتدا بنا۔

متقی لوگوں کا امام بننے کا کیا فائدہ؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے متقی ہیں، ان کا امام اور پیشوا بننے کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ متقی لوگوں کو تو تقویٰ اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کا ثواب ملے گا ہمیں کیا ملے گا؟ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ وہ یہ کہ جب ہماری بات ماننے والے لوگ، ہمارے معتقدین، ہمارے چھوٹے، ہمارے شاگرد، ہماری اولاد ہماری وجہ سے متقی بنیں گے تو تقویٰ کا جو ثواب انہیں ملے گا، وہ ہمیں بھی ملے گا۔

تو دُعا کے اس حصے کا حاصل یہ نکلا کہ جب آدمی کوئی اچھا کام کرتا ہے جس پر دوسرے لوگ بھی عمل پیرا ہوتے ہیں تو جتنا ثواب عمل کرنے والوں کو ملے گا، اتنا ہی ثواب

اچھا طریقہ جاری کرنے والے کو بھی ملے گا اور اس ثواب کی وجہ سے عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ بات بیان کرنے کیلئے علامہ نووی نے یہ آیت اس باب کے تحت ذکر فرمائی۔

اس آیت سے ان لوگوں کے لئے بڑی خوشخبری معلوم ہوئی جو دنیا میں خیر پھیلانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں، نیک کام کی طرف دعوت دیتے ہیں یا کوئی اچھا طریقہ جاری کرتے ہیں جس پر دوسرے لوگ عمل کریں تو ان کے لئے عظیم الشان ثواب ہے کہ اس کی وجہ سے جتنے لوگ عمل کریں گے، ان سب کے ثواب کے برابر اس اکیلے کو ثواب ملے گا۔

اس طرف دھیان کرنے کی ضرورت ہے:

اس طرف بہت دھیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اب دیکھئے اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں، اگر ہم جائزہ لیں تو ہم میں سے اکثر ایسے لوگ ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ لوگ ہوں گے۔ کوئی باپ ہے تو اس کی اولاد بات مانتی ہوگی، کوئی بڑا بھائی ہے، چھوٹے بہن بھائی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی مسجد کا امام ہے تو مقتدی اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی استاد ہے تو شاگرد اس کی بات مانتے ہوں گے، کوئی افسر ہے تو اس کے ماتحت اس کی بات مانتے ہوں گے غرضیکہ ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جن کی بات ماننے والے کچھ نہ کچھ ضرور ہیں، جب یہ بات ہے تو جتنے لوگ آپ کی بات ماننے والے ہیں، آپ اتنے لوگوں کے امام ہیں۔

امام کسے کہتے ہیں؟:

ہمارے ہاں امام صرف اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے، وہ بھی امام

ہے لیکن عربی زبان میں امام صرف اس کو نہیں کہتے جو نماز پڑھائے بلکہ "قیادت کرنے والے پیشوا" کو اور ایسے شخص کو جس کی بات دوسرے لوگ مانیں یا اس کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی عمل کریں، ایسے شخص کو امام کہا جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کا حاکم اپنی رعیت کا امام ہے، استاد اپنے شاگردوں کا امام ہے، باپ اپنی اولاد کا امام ہے، گھر کا بڑا گھر والوں کا امام ہے، افسر اپنے ماتحتوں کا امام ہے، بڑا بھائی چھوٹے بہن بھائیوں کا امام ہے غرضیکہ ہر وہ شخص امام ہے کہ جس کے چھوٹے اس کی بات مانتے ہیں یا اُسے دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔

تو اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہم میں سے جو جو شخص بھی امام ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے ماننے والوں کو متقی بنانے کی کوشش کرے۔ جتنا وہ تقویٰ اختیار کریں گے اور اس پر جتنا ان کو ثواب ملے گا، اسے بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اور یہی بات اس باب میں بیان کرنا مقصود ہے۔

ایک اہم واقعہ:

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ یہاں بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔[1]

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے جو بڑے فقر و فاقہ کی حالت میں تھے۔ اپنی شرمگاہ کو چھپانے کے لئے ان کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں تھا کہ جسے وہ تہبند کے طور پر استعمال کر سکیں البتہ کالی سفید دھاریوں والا کوئی کپڑا تھا جسے انہوں نے بیچ میں سے سوراخ کر کے اوپر سر سے یا نیچے ٹانگوں سے گذار کر ناف سے باندھ لیا تھا، جس سے ان کی شرمگاہ کا حصہ چھپ گیا تھا۔ صرف اتنا

---

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرةٍ أو كلمه طيبة وأنها حجاب من النار.

کپڑا ان کے پاس تھا۔ اس کے علاوہ ان کی پنڈلیاں اور سینہ کھلا ہوا تھا۔ گویا کپڑوں کی اتنی کمی تھی کہ پورے جسم پر پہننے کیلئے کپڑا تو کیا ہوتا، کوئی تہبند بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ جس سے نچلا حصہ اچھی طرح چھپا سکتے۔ مجبوراً انہوں نے تہبند کی ضرورت کو ایک چھوٹے سے کپڑے کے ذریعے پورا کیا کہ اس میں سوراخ کر کے ناف سے باندھ لیا تھا۔

اور تلواریں انہوں نے گلے میں ڈالی ہوئی تھی۔ عرب میں تلواریں اپنے پاس رکھنے کا رواج تھا جیسے آج کل ہمارے قبائلی علاقے کے لوگوں کا حال ہے کہ کچھ کھانے پینے کے لئے پاس ہو یا نہ ہو لیکن بدن کے ساتھ پستول یا اس جیسا کوئی ہتھیار ضرور ہوتا ہے۔

یہ سب لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی یہ زبوں حالی اور انتہائی درجے کا فقر و فاقہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ پس آپ گھر تشریف لے گئے، پھر باہر تشریف لائے، نماز کا وقت ہو چکا تھا، آپ نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی، اقامت ہوئی، آپ نے نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا
وَّ نِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۱)

یہ وہی آیت ہے جو خطبہ نکاح میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ آیت ختم ہو رہی ہے ''اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا'' پر، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے، تمہاری نگہبانی کرتا رہتا ہے، تم سے غافل نہیں۔

دوسری آیت یہ پڑھی:

﴿یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ہر شخص دیکھ بھال لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے۔''

''کل کے واسطے کیا بھیجا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے قیامت کے دن کیلئے کیا عمل کر رکھا ہے۔ ہم نے یہ آیت سن تو لی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے اور غور وفکر کرے کہ اس نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔

یہ دو آیات تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

﴿تصدق رجل من دینارہ ومن درھمہ ومن ثوبہ ومن صاع برہ ومن صاع تمرہ﴾

''آدمی اپنے دینار میں سے بھی صدقہ کرے، درہم میں سے بھی، کپڑوں میں سے بھی صدقہ کرے اور گندم و کھجور سے بھی۔''

حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ مال بھی ہے، وہ اس میں ان لوگوں کے لئے صدقہ کریں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ ولو بشق تمرۃ یعنی اگر کسی کے پاس زیادہ دینے کے لئے نہیں ہے اور وہ کھجور کا کچھ حصہ دے سکتا ہے تو کھجور کا کچھ حصہ ہی دے دے۔ غرضیکہ جس سے جتنا بھی ہو سکے وہ اتنا اللہ کے راستے میں صدقہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا خطاب سننے کے فوراً بعد ایک انصاری صحابی ایک تھیلی لے کر حاضر ہوئے۔ وہ تھیلی اتنی بھاری تھی کہ ان کے لئے اسے اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ تھیلی لاکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ پھر اسکے بعد لوگ یکے بعد دیگرے اپنے اپنے صدقات لانے لگے یہاں تک کہ دو ڈھیریاں بن گئیں۔ ایک

کپڑوں کی ڈھیری، دوسری کھانے کی ڈھیری۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا، ایسے معلوم ہوا جیسے آپ کے چہرے پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہو۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ سنّ فی الإسلام سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أجرها وأجر من عمل بها مِن بعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أنْ ينقص مِن أُجُوْرِهِم شيئاً﴾

(مسلم، کتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار)

''جو شخص اسلام کے اندر کوئی اچھا طریقہ جاری کرتا ہے تو اس کا ثواب اس کو تو ملے ہی گا، اور جو لوگ اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کریں گے، ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا لیکن عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

دیکھئے! یہاں پر سب سے پہلے اس نیک کام کا آغاز اس انصاری صحابی نے کیا جن سے وہ مال اٹھ نہیں رہا تھا۔ جسے وہ اٹھا کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں لا رہے تھے۔ جب انہوں نے ابتداء کی تو ان کے دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی لانا شروع ہوگئے۔ گویا اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی کو بشارت دی کہ تمہارے دیکھا دیکھی جنہوں نے صدقہ جمع کرایا، ان سب کے برابر تمہیں ثواب ملے گا۔

اور خود رسول اللہ ﷺ کو کتنا ثواب ملے گا؟! وہ انصاری صحابی جو سب سے پہلے آئے تھے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر آئے تھے تو سارے صحابہ اور اس انصاری صحابی کو ملنے والے ثواب کے بقدر رسول اللہ ﷺ کو ثواب ملا۔

برائی پھیلانے والے کا انجام:

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَ وِزْرُمَنْ عَمِلَ بِهَامِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ ۞﴾

''اور جو شخص برا طریقہ جاری کریگا تو اُسے اس کا گناہ ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے گناہوں پر بھی اس پر آئے گا جو اس کے بعد اس برے طریقے پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کمی ہو۔''

تو جس طرح نیکی پھیلانے والے کو نیکی کرنے والوں کے عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی برائی پھیلائے گا تو اُسے تمام برائی کرنے والوں کی برائی کے بقدر گناہ ملے گا کیونکہ وہ ذریعہ بنتا ہے دوسروں کے لئے نیکی یا گناہ پر عمل کرنے کا۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ'' جو شخص بھی بے گناہ قتل ہوتا ہے تو قاتل کو تو اس کا گناہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو بھی اس کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ بے گناہ قتل کرنے کا طریقہ اس نے جاری کیا تھا۔

یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اس بارے میں بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چورے چھپے کوئی گناہ کرے تو وہ ایک گناہ ہے لیکن اگر علی الاعلان اس طرح گناہ کرے کہ اُسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی گناہ کرنے لگیں تو کتنا بڑا وبال سر پر آجاتا ہے۔ وہ لوگ جن کے کچھ نہ کچھ ماتحت ہیں ان کے لئے اس میں اہم سبق یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا

کام نہ کریں جس سے ان کے چھوٹوں کو کوئی غلط سبق ملتا ہو۔

والدین سے ہونے والی ایک عام بے احتیاطی:

بعض والدین بے احتیاطی کرتے ہیں اور چھوٹے بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام کرڈالتے ہیں۔ جس سے ان کے ذہنوں پر غلط اثرات قائم ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ چھوٹا بچہ ہے، نادان ہے اسے کیا خبر! خوب سمجھ لیجئے کہ چھوٹا بچہ اگرچہ نادان تو ہوتا ہے لیکن اس کے تحت الشعور میں وہ ساری باتیں جمع ہوتی رہتی ہیں جو اس نے سنی یا دیکھی ہوتی ہیں اور جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ ساری باتیں اس کو یاد آجاتی ہیں۔

بعض لوگ اپنے بچوں سے جھوٹ بلواتے ہیں مثلاً باہر دروازے پر کوئی آیا، بچہ دروازے پر گیا، واپس آکر والد سے کہا کہ ابا جان! فلاں صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ ابا جان جواب میں کہتے ہیں کہ ان سے کہہ دو کہ والد صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ جب آپ نے ایک جھوٹ بلوادیا تو ابھی سے اس کو یہ سبق مل جائے گا کہ جھوٹ بولنا کوئی بُری بات نہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ عمر بھر جھوٹ بولتا رہے گا اور عمر بھر جتنا وہ جھوٹ بولے گا، اس کا گناہ آپ کے نامہ اعمال میں جمع ہوتا رہے گا۔ یہ کتنی خطرناک بات ہے۔

آج کے باب کا حاصل یہ ہے کہ جتنا ہو سکے بھلائی اور خیر کو پھیلایئے اور جتنا ہو سکے برائی پھیلانے سے بچیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین ○

ظلم کی مختلف صورتیں

موضوع: ظلم کی مختلف صورتیں

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ظلم کی مختلف صورتیں﴾

اس فکرانگیز خطاب میں ظلم کی ان صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا بلکہ انہیں ظلم سمجھا بھی نہیں جاتا۔

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وسلم تسليماً كثيراً.

امابعد!

عن أبى هريرة رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال من كانت عنده مَظْلِمَةٌ لأَ خِيهِ

مِن عرضِہٖ أومِن شيءٍ فليتحلله منه اليوم قبل أن لايكون ديناراً ولا درهمًا إن كان لهٗ عملٌ صالح أخذ منه بقدر مظلمتهٖ وإن لم يكن لهٗ حسنات أخذ مِن سيئات صاحبه فحمل عليه.

(صحیح البخاری بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۲۷)

حدیث کا ترجمہ:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ بڑی اہم حدیث ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ ہمیں اس کی ہر روز ضرورت ہے۔ روز مرہ کے معاملات میں اسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی ظلم ہے اس کے بھائی کیلئے (یعنی اگر کسی نے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہوا ہے) خواہ یہ ظلم اس کی عزت اور آبرو سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو تو اس پر لازم ہے کہ آج کے دن اُسے حلال کرلے (یعنی اس کا بدلہ دے دے یا اس سے معاف کرالے) اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ اس کے پاس کوئی دینار اور درہم نہ ہو۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کے بقدر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے۔''

قیامت کے روز ظلم کا بدلہ دلوایا جائے گا:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی نے دوسرے پر ظلم کیا خواہ یہ ظلم اس کی عزت سے متعلق تھا یا کسی بھی اور چیز سے متعلق تھا تو قیامت کے روز اُسے اس کا بدلہ چکانا پڑے گا۔ اگر ظلم کرنے والے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی ورنہ مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لادے جائیں گے۔

''مِن عِرضٍ'' سے مراد ایسا ظلم ہے جو دوسرے مسلمان کی عزت و آبرو سے متعلق ہو مثلاً کسی مسلمان کی بے عزتی کردی، کسی کی آبرو لوٹ لی، کسی کی غیبت کردی، کسی پر بہتان لگادیا، کسی کو گالی دے دی، کسی کو ناحق ڈانٹ دیا یا اس کو کسی کے سامنے ذلیل ورسوا کیا وغیرہ وغیرہ۔

''أو مِن شیئ'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ظلم جو کسی اور چیز سے متعلق ہو مثلاً کسی کی رقم لوٹ لی، تکلیف پہنچادی، تھپڑ ماردیا یا کسی اور ذریعے سے تکلیف پہنچادی۔

ظلم کی مختلف صورتیں:

آج کل لوگوں نے تکلیفیں پہنچانے کے بے شمار راستے اختیار کر رکھے ہیں اور ان میں سے اکثر طریقے ایسے ہیں، جن کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا کیونکہ عام طور پر لوگ ظلم کا مطلب بہت محدود سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ نہیں۔

غیبت:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اندر ''غیبت'' کی عادت پڑی ہوئی ہے۔ غیبت کو تو گناہ سمجھتے ہی نہیں۔ کوئی شراب پی لے تو اس کا چرچا ہوتا ہے کہ فلاں

شرابی ہے، کوئی حرام کاری کرے تو وہ بھی ڈرتا پھرتا ہے اور دوسرے بھی اُسے مؤردِ الزام ٹھہراتے ہیں کہ یہ بدکار ہیں، لیکن ان سے بڑا گناہ ''غیبت'' ہے اور صبح سے لے کر شام تک کتنی مرتبہ کر جاتے ہیں لیکن اس کے گناہ ہونے اور ظلم ہونے کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا۔

دیکھئے! اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کیلئے یہ کام کرنا آسان نہیں، بازار جا کر خریدنی پڑے گی، ہر جگہ ملتی نہیں خصوصاً پاکستان میں میں تو خریدنا بھی آسان نہیں۔ چوری چھپے خریدے گا، پھر اُسے چوری چھپے پیئے گا لیکن ساتھ ساتھ یہ ڈر بھی لگا رہے گا کہ لوگوں کو پتہ نہ چل جائے اور اگر نشہ چڑھ گیا تو پھر بچے مذاق اڑائیں گے۔ دیوبند میں ہمارے زمانے میں ایک آدمی نے شراب پی لی جس سے وہ بہک گیا تو اس کا نام ''شرابی'' پڑھ گیا، جہاں سے گذرتا، بچے اُسے پتھر مارتے اور شرابی شرابی کہہ کر پکارتے۔ تو اس نے بھی توبہ کر لی ہوگی کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بدکاری کرنا چاہے تو وہ بھی آسان نہیں بہت مشکل ہے۔

لیکن یہ غیبت کا گناہ اتنا آسان کہ ذرا سی زبان ہلے اور یہ گناہ ہو جاتا ہے اور گناہ بھی کبیرہ اور کبیرہ بھی ایسا کہ حقوق العباد سے متعلق۔ اور قرآن مجید میں اس جرم کو حقیقی مردہ بھائی کے گوشت کو کاٹ کاٹ کر کھانے سے تشبیہ دی ہے۔[1] جیسا گناہ وہ ہے، ایسا ہی یہ ہے اور اپنے بھائی پر ظلم کرنا ہے۔

غیبت کی تعریف یہ ہے:

﴿ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَايَكْرَهُ﴾

''تم اپنے مسلمان بھائی کا تذکرہ اس انداز کے ساتھ جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔''

ہمارے اندر اس طرح کی اور بھی بہت عادتیں پڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص

پاؤں سے معذور ہے، لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کو کہہ دیا ''لنگڑا'' کسی کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو اس کو کہہ دیا ''ٹونڈا'' اگرچہ اُسے لنگڑا یا ٹونڈا کہہ کر کوئی جھوٹ نہیں بولا لیکن جس کو لنگڑا یا ٹونڈا کہا گیا اُسے یہ بُرا لگے گا یا نہیں؟ اگر اُسے پتہ چلے گا کہ آپ نے اُسے اس کی پیٹھ پیچھے لنگڑا کہا ہے تو یقیناً وہ بُرا سمجھے گا اور یہی غیبت ہے جو ظلم کی قسم ہے۔

دِل کی آزاری:

اگر پیٹھ پیچھے کہو گے تو غیبت ہے اور اگر سامنے کہو گے تو غیبت تو نہیں ہے لیکن ''دل آزاری'' تو ہے اور کسی مسلمان کا دل دکھانا بھی ناجائز ہے اور یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے۔ نجانے کتنا ظلم اِس طریقے سے ہو جاتا ہے۔

فٹ پاتھوں پر قبضہ:

ظلم کا ایک طریقہ آج کل یہ رائج ہو گیا ہے کہ فٹ پاتھ کے اوپر دکانداروں کا زبردستی قبضہ ہے۔ دوکاندار جب صبح دکان کھولے گا تو اپنے سامنے والے فٹ پاتھ پر کوئی کرسی بچھا دے گا، کوئی میز بچھا دے گا، کوئی بوریاں رکھ دے گا، کوئی ڈبے رکھ دے گا۔ دس فٹ کی دکان تھی، اب فٹ پاتھ کو ملا کر وہ دکان دگنی ہو گئی۔ اب فٹ پاتھ پر دکاندار کا قبضہ ہے اور جن لوگوں کے لئے یہ فٹ پاتھ بنی تھی، وہ سڑک پر چل رہے ہیں اور سڑک جن گاڑیوں کے لیے بنائی گئی تھی، اب انہیں دشواری کا سامنا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سڑک پر چلنے والے راہ گیروں اور مسافروں کو کچلیں گی، ٹریفک میں خلل آئے گا، لوگوں کو تکلیف ہوگی، شریعت میں یہ بات بہت ہی ناقابل برداشت سمجھی گئی ہے کہ لوگوں کے راستے میں رکاوٹ پیش آئے۔

شریعت نے تھوڑی دیر کیلئے مسلمانوں کا راستہ روکنا گوارا نہیں کیا:

دیکھئے! شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی مختلف صورتیں ہیں، وہ سب صورتیں مکروہ ہیں لیکن فقہاء کرام نے لکھا کہ مسجد سے باہر نماز پڑھنے کی جگہ اگر ایسی ہے کہ وہاں نمازِ جنازہ پڑھیں گے تو لوگوں کا راستہ رکے گا تو ایسی صورت میں مسجد میں نماز پڑھ لو، لیکن لوگوں کا راستہ مت روکو۔ دیکھئے! شریعت نے لوگوں کے راستے اور ان کی ٹریفک کا کتنا احترام کیا ہے کہ ان کے راستے کو کھلا رکھنے کیلئے اپنا قانون بدل دیا حالانکہ نماز پڑھنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ صفیں بنانے اور نماز جنازہ پڑھنے میں چار پانچ منٹ لگتے ہوں گے تو شریعت نے مسلمانوں کے راستے کو چار پانچ منٹ کیلئے روکنے کو بھی گوارہ نہیں کیا اور اپنے قانون میں تبدیلی کردی۔

اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تین لعنت کی چیزوں سے بچو۔[1] اور وہ یہ ہیں کہ لوگوں کے راستے میں یا سایہ دار جگہ جہاں لوگ بیٹھتے ہیں وہاں پیشاب پاخانہ کردیا جائے یا گندگی پھیلادی جائے جس سے لوگوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

دگنا ظلم:

تو دیکھئے! شریعت کی نظر میں راستوں کو صاف رکھنے کا کتنا اہتمام ہے مگر یہ ظلم عام ہے کہ فٹ پاتھوں پر دکانداروں کا قبضہ ہے۔ ایک دکاندار نے مجھے بتایا کہ جب ہمیں یہ مسئلہ معلوم ہوا تو اس وقت سے ہم نے اپنے سامنے کے فٹ پاتھ پر سامان رکھنا چھوڑ دیا ہے، لیکن اب ہوا یہ کہ ریڑھی والوں اور چھابڑے والوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔

کوئی وہاں پکوڑیاں بھون بھون کر کھلا رہا ہے، کوئی کباب بنا کر کھلا رہا ہے، کوئی چائے تیار کر کے پلا رہا ہے اور کوئی یخنی بنا بنا کر پلا رہا ہے، وہاں کرسیاں بچھا دیں۔ اب فٹ پاتھ پر ان کا قبضہ ہے۔

یہ قبضہ اور زیادہ خطرناک ہے۔ دکاندار کیلئے مصیبت کہ اس کے پاس جتنے گاہک آتے تھے، ان کے آنے کا راستہ بند ہو گیا، اب اس کی دکان بھی لوگوں کو نظر نہیں آتی، راستہ چلنے والوں کو راستہ ویسے ہی بند رہا، تو یہ دگنا ظلم ہو گیا۔

دھواں چھوڑتی گاڑیاں:

ظلم کی ایک صورت یہ ہے کہ گاڑیاں اس طرح چلی جارہی ہیں کہ دھوؤں کے بادل چھوڑتی جارہی ہیں۔ ڈیزل کا دھواں ناک کے ذریعے سے پھیپھڑوں میں جارہا ہے، دماغ میں گھس رہا ہے، آنکھوں میں جارہا ہے، جس سے طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی ہیں، تپ دق اور دمے کا مرض ہورہا ہے، کینسر کی بیماری پھیل رہی ہے، اموات واقع ہورہی ہیں اور کسی کو کچھ پرواہ نہیں۔ خراٹے بھرتی ہوئی گاڑیاں جارہی ہیں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، نہ پولیس والے کچھ کہتے ہیں نہ سارجنٹ کوئی قدم اٹھاتے ہیں حالانکہ قانوناً ایسا کرنا ناجائز ہے۔ سرکاری قانون کی رو سے ایسا کرنا ممنوع ہے لیکن ہمارے ملک میں قانون کہاں ہے؟ شریعت کا قانون یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔

کسی مہذب ملک میں یہ کام نہیں ہوتا کہ گاڑی دھواں چھوڑے۔ اگر کسی ڈرائیور نے گاڑی کا دھواں چھوڑا تو سینکڑوں ڈالر کا جرمانہ (Fine) اسی وقت ہوجاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ ایسی گاڑی چلائے جس سے دھواں نکلتا ہو۔ جبکہ ہمارے ہاں رکشے، ٹیکسیاں، گاڑیاں دھوئیں کے بادل چھوڑتی ہوئی چلتی ہیں۔ سانس لینا دشوار ہوجاتا

ہے۔ ساری فضاء میں ڈیزل کا دھواں چھایا ہوا ہے۔ لوگوں کی جانوں سے کھیلا جارہا ہے۔ یہ ناجائز ہے اور ظلم ہے۔ اس سے کتنے بے شمار لوگوں کو اذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس طرف دھیان نہیں جاتا۔

رشوت:

ظلم کی ایک صورت وہ ہے جو ہمارے سرکاری دفاتر میں رائج ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سرکاری دفتر میں کام کے لئے جائے تو رشوت کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ رشوت ظلم ہی کا ایک حصہ ہے جو سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔

لاؤڈ سپیکر کا غلط استعمال:

ظلم کا ایک اور طریقہ لاؤڈ سپیکر کے غلط استعمال کی صورت میں آج کل رائج ہے۔ چھوٹی سی مسجد ہے۔ اگر اس میں ایک سپیکر بھی لگ جائے تو حاضرین تک آواز پہنچانے کیلئے بالکل کافی ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اس کونے پر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے، اُس کونے پر بھی لگا رکھا ہے۔ مینار پر چار لاؤڈ سپیکر لگا رکھے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ لاؤڈ سپیکر دور دور تک لوگوں کیلئے وبالِ جان بنا ہوا ہے۔

لاہور میں ایک مسجد ہے بالکل چھوٹی سی۔ اس کے چاروں کونوں پر بڑے زبردست لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک مینار سا بنا رکھا ہے۔ اس کے اوپر بھی چار لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے ہیں۔ وہ مسجد جس گلی میں ہے، اس گلی کے کنارے پر ایک اِدھر اور ایک اُدھر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہے۔ صبح کو اذان کے وقت سے وہ لاؤڈ سپیکر کھلتا ہے۔ اذان ہوئی، اس کے بعد "الصلوٰة والسلام علیک یارسول اللّٰہ" شروع ہوا، اس کے بعد پھر نعتیں، نظمیں وغیرہ ہوتی رہیں پھر نماز وڈعا اسی سپیکر پر ہوئی۔ اس کے بعد "

مصطفے جانِ رحمت'' کا سلسلہ بھی اسی پر ہوا۔

اس کے بعد بچوں کو سبق پڑھانا شروع کیا۔ ہر بچے کا سبق لاؤڈ سپیکر پر ہو رہا ہے۔ گیارہ بجے تک مار کرتا ہے۔ گیارہ بجے تک جتنے بچوں کو سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ پورے محلے والوں پر لازم ہے وہ بھی ہر ہر بچے کا سبق سنیں۔ اس محلے میں ہمارے رشتے دار رہتے ہیں۔ ہم وہاں جا کر ٹھہرا کرتے ہیں۔ محلے والے پریشان ہو کر ایک مرتبہ وفد کی شکل میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صاحب نے کہا کہ'' تم بڑے نالائق ہو، ٹی وی پر اعتراض نہیں ہوتا، اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس پر تمہیں اعتراض ہوتا ہے۔''

اس کے بعد مسجد والوں نے یہ کام کیا کہ گلی سے نکل کر ایک بڑا چوراہا ہے، جو مین روڈ پر ہے۔ اس چوراہے پر بھی دو لاؤڈ سپیکر لگا دیئے۔ چھوٹی سی مسجد اور اس میں'' الف ب'' کا سبق میلوں تک ہو رہا ہے۔ یہ ظلم ہے۔ باہر دور دور تک آواز پہنچانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو تمہاری آواز سننا چاہتے ہیں صرف انہی کو سناؤ۔ زبردستی دوسروں کو سننے پر مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں۔

دارالعلوم میں لاؤڈ سپیکر کے معاملے میں احتیاط:

ہمارے ہاں دارالعلوم میں اس بات کی پابندی کی جاتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر صرف ان تک پہنچے جو اس کی آواز سننا چاہتے ہیں۔ تراویح میں باہر کا لاؤڈ سپیکر نہیں کھولا جاتا۔ بعض اوقات دارالعلوم میں رہنے والی خواتین کی طرف سے فرمائش بھی آتی ہے کہ لاؤڈ سپیکر کھول دیئے جائیں تاکہ ہم بھی سنیں لیکن ہم ان کی فرمائش کے باوجود لاؤڈ سپیکر اس لئے نہیں کھولتے کہ ہوسکتا ہے کہ کچھ خواتین تراویح کی آواز نہ سننا چاہیں، وہ نفلیں پڑھنا چاہتی ہوں، یا رات کے ابتدائی حصہ میں سو کر آخر شب میں عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر

سو گھروں میں سے ننانوے گھروں کی عورتیں یہ چاہیں کہ سپیکر کھول دیا جائے اور ایک گھر کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی جائے کہ سپیکر نہ کھولا جائے تو ہمیں اس ایک گھر کی پابندی کرنا پڑے گی کیونکہ انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔

عصر کے بعد یہاں میرا بیان ہوتا ہے۔ اس میں دارالعلوم کے لاؤڈ سپیکر کھلنے پر مجھے تشویش رہتی ہے۔ پہلے یہ بیان مدرسۃ البنات میں ہوتا تھا۔ اس وقت صرف مدرسۃ البنات کا سپیکر کھولا جاتا تھا۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ یہ بیان مسجد میں ہو جایا کرے تو وہاں خواتین کو بیٹھنے میں سہولت ہو جایا کرے گی۔ اب ہمارا یہ بیان مسجد میں ہوتا ہے جس میں دارالعلوم کے تقریباً سارے سپیکر کھولے جاتے ہیں لیکن ہم نے اس کا یہ انتظام کیا ہے کہ ان سپیکروں کے ساتھ سوئچ لگوائے ہیں اور سپیکر کے قریب رہنے والوں کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ اپنا سپیکر بند کرنا چاہیں تو بلا تکلف بند کر دیں متعدد گھروں سے یہ فرمائش آئی ہے کہ ہم بیان سننا چاہتے ہیں۔ پھر بھی ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جو سننا چاہے، وہ کھول لے اور جو نہ سننا چاہے، وہ بند کر لے، خدا کرے کہ یہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچ رہی ہو اور اگر کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہو تو ہماری درخواست ہے کہ ہمیں اطلاع کرے تاکہ کوئی اور متبادل طریقہ سوچا جائے۔

تو ظلم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر کو غلط استعمال کیا جائے اور عام طور پر یہ حرکتیں اہل علم اور علماء کرام نہیں کرتے۔ یہ گڑ بڑ عام طور پر ان مسجدوں میں ہوتی ہے جہاں مسجد کے امام عالم دین نہیں ہوتے۔ لباس علماء والا پہن رکھا ہوتا ہے لیکن ان پڑھ یا کم علم لوگ ہوتے ہیں۔

چندہ مانگنے میں حد سے تجاوز کرنا:

ظلم کا ایک طریقہ اور ہے اور وہ بھی کثرت سے رائج ہے۔ وہ ہے ''چندہ وصول

کرنے میں حد سے تجاوز کرنا'' مثلاً بھری مجلس میں آپ ہر ایک سے مطالبہ کریں کہ سو سو روپے سب دے دو۔ کچھ لوگوں نے دے دیا تو دوسروں کا نام لے لے کر ان سے مانگ رہے ہیں۔ کوئی شخص دینا نہیں چاہتا تھا مگر شرما شرمائی میں دے دیتا ہے۔ سوچتا ہے کہ اگر نہیں دوں گا تو لوگ مجھے حقیر سمجھیں گے اور کنجوس خیال کریں گے۔ یہ بھی ظلم ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے زبردستی چھین لینا۔ چندہ لینا اُسی صورت میں جائز ہے جب دوسرا آدمی خوشی سے دے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ:

﴿لایحل مال امریٔ إلّا بِطیبِ نَفْسِہٖ﴾

(مشکوۃ، کتاب البیوع، الفصل الثانی، رقم الحدیث:۲۹۴۶)

''کسی انسان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔''

بھکاریوں کا زبردستی مسلط ہونا:

آج کل ظلم کا ایک اور طریقہ بھی چل رہا ہے۔ چوراہے پر گاڑی رکی یا کسی پھل والے کی دکان پر پھل خریدنے کیلئے گاڑی رکی، ایک ادھر سے بھکاری آجاتا ہے۔ ایک اُدھر سے آجاتا ہے اور مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔ بات تک کرنے نہیں دیتے، ان سے کہا جائے کہ معاف کرو، پھر بھی نہیں ہٹتے۔ زبردستی مسلط ہو جاتے ہیں۔ آخر مجبور ہو کر آدمی کچھ نہ کچھ جیب سے نکال کر دیتا ہے تاکہ وہ پیچھا چھوڑ دے۔ یہ بھی ظلم اور ناجائز ہے۔

ظلم کا ایک طریقہ یہ چل رہا ہے کہ بھیک تو نہیں مانگتے لیکن کوئی کنگھا لئے کھڑا ہے، کوئی کمر بند لئے کھڑا ہے کہ صاحب! اللہ کے واسطے یہ خرید لو۔ ان سے کہا جائے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں تو اصرار کرتے ہیں کہ خرید لو، جان نہیں چھوڑتے، یہ بھی زبردستی اور ظلم ہے۔

دوسروں کی عمارتوں پر پوسٹر لگانا اور چاکنگ:

اسی طرح ظلم کا ایک طریقہ اور چل رہا ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کے مکانات اور عمارتوں پر پوسٹر چپکا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ مالکان کی اجازت کے بغیر ہوتا ہے۔ پوسٹر چھپوانے میں تو پھر بھی خرچہ ہوتا ہے۔ اب تو آسان کر رکھا ہے کہ پوچی لی، رنگ میں ڈبویا اور ہر ایک کی دیوار پر کچھ نہ کچھ لکھ گئے۔ چلو فلاں جگہ چلو۔ فلاں جئے، فلاں زندہ باد، فلاں مردہ باد۔ کوئی صاحب مجرب علاج لکھ کر چلے گئے کہ تمام امراض کا علاج چاہیے تو فلاں ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ کوئی تعویذ والا ہے کہ کالے جادو کی کاٹ فلاں عامل کے پاس ہے۔ یہ ساری اشتہار بازی لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر اور اداروں کی دیواروں پر ہو رہی ہے۔ یہ ظلم ہے اور ناجائز ہے کیونکہ دوسروں کی املاک کو ان کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مدینہ کی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں ایک انصاری کا مٹی کا مکان تھا۔ آپ ﷺ نے اس پر دو مرتبہ ہاتھ مار کر تیمّم کر لیا۔ تیمّم کے لئے دو مرتبہ ہاتھ مارنا پڑتا ہے۔ پہلی مرتبہ ہاتھ مار کر چہرے پر اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر بازؤں پر پھیرا جاتا ہے ظاہر ہے کہ مکان کے اس معمولی سے استعمال پر مالک مکان کا کوئی نقصان نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام نے یہ سوال اٹھایا کہ یہ مکان رسول اللہ ﷺ کا نہیں تھا بلکہ ایک انصاری صحابی کا تھا تو آپ ﷺ نے دوسرے کے مکان کو اس کی اجازت کے بغیر کیسے استعمال فرمایا حالانکہ دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں۔

پھر اس کا جواب یہ دیا کہ عام حالات میں تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو یقین تھا اور یہ یقین بالکل صحیح تھا کہ اس انصاری کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ میں نے

اپنے دو ہاتھ اس کی دیوار پر مارے ہیں تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی کیونکہ اجازت یقینی طور پر موجود تھی۔

تو دیکھئے! فقہا کرام نے اس معمولی سے استعمال پر بھی سوال اٹھایا۔ کہاں یہ مسئلہ اور کہاں پوسٹر چپکا چپکا کر دیواروں کا ستیاناس کرنا اور چاکنگ کر کر کے ان کا حلیہ بگاڑنا اور پھر یہ ظلم اور بڑھتا جا رہا ہے وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے سڑکوں کی نشاندہی کے لئے تختیاں لگائی جاتی ہیں کہ یہ فلاں روڈ ہے۔ فلاں شارع ہے۔ اس پر پوسٹر لگا دیئے جاتے ہیں جس سے تختی کی اصل عبارت غائب ہو جاتی ہے۔ حالانکہ تختی اس لئے لگائی گئی تھی کہ چلنے والوں کو راستہ معلوم ہو۔ آپ کو تو راستہ معلوم ہے لیکن جو اجنبی اس شہر میں آیا ہے اس کو تو ان تختیوں کی ضرورت ہے، اس کے بغیر وہ راستہ بھول جائے گا۔

غلط وقت پر فون کرنا:

ظلم کا ایک اور طریقہ بھی ہمارے معاشرے میں بہت پھیلا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جس کو جب چاہو، ٹیلی فون کر دو، یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سونے کا وقت ہے یا کھانا کھانے کا وقت ہے یا آرام کا وقت ہے۔ مسئلہ ہے اس کے دفتر کا لیکن اس کے گھر پر فون کر دیا حالانکہ گھر پر وہ کام نہیں ہوتا، وہ دفتر کا کام ہے آپ اس کے گھر پر فون کر کے اس کے آرام میں خلل ڈال رہے ہیں۔ رات بارہ بجے کے بعد فون کر دیا جبکہ وہ سو رہا ہوگا۔

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ دین کی خبر نہ ہونے سے اس طرح کی لوگوں کو تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ یہ مسلمانوں کی باتیں تھیں۔ مسلمان اس بات کی رعایت رکھا کرتے تھے کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے لیکن اب مسلمانوں نے تو یہ باتیں چھوڑ دیں، دوسری قوموں نے یہ باتیں حاصل کر لیں۔

وہاں امریکہ میں ہم نے دیکھا کہ کوئی آدمی کسی کے چھٹی کے دن (ویک

اینڈ(Week End) میں کسی کام سے متعلق فون نہیں کرتا۔ رشتہ دار آپس میں ملنے جلنے کے متعلق تو فون کریں گے لیکن دفتری کام سے متعلق بات نہیں کریں گے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ان باتوں کی رعایت کرنا ہمارے لئے زیادہ ضروری تھا لیکن افسوس کہ ہم نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے معاشرہ کے اندر طرح طرح کے ظلم وجود میں آچکے ہیں۔ اور یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے پر ظلم کریگا، اگر اس نے دنیا میں اُس نے مظلوم سے معافی نہ مانگی یا اس کا حق ادا نہ کیا تو قیامت کے روز اس کا بدلہ چکانا ہوگا اور آخرت میں آدمی کے پاس روپیہ پیسہ تو ہوگا نہیں، وہاں بدلے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اگر اس کے پاس کچھ نیک عمل ہوں گے تو اس کے ظلم کے برابر اس سے نیک عمل لے لئے جائیں گے اور اس شخص کو دے دیئے جائیں گے جس کا حق اس نے مارا تھا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی یا نیکیاں تھیں مگر حق ادا کرتے کرتے ختم ہوگئیں تو پھر جس کا حق اس پر واجب تھا، اس کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے، لے کر آیا تھا نیکیاں اور اب رہ گئے گناہ۔

بڑے غور کرنے کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے ظلم کرنے سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰه رب العالمینo

ماہِ ذی الحجہ کے فضائل

موضوع: ماہ ذی الحجہ کے فضائل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: جمعہ ۳۰ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿ماہ ذی الحجہ کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضلله فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَندنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ صلى اللّٰه تعالٰى عليه وآلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليمًا كثيراً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمن الرحيم.

﴿إنا أَعْطَينكَ الكَوْثَر o فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَر o إن شانِئَكَ هُوَ الأَبْتَر o﴾ (سورۃ الکوثر)

ذوالحجہ کی سب سے پہلی فضیلت اس کے نام سے ظاہر ہے:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج ذیقعدہ کی تیس تاریخ ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ کل سے شروع ہورہا ہے۔ یہ بہت عظیم الشان مہینہ ہے۔ اس کی سب سے پہلی عظمت تو اس کے نام سے ظاہر ہورہی ہے۔ اس کا نام ہے ''ذو الحجّة'' یعنی حج والا مہینہ۔ ''حجّة'' بھی عربی زبان میں حج کو کہتے ہیں اور ''ذو'' کے معنی ہیں ''والا'' تو ذوالحجہ کے معنی ہوئے ''حج والا''

یہ حج والا مہینہ ہے کیونکہ اسی مہینے میں اسلام کا عظیم الشان رکن ''حج'' ادا کیا جاتا ہے۔ اور یہ رکن ایسا ہے کہ سال کے کسی اور مہینے میں ادا نہیں ہوسکتا۔ نماز تو ہم ہر روز پڑھتے ہیں، فرض روزے اگرچہ رمضان کے مہینے میں رکھتے ہیں لیکن نفلی روزہ باقی دنوں میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ عیدالفطر اور ایام تشریق کے علاوہ سال بھر میں جب بھی چاہیں روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کہ جب آدمی کے مال پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا سال گذرنے پر آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ نہ دے سکے تو بعد میں جب دینا چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن حج کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا مہینہ بھی مقرر ہے اور دن بھی مقرر ہیں۔ ان دنوں کے علاوہ یہ رکن ادا ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں رمضان یا شعبان میں نفلی حج کرلوں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ صرف انہی دنوں میں حج کا رکن ادا ہوسکتا ہے جو دن اس کیلئے متعین ہیں۔ اس لئے بھی ایام ذی الحجہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو یہ شرف بخشا ہے کہ حج جیسی عظیم عبادت صرف اس مہینے میں ادا ہوسکتی ہے کسی اور مہینے میں نہیں ہوسکتی حتیٰ کہ رمضان المبارک کے مہینے میں بھی نہیں ہوسکتی۔

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل:

پھر قرآن واحادیث کے اندر اس کی اور بھی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئیں۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿والفجر oولیالٍ عشر o والشفع والوتر o والیل إذا یسر o﴾ (الفجر:۱۔۴)

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔''

یہ ''دس راتیں'' کونسی ہیں؟ مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اِن دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی ذوالحجہ کی پہلی دس راتوں کی عظمت کا انداز ہوتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی دس ایام کی عظیم الشان فضلیت بیان کی ہے۔ فرمایا کہ ذوالحجہ کے مہینے سے کوئی مہینہ عبادت کے لئے بہتر نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان بھی اس سے عبادت کے لحاظ سے بہتر نہیں۔ ہاں البتہ اگر اس کے برابر ہوتو اس کا انکار بھی نہیں۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ان دنوں کی عظمت ایسی ہے جیسا کہ رمضان المبارک کے دنوں کی عظمت ہے۔

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں دسواں دن تو عید کا ہوتا ہے۔ جس میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ باقی نو دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں ایک دن کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک رات کی عبادت کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے۔[1]

تو یہ شب وروز جو آرہے ہیں، معمولی نہیں ہیں۔ آج مغرب کے وقت سے ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے گا۔ اسلامی کیلنڈر، اسلامی تقویم، اسلامی تاریخ اور اسلامی دن مغرب کے وقت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا غروب آفتاب سے ہی ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے گا تو جو رات آنے والی ہے، اس کا ثواب شبِ قدر کے برابر ہے اور آنے والے

دنوں میں سے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔

ان دنوں میں نفلی روزوں کی بجائے قضا روزے رکھنا بہتر ہے:

الحمدللہ، ان دنوں میں بہت سے مسلمان روزے رکھتے ہیں اور اکثر روزہ رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جن کے فرض روزے ادا ہو چکے ہوتے ہیں اور وہ ان دنوں میں نفلی روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قضا روزے ہوں تو ان دنوں میں ان کی قضاء کریں۔ عام طور پر عورتوں کے شرعی عذر کی وجہ سے ہر رمضان میں ان کے روزے قضا ہو جاتے ہیں، ان کیلئے بھی قضا روزے رکھنے کا بہترین موقع ہے۔ ان دنوں میں قضاء روزے رکھنے کے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضا ہو جائے گی، دوسرے ان دنوں کی برکت بھی حاصل ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص پوری عبادت نہ کر سکتا ہو تو..........:

جہاں تک رات کو جاگ کر عبادت کرنے کا معاملہ ہے تو افضل تو یہ ہے کہ پوری رات جاگ کر عبادت کی جائے لیکن یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس کی ہمت ہر ایک کو نہیں ہوتی کیونکہ دوسرے کام مثلاً ملازمت، تجارت و دیگر مشاغل میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہ رات مغرب کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پوری رات نہیں جاگ سکتا تو مغرب سے عشاء تک اور عشاء کے بعد جتنا وقت مل جائے، اس میں جتنی عبادت ہو سکتی ہے کرے، پھر آخر شب میں اٹھ جائے اس میں جتنی عبادت کر سکے، کرے۔

اللہ رب العالمین نے اس دین کو اتنا آسان کیا کہ کم ہمت اور کمزور لوگوں کی قدم قدم پر رعایتیں رکھی گئیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''اگر کوئی شخص عشاء کی نماز

بھی جماعت سے پڑھے اور پھر فجر کی نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھے تو اس کو پوری رات کی عبادت کا ثواب مل جاتا ہے۔"[۱] اگر کوئی عشاء اور فجر بھی جماعت سے پڑھے اور مزید عبادت بھی کرے تو ظاہر ہے کہ اس کا ثواب اور بڑھ جائے گا، جتنا گڑ ڈالے گا، اتنا میٹھا ہو جائے گا لیکن اگر کوئی کم ہمت ہے تو وہ صرف عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو اس کے لئے بھی محرومی نہیں رکھی گئی بلکہ اُسے بھی پوری رات کی عبادت کرنے کا ثواب عطا کیا گیا۔

ان راتوں میں گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے:

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ان راتوں میں اگر عبادت کا ثواب زیادہ ہے تو گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہے، کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جس جگہ پر اور جس وقت میں عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اس جگہ پر اور اس وقت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر مسجد سے باہر جھوٹ بولتا ہے یا غیبت کرتا ہے تو بلاشبہ یہ گناہ کبیرہ اور سنگین جرم ہے لیکن یہی کام اگر وہ مسجد میں کرے گا تو جرم اور بڑھ جائے گا اور مسجد حرام میں گناہ کریگا تو اور سنگین ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عام دنوں میں گناہ کرتا ہے تو وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر ان راتوں میں گناہ کرے گا تو بہت سنگین ہوگا۔

دو کام ضرور کریں:

لہٰذا ان راتوں میں اگر کسی شخص کو بہت زیادہ عبادت کرنے کی توفیق نہیں ہو رہی یا ہمت و طاقت نہیں یا مصروفیت ہے تو وہ دو کام ضرور کرے۔

۱۔ عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے۔

۲۔ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے، آنکھوں کو آنکھ کے گناہ سے بچائے۔ کانوں کو کان کے گناہوں سے بچائے، زبان کو زبان کے گناہوں سے بچائے، ہاتھوں کو ہاتھ کے گناہوں سے بچائے، پاؤں کو پاؤں کے گناہوں سے بچائے اور دل کو دل کے گناہوں سے بچائے، اپنے اوپر کڑی نظر رکھے کہ کہیں اس سے کوئی گناہ ہونے نہ پائے۔

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اگر کوئی شخص ان دس دنوں اور راتوں میں ان دو کاموں کا اہتمام کرے گا تو وہ عظیم الشان کمائی کرے گا۔ پوری دس راتوں کی عبادت کا ثواب ملے گا اور اگر پوری رات عبادت کرے گا تو ہر رات میں شب قدر کا ثواب ملے گا اور اگر ان دنوں میں روزے بھی رکھ لے تو ایک روزے کے بدلے پورے ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

یوم عرفہ کی خاص فضیلت:

پھر ان دنوں میں عرفہ کے دن[1] کی فضیلت اور زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عرفہ کا روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اگلے ایک سال کے گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات جس کے بعد عیدالاضحیٰ کا دن آتا ہے۔ احادیث کے اندر اس کی بھی عظیم الشان فضیلت بیان ہوئی ہے۔

ذکر اللہ اور صدقات کا بھی اہتمام کیا جائے:

تو ان دنوں اور راتوں کو بڑی اہمیت اور قدر کے ساتھ گذارنا چاہیے۔ نماز،

---

[1] نویں ذی الحجہ کے دن کو عرفہ کا دن کہا جاتا ہے۔ م

روزہ کے علاوہ صدقہ وخیرات کی کوشش کرنی چاہیے، اوران کے علاوہ ذکراللہ کا بھی خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ چلتے پھرتے بھی اللہ کا ذکر ہوسکتا ہے۔ بس میں جارہے ہیں، گاڑی میں سفر کررہے ہیں، سائیکل یا موٹر سائیکل پر سوار ہیں تو اس وقت ذکر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً لاالٰہ الا اللّٰہ، لاالٰہ الا اللّٰہ کہتے رہیں، درود شریف پڑھتے رہیں یا استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ سکتے ہیں۔

ایک مومن کو اپنا وقت بیکار نہیں جانے دینا چاہیے۔ آپ پڑھنے جارہے ہیں یا پڑھانے جارہے ہیں، ملازمت پر جارہے ہیں یا دکان پر جارہے ہیں، کسی بھی کام سے جارہے ہیں، چلتے چلتے اگر لاالٰہ الا اللّٰہ کہتے ہیں تو اس میں آپ کی نہ کوئی محنت خرچ ہوگی، نہ پیسہ خرچ ہوگا اور نہ کوئی وقت خرچ ہوگا لیکن آپ عظیم الشان کمائی کرلیں گے، اللہ کے ہاں ذکر کی بہت بڑی قدر وقیمت ہے۔ اس کے بہت زیادہ فضائل قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اگر اور کچھ یاد نہیں آتا تو ''اللہ اللہ'' کہتے رہیں۔

یہ تو خیر ذوالحجہ کی راتوں کا بیان ہے، ویسے بھی اگر آدمی قدر پہنچانیں تو ہر رات شب قدر ہے۔ جو آدمی اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا رہتا ہے۔ پھر اس کی برکت سے یہ ہوتا ہے کہ عبادتوں میں مزہ آنے لگتا ہے، گناہوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

گناہ مزے کی چیز نہیں:

اصل بات یہ ہے کہ گناہ کوئی مزے کی چیز نہیں۔ اگر آدمی کو یہ ڈر لگا ہو کہ میں جو گناہ کررہا ہوں، اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس پر مجھے عذاب ہوگا تو اُسے گناہ کرتے ہوئے مزہ آسکتا ہے؟ اگر آپ پولیس کی تحویل میں ہیں اور آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا

ہے لیکن پولیس والے نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھا رکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ کھانا کھایا تو تمہاری پٹائی ہوگی تو بتایئے کہ اس کھانے میں مزہ آئے گا۔ گناہوں کا یہی معاملہ ہے کہ اگر گناہ کرے گا تو آخرت کی پٹائی کا سامنا کرنا ہوگا۔

اور پھر اللہ رب العزت کا خاص احسان یہ ہے کہ اس نے ہمارے لئے حلال راستے بے شمار کھول رکھے ہیں۔ ہر لذت اور ہر راحت و آرام کے لئے حلال راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اب شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ انہی حلال راستوں کو اختیار کیا جائے اور حرام کاموں سے بچا جائے اور نہ بچے تو پھر عذاب کیلئے تیار رہیں اور جس گناہ کے پیچھے عذاب ہو، اس میں لذت کہاں ہوگی۔

تو گناہ لذت کی چیز نہیں ہے، لذت کی چیز تو عبادت ہے۔ جب آدمی کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت سما جاتی ہے تو اُسے اللہ کے ذکر میں اتنا مزہ آتا ہے کہ کسی اور چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا۔ اور گناہوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ یہ تصور ذہن میں آتا ہے کہ یہ میرے محسن اور پروردگار کی نافرمانی ہے۔ وہ میرا اتنا محسن ہے، میں اس کی نافرنی کیسے کروں۔ یہ بڑی رذالت اور کمینگی ہے اور نافرمانی بھی انہی چیزوں کے ذریعے سے کروں جو اس کی دی ہوئی ہیں، کیسی بڑی رذالت کی بات ہے۔

گناہ میں مزہ آنے کی مثال:

گناہ میں مزہ دل کی خرابی کی وجہ سے آتا ہے۔ جب دل بگڑ جاتا ہے تو اللہ سے بے خوفی، اللہ کی عظمت کی کمی، اللہ سے محبت کی کمی ہو جاتی ہے، یوم آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے تو پھر عبادت مشکل نظر آتی ہے، گناہ آسان نظر آتے ہیں اور گناہوں میں مزہ آنے لگتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہوں میں مزہ آنا ایسا ہی ہے جیسے کسی خارش کے بیمار کو کھجانے میں مزہ آتا ہے۔ خارش کے مریض کو کسی چیز میں اتنا مزہ نہیں آتا

جتنا کھجانے میں آتا ہے، مثل مشہور ہے کہ

''جومزا ہے کھاج میں، نہیں ہے وہ راج میں''

''کھاج'' کہتے ہیں ''کھجانے'' کو۔ مطلب یہ ہے کہ کھجانے میں جو مزہ ہے، بادشاہت میں بھی وہ مزہ نہیں۔ لیکن کھجانے سے جو مزہ آرہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھجانا واقعی مزے کی چیز ہے بلکہ یہ اس وجہ سے آرہا ہے کہ جسم کا خون خراب ہوگیا ہے۔ خون کی خرابی کی وجہ سے اُس چیز میں مزہ آنے لگا تو درحقیت مزے کی چیز نہیں تھی بلکہ تکلیف کی چیز تھی۔ آدمی کھجاتے کھجاتے اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے، سوتے سوتے نیند اڑ جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ کھجا رہا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ خون خراب ہوگیا۔ بالکل یہی بات گناہوں کی ہے۔

اور یہ انسان کے لئے بڑی بدبختی کی بات ہے کہ اُسے گناہوں میں مزہ آنے لگے اور ان کی طرف اس کی رغبت بڑھتی چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

ذوالحجہ کی ایک اور خاص فضیلت:

ایک عظیم الشان عبادت اور بھی اس ماہ ذی الحجہ کے اندر پائی جاتی ہے۔ جسے قربانی کی عبادت کہتے ہیں۔ اس عبادت کی بھی خاصیت یہ ہے کہ انہی مخصوص دنوں میں عبادت ہے، باقی دنوں میں عبادت نہیں۔ بقرعید کے دن (دس ذی الحجہ) گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تین دن عبادت کے ہیں۔ ان سے ایک دن پہلے تک اور بارہ ذی الحجہ کے بعد پورے سال میں جانور قربان کرنا عبادت نہیں۔ عقیقہ کے موقع پر جانور ذبح کرنا عبادت نہیں ہے برکت کی چیز ہے، کرلیں تو بہتر ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ عبادت نہیں۔ عبادت صرف انہی تین دنوں میں ہوتی ہے۔ واجب قربانی ہو یا نفلی صرف انہی تین دنوں

میں ہوسکتی ہے۔ باقی دنوں میں آپ جانور ذبح کرکے کھا سکتے ہیں لیکن وہ قربانی اور عبادت نہیں بنے گی۔

قربانی کا حکم کسی اور طریقے سے پورا نہیں ہوتا:

اور جس شخص پر قربانی واجب ہو، اس کا یہ واجب قربانی کرنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں قربانی تو نہیں کرتا لیکن جتنے میں جانور خریدنا تھا، اتنے پیسوں کا صدقہ کردیتا ہوں تو اس سے اس کا واجب ادا نہیں ہوگا، عمر بھر اس کا گناہ رہے گا۔ جس طرح نماز پڑھنے سے روزہ ادا نہیں ہوتا اور روزے کے عوض میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اسی طرح قربانی کے عوض میں صدقہ نہیں ہوسکتا۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ اس کے بارے چند بنیادی مسائل سمجھ لیجئے۔

۱۔ نابالغ پر قربانی واجب نہیں۔

۲۔ مجنون یعنی وہ شخص جو دماغ سے معذور ہے، اس پر بھی قربانی واجب نہیں، چاہے کروڑ پتی انسان ہو۔

۳۔ مسافر پر بھی قربانی نہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص شرعی قاعدے کے مطابق مسافر ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار ہو۔ مثلاً کوئی شخص لاہور سے کراچی آیا ہوا ہے اور اس کا ارادہ کراچی میں پندرہ دن قیام کرنے کا نہیں ہے تو وہ مسافر ہے، اس پر قربانی واجب نہیں۔

قربانی ایسے عاقل، بالغ اور مقیم مسلمان پر واجب ہے، جس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس سے وہ صاحبِ نصاب کہلائے تو اس پر قربانی واجب ہوگی خواہ وہ مرد ہو یا

عورت۔ دو میاں بیوی ہیں، دونوں کی ملکیت میں اگر اتنا اتنا مال ہے جو نصاب کے برابر بنتا ہے تو میاں پر بھی قربانی واجب ہے، بیوی پر بھی قربانی واجب ہے۔ اگر کسی گھر میں میاں بیوی بھی رہتے ہیں اور ان کی بالغ اولاد بھی ہے اور بالغ اولاد کے پاس بھی نصاب کے بقدر مال ہے تو ان پر بھی قربانی واجب ہوگی۔ بیٹے ہوں تو ان پر قربانی واجب ہوگی اور بیٹیاں ہونگی تو ان پر بھی واجب ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔ لہٰذا اگر سب میں قربانی واجب ہونے کی شرطیں پائی جارہی ہیں تو سب پر قربانی واجب ہے، ورنہ جتنوں کے اندر شرائط پائی جارہی ہیں، ان پر قربانی واجب ہوگی، باقی پر نہیں۔

قربانی کا نصاب:

نصاب کیا ہے؟ قربانی کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنی مقدار چاندی ہو یا اتنی چاندی کی قیمت کے بقدر نقد رقم ہو یا اتنی قیمت کا سامان تجارت ہو یا اتنی قیمت کا سونا ہو یا اتنی قیمت کا گھر میں ایسا زائد سامان ہو جو استعمال میں نہیں آتا تو اس پر قربانی واجب ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت آج کل تقریباً چھ ہزار روپے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کی ملکیت میں تقریباً چھ ہزار روپے یا اس قیمت کا سامان مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ہے اور وہ بانابالغ مجنون اور مسافر بھی نہیں تو اس پر قربانی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بیٹا ہو یا بیٹی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر گھر میں صرف ایک آدمی نے قربانی کرلی تو سب کی طرف سے ہوگئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ اگر کسی نے قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہ کی تو وہ گنہگار ہوگا۔ اب اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ قربانی کی قیمت کے بقدر رقم فقراء اور مساکین پر صدقہ کردے اور اپنی

اس کوتاہی پر توبہ واستغفار بھی کرے۔

قربانی کے جانور کی شرائط:

بکرا، دنبہ اور بھیڑ ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کیا جاسکتا ہے جبکہ گائے، بھینس، بیل اور اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہیں بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو۔ اگر کوئی شریک اس نیت سے شامل ہوا کہ چلو گوشت مل جائے گا، مزے سے کھائیں گے، اس کی قربانی کی نیت نہیں تھی تو پھر کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

بکرا اور بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ بیل، گائے اور بھینس دو سال کی جبکہ اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ جس شخص سے آپ جانور خرید رہے ہیں اگر وہ اس کی پوری عمر بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے بھی اس کی تکذیب نہیں ہوتی تو اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے لیکن اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گیا جس کی وجہ سے دماغ پر لازمی اثر پڑتا ہے تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔ اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جاسکے، اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کی تہائی سے زیادہ دم کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی بھی جائز نہیں، جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

اگر ایک شخص نے صحیح سالم جانور خریدا لیکن قربان کرنے سے پہلے اس کے اندر کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جسکے پائے جانے کی صورت میں قربانی جائز نہیں ہوتی تو اب

دیکھا جائے گا کہ اگر اس جانور کو خریدنے والا شخص ایسا ہے کہ اس پر شرعاً قربانی واجب ہے تو اس پر لازم ہوگا کہ اس کے بدلے دوسرے صحیح سالم جانور کی قربانی کرے اور اگر اس جانور کا مالک غریب آدمی تھا اور اس پر قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے اپنے شوق سے قربانی کے لئے جانور خریدا تھا تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے لیکن اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسروں سے ذبح کراسکتا ہے مگر ذبح کے وقت خود وہاں حاضر رہنا افضل ہے۔

قربانی کی نیت ودعا:

قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کیلئے قبلہ رو کر کے لٹائے تو یہ دُعا پڑھے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○﴾ (سورۃ الانعام:۷۹)

''میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے آپ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○﴾ (سورۃ الانعام:۱۶۲)

''بلاشبہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔''

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

﴿اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وخَلِیلِکَ إِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ ٥﴾

''اے اللہ! آپ یہ قربانی میری طرف سے قبول فرمالیجئے جس طرح آپ نے اپنے محبوب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف سے قبول کی۔''

گوشت کا حکم:

جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو وہاں گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے، محض اندازے سے تقسیم کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کیلئے رکھے، ایک حصہ اعزہ واحباب میں تقسیم کرے اور تیسرا حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، البتہ جس شخص کے اہل وعیال زیادہ ہوں وہ سارا گوشت بھی رکھ سکتا ہے لیکن قربانی کا گوشت بیچنا جائز نہیں۔

قربانی کی کھال کے احکام:

قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلی بنالینا یا کوئی ڈول وغیرہ بنوالینا جائز ہے لیکن اگر فروخت کردی تو پھر اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور اس صدقے کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔

قربانی کی کھال کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔ لہٰذا مسجد کے مؤذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا جائز نہیں۔ اسی طرح جانور

ذبح کرنے والے کی اجرت میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔

عصرِ حاضر میں مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلبہ اِن کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کیونکہ اس میں صدقے کا ثواب بھی ملتا ہے اور دین کی اشاعت کا ثواب بھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عشرہ ذی الحجہ کی برکتوں سے مالا مال ہونے کی توفیق نصیب فرمائے اور قربانی کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمینo

عُہدے کا ہدِیہ

موضوع: عہدے کا ہدیہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی

تاریخ: ۳ مارچ ۱۴۲۵ء

ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

باہتمام: محمد ناظم اشرف

﴿عہدے کا ہدیہ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدِہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ. صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.

امابعد!

عن ابی حمید عبدالرحمن ابن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً من الأزد علی الزکوۃ یقال لہٗ ابن اللتبیہ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا اُھدی لی فقام

رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر فحمد الله واثنا علیه ثم قال: امّا بعد فانی استعمل الرجل منکم علی العمل مماو لاّنی اللّٰه ، فیاتی ویقول: هذا لکم وهذه هدیة أهدیت الی أفلا حبس فی بیت أبیه أو أمه حتی تاتیه هدیته إن کان صادقاً. ○

(متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۲۶)

ترجمہ حدیث:

ابو حمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو صدقہ کی وصولیابی کیلئے عامل مقرر فرمایا۔ اس کا نام ابن اللتبیہ تھا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمہارا (یعنی مسلمانوں کا) ہے اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے تو آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوگئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: امابعد: میں تم میں سے کسی شخص کو اہلکار مقرر کرتا ہوں کسی کام کیلئے ان کاموں میں سے جن کی ولایت اللہ نے مجھے دی ہے۔ پھر وہ آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا۔ تو پھر وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھ جاتا تاکہ اگر وہ سچا ہے تو اُسے وہیں پر یہ تحفہ مل جاتا۔

مضمونِ حدیث:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

جو حدیث میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے۔ یہ ہماری زندگی

کے متعلق بہت اہم ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے والے صحابی ابوحمید عبدالرحمٰن بن ساعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ کے دور میں زکوٰۃ حکومت کے زیرِ انتظام وصول کی جاتی تھی۔ بعد میں بھی کافی عرصہ تک اسلامی حکومتیں زکوٰۃ وصول کرتی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں سربراہ حکومت بھی تھے۔ چنانچہ آپ مختلف صحابہ کو مختلف قبائل کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے اور پھر وہ زکوٰۃ شرعی قانون اور ضابطے کے مطابق شرعی مصارف پر خرچ کی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ابن اللتبیہ ؓ کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے افسر مقرر کر کے بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو کچھ مال کے بارے میں فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے یعنی یہ حکومت اسلامی کے زیرِ انتظام آئے گا اور شرعی مصارف پر خرچ ہوگا اور کچھ مال کے بارے میں کہا کہ یہ مجھے تحفے میں ملا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ بات ناگوار گذری۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی شخص کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر کرتا ہوں لیکن جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ فلاں مال مسلمانوں کے لئے ہے اور فلاں مجھے تحفہ میں دیا گیا۔ اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تو پھر وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر جا کر کیوں نہیں بیٹھ جاتا۔

یعنی اگر وہ اپنی اس بات میں سچا ہے تو پھر افسر بننے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھا رہتا۔ اگر اس قبیلے کے لوگ اس کی ذات سے محبت کرنے والے ہوتے تو اُسے اُسکے گھر آ کر تحفہ دے جاتے اور اس صورت میں جو کوئی تحفہ لا کر دے گا تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ اُس کو تحفہ میں ملا ہے۔ لیکن اب جو افسر بن کر گئے اور وہاں سے تحفے ملے تو اس کے لئے انکا لینا کسی طرح جائز نہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

﴿واللّٰهِ لایأخذاحدٌ منکم شیئاً بغیر حقّهِ اِلا لقی اللّٰه تعالٰی یحمله یوم القیمة o ﴾

''بخدا تم میں سے کوئی آدمی کوئی چیز بغیر حق کے نہیں لے گا مگر یہ کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اُس چیز کو اس نے اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا۔''

یعنی جس چیز کو بھی وہ بغیر حق کے کسی سے لے گا، وہ چیز اس پر قیامت کے دن لدی ہوگی۔ اس بات کی مزید تفصیل ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

﴿فلاأعرفنّ أَحَدَکُم لَقِی اللّٰهَ یَحمل بعیراً لهُ رُغاء أوبقرةلهُ خوارٌ أوشاة تیعر﴾

''ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم میں سے کسی کو پہچانو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے کہ اس نے اپنے اوپر اونٹ کو اٹھا رکھا ہو اور اونٹ اپنی آوازیں نکال رہا ہو یا گائے کو اپنے اوپر اٹھا رکھا ہوگا اور وہ بھی آواز نکال رہی ہو یا بکری کو اٹھا رکھا ہو اور وہ مَیں مَیں کر رہی ہو۔''

دنیا میں جو مال ناجائز طریقے سے آئے گا، آخرت میں سر پر لدا ہوگا:

اس زمانے میں جب عاملین زکوٰۃ وصول کرنے جایا کرتے تو جانوروں کی زکوٰۃ جانوروں کی شکل میں ملتی تھی۔ یہ اصول مقرر تھا کہ مثلاً اتنے اونٹوں پر اتنی عمر کا ایک اونٹ لیا جائے گا اور بکریاں اتنی تعداد میں ہوں گی تو اس میں اتنی بکریاں زکوٰۃ کے طور پر لی جائیں گی۔

عرب میں عام طور پر گلہ بانی کا رواج تھا۔ لوگوں کے پاس جانور بہت ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے جانوروں کی شکل میں زکوٰۃ وصول ہوتی تھی۔ زکوٰۃ میں اونٹ بھی آتے تھے، بکریاں بھی ملتی تھیں، دنبے بھی آتے تھے اور مینڈھے بھی آتے تھے اور گائے بھینس بھی آتی تھیں۔

تو آپ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت میں تم اللہ سے اس حال میں ملو کہ تمہارے اوپر اونٹ، گائے اور بکری سوار ہو۔ کہاں تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اونٹ اس لئے بنایا تھا کہ تم اس پر سواری کرتے لیکن اگر وہ اونٹ تم نے دنیا میں ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا مثلاً چوری سے لیا تھا، رشوت کے طور پر لیا تھا تو آخرت میں یہ اونٹ تمہارے اوپر سوار ہوگا۔

اور یہ بات صرف اونٹ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی جانور ناجائز طریقے سے حاصل کیا تھا تو وہ بھی اوپر سوار ہوگا بلکہ یہ بات صرف جانوروں کے ساتھ بھی خاص نہیں بلکہ کسی بھی شخص نے دنیا میں کوئی بھی مال ناجائز طریقے سے لیا تو آخرت میں جب میدانِ حساب میں آئے گا تو وہ مال اس پر لدا ہوا ہوگا۔ اگر وہ گندم کی بوریاں ہیں تو وہ لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ سو بوریاں ہیں تو سو کی سو لدی ہوئی ہونگی اور اگر وہ مکان یا زمین ہے تو وہ لدی ہوئی ہوگی۔

تو اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا میں کوئی بھی شخص اگر کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے گا تو آخرت میں وہ مال اس کے لئے وبالِ جان بنے گا اور اس مال کے ذریعے سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

یہ حدیث ارشاد فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالئے اور فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ۝﴾

''اے اللہ! کیا میں نے (آپ کا پیغام) پہنچا دیا۔''

گویا آپ نے اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنالیا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف خیرخواہی کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔ عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے۔

ہدیہ لینا دینا مستحب ہے:

ابن اللتبیہ کا جو واقعہ میں نے ابھی بیان کیا، یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اس سے شریعت کا ایک اہم قانون سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر تحفہ واقعۃً تحفہ اور ہدیہ ہے تو وہ بڑی اچھی چیز ہے۔ ہدیے اور تحفے کا دینا بھی مستحب ہے اور قبول کرنا بھی مستحب ہے، دونوں کام سنت سے ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ دوسروں کو ہدایا دیا بھی کرتے تھے اور اگر کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اُسے قبول بھی فرمالیا کرتے تھے۔ بشرطیکہ وہ ہدیہ جائز طریقے سے ہو اور آپ ﷺ نے ہدیہ لینے اور دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ'' آپس میں ایک دوسرے کو ہدایا لیا دیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔'' اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ''اگر تمہیں کوئی شخص ہدیہ دے تو چاہے وہ کتنا ہی معمولی سا ہو تو اُسے حقیر سمجھ کر لوٹا نہ دے بلکہ اُسے قبول کرلے۔''

عہدے کی وجہ سے ملنے والا ہدیہ رشوت ہے:

لیکن ہدیے کے یہ سارے فضائل اس وقت تک ہیں جبکہ وہ واقعۃً ہدیہ ہو۔ اس حدیث سے ہدیے کا یہ قانون سامنے آتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کوئی ہدیہ اُس کے عہدے کی وجہ سے ملا ہو تو وہ ہدیہ نہیں بلکہ رشوت ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ ابن اللتبیہ کو یہ تحفہ وہاں سے ملا تھا جہاں سے وہ زکوٰۃ وصول کرنے گئے اور ظاہر ہے کہ وہاں

کے لوگ ان کو جاننے والے نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ رشتہ داروں نے یا پرانے دوستوں نے تحفہ دے دیا تھا۔ بلکہ زکوٰۃ کی وصولی کیلئے افسر بن کر گئے تھے تو کچھ لوگوں نے انہیں یہ چیزیں دیں، تحفہ ہی کہہ کر دی ہوں گی، ہدیہ ہی کہہ کر دی ہوں گی لیکن یہ دینا سابقہ دوستی اور تعلقات کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ اس بنیاد پر تھا کہ یہ ایک افسر ہیں اور جو تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملے، اس کے بارے میں فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ یہ رشوت ہے۔

کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ہوتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے کہ کونسا تحفہ عہدے کی بنیاد پر ملا ہے اور کونسا تحفہ ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ملا ہے۔

اس کی پہچان بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ کو کسی محکمے میں افسر مقرر کیا گیا۔ افسر بننے سے پہلے آپ کے کچھ لوگوں کے ساتھ ایسے تعلقات اور مراسم تھے کہ وہ آپ کو تحفے دیا کرتے تھے، دوست تھے، پڑوسی تھے، آپ کے رشتہ دار تھے یا آپ کے عقیدت مند تھے، اگر وہی لوگ عہدے کے بعد بھی آپ کو ہدیہ دیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدیہ عہدے کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہے۔ اور اگر تحفہ دینے والے نئے آگئے ہیں جو پہلے موجود نہ تھے۔ جب سے صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر بنے ہیں تو کوئی ٹیپ ریکارڈ لے کر آرہا ہے، کوئی ٹیلی ویژن لے کر آرہا ہے کوئی فریج لے کر آرہا ہے اور کوئی اے سی لے کر آرہا ہے۔ اب یہ جو تحفوں کی بہتات شروع ہوئی ہے تو یہ تحفے نہیں جہنم کے انگارے ہیں کیونکہ یہ رشوت ہے۔

کاروں کی لمبی قطار:

ہمارے پاکستان آج کل رشوت جو بڑے پیمانے پر لی اور دی جاتی ہے، وہ

عام طور پر تحفوں ہی کے نام سے دی جاتی ہے۔ ایک بہت بڑے افسر تھے۔ کروڑوں کے ٹھیکے منظور کیا کرتے تھے۔ جب ان کی صاحبزادی کی شادی ہوئی تو معلوم ہوا کہ نئی کاروں کی ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ کوئی مرسیڈیز لایا تھا کوئی ٹویوٹا لایا تھا اور کوئی دوسری کار لایا تھا۔ اعلیٰ درجے کی شاندار کاریں تھیں لیکن یہ سب حرام مال تھا کیونکہ یہ عہدے کی وجہ سے آیا ہے۔ چنانچہ وہ صاحب اب بھی زندہ ہیں لیکن اب ان کے ہاں وہ تحفے نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ ایسی کار سے پناہ میں رکھے۔ دنیا کی زندگی تو ہر حال میں گذر جائے گی، کسی کو کار مل بھی گئی تو اُسے وہ کتنے دن استعمال کرے گا۔ آخرت میں وہ کندھے پر اٹھانی پڑے گی۔ دنیا میں تم اس پر سواری کروگے، آخرت میں وہ تم پر سوار ہوگی اور جتنی بڑی کار ہوگی، اتنا ہی اس کا بوجھ زیادہ ہوگا۔

عہدے کے سارے تحفے گھر گھر جا کر واپس کئے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ بڑی محبت کرنے والے دوست ہیں۔ وہ ایک زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے۔ آخر زمانے میں ڈپٹی کمشنر بنے۔ ہمارے بے تکلف دوست تھے۔ ویسے تو میں ان کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ ہماری دعوت کیا کرتے تھے اور ہم ان کی دعوت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ڈپٹی کمشنر ہوگئے تو اس زمانے میں میری مصروفیات کچھ ایسی رہیں اور کچھ میرا دل بھی نہ چاہا جس کی وجہ سے نہ ان کے گھر جانا ہوا اور نہ ان کے دفتر جانا ہوا۔ البتہ وہ آجاتے تھے اور بعض مسائل میں مشورہ بھی کرتے تھے۔

ایک دن انکا بیٹا مجھ سے ملا۔ وہ بڑا نیک لڑکا تھا۔ ماشاء اللہ ہمارے دوست بھی بڑے نیک تھے۔ بیٹا کہنے لگا کہ ہمارے اباجان کے پاس آج کل تحفے بہت آرہے

ہیں۔کوئی فریج لے آتا ہے،کوئی ایرکنڈیشنر لے آتا ہے۔کوئی فرنیچر لے آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تحفے پہلے تو نہیں آتے تھے، آج کل آرہے ہیں۔آپ ذرا ان کو سمجھائیں۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔انشاء اللہ میں انہیں سمجھاؤں گا۔

اُسی زمانے میں ان کا تبادلہ ہوگیا۔تو اُس وقت پھر ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو تحفے وغیرہ آئے ہیں۔ذرا ان کا خیال کرلیں۔حیران ہوکر پوچھنے لگے کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ یہ سب تحفے رشوت ہیں اور حرام ہیں۔انہیں بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے تحفوں کا سارا سامان لوگوں کو گھر گھر جاکر واپس کیا۔بعض لوگ ایسے تھے جو اپنا گھر چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہوگئے تھے،تو تلاش کرکے ان کے نئے گھروں تک پہنچتے۔بعض لوگ فوت ہوچکے تھے تو ان کے وارثوں کو یہ سامان پہنچاتے۔یہ ان کے کمالِ تقویٰ کی علامت ہے۔اس کے تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب سے بچالیا۔

عہدے کا تحفہ مدرسوں میں بھی ہوسکتا ہے:

یادرکھئے کہ مدرسوں کے اندر عہدوں کی وجہ سے تحفے ملنے کا سلسلہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ مدرسوں کے اندر کوئی افسری اور عہدے نہیں ہیں لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی تنظیم یا استاد کو اپنے ذاتی مقصد کیلئے تحفہ دیا جائے۔مثلاً یہ کہ طلبہ کی ایک ضرورت اساتذہ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔امتحان میں پاس یا فیل کرنا استاد کا کام ہوتا ہے۔اسی طرح بعض مرتبہ داخلے کے اندر رعایت کرنا یا نہ کرنا استادوں کا کام ہوتا ہے۔اسی طرح مہتمم کے بھی کچھ اختیارات ہوتے ہیں۔ ملازمین کا عزل ونصب اور ان کی ترقی وتنزلی کا کام مہتمم کرتا ہے۔پھر اس کے ٹھیکے داروں کے ساتھ بھی معاملات ہوتے ہیں۔ان سارے معاملات میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ کوئی ہدیہ دینے والا اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے ہدیہ

دے رہا ہو۔ اس لئے اس سلسلے میں بہت ڈر کر رہنا چاہیے۔

میری ذاتی احتیاط:

جب کوئی طالب علم میرے پاس سال کے شروع میں ہدیہ لے کر آتا ہے، اگرچہ طلبہ کی بھاری اکثریت محبت کی وجہ سے تحفہ لے کر آتی ہے کیونکہ ہمارے طلبہ اپنے اساتذہ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن سال کے شروع میں داخلے کے دنوں میں تحفہ لینے سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی نیا طالب علم داخلے کیلئے آیا ہو تو جب تک اس کا داخلہ نہیں ہوتا، میں اس کا تحفہ قبول نہیں کرتا۔ جب داخلہ ہو جاتا ہے اور بظاہر اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب میرے سے اس کی کوئی نئی ضرورت وابستہ نہیں رہی تو پھر اگر وہ تحفہ لا کر دیتا ہے تو قبول کر لیتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حرام سے بھی بچائے اور متشابہات سے بھی بچائے۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

دیوبندیت کیا ہے؟

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	خیرپور ٹامیوالی
تاریخ	۲۷ مارچ ۲۰۰۴ء
ترتیب و عنوانات	اعجاز احمد صمدانی

﴿ دیوبندیت کیا ہے؟ ﴾

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ،صلى الله تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمن الرحيم.

﴿يـاايهـاالـذيـن أمـنـوا ادخـلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوت الشيطان انه لكم عدوٌّ مبينo﴾

(البقرۃ:۸۔۲)

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

بزرگانِ محترم، حضراتِ علماء کرام، برادرانِ عزیز! معزز خواتین، میری ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میں اپنے جذباتِ مسرت کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو اس وقت آپ حضرات کے پاس آکر میں اپنے دل کی گہرائیوں میں پا رہا ہوں۔ آپ حضرات کے جذبہ محبت اور دین کی عظمت کی یہ علامت ہے کہ تمام مرد اور خواتین مسلسل دن و رات ہمہ تن گوش ہوکر بیانات سن رہے ہیں۔ آپ حضرات کا یہ جذبہ باعث تقویت بھی ہے اور خوش آئند بھی۔ اور اسی سے یہ توقع قائم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دینی مدرسوں کا یہ نور روز بروز پھیلتا جائے گا اور انشاء اللہ

؎ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اِس جامعہ میں حاضری کا شوق:

آپ کے اس جامعہ میں حاضری کی تمنا دو وجہ سے عرصہ دراز سے تھی۔ ایک یہ کہ اس کے بانی حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب دامت برکاتہم سے عرصہ دراز سے نیاز مندانہ تعلق ہے اور بارہا حضرت نے فرمایا ''کبھی آؤ'' مگر موقع نہیں ملتا تھا۔

اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ درسگاہ الحمدللہ ہمارے قدیم بزرگوں کا مرکز رہی ہے۔ بڑے بڑے اکابر یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا عطاء اللہ بخاری صاحب رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بڑے بڑے اکابر یہاں آتے رہے ہیں۔ ان کی برکات یہاں ہیں۔

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں:

بزرگوں کی برکتیں معمولی چیز نہیں۔ یہ برکتیں محسوس تو ہوتی ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ جہاں بزرگوں کے قدم پہنچتے ہیں۔ اس کے انوار و برکات اس علاقے میں پھیلتے ہیں۔ یہ سالانہ اجتماع اس بستی کے لوگوں کیلئے اور بھی باعث رحمت ہے کہ یہ بزرگوں کی آمد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس سے انشاء اللہ اس بستی کو برکتیں نصیب ہوں گی اور ہوتی رہی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی ایک اہم خصوصیت: اتباعِ سنت:

ہم سب کی نسبت الحمدللہ، اس آخری دور کی عظیم ترین درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت صرف ایک ہے کہ اُس کو تاجدار دو عالم کے روضۂ اقدس سے پکی اور سچی نسبت نصیب ہے۔ کیونکہ دارالعلوم دیوبند یا مسلک دیوبند کوئی فرقہ نہیں ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا ترجمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا نمونہ ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبند سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ دیوبند ان کا اصلی وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے تھے، وہیں پڑھا تھا، وہیں پڑھاتے رہے، وہیں مفتی مقرر ہوئے، ہماری ابتدائی تعلیم بھی وہاں ہوئی، جب ۱۹۴۸ء میں ہم نے پاکستان میں ہجرت کی تو میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ حفظ میں پڑھتا تھا۔ پندرہ پارے حفظ کر چکا

تھا۔ باقی پارے پاکستان میں حفظ کئے۔ پھر دارالعلوم کراچی میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء میں فارغ ہوا۔ پھر دارالعلوم میں ہی تخصص میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ اسباق بھی میرے سپرد ہوئے۔ اس زمانے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی مرتبہ دیوبند کا سفر کیا۔ میں بھی اس سفر میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ تھا۔ تھانہ بھون اور دہلی میں بھی جانا ہوا۔ دیوبند میں چونکہ ہمارا آدھا خاندان آج بھی موجود ہے۔ اس لئے وہاں زیادہ دیر تک قیام ہوا۔ حضرت والد صاحب کی آمد کی خبر سن کر ہندوستان کے دور دراز علاقوں یہاں تک بنگال اور آسام تک کے لوگ سفر کر کے آ گئے تھے اور والد صاحب کے اردگرد ہر وقت علماء کرام اور مفتی صاحبان کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے جو مشکل مسائل اٹکے ہوئے تھے، وہ مسائل حضرت والد صاحب سے حل کراتے رہتے تھے۔ وہاں کے اساتذہ اور طلبہ کی خواہش پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں خطاب فرمایا۔

اُس میں آپ نے فرمایا کہ شاید آپ حضرات اس بات کے منتظر ہوں گے کہ میں آپ کے سامنے ایسی علمی تحقیق بیان کروں گا جو پہلے کم سنی گئی ہو اور آپ واہ واہ کریں گے لیکن آج میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ میں اسی دارالحدیث کی چوکی پر بیٹھ کر کئی برسوں تک کرتا رہا ہوں اور اب میں نے توبہ کر لی ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس نیت سے تحقیقی اور علمی بیان کرنا کہ لوگ واہ واہ کریں، بہت بڑا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نیت سے بچائے۔ لہٰذا میں ایسی کوئی چیز آپ کے سامنے ذکر نہیں کرونگا میرے پاس کوئی نئی تحقیق نہیں ہے اور نہ میں کوئی بڑا محقق ہوں البتہ میں سیدھی سادی بات بتلانا چاہتا ہوں کہ ''دارالعلوم دیوبند کیا چیز ہے۔''

فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند نہ کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جائے، نہ کوئی فرقہ ہے جسے دنیا کے دوسرے مسلمانوں سے الگ سمجھا جائے بلکہ ''دیوبند نام ہے رسول اللہ

ﷺ کی سنت کی صحیح صحیح اتباع کا۔'' ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی شریعت میں بھی اور طریقت میں بھی، علم میں بھی اور عمل میں بھی یہی دیوبند کا حاصل ہے۔ یہی دیوبند کا لبِ لباب ہے اور یہی دیوبند کا مسلک ہے۔

سنت کا لب لباب اعتدال اور توازن ہے۔ اس میں ایسا حسین امتزاج ہے کہ اس میں انتہا پسندی کہیں نہیں ہے۔ افراط اور تفریط نہیں ہے۔ صرف جذباتیت نہیں ہے۔ ہاں جذبات بھی ہیں اور حکمت بھی ہے۔ شریعت بھی ہے اور طریقت بھی ہے۔ عبادات بھی ہیں اور معاملات بھی ہیں۔ معاشرت بھی ہے اور اخلاقیات بھی ہے۔ ان سب کے مجموعہ کا نام ''سنت'' ہے اور سنت کا دوسرا نام ''اسلام'' ہے۔ اور اسی کا نام ''دیو بندیت'' ہے۔ لہٰذا دنیا بھر میں جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کا پیروکار ہے، وہ دیو بندی ہے۔

ہم اپنا الگ نام ''دیوبندی'' کیوں رکھیں؟

اور میں آپ کے سامنے اپنی بات عرض کروں۔ چونکہ میرا اصلی وطن دیوبند ہے۔ میرا بچپن وہاں گذرا ہے۔ میرے آباؤ اجداد وہاں کے رہنے والے تھے تو پاکستان آنے کے بعد طالب علمی کے زمانے میں مَیں اپنے نام کے ساتھ ''دیو بندی'' لکھا کرتا تھا۔ اور مجھے اس کا حق بھی تھا کیونکہ دیوبند میرا وطن تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن جب میں دارالعلوم میں مدرس ہوگیا تو مجھے منع کرتے ہوئے ایک روز فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' مت لکھا کرو۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس سے گروہ بندی اور فرقہ واریت کی بو آتی ہے۔

ہم اپنے آپ کو ''دیوبندی'' کیوں کہیں؟ ا دیو بندی کہنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم باقی اہلِ اسلام سے کچھ الگ لوگ ہیں۔ ہمارا کوئی الگ فرقہ ہے حالانکہ ہم رسول

اللہ ﷺ کے ادنیٰ غلام ہیں، ان کی سنت کے پرستار ہیں اور ان کے ناموس پر سب کچھ قربان کرنے والا بننے چاہتے ہیں تو ہم اپنا الگ نام ''دیوبندی'' کیوں رکھیں!

دیوبند میں ''فرقہ واریت'' کی کوئی تعلیم نہیں تھی:

یہ دیوبند کا مزاج ہے۔ دیوبند میں فرقہ واریت کی کہیں کوئی تعلیم نہیں تھی۔ اکابر دیوبند میں سے کوئی بھی مسلک کی بنیاد پر اپنے نام کے ساتھ دیوبندی نہیں لکھتا تھا کیونکہ اسلام میں گروہ بندی جائز نہیں ہے بلکہ بہت بدترین گناہوں میں ایک گناہ ہے۔ یہ واقعہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان تکرار ہوگئی۔ انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصاریوں کو پکار کہ '' یاللأ نصار'' اور مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجروں کو پکارا کہ '' یاللمہاجرین'' جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ:

﴿دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ﴾

''یہ الفاظ چھوڑ دو کیونکہ یہ بدبودار الفاظ ہیں۔''

(بخاری، کتاب التفسیر، رقم الحدیث ۴۹۰۵، ۴۹۰۷، مسلم، کتاب البر والصلۃ)

آپ نے '' یاللأ نصار'' اور '' یاللمھاجرین'' کے الفاظ کو بدبودار قرار دیا حالانکہ انصار کی جماعت کتنی مقدس اور مہاجرین کی جماعت بھی کتنی مقدس۔ لیکن آنحضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر ان مقدس ناموں کو بھی فرقہ واریت کی بنیاد پر استعمال کیا جائے گا تو ان کے اندر بھی جہالت اور کفر کی بدبو آجائے گی۔ حدیث میں آپ ﷺ نے جس بو کی طرف اشارہ فرمایا، اس سے زمانہ جاہلیت کی بدبو مراد ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب قبائل آپس میں لڑتے تھے۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

رہتے تھے اور قبائلی تعصبات کا شکار تھے چنانچہ ہر آدمی اپنے قبیلے کا ساتھ دیتا تھا خواہ وہ حق پر ہوتا یا باطل پر۔

غور کیجئے کہ انصار اور مہاجرین کی جماعتیں، ایسی جماعتیں کہ ان کے فضائل میں قرآن بھرا پڑا ہے اور بلاشبہ صحابہ کے یہ دونوں طبقے ہمارے تاجدار ہیں لیکن جب یہی الفاظ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کیلئے استعمال ہونے لگے تو آپ ﷺ نے انہی کو بدبودار فرمادیا۔ اسی لئے والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' مت لکھا کرو۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اپنے نام کے ساتھ ''دیوبندی'' لکھنا چھوڑ دیا۔ اب اپنے نام کے ساتھ ''عثمانی'' لکھتا ہوں کیونکہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ ہمارا نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔

ہمارے اندر سے ''دیوبندیت'' کی خصوصیات رخصت ہورہی ہیں:

میں آج آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ہمیں دیوبند والوں کی نسبت حاصل ہے اور ہم اپنے آپ کو مسلک دیوبند کا پیروکار بھی سمجھتے ہیں لیکن رونا اس بات کا ہے اور میں یہ بات صاف کہتا ہوں کہ ہم نے اپنے مسلک دیوبند کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم خود اپنے ہاتھوں سے مسلک دیوبند کو دفن کررہے ہیں۔ مسلک دیوبند اعتدال کا نام تھا، تواضع اور انکساری کا نام تھا، درویشی کا نام تھا، علم اور تحقیق کا نام تھا، تقویٰ اور للّٰہیت کا نام تھا لیکن آج یہ باتیں ہمارے اندر سے رخصت ہورہی ہیں۔

ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا:

ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ دیوبند میں بریلویوں کے خلاف سخت کلامی ہورہی ہو

یا شیعوں کے خلاف تقریریں ہورہی ہوں۔ علمی تحقیق ضرور ہوتی تھی۔ بریلوی مسلک کی جو غلطیاں ہیں، دلائل سے ان کی نشاندہی کی جاتی تھی اور دلائل کے ساتھ حق کو ثابت کیا جاتا تھا۔ روافض اور شیعوں کی غلط کاریوں کو بھی واشگاف الفاظ میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا لیکن ہمارے بزرگوں نے ہمیں لڑائی جھگڑا نہیں سکھایا۔ چنانچہ دیوبند میں کبھی شیعہ سنی فساد نہیں ہوا۔ کبھی دیوبندی بریلوی فساد نہیں ہوا، کبھی اہلحدیث اور غیر اہلحدیث فساد نہیں ہوا۔ خود ہمارے محلے میں شیعہ رہتے تھے لیکن کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ اب شیطان نے یہ کام کیا کہ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی اور ان کو آپس میں خوب لڑوایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو کھلے اور متفق علیہ کافر تھے، انہوں نے بغلیں بجائیں اور ان کو پھلنے پھولنے کے مواقع مل گئے۔

آج ہمارا ملک اپنی آزادی کھو چکا ہے۔ وانا میں کیا ہورہا ہے! افغانستان میں کیا ہوا! اور ہماری حکومت نے جو کردار ادا کیا! وہ خون کے آنسو رلانے کے لئے کافی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا ہے کہ ہم متحد نہیں تھے۔ ہم طاقتور نہیں۔ ہم قرآن وسنت کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے اور ہم دیوبند کی تعلیمات کو چھوڑے ہوئے تھے۔

ہمارے بزرگوں نے سب کام کرکے دکھائے:

دیوبند نے ہمیں یہ سکھلایا تھا کہ اسلام صرف عقیدے اور عبادتوں کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام پوری زندگی کا دستور العمل ہے۔ جس میں ایمان سرفہرست ہے۔ عبادات بنیادی مقاصد رکھتی ہیں لیکن معاملات، معاشرت اور اخلاق ایسے ایسے زبردست میدان ہیں کہ ان کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا اور مسلمان پورا مسلمان نہیں ہوتا۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی عملی زندگی کے ذریعے یہ سب کچھ کرکے دکھایا۔ لین دین میں ان کی احتیاط، اخلاق میں دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور آدابِ معاشرت کی اعلیٰ درجے کی ایسی رعایت

کہ وہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ بن گئے تھے۔ پورے دین کو سنبھالا تھا۔ صرف ایک کسر باقی رہ گئی تھی وہ یہ کہ انگریزی تسلط کی وجہ سے اسلامی حکومت قائم نہ کر سکے اور یہ ان کی مجبوری تھی لیکن اس کے علاوہ انہوں نے باقی سب کام کر کے دکھائے۔

باہمی اختلافات میں ہمارے بزرگوں کا طرزِ عمل:

ہمارے بزرگانِ دیو بند میں اختلافات بھی ہوئے حتیٰ کہ بڑے بڑے اختلافات بھی ہوئے لیکن شدید اختلافات کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کا اتنا زیادہ احترام کرتے تھے کہ آج ہم اپنے استادوں کا بھی اتنا احترام نہیں کرتے۔

پاکستان کی تحریک چل رہی تھی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے والد ماجد اور علماء کی ایک بڑی جماعت تحریکِ قیام پاکستان میں لگ گئی تھی لیکن شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوران کے ساتھ علماء کی ایک بڑی جماعت پاکستان کے قیام کو مجموعی طور پر مسلمان کے لئے مفید نہیں سمجھتی تھی۔ بہر حال بزرگوں کی دو جماعتیں مختلف نظریوں پر کام کررہی تھیں۔ دونوں کے پاس دلائل تھے اور دونوں کا یہ اختلاف اخلاص اور للھیت کی بنیاد پر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قیام پاکستان کے حامی علماء نے دارالعلوم دیو بند میں رہتے ہوئے یہ اختلاف ظاہر نہیں کیا بلکہ وہاں سے استعفیٰ دیا اوراس کے بعد تحریک پاکستان میں لگے تا کہ دارالعلوم دیو بند کی درسگاہ کو نقصان نہ پہنچے۔ یہاں کے فتوے مختلف نہ ہوں۔ یہاں کے بیانات میں تضاد نہ ہو۔

مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قابلِ تقلید واقعہ:

علیحدگی کے بعد باہمی احترام کا معاملہ ملاحظہ فرمایئے۔ ایک روز جمعہ کی نماز

کے بعد ہمارے گھر پر ہمارے والد اور ان کے رفقاء کی مجلس مشاورت ہو رہی تھی۔ (علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب تھے یا نہیں تھے، یہ مجھے اب یاد نہیں رہا) دوران مشورہ کسی بات کے بارے میں یہ رائے آئی کہ اس سلسلے میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بات کرنی چاہیے۔ شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دارالعلوم دیوبند میں تھے اور والد صاحب کے مستعفی ہونے کے بعد دارالافتاء کا کام انہوں نے سنبھالا ہوا تھا۔ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے کے حامی تھے لیکن والد صاحب کے خاص استادوں میں سے تھے۔ ہمارے والد صاحب نے سب سے زیادہ کتابیں مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھیں۔ اب دیکھئے! استاد اور شاگرد کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود یہ طے ہوا کہ حضرت شیخ الادب صاحب سے اس مسئلے میں ملاقات کرنی چاہیے۔

ان بزرگوں نے مجھ سے کہا کہ جاکر دیکھ کر آؤ کہ حضرت تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ میں بچہ تھا، نو دس سال عمر ہوگی۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت زیادہ وقت دارالافتاء میں گذارتے ہیں۔ گھر بہت کم جاتے ہیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد کا وقت تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ حضرت اس وقت دارالافتاء میں ہوں گے۔ میں دارالافتاء گیا تو وہ بند تھا۔ مجھے یہ چاہیے تھا کہ آس پاس کے کسی آدمی سے پوچھ لیتا کہ حضرت اندر تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے یہ حماقت کی کہ دروازے پر دستک دے دی۔ حضرت آرام فرما رہے ہوں گے۔ باہر تشریف لائے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں فلاں ہوں اور مجھے ابا نے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا اچھا اور پھر دروازہ بند کرلیا۔ میں واپس چلا آیا۔ راستے میں کسی بات کی وجہ سے دیر ہوگئی تو گھر پہنچنے میں دس پندرہ منٹ لگ گئے۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ الادب صاحب وہاں موجود ہیں۔

انہیں جب یہ پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انتظار نہیں کیا بلکہ خود تشریف لائے۔ یہ تھی ان کی تواضع اور انکساری۔

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں ہی یہ بات مشہور ہے کہ ان کا معمول یہ تھا کہ جس پر نظر پڑی فوراً اُسے سلام کرتے تھے۔ کیفیت یہ تھی کہ کوئی ان سے سلام میں پہل نہیں کرسکتا تھا۔ طلبہ آپس میں شرط لگاتے تھے کہ آج ہم استاد کو سلام کرنے میں پہل کریں گے لیکن استاد اس کا موقع نہیں دیتے تھے۔ حالانکہ یہ استاد تھے اور وہ شاگرد لیکن آداب میں یہ شامل نہیں کہ بڑا یہ انتظار کرے کہ چھوٹا ہی سلام میں پہل کرے۔ دیکھئے ان کے اندر سنت پر عمل کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔

سید اصغر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلق خدا سے خیر خواہی کا عجیب نمونہ:

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک اور استاد ہیں۔ سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مادر زاد ولی اللہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے بارے میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ کئی بار سنایا کہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے بھی بٹھالیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دستر خوان سمیٹنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں سمیٹ لیتا ہوں۔ فرمایا کہ تمہیں سمیٹنا آتا ہے۔ میں نے کہا کہ سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ فرمایا: کیا کرو گے۔ میں نے کہا کہ جا کر اُسے جھاڑ آؤں گا۔ فرمایا کہ نہیں، تمہیں دستر خوان سمیٹنا نہیں آتا۔ دیکھو میں اس طرح سمیٹتا ہوں۔ یہ کہہ کر چھیچھڑے الگ کئے، ہڈیاں الگ کیں، روٹی کے بڑے ٹکڑے الگ کئے، چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ کئے اور پھر فرمایا کہ دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ وہاں سے اٹھے سامنے ایک موٹی سی دیوار تھی۔ اس پر ایک بلی بیٹھی ہوئی انتظار کر رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ جب میاں صاحب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو مجھے یہاں سے رزق ملا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے

آ گے چھیچھڑے رکھے۔ باہر ایک جگہ ہڈیاں ڈالیں۔

وہاں برابر میں ایک کتا انتظار میں تھا۔ وہ ہڈیاں لے گیا۔ روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اور چھوٹا چھوٹا کر کے چھت پر ڈالا، وہاں کبوتر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہ ٹکڑے کھائے۔ روٹی کے باریک ذرات کا بور ایک دیوار پر جا کر ڈال دیا۔ وہاں چیونٹیوں کا ایک بھٹ تھا۔ یہ بور ان کے کام آیا اور وہ جو روٹی کے بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے محلے کے غریب بچوں کے لئے ہیں۔ جب میں انہیں یہ ٹکڑے دیتا ہوں تو وہ اس سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے بسکٹوں سے اتنا خوش نہیں ہوتے۔

اب دیکھئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو ضائع نہ ہونے دیا اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی بھی کر دی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تواضع کا حیرت ناک واقعہ:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر کا مالدار آدمی آپ کا نام اور شہرت سن کر ملنے کے لئے آیا۔ دیو بند آ کر پوچھا کہ بڑے مولوی صاحب کا گھر کہاں ہے؟ لوگوں نے آپ کے گھر کا دروازہ دکھایا۔ گھر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے حضرت نکلے حالانکہ یہ آپ کے آرام کا وقت تھا۔ آپ کے جسم پر معمولی کپڑے تھے۔ وہ آپ کو پہچان نہ سکا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں بڑے مولوی صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ فرمایا کہ آئیے، آپ گرمی میں آرہے ہیں۔ ٹھنڈا پانی پلایا، کمرہ میں بٹھایا، پنکھا جھلا۔ وہ کہنے لگا مجھے بڑے مولوی صاحب سے ملوا دیجئے۔ فرمایا ہاں مل لیجئے گا۔ ابھی آپ تھکے ہوئے ہیں، معلوم ہوا کہ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا، فرمایا کہ میں کھانا لاتا ہوں۔ کھانا کھلا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ چلو اب ملا دو۔ فرمایا

کہ ملا دیں گے لیکن ابھی آرام کرلیں۔ اسے لٹا دیا اور پھر پنکھا جھلنے لگے جب وہ آرام کر چکے اور کہا اب تو ملا دو تو فرمایا کہ بڑے مولوی صاحب تو یہاں کوئی نہیں رہتے البتہ بندہِ محمود تو میں ہی ہوں۔

یہ تھی دیو بندیت، اپنے نفس کو مٹانا اور دوسروں کی خدمت کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ایک فاحشہ عورت کا اتنا خیال!:

حضرت میاں اصغر حسین صاحب کا ہی ایک اور واقعہ میں نے والد صاحب سے سنا کہ رات کو جب گھر جاتے تو گھر کے قریب ایک گلی آتی تھی۔ جب اس گلی میں پہنچتے تو جوتے نکال لیتے۔ میں نے دیکھا تو تعجب ہوا۔ جب کئی دفعہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ایک دفعہ پوچھ لیا کہ حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس گلی کے اندر ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے۔ جوانی کے زمانے میں اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے۔ اب بوڑھی ہوگئی ہے۔ اب گاہک نہیں آتے۔ وہ روزانہ بن سنور کر بیٹھتی ہے لیکن گاہک نہیں آتے۔ میں جب رات کو دیر سے یہاں سے گذرتا ہوں تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر اس کے کانوں تک میرے جوتوں کی آواز جائے گی تو اس کے دل میں یہ تمنا اور امید پیدا ہوگی کہ شاید گاہک آیا ہے۔ اور جب میں گذر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹے گا، تو بلا وجہ اللہ کی مخلوق کا دِل کیوں دکھاؤں۔

دیکھئے کہ ایک فاحشہ عورت کے ساتھ ہمارے بزرگانِ دیو بند کا یہ معاملہ ہے۔

ہم ''دیو بندیت'' کی صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں:

یہ تو چند ایک مثالیں ذکر کی ہیں۔ ورنہ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ وقت کی کمی ہے، اس لئے میں اس بات پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں کہ الحمد للہ، ہم نے

بزرگان دیو بند کی محبت دل میں سمار کھی ہے۔ بلا شبہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ہم نے ان بزرگوں کے طور طریقوں کو بھلا دیا۔ ہمارے مدرسوں کے اندر وہ طور طریقے نہیں رہے۔ نظم وضبط، تقویٰ واخلاص، تواضع وانکساری، صفائی وستھرائی، تعلیم اور عبادت میں محنت وہ جوہر ہیں جو ہمارے بزرگان دیو بند کی نمایاں صفات تھیں، لیکن آج ہم ان صفات سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ نتائج حاصل نہیں ہورہے جو دارالعلوم دیو بند سے حاصل ہوئے تھے۔

میں نے اپنے والد محترم سے بار بار سنا کہ ہمارے دینی مدارس گذشتہ تیس سال سے عقیم (بانجھ) ہوگئے ہیں یعنی یہاں سے کوئی مولوی پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب کو فوت ہوئے اب اٹھائیس سال ہوچکے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب سے تقریباً اٹھاون سال سے ہمارے دینی مدارس اس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ فرمایا کہ مولانا تو بہت پیدا ہوتے ہیں، مولوی پیدا نہیں ہوتے۔ مولوی کس کو کہتے ہیں؟ لفظ ''مولوی'' کی نسبت ''مولا'' کی طرف ہے۔ تو اس کے معنی ہیں مولا والا یعنی اللہ والا یعنی ولی اللہ۔

؎ علمِ مولا ہو جسے، ہے مولوی
جیسے حضرت مولوی ہے معنوی

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں دارالعلوم کراچی کے اندر اس تمنا پر محنت کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں سے کوئی مولوی پیدا کردے۔ اگر ایک مولوی بھی پیدا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری محنت کی قیمت وصول ہوگئی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے دادا مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مقولہ نقل کرتے تھے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیو بند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور چوکیدار تک سب صاحبِ نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔

دارالعلوم دیو بند اولیاء اللہ کا مجموعہ تھا۔ آج ہم ان بزرگان کے نام لیوا ضرور ہیں لیکن ہمارے اندر وہ صفات موجود نہیں رہیں۔ آپ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور پھر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے اندر کتنا رنگ اور کتنا اثر ان بزرگوں کا آیا ہے۔

اہلِ مدارس سے بہتر کوئی طبقہ نہیں:

اور میں عوام سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ ان مدرسوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کبریٰ سمجھئے۔ اس وقت پوری دنیا کا عالم کفر ان مدرسوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ آپ حضرات کو دینی غیرت اور حمیت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ ان مدرسوں کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں اور جو کچھ تعاون آپ ان مدرسوں کے ساتھ، ان مدرسوں کے علماء کے ساتھ اور ان مدرسوں کے طلبہ کے ساتھ کر سکتے ہوں، وہ جاری رکھیں۔ اگر چہ ہمارے مدارس میں کمزوریاں آ گئی ہیں لیکن اس وقت پوری دنیا میں جتنے طبقات دین کا کام کر رہے ہیں، میری نظر میں اس سے بہتر طبقہ اور کوئی نہیں۔

دیکھئے! تبلیغی جماعت کے حضرات الحمدللہ دین کا بہت کام کر رہے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں لیکن وہ دس روز لگائیں گے، چلہ لگائیں گے، چار مہینے لگائیں گے، سال لگائیں گے۔ پھر گھر واپس کر اپنے کام میں لگ جائیں گے۔ پھر کچھ وقفوں سے کچھ نہ کچھ وقت دیتے رہیں گے۔ مجاہدین جہاد میں جائیں گے، مہینہ، دو مہینہ، سال، دو سال جہاد میں لگائیں گے، پھر واپس آ کر اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے لیکن مدرسوں کے طلبہ اور اساتذہ کی جماعت ایسی ہے کہ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا اور ''الف ب ت'' سیکھنی شروع کی، اس وقت سے پڑھنا لکھنا انکا اوڑھنا بچھونا ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے لئے سولہ سال تک علم دین حاصل کرتے

ہیں۔ اس کے بعد اسی علم دین کے پڑھتے پڑھانے، تصنیف و تالیف اور اس کے فتویٰ میں ساری زندگی گذار دیتے ہیں۔ ان کا مہد سے لے کر لحد تک کا مشغلہ ''قال اللہ قال الرسول'' ہوتا ہے۔

اس وقت پوری روئے زمین پر کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے جو ہوش سنبھالنے سے لے کر موت تک مسلسل دین کی خدمت کے کام میں لگا ہوا ہو۔ صرف یہی طبقہ ہے جو تنگی ترشی کی زندگی گذار کر، کم تنخواہوں پر گذارا کر کے اور تنگ و تاریک حجروں میں انہوں نے دین کی شمع کی حفاظت کی ہے، انگریز کے دور استبداد میں بھی اور ابھی بھی مسلسل دین کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔

پورے دین پر عمل کرنا ضروری ہے:

اور ایک بات میں اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو ٹھیک کیا۔ مدرسوں کو معاشرت، اخلاق، معاملات، اخلاص اور للّٰہیت میں دین کی بنیاد پر رکھا تو انشاء اللہ کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکے گا، پوری دنیا الٹی لٹک جائے گی، تب بھی کوئی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ارشاد باری ہے:

﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾ (سورۃ محمد: ۷)

''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

اور ''دین کی مدد کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ پورے دین کی مدد کی جائے۔ صرف یہ نہیں کہ کلمہ پڑھ کر اور نمازیں ادا کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہمیں جنت کا ٹکٹ مل گیا۔ اسلام زندگی کے پورے دستور العمل کا نام ہے۔ جس میں معاملات، معاشرت اور اخلاق بھی داخل ہیں۔ ہم نے صرف عبادات کی حد تک تو دین کو اپنایا ہے، زندگی کے دیگر

شعبوں میں دین کو چھوڑ رکھا ہے۔

یاد رکھئے کہ صرف عبادات پر دنیا میں اقتدار ملنے کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ پورے دین پر عمل کرنے پر اقتدار کا وعدہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (سورہ نور: ۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کئے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا۔''

''عملوا الصالحات'' اس وقت ہوگا جب عبادات کے ساتھ ساتھ ہماری تجارت بھی شریعت کے مطابق ہو اور ملازمت بھی، مزدوری بھی شریعت کے مطابق ہو اور شرکت بھی، زراعت اور کاشتکاری بھی شریعت کے مطابق ہو اور حکومت اور سیاست بھی، عدالت بھی شریعت کے مطابق ہو اور باطنی اخلاق بھی، جب یہ سب چیزیں شریعت کے مطابق ہوں گی تو اقتدار ہمارے ہاتھ میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور بزرگانِ دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدلله رب العالمین○

دینی تعلیم اور عصبیّت

موضوع:	دینی تعلیم اور عصبیت
خطاب:	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام:	مدرسہ ریاض العلوم حیدرآباد
باہتمام:	محمد ناظم اشرف

﴿دینی تعلیم اور عصبیت﴾

خطبہ مسنونہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمِنُ بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا مَن یھدہِ اللّٰہ فلا مُضِلَّ لہٗ وَمَنْ یُضللہُ فلا ھَادِیَ لہٗ ونشھد أن لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و نشھد أنّ سیدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلِہٖ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً○

امابعد

فاعوذباللہ من الشطین الرجیم ط بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ط

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اد بعث فیھم رسولا من

انفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلالٍ مبين ○ (آل عمران:۱٦۴)

بزرگان محترم، حضرات علمائے کرام، محترم اساتذہ اور عزیز طلبہ!

حیدر آباد میں میری حاضری اس مرتبہ سالہا سال کے بعد ہوئی ہے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اور لڑکپن کے زمانہ میں بارہا یہاں حاضری ہوئی۔ اس کے بعد آنا کم ہوا۔ بعض مرتبہ تو رات کو آیا اور رات ہی کو واپس چلا گیا۔

۴۸ء میں ہم نے پہلی بار اس حیدر آباد کو دیکھا جب ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تو پاکستان میں ہماری سب سے پہلی منزل یہی حیدر آباد تھی، یہاں ایک رات گذاری اور اس کے بعد کراچی جانا ہوا۔

حیدر آباد سندھ سے قلبی تعلق

حیدر آباد سے ذہنی وقلبی وابستگی تو اور بھی پہلے سے تھی، پاکستان بننے سے پہلے جب تحریک پاکستان پورے عروج پر تھی تو یہاں کے بعض علماء کرام اور مشائخ عظام نے جمعیت علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس یہاں منعقد کی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام سے مراد وہ جمعیت ہے جس کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے پہلے قائم کیا تھا اور اس کا سب سے پہلا مقصد پاکستان کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا تھا، چنانچہ اس جمعیت علمائے اسلام کی اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے شیخ الاسلام مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا اور انہی کی زیر صدارت یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی، لیکن ان کی علالت کے باعث

انہوں نے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر یہاں بھیجا اور والد صاحبؒ کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی یہ پاکستان بننے سے چھ ماہ قبل جنوری ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے۔

یہاں جو خطبہ صدارت والد ماجدؒ نے دیا تھا، بعد میں وہ کتابی شکل میں شائع ہوا، یہ خطبہ سیاسی مسائل پر دینی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ بہرحال اس وقت سے حیدر آباد سے ذہنی و قلبی وابستگی تھی وہ ہمارے بچپن کا دور تھا اور اس وقت ہم دیو بند میں مقیم تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۴۸ء میں یہاں آئے تو اس وقت کچھ مقامی مشائخ اور علمائے کرام موجود تھے، جو یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے، اس کے بعد وقتاً فوقتاً جب کبھی یہاں آنا ہوا اور جب بھی حیدر آباد کے حالات اخبارات میں پڑھے یا لوگوں سے سنے، ایک کسک، ایک خلاء بڑی شدت سے محسوس ہوا۔ اور اس خلا کو محسوس کرتے کرتے ۴۸ء سے لیکر اب یہ ۸۸ء شروع ہونیوالا ہے تقریباً ۴۰ سال کے اس پورے عرصہ میں وہ خلا بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا۔ قبل اس کے کہ میں اس خلا کا ذکر کروں، ایک بات اور ذکر کروں۔

قیام پاکستان اور مدارس عربیہ

جب پاکستان قائم ہوا تو برصغیر میں جتنے بڑے بڑے مدارس اور علوم کے مراکز تھے اور جو بڑی اہم علمی شخصیتیں تھیں، وہ تقریباً تمام ہی ہندوستان میں رہ گئیں۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر مدرسہ یا مرکزی نوعیت کی کوئی دینی درسگاہ موجود نہیں تھی، بالکل اسی طرح جب پاکستان بنا ہے تو تمام صنعتی کارخانے ہندوستان میں رہ گئے تھے، یہاں کارخانے نہیں تھے۔ ہر چیز میں ہم دوسرے ممالک کے محتاج تھے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ مذاق اڑاتے تھے کہ ننگا پاکستان ہے، بھوکا پاکستان ہے لیکن جس طریقے سے کارخانوں کی کمی کو اللہ جل شانہ نے پورا کیا اور صنعتی ترقی پاکستان نے کی، اور وہ خلا پر ہوا،

جو قیام پاکستان کے وقت صنعتی میدان میں موجود تھا، اسی طریقہ سے ایک خلا دینی حلقوں میں تھا، یہاں کوئی بڑا مدرسہ قابل ذکر موجود نہیں تھا۔ کراچی میں ایک پرانا مدرسہ تھا، مظہر العلوم کھڈہ، پورے پاکستان کی ضرورتوں کے لئے وہ کافی نہ تھا، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے اکابر علماء نے بڑے بڑے مدرسوں کی بنیادیں رکھیں اور بحمد اللہ مدارس قائم ہوتے چلے گئے۔

لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خیر المدارس قائم فرمایا۔ کراچی میں میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کراچی قائم کیا۔ ٹنڈو الہیار میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اتنے مدرسے ہو گئے کہ الحمد للہ اب مدرسوں کی تعداد میں کوئی کمی ملک میں نظر نہیں آتی۔ کراچی میں تو اب یہ حال ہے کہ محلّہ محلّہ میں مدرسہ ہے بلکہ میں کہتا ہوں اور اپنے والد ماجدؒ سے سنا تھا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کراچی میں درس نظامی کے مدرسے اتنی تعداد میں ہو گئے ہیں کہ اتنی ضرورت وہاں نہیں تھی۔

بلکہ زیادہ تعداد سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ ہر مدرسہ کے الگ مصارف ہیں۔ ایک مدرسہ میں تین طالب علم لئے بیٹھے ہیں۔ بعض اساتذہ ان کے لئے چندہ کرتے پھر رہے ہیں، دوسرے مدرسہ میں پانچ طالب علم بیٹھے ہیں ان کے لئے چندہ ہو رہا ہے، عمارتیں بن رہی ہیں، کراچی میں تو مدرسوں کی یہ افراط ہے، پنجاب اور صوبہ سرحد میں بھی آپ جائیں گے تو چھوٹے چھوٹے شہروں میں دو دو تین تین مدرسے آپ کو ملیں گے، بحمد اللہ بڑے بڑے مدرسے بھی ہیں۔

لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس کا کیا سبب ہے کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا جو خلا ۴۸ء میں تھا وہ آج تک اسی طرح ہے، یہاں کوئی ایسا تعلیمی اور تربیتی ادارہ وجود میں

نہیں آسکا جو اس شہر کی اور اس کے متعلقات کی دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے ابھی تک کوئی قابل ذکر دارالافتاء بھی یہاں میرے علم میں نہیں ہے۔

اور علماء پیدا ہوتے ہیں مدرسوں سے، جب یہاں مدرسہ نہیں ہوگا تو علماء کیسے پیدا ہوں گے؟ تو ۴۸ء سے یہ ایک کسک محسوس ہوتی ہے اور ایک خلا نظر آتا ہے حیدر آباد میں، یہ بہت بڑی کمی ہے اور خطرناک کمی ہے۔

دین اسلام اور علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارا دین جو تاجدار عالم سرور کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا، اس کی بنیاد علم پر ہے، اگر اس میں سے علم نکال دیا جائے تو دین ختم ہو جائے۔ اس دین کا مدار علم پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصبی قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں وہ چار ہیں، وہ فرائض اسی آیت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں جو میں نے ابھی عربی خطبہ میں پڑھی ہے۔

لقدمن اللّٰہ علی المؤمنین الخ اس آیت میں آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان فرمائے گئے ہیں: پہلا یہ کہ یتلوا علیھم آیاتہ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائیں تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کو صحیح طریقہ سے پڑھ سکیں اور اللہ کا پیغام پہنچ جائے۔ دوسرا ویــــزکیھــــم اور ان کے اخلاق کا تزکیہ کریں یعنی لوگوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح فرمائیں۔ ویعلمھم الکتب والحکمۃ اور لوگوں کو قرآن کی اور حکمت کی تعلیم دیں، ان چار مقاصد میں آپ دیکھئے کہ بنیادی طور پر دو باتیں ہیں ایک تعلیم قرآن وسنت دوسرے تربیت یعنی علم کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا خلاصہ دو کام ہیں تعلیم اور تربیت انہی دو کاموں کو آپ نے ۲۳ سال تک متواتر انجام دیا، معلوم ہوا کہ دین کی بنیاد علم

پر ہے اور اس کا اندازہ ایک تو اسی بات سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کا سب سے پہلا معلم اور استاد بنا کر بھیجا گیا، دوسرے آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ وہ سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یعنی سب سے پہلی آیت جو غارحرا میں جبریل امینؑ لے کر آئے وہ آیت اقرأ کے لفظ سے شروع ہو رہی ہے۔

اقرأباسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم۔ یہ آیات ہیں جو سب سے پہلے غارحرا میں نازل ہوئیں ان آیات میں جو سب سے پہلا حکم ہے وہ اقرأ یعنی پڑھئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امینؑ اللہ جل شانہ کا پیغام دے رہے ہیں کہ پڑھئے: اقرأ باسم ربک الذی خلق یعنی پڑھئے اس ذات کے نام سے کہ جس نے پیدا کیا۔ خلق الانسان من علق اس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اقرأ وربک الاکرم دیکھئے دوبارہ حکم آیا۔ کہ آپ پڑھئے آپ کا پروردگار بہت کرم والا ہے علم بالقلم جس نے انسان کو تعلیم دی ہے قلم کے ذریعہ دیکھئے تعلیم کا بھی ذکر آرہا ہے اور قلم کا بھی ذکر آرہا ہے۔ علم الانسان مالم یعلم انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جو پہلے وہ نہیں جانتا تھا۔

تو سب سے پہلی آیت اور سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ پڑھئے۔ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی ہے، ترتیب قرآن کے اعتبار سے تو یہ آیت سب سے پہلی نہیں، لوح محفوظ میں قرآن کریم جس ترتیب سے لکھا ہوا ہے، اسی ترتیب سے یہ قرآن مرتب ہوا ہے اور لوح محفوظ کی اسی ترتیب کے مطابق آج بحمد اللہ ہمارے مصاحف اور سینوں میں محفوظ ہے لیکن اس کا نزول لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ مختلف حالات اور ضرورتوں کے مطابق متفرق طور پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ نزول کے اعتبار سے سب سے پہلے آیت اقرأباسم ربک الذی خلق الخ ہے۔

اور قرآن مجید کی جو ترتیب ہمارے مصاحف میں ہے اور جو لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق ہے اس ترتیب میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے اور اس کے بعد سورہ بقرہ ہے۔ سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا دیباچہ اور مقدمہ ہے قرآن کریم کا مفصل متن سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ سے شروع ہو رہا ہے جس کی سب سے پہلی آیت الٓمٓ ذالک الکتب الخ ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتاب کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے۔ وہاں سب سے پہلی وحی میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ قلم کا ذکر ہے تعلیم کا ذکر ہے اور یہاں سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت میں کتاب کا ذکر ہے۔

مزید دیکھئے کہ قرآن مجید کا نام ہے۔ ''القرآن'' یعنی وہ چیز جس کو پڑھا جائے۔ اور دوسرا نام ہے ''الکتاب'' یعنی وہ چیز جو لکھی جائے تو یہ دین لکھنے پڑھنے کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳ سالہ دور میں یہی کام کیا ہے کہ آپ نے قرآن پڑھایا اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، یہی حاصل ہے تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ کا۔

مزید اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو عام کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر جو حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ ہے اس میں کفار کے بڑے بڑے سردار قتل کئے گئے۔ اور ۷۰ بڑی شخصیتیں گرفتار ہوئیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں فتح مبین عطا فرمائی، قیدیوں کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ایک رائے یہ ہوئی کہ فدیہ اور مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو مالی منفعت حاصل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ کفار مکہ مال دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قیدیوں میں سے جو لوگ لکھنا جانتے ہیں ان کا فدیہ ہم مال

وودولت کی صورت میں نہیں لیں گے۔ بلکہ ہر قیدی جو لکھنا جانتا ہے وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا سکھادے اس کی جان بخشی ہو جائے گی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لکھنا سکھانے کا اہتمام فرمایا۔

درسگاہِ صُفّہ

ہجرت مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اس میں ایک صفہ تھا۔ یہ صفہ اسلام کی سب سے پہلی درسگاہ اور سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اس کے اندر چار سو کے قریب طلبہ صحابہ کرامؓ زیر تعلیم رہے ہیں اور ایک ایک وقت میں تقریباً اسی طالب علم رہے، انہیں میں سے ایک ہونہار طالب علم حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵۳۷۴ حدیثیں یاد کر کے امت تک پہنچائیں۔

یہ صفہ کیا تھا؟ یہ مسجد نبوی کے ساتھ ایک چبوترہ تھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے، خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے استاد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے پہلے شاگرد صحابہ کرامؓ ہیں اور سب سے پہلا مدرسہ صفہ ہے۔

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ دین علم کے بغیر نہیں آسکتا، دین موقوف ہے علم پر، علم کے بغیر نہ انسان کا عقیدہ درست ہو سکتا ہے، نہ عمل کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ فرائض ادا ہو سکتے ہیں، نہ حرام سے بچا جا سکتا ہے۔

فضائلِ علم

وجہ اس کی یہ ہے کہ نجات موقوف ہے عقیدہ اور عمل پر یعنی ایمان اور عمل پر، اور ایمان و عمل موقوف ہے علم پر۔ تو نجات موقوف ہے علم پر، اس واسطے یہ دین علم کا دین ہے، لکھنے پڑھنے کا دین ہے چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی کتنی ہی احادیث میں علم کے اور علماء کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **تَدارُسُ العلم سَاعَةً مِنَ اللَّيْل خَيْرٌ مِنْ اِحيَاءِ هَا** یعنی ایک رات کے گھنٹہ میں علم کا تدارس کرنا، مذاکرہ کرنا، علم میں مشغول رہنا یہ بہتر ہے پوری رات کی عبادت سے، یعنی ایک شخص جو پوری رات کھڑے ہوکر تہجد پڑھتا ہے یہ بھی بہت بڑی فضیلت اور عبادت ہے۔ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن فرمایا کہ دوسرا شخص جو ایک گھنٹہ علم میں مشغول رہتا ہے، پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اس شخص سے جو پوری رات عبادت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ ایک وہ شخص جو فرائض وواجبات ادا کرتا ہے اور حرام وگناہ سے بچتا ہے، نفلی عبادت زیادہ نہیں کرتا، مگر عالم ہے، دوسرا عالم تو نہیں، لیکن بہت عبادت گذار ہے، صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ان میں سے افضل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو علم والا ہے۔

نیز آپ نے بھی فرمایا **فَضْلُ العَالِم عَلَى العَابِدِ كَفَضْلِي عَلٰى ادنكُمْ**۔ فضیلت عالم کو عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ صحابی پر، یعنی جو فرق ایک ادنیٰ صحابی اور مجھ میں ہے وہی فرق ایک عابد اور عالم میں ہے تو یہ دین علم کا دین ہے اس میں کمال علم کے بغیر نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُل مُسْلِمٍ** یعنی علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم دین فرض عین اور فرض کفایہ

علم دین بہت سے علوم پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت اس پر قادر نہیں کہ ان سب علوم کو پورا حاصل کر سکے، اس لئے مذکورہ حدیث شریف میں جو علم ہر

مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے مراد علم دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی نہ اپنے عقائد صحیح کرسکتا ہے نہ فرائض وواجبات ادا کرسکتا ہے اور نہ حرام وناجائز کاموں سے بچ سکتا ہے۔ باقی علوم کی تفصیلات یعنی قرآن وحدیث کے تمام معارف ومسائل اور ان سے نکالے ہوئے احکام کی پوری تفصیل کا علم حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کی قدرت میں ہے نہ ہر ایک پر فرض عین ہے، البتہ پورے عالم اسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی ہر شہر میں ایک عالم دین ان تمام علوم دین کا ماہر موجود ہوتو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں، اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم دین نہ ہوتو اس بستی والوں پر فرض ہے کہ اپنے میں سے کسی کو عالم بنائیں یا باہر سے کسی عالم کو بلا کر اپنے شہر میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لے کر سمجھ سکیں اور عمل کرسکیں، اسلئے علم دین میں ''فرض عین'' اور ''فرض کفایہ'' کی تفصیل یہ ہے:۔

فرض عین اور فرض کفایہ کی تفصیل

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے اور طہارت وناپاکی کے احکام سیکھے، نماز، روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے ہر مسلمان پر فرض یا واجب کی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جس کو حج کرنے کی قدرت ہے، اس پر فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو خرید وفروخت کرنا پڑے یا تجارت وصنعت یا مزدوری کے کام کرنے پڑیں۔ اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ کے مسائل واحکام معلوم کرے۔ جب نکاح کرے تو نکاح کے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل سیکھے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا

علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

علم تصوف کا ضروری حصہ بھی فرض عین ہے

دین کے ظاہری اعمال جو ہم اپنی زبان سے انجام دیتے ہیں یا جسم کے باقی ظاہری اعضاء و جوارح سے انجام دیتے ہیں مثلاً نماز، روزے وغیرہ کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں اور ان کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ باطنی اعمال جو اپنے دل سے انجام دیتے ہیں اور جو ہر شخص پر فرض عین ہیں ان کا علم بھی سب پر فرض عین ہے۔

اعمال باطنہ کے علم ہی کو تصوف کہتے ہیں، آجکل جس کو ''علم تصوف'' کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم و معارف اور مکاشفات واردات کا مجموعہ بن گیا ہے، اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض وواجب کی تفصیل ہے مثلاً صحیح عقائد جن کا تعلق باطن سے ہے یا صبر وشکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض عین ہیں۔ ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے یا غرور وتکبر، حسد وبغض، بخل وحرصِ دنیا وغیرہ جواز روئے قرآن وسنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہے جو فرض عین ہے۔

پورے قرآن کریم کے معانی ومسائل کو سمجھنا اور تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں، ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ

سے علم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے ورنہ اس بستی کے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ ہر بستی کے لوگوں پر لازم ہے کہ کم ازکم ایک ایسا عالم دین اپنی بستی میں تیار کریں، جو اس بستی کی علمی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے اگر ایسا عالم تیار نہیں کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ حیدر آباد میں مدرسوں کا فقدان ہے۔ الحمد اللہ یہاں بعض مدرسے قائم ہوئے ہیں لیکن ابھی یہاں کی ضرورت کما حقہ پوری نہیں ہوئی۔

ریاض العلوم کی سرپرستی

مجھ سے میرے عزیزوں نے محبت اور تعلق کی بناء پر فرمایا ہے کہ ہم آپ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کرتے ہیں قبول کرلو۔ سرپرست کیا، میں تو ایک طالب علم ہوں، اللہ جل شانہ میرا شمار طالب علموں میں فرمادے تو اس سے بڑا کیا مرتبہ ہے، میں تو طالب علموں کا خادم ہوں سرپرست ہونے کا تو کیا اہل ہوتا لیکن میں نے اس امید پر اس مدرسہ کے ساتھ اس تعلق کو غنیمت سمجھا کہ ممکن ہے اس کے ذریعے سے ہمیں کچھ موقع مل سکے اور اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کو توجہ دلاسکیں کہ حیدر آباد کے اندر اتنا بڑا خلا ہے جس کو پُر کرنا ضروری ہے اس کے لئے کچھ سوچیں۔

یہ جامعہ عربیہ ریاض العلوم مجھے معلوم ہے کہ ابھی اس میں بالکل ابتدائی درجہ کی تعلیم ہے۔ قرآن کریم حفظ وناظرہ کی تعلیم ہورہی ہے اور درسگاہ دینیات میں ابتدائی کتابیں عربی زبان کی اور صرف ونحو کی پڑھائی جاتی ہیں۔ مجھے اس مدرسہ کے منتظمین سے رابطہ کا تعلق اور قلبی تعلق تو پہلے سے تھا لیکن ضابطہ کے تعلق کو میں نے اپنے لئے اس لئے غنیمت سمجھا کہ شاید اس جامعہ کو جو اس وقت ایک چھوٹا سا مکتب ہے اللہ تعالیٰ واقعی جامعہ

بنادے اور اس جامعہ کے خدام کی فہرست جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو تو اس سیاہ کار کا نام بھی اس فہرست کے آخر میں کسی گوشہ میں لکھا ہوا مل جائے جو میرے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

یہ مکتب ہے مگر اس کا نام جامعہ ہے۔ عربی زبان میں جامعہ یونیورسٹی کو کہتے ہیں۔ کہاں یونیورسٹی کہاں پرائمری اسکول، پرائمری اسکول کا نام اگر یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ممکن ہی اس ابتدائی مدرسہ کا نام ''جامعہ'' دیکھ کر بعض حضرات ہنستے ہوں، لیکن میں تو اس کی یہ تاویل کرتا ہوں کہ جب طالب علم پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کو ''مولوی'' کہتے ہیں۔ نام نہیں لیتے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ مولوی بن گیا ہے بلکہ یہ ہوتی ہے کہ آئندہ مولوی بننے والا ہے۔ یہ مدرسہ بھی ابھی جامعہ نہیں ہے زبانوں پر جامعہ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں ڈالا ہے۔ کوئی عجب نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو واقعی جامعہ بنادے اور بڑا دار العلوم بن جائے۔

نیشنلزم کا بُت

مجھے آپ سے جو بات کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اس حیدرآباد میں بدعات کا بہت زور ہو رہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، اتنی شدت سے بدعتیں پھیل رہی ہیں، جس کا اندازہ آپ حضرات کو مجھ سے بدر جہا زیادہ ہوگا، میں تو کراچی میں رہتا ہوں، لیکن وہاں بیٹھ کر حیدرآباد کے حالات پڑھ کر اور سن کر کڑھتا رہتا ہوں، یہ تو بدعتیں ہیں جو حرام ہیں مگر کفر نہیں۔

لیکن ایک اور بت اور اس کے ماتحت بہت سارے بت تراش لئے گئے ہیں۔ کراچی میں بھی اور حیدرآباد میں بھی اور کوشش یہ ہے کہ ان کی پوجا پاکستان کے تمام علاقوں میں شروع ہو جائے حیدرآباد اور کراچی میں تو ان کی پوجا شروع ہوگئی ہے۔

ایک بڑا خطرناک بت تراشا گیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں۔ اس طرح وہ کئی بت بن جاتے ہیں۔ یہ وہ بت ہے جس کو تاجدار دو عالم سرور کونین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پاش پاش کیا تھا۔ اس بت کو چکنا چور کیا تھا الحمدللہ کراچی میں علماء اس بت کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ یہاں حیدر آباد میں اس بت کے خلاف موثر کاروائی شروع نہیں ہوئی اور وہ بت ہے قومی عصبیت کا بُت، قومیت کا بُت، کہیں مہاجر قومیت کے اور کہیں پنجابی قومیت کے نعرے اٹھ رہے ہیں، کہیں سندھی قومیت اور کہیں پختون قومیت کے نعرے لگ رہے ہیں یہ نیشنلزم ہے یہ قومیت کا مذہب ہے، قومیت کا دین ہے، اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس نیشنلزم کا حاصل یہ ہے کہ پنجابی پنجابی کا بھائی ہے، مہاجر کا بھائی نہیں، پختون پختون کا بھائی ہے سندھی کا بھائی نہیں، سندھی سندھی کا بھائی ہے بلوچ کا بھائی نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم اور ایک علاقہ کے لوگ آپس میں حق پر ہوں یا باطل پر ایک دوسرے کی ہر صورت میں مدد کریں گے اور دوسری قوم کی ہر صورت میں مخالفت کریں گے یہ حاصل ہے اس نیشنلزم کا اور قومیت کے بت کا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ وطنی قومیت، صوبائی قومیت، لسانی قومیت، نسلی قومیت، قبائلی قومیت یہ تمام بت ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے کچلا تھا۔ اگر اسلام میں وطنی قومیت کی کوئی بنیاد ہوتی تو قرآن یہ اعلان نہ کرتا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ یعنی دنیا کے تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، قرآن نے پوری دنیا کے اندر صرف دو قومیں بتلائی ہیں، مومن اور کافر تیسری کوئی قوم نہیں قرآن کریم میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ﴾

(التغابن)

''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ کافر ہیں اور کچھ لوگ مومن ہیں''۔

اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الکفر کُلُّہٗ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ کفر پورا کا پورا ایک ملت ہے چاہے وہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں، ہندو ہوں، مجوسی ہوں، مشرک ہوں، بدھ مت کے لوگ ہوں کیمونسٹ ہوں، سوشلسٹ ہوں، یہ سب کے سب ایک ملت ہیں ان کی آپس میں کتنی ہی رقابتیں ہوں لیکن وہ اسلام کے مقابلہ میں ایک ہی ملت ہیں اور پوری دنیا کی تمام اقوام کے مقابلہ میں اسلام ایک ملت ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ملت دین کی بنیاد پر بنتی ہے جو کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللّٰہ کا قائل ہو وہ مومن ہے مسلمان ہے اور جو اس کلمہ کا منکر ہے وہ کافر ہے مشرک ہے اور جہنمی ہے اسلام اور مسلمان کا وہ دوست نہیں ہوسکتا، پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰیٓ اَوْلِیَآءَ. اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ ان سے دوستی کرنا بھی ناجائز ہے، لوگ مسئلہ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کسی کافر کے ساتھ کھانا کھانا پڑ جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں جائز ہے پانی پینا پڑجائے تو جائز ہے۔ خرید وفروخت کرنی پڑجائے، شراکت ومضاربت کرنی پڑجائے جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں، جب دوستی جائز نہیں تو بھائی بنانا کیسے جائز ہو جائے گا؟

پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا کہ کانگریس نے نعرہ لگایا تھا، ''ہندو مسلم بھائی بھائی''

مسلم لیگ نے اور علماء کرام نے نعرہ لگایا ''مسلم مسلم بھائی بھائی'' ہندو مسلم بھائی بھائی نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے یہ پاکستان الگ بنا تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے ہندو الگ قوم ہے ہندو کا وطن الگ ہوگا ہمارا وطن الگ ہوگا، یہی وہ دو قومی نظریہ ہے جس کو نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے اور اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔

انتباہ

یاد رکھیئے کہ یہ پاکستان باقی رہے گا تو اسی نظریہ کی بنیاد پر باقی رہے گا اس نظریہ کو اس ملک سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ پاکستان ختم ہو جائے گا لیکن پاکستان کے دشمنوں نے، اسلام کے دشمنوں نے قومیت کے بت تراشے ہیں۔ مہاجر قومیت کا بت، پختون قومیت کا بت، ایک سندھی قومیت کا بت، پنجابی قومیت کا بت، بلوچ قومیت کا بت، یہ تمام بت ہیں اور یہ دعوت دی جا رہی ہے کہ مہاجر اس بت کی پوجا کریں، پنجابی اس بت کی پوجا کریں۔ پختون اس بت کی پوجا کریں اور بلوچ اس بت کی پوجا کریں اور پرانے سندھی اس بت کی پوجا کریں۔

لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّد رسول اللّٰہ کا کلمہ پڑھنے والوں کی غیرت کو کیا ہوا ہے اس مشرکانہ دعوت کو کیوں نہیں ان کے منہ پر مار دیا جاتا، کیوں اس کے خلاف تبلیغ نہیں کی جاتی۔ یہ مشرکانہ نعرہ ہے، کافرانہ نعرہ ہے۔ اسلام کی بنیادوں کے خلاف ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نعرہ کے نتیجہ میں ملک کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ کے حیدرآباد کی معاشی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی کراچی تباہی کے کنارہ پہنچ چکا ہے۔ یاد رکھئے کراچی ایک ایسا شہر ہے جو پورے ملک کی شہ رگ ہے، دشمن نے اس کراچی کو اپنا نشانہ بنایا ہے تاکہ قومیت کے فسادات ہوں۔ پیش نظریہ ہے کہ کراچی کو تباہ کریں تاکہ پاکستان تباہ ہوئے۔

پاکستان اہل اسلام کی پناہ گاہ

یہ پاکستان ہم پر اللہ رب العالمین کی عظیم نعمت ہے۔ ہندوستان میں جن مسلمانوں پر مظالم ٹوٹے تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ برما کے مسلمانوں پر سوشلسٹوں نے مظالم ڈھائے ان کو پناہ پاکستان میں ملی۔ بنگلہ دیش میں مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے تو وہاں کے بہاری بھائیوں کو پناہ پاکستان میں ملی۔ افغانستان میں مسلمانوں پر قیامت توڑی گئی تو ان کو پناہ پاکستان میں ملی، ایران میں اب سنیوں پر مظالم ہورہے ہیں تو ان کو پناہ پاکستان میں مل رہی ہے۔

لیکن پاکستانیو! تم یہ بھی سوچو کہ اگر خدانخواستہ اس پاکستان کو کچھ ہوگیا تو تمہیں پناہ کون دیگا؟ کہاں پناہ لوگے؟ تمہارے پاس سوائے سمندر کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیا سعودی عرب تمہیں پناہ دے گا؟ وہاں تم ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہ سکتے۔ یہاں سے جانیوالوں کو اس کا تجربہ ہے کسی بھی اسلامی ملک میں تمہیں ایک گھنٹہ بھی بغیر ویزے کے نہیں رہنے دیں گے کیا ان میں سے کوئی پناہ دے گا کہ یہاں آجاؤ اور رہنے لگو۔ خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہوگیا تو سوائے سمندر میں ڈوبنے کے کوئی راستہ نہیں ملے گا۔

دشمن اس حقیقت سے واقف ہے جو ہمارا بھی دشمن ہے پاکستان کا بھی دشمن ہے دین اور اسلام کا بھی دشمن ہے اس نے ہمارے اندر قومیت کے یہ بت تر شوا دیئے ہیں، لیڈروں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے لوگوں کو اس دھندے میں لگادیا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنے عرصہ قبل یہ بات کہی تھی، عصبیت اور قومیت کے بارے میں کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ ملت کا کفن ہے

اسلامی اخوت ومحبت

یاد رکھئے اس فتنہ کا مقابلہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کسی جماعت سے ہماری دشمنی نہیں، کسی شخصیت سے ہمیں عناد نہیں، ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے تمام مسلمان ہمارے بھائی ہیں، اگر کسی سندھی مسلمان کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں بے چین ہو جانا چاہیے، پنجابی یا پختون بھائی پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو ہماری رگ حمیت پھڑک جانی چاہئے کہ ایک مسلمان پر ظلم ہو رہا ہے، بھائی پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگر مہاجر کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں اس کی مدد کے لئے دوڑنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ تَعَاوَنوا عَلَی البِرِ وَالتَّقوىٰ ولا تَعَاوَنوا عَلَى الاِثمِ والعُدوان ۔ نیکی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور ظلم وگناہ میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو، قرآن کریم نے دنیا کے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا کر نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے، کسی بھی علاقے اور کسی بھی نسل کا مسلمان ہو وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے نیک کاموں میں ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے اُسے ظلم سے بچانا ہمارا فرض ہے ہاں ناجائز کاموں میں یا ظلم میں کسی کی بھی مدد کرنا خواہ وہ ہمارا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار ہو حرام ہے لیکن یہ قومیت کا بت جسے نیشنلزم کہا جاتا ہے وہ اپنے پجاریوں کو یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہم وطن کی اور اپنی زبان بولنے والے کی ظلم میں بھی مدد کرو، دوسرے علاقوں کے لوگوں سے نفرت کرو اور ان پر جو بھی ظلم ڈھایا جائے وہ روا ہے۔

کراچی میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں تمام علاقوں کے مسلمان ہمیشہ پیار سے رہتے تھے۔ ہمیشہ شیر وشکر رہے ہیں، ہمارے دشمن نے یہ کام کیا کہ ہمیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا، جب جھگڑا کسی محلّہ میں ہو اور وہاں مثلاً کسی مہاجر کے مکان کو

کسی ظالم نے آگ لگادی۔ یہ اُس ظالم نے بہت بڑا ظلم کیا، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اپنے لئے جہنم کی آگ تیار کرلی، لیکن کیا اس کا انتقام کسی اور بے گناہ پنجابی بھائی سے یا پختون بھائی سے لینا جائز ہوگا؟ جس نے کسی پر ظلم نہیں کیا، اور نہ وہ اس ظلم کو درست سمجھتا ہے، بے چارہ بے گناہ ہے اسی طرح اگر کسی محلہ میں ہمارے پختون بھائی یا پنجابی بھائی پر ظلم ہوا تو کیا دوسرے محلے کے کسی بے گناہ مہاجر بھائی سے اس کا انتقام لینا جائز ہوگا؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک ادنیٰ سمجھ والا مسلمان یہ بتائے کہ یہ جائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ آپ بھی یہی کہیں گے کہ ناجائز ہے حرام ہے، جس نے مکان جلایا ظالم وہ ہے، اس کو پکڑو، اس علاقہ کا دوسرا مسلمان بھائی یہاں رہتا ہے اس نے تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا، اس کو پکڑنا تمہیں کیسے جائز ہے؟ لیکن یہ قومیت کا بت کہتا ہے اپنی قوم کے آدمیوں کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظلم کررہے ہوں تب بھی مدد کرو۔

اگر ہم اپنے بھائی کو اپنی برادری کے، اپنے قبیلہ کے، اپنے وطن کے آدمی کو ظلم کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور اس کو ظلم نہ کرنے دیں، اس لئے کہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوجائے گا اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہوجائے گا۔ مسلمان کی جان و مال اور آبرو کی بڑی قیمت ہے اللہ جل شانہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اس کے بارے میں حدیث میں فرمایا کہ اس کی حرمت ایسی ہے جیسی حرمِ مکہ کی حرمت۔

آج اس قومیت کے بت نے ہمیں پاش پاش کرڈالا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹیوں کے ساتھ ڈنڈا بازی شروع کردیں، لڑائی جھگڑا شروع کردیں کہ اس سے ایک نیا جھگڑا کھڑا ہوجائے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کو گالی گلوچ شروع کردی جائے اور ان کے خلاف بیان بازی کا بازار گرم کردیا جائے نہیں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ لوگوں کے اندر اسلامی بھائی چارے کے جذبات کو زندہ کیجئے اسلامی اخوت اور برادری کی تعلیم دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد دلایئے۔

آپ ان کو بتایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ کے رہنے والے تھے، ان کی لڑائیاں کن سے ہوئیں؟ اپنے وطن کے لوگوں سے، مکہ مکرمہ کے کافروں سے، دیکھئے قوم تو ایک ہی ہے قریشی تھے، مکی تھے۔ ایک علاقہ اور ایک زبان کے تھے، ایک قبیلہ اور ایک معاشرت کے لوگ تھے لیکن جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول نہیں کیا۔ وہ دشمن سے بدتر ہو گئے اور جنہوں نے کلمہ توحید کو قبول کر لیا۔ وہ بھائی بن گئے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن کو چھوڑ کر مہاجر بنے، مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہاں کن کو بھائی بنایا؟ انصاریوں کو، وہ آپ کے وطن کے تھے؟ آپ کے قبیلہ کے تھے؟ آپ کی نسل کے تھے؟ نہیں بلکہ ایک نئی قومیت بنائی گئی اور اس نئی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔

ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کو تو مردود قرار دیا، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش دادا کے انتقال کے بعد کی۔ وہ بھی کفر کی وجہ سے جہنمی قرار پائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے کس کو لگایا؟ زید بن حارثہؓ کو، حبشہ کے رہنے والے بلال حبشیؓ کو، فارس وایران کے رہنے والے مسلمان کو، روم کے باشندے صہیب رومیؓ کو، ان کو بھائی بنالیا اور جو اپنے خاندان اور قبیلہ کے کافر لوگ تھے، ان کی گردنیں کاٹیں اور ان کو قید کیا، معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ایک برادری ہے ایک قومیت ہے اور دنیا کے تمام کافر اس برادری سے خارج ہیں۔

میری آپ سے درخواست ہے کہ خدا کے لئے محبت و پیار کے ساتھ بھائیوں کو سمجھائیں کہ کسی بھی علاقہ کا مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعویدار ہے اور

اسلام کے دائرہ کے اندر داخل ہے وہ بھائی ہے اس پر کوئی ظلم نہ ہونے دو، یاد رکھو! جو قدرت ہونے کے باوجود ظلم کو نہیں روکے گا اور کوتاہی کرے گا وہ بھی مجرم اور گنہگار ہوگا۔

ایک مرکزی ادارہ وشخصیت کی ضرورت

اگر یہ کام حیدرآباد میں ہوتا تو علماء کی طرف سے ہوتا۔ اور الحمدللہ یہاں علماء موجود ہیں، لیکن افسوس اسی کا ہوتا ہے کہ یہاں مرکزی ادارہ نہیں، مرکزی شخصیت نہیں، میری آپ سے درخواست ہے ان فتنوں کا مقابلہ کریں، یہ فتنے آج ہیں کل اور فتنے اٹھیں گے، ان فتنوں کا مقابلہ علمی طور پر علماء کو کرنا ہوتا ہے اس کے لئے یہاں ادارہ کی ضرورت ہے یہ ایک چھوٹا سا مکتب قائم ہوا ہے، اللہ کے بھروسہ پر کچھ لوگوں نے کام شروع کردیا ہے۔ بے سروسامانی میں شروع کیا ہے لیکن مسلسل محنت وکوشش سے انشاءاللہ یہ مدرسہ ترقی کرجائے گا۔

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

جن لوگوں نے یہ کام شروع کیا ہے۔ آپ ان کے ساتھ لگ جایئے۔ یہ مسجد ومدرسہ کا کام ایسا ہی ہے جیسے مسجد نبوی اور صفہ کا کام تھا۔ مسجد نبوی سب سے پہلی مسجد اور صفہ سب سے پہلا مدرسہ، اسی طرح یہ مسجد ومدرسہ ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا سامان کردیا ہے میری درخواست ہے کہ اس مدرسہ کو آگے بڑھائیں۔

ستم ظریفی

آج کل ایک افتادیہ ہے کہ اوّل تو عام لوگوں کو ان مدرسوں کی طرف دھیان کم ہوتا ہے اور جن حضرات کو ان مدرسوں کی امداد کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ وہ بھی صرف مالی

چندہ دے کر فارغ ہو جاتے ہیں، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں تعلیم نہیں دلواتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں کہ ان مدرسوں میں پڑھنے کے لئے طلبہ کسی اور شہر یا ملک سے آجائیں۔ اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دلواتے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو دینی تعلیم میں لگایا تو کمائے گا کیا؟ کھائے گا کیا؟ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اخبارات میں ایسی خبریں تو بہت ساری پڑھی ہیں کہ فلاں گریجویٹ نے بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ آپ نے بھی بہت ساری خبریں پڑھی ہوں گی، آپ نے یہ خبر بھی سنی ہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کر لی ہے۔ یہ خبر آپ نے کبھی نہیں سنی ہوگی۔ اور میں نے بھی نہیں سنی، حضرت والد صاحبؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ "مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، اللہ کے بھروسہ پر اپنی اولاد کو علم دین میں لگائیے، یہ کافی نہیں کہ اپنے بچوں کو اسکول اور کالج میں پڑھائیں اور دوسروں کے بچوں کو یہاں پڑھائیں اسکول اور کالج میں پڑھانا کوئی گناہ نہیں ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو لڑکے دیئے ہیں تو اُن میں سے ایک کو تو علم دین کے لئے لاؤ۔

بچوں کا چندہ

لیکن اب ہوتا کیا ہے؟ کہ "مری بھیڑ اللہ کے نام" میں ایک جگہ جمعہ کی نماز پڑھاتا تھا، بہت عرصہ تک جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا، اور نماز سے پہلے وعظ کرتا تھا کئی سال گذرنے کے بعد میں نے کہا کہ بھئی سنو، لوگ کہتے ہیں کہ مولوی جہاں بھی جاتا ہے چندہ کرتا ہے، میں نے کہا اتنے سال سے تمہارے یہاں جمعہ کی نماز پڑھا رہا ہوں، میں نے

کبھی کوئی چندہ مانگا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کبھی نہیں اشارۃً بھی نہیں مانگا، میں نے کہا آج میں آپ سے چندہ مانگوں گا اور وہ چندہ ایسا ہے کہ کسی نے آپ کے محلّہ میں نہیں مانگا ہوگا وہ چندہ ہے بچوں کا اور میں نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو دو بچے دیئے ہیں ان میں سے ایک کو علم دین میں لگادیں۔

سننے والوں پر تقریر کا بڑا اثر معلوم ہوا، چنانچہ اگلے دن ایک صاحب اپنے ایک بچہ کو لے کر کورنگی۔ (دارالعلوم کراچی) پہنچے، بڑے مالدار اور لاکھوں کا کاروبار کرنے والے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کی تقریر میں کل میں بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جذبہ پیدا کیا، میں اس بچہ کو لایا ہوں اور یہ آپ کے سپرد ہے، تقریباً چھ سال کا بچہ تھا۔ ہم نے کہا کہ اس کا امتحان داخلہ ہوگا، انہوں نے کہا، نہیں نہیں، بس اس کو داخل کریں، اس کی رہائش وطعام کا انتظام بھی کریں اور اس کو علم دین پڑھائیں، میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ آپ نے کیا پڑھایا ہے اور کیا نہیں پڑھایا ہے۔ مجھے آپ پر اطمینان ہے اور جو کچھ خرچہ ہوگا میں دوں گا اور کچھ پیسے بھی کھانے پینے اور کپڑوں کی دھلائی وغیرہ کے لئے جمع کرا گئے۔ اتنے چھوٹے بچہ کو دارالعلوم میں رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے مجبوراً اسے اپنے گھر رکھ لیا۔ دو تین دن اس کے ساتھ محنت کی، کبھی بستر پر پیشاب کر دیتا ہے کبھی پاخانہ کر دیتا ہے، کبھی کوئی چیز اٹھا کر توڑ دی، کبھی کوئی، تین چار دن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ تو پاگل ہے پھر بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس بچہ کے تو ماں باپ بھی اس سے عاجز آئے ہوئے تھے اور اس کو گدو بندر کے پاگل خانہ میں لیجانا طے ہوا تھا۔ ان سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ پاگل خانہ میں داخل کرائیں، اس لئے دارالعلوم میں داخل کرادیا۔

یہ تھی وہ ''مری بھیڑ اللہ کے نام کی'' جو علم دین کیلئے نکالی گئی۔ یہ خدا کا دین ہے۔ مذاق نہیں ہے، آخرت میں جوابدینا ہے، زندگی کا ہر قدم ہمیں قبر کی طرف لیجارہا ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنا منہ دکھانا ہے، وہاں ان کی شفاعت اور سفارش کے بغیر

کسی کی نجات نہیں ہوگی ہم نے اسلام کا نام بہت لیا ہے، خدا کیلئے قدم بڑھایئے، اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں داخل کیجئے آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کریں گے تو آپ کو یہ فکر بھی ہوگی کہ مدرسہ کا معیار بھی بہتر ہو اس طرح انشاء اللہ مدرسوں کا معیار بھی بہتر ہوگا۔

مدرسہ اور احسان

ایک مصیبت اور ہے کہ اوّل تو مدرسہ میں چندہ دینے میں ہچکچاہٹ بہت ہوتی ہے اور اگر چندہ دیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مہتمم صاحب کی ذات پر احسان کر دیا ہے مہتمم پر کیا احسان ہے؟ بلکہ مہتمم کا تمہارے اوپر احسان ہے کہ تمہارے چندہ کو اس نے صحیح مصرف پر لگا دیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو اپنی زکوٰۃ وخیرات کے صحیح مصرف تلاش کرتے پھرتے۔

مدرسوں کا معاملہ آجکل اتنا مشکل ہوگیا ہے کہ واقعۃً جب کوئی اخلاص کے ساتھ مدرسہ قائم کرتا ہے تو اسے ہی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ چلانا کتنا مشکل کام ہے، بات لمبی ہو رہی ہے۔ آپ حضرات تھک بھی گئے ہوں گے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ جب اتنی دور سے آیا ہوں، اپنے دل کی کچھ باتیں آپ سے کہوں تو سہی۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک عالم تشریف لائے وہ کراچی میں ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ کراچی میں پہلے سے بڑے بڑے مدرسے قائم ہو چکے تھے۔ اب یہ مزید ایک مدرسہ قائم کرنا چاہتے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت کر دیجئے۔ دعا فرما دیجئے حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا دعا تو میں آپ کیلئے کروں گا اور نصیحت آپ کو کیا کروں، آپ خود عالم ہیں۔ لیکن ایک بات کہتا ہوں کہ یہ مدرسہ آخرت کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو دنیا کی اس سے بڑی کوئی مصیبت

نہیں، اور اگر دنیا کے لئے قائم کرنا چاہتے ہو تو آخرت کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں، کتنے لوگوں کا چندہ ہوتا ہے اگر وہ ناجائز طریقہ سے خرچ کر دیا تو آخرت میں اس کی جوابدہی کرنی پڑے گی، کس کس کا جواب دوگے؟

جو خلوص کے ساتھ مدرسہ چلانا چاہتا ہے، اس کو ایک مصیبت نہیں اٹھانی پڑتی بہت سی اٹھانی پڑتی ہیں، اوّل چندہ جمع کیا پھر کسی نہ کسی طریقے سے مدرسہ کی تعمیر ہوئی، ایک ایک پیسہ جوڑا، کام کیا، کہیں سے مدرس کو لایا، کہیں سے طالب علموں کو لایا، کہیں سے تعمیر کا انتظام کیا، تب جا کر مدرسہ چلا۔

تہمت تراشی

اور دوسرے لوگ جو کام کرنے کے عادی نہیں، بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ کام کرنیوالے کے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں کہ مہتمم صاحب کے بڑے مزے آرہے ہیں، اتنے لاکھ فلاں کھا گیا اور اتنے ہزار فلاں نے کھالئے۔ الٹے سیدھے بہتان لگا کر مخلص اللہ والوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

اردو دانوں اور بستی والوں کی محرومی

کراچی میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلے کی مسجد کے لئے امام اور خطیب مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی تنخواہ دیں گے، مکان دیں گے، لیکن ایک شرط ہے کہ اس کی مادری زبان اردو ہو، کیونکہ سارا محلّہ اردو بولنے والوں کا ہے، اردو میں بات کرنیوالا ہوگا تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ بات بلاشبہ درست ہے، لیکن میں ان سے کہتا ہوں کہ تمہیں اردو زبان والا آدمی کیسے دیدوں اردو زبان بولنے والوں نے اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے مدرسہ میں بھیجا تھا؟ عالم دین بنایا تھا، تمہارے محلّہ میں کسی نے اپنے بچہ کو مولوی بنوایا ہے؟

دار العلوم میں تقریباً ڈیڑھ درجن ممالک کے طلبہ پڑھ رہے ہیں اور پاکستان کے بھی تمام علاقوں کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، لیکن سب سے کم آٹے میں نمک کے برابر اردو بولنے والے ہیں تو میں تمہیں اردو بولنے والا امام وخطیب کیسے دیدوں، خدا کے لئے آپ سوچئے، کہ اگر آپ اپنے اندر علماء تیار نہیں کریں گے تو آپ کی ساری بستیاں ویران ہو جائیں گی، پڑھ پڑھ کر علماء اپنے اپنے علاقوں میں چلے جائیں گے، مدرسہ ہونے کے باوجود آپ کی بستی علماء سے محروم رہے گی اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کیجئے جو حضرات مدرسہ چلا رہے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے، روپیہ پیسہ سے اگر تعاون کر سکتے ہیں اس سے کیجئے، عملی کوئی مدد کر سکتے ہیں وہ کیجئے، اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم زبان ہی سے مدد کیجئے، ان کی ہمت بڑھائیے کہ اچھا کام کر رہے ہو، اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالئے۔

اگر انسان نہ بنے تو درندہ بھی نہ بنے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت بڑی چیز ہے، لیکن اگر کوئی جانور ہی بننا چاہے کہ کھانے پینے کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو تو جانوروں کی تین قسمیں ہیں کہ ایک قسم ان جانوروں کی ہے جن کا نفع ہی نفع ہے، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، ان کی ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، بالوں سے، کھال سے، گوشت سے، ہڈیوں سے، اوجھڑی سے، گوبر سے، اس کی سب چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو نفع نہیں پہنچاتے تو نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

جنگلوں اور سمندروں میں بہت سے ایسے جانور ہیں جو نہ درندے ہیں کہ نقصان پہنچائیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔

تیسری قسم کے جانور وہ درندے ہیں جو دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں، نفع

کچھ نہیں پہنچاتے، جس کو دیکھا پھاڑ کھایا۔

امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ اصل منصب تو یہ تھا کہ تم انسان بنتے، جو بہت اعلیٰ درجہ ہے علماء بنتے، اللہ والے بنتے، لیکن اگر تمہیں جانور ہی بننا ہے تو پہلی قسم کے جانور بن جاؤ، پہلی قسم کے نہیں بن سکتے تو کم از کم دوسری قسم کے تو بن جاؤ، لیکن تم تو تیسری قسم کے جانور بننا چاہتے ہو، درندہ بننا چاہتے ہو۔

مدرسے سے تعاون کی اپیل

خیر خلاصہ یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا مدرسہ بہت سی امیدوں کیساتھ اللہ والوں نے قائم کیا ہوا ہے آپ حضرات سے درخواست ہے بلکہ یہ آپ کے فرائض میں داخل ہے کہ حیدرآباد میں ایک معیاری مدرسہ جو اس شہر کی دینی ضروریات کو پورا کر سکے ہونا چاہیے، اور یہاں کے لوگوں کو اس کے لئے کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین کی خدمت کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ اور جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہین ان کے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین

اِس خلا کو پُر کریں

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۱۲اپریل ۲۰۰۴ء بیان برائے طلبہ
ترتیب وعنوانات	اعجاز احمد صمدانی

﴿اِس خلا کو پُر کریں﴾

جامعہ دارالعلوم کراچی کے طلبہ سے کیا گیا فکر انگیز خطاب

خطبہ مسنونہ:

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ و نستغفرهٗ و نؤمِنُ بهٖ ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰهِ مِن شرورِ أنفسنا ومِن سيئاتِ أعمالنا مَن يهدِهِ اللّٰه فلا مُضِلَّ لهٗ وَمَنْ يُضللهُ فلا هَادِىَ لهٗ ونشهد أن لآ اِلٰـه اِلَّا اللّٰـه وحدهٗ لاشريك لهٗ و نشهد أنّ سيدنا و سَنَدنا و مولانَا محمداً عبدهٗ ورسولهٗ. صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبه اجمعين وسلم تسليماً كثيراً

امابعد!

فأعوذ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم. بسمِ اللّٰه الرحمٰن الرحيم.

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

غَفُورٌ﴿﴾ (فاطر: ۲۸)

تمہیدی کلمات:

عزیز طلبہ کرام!

آپ سے خطاب کے لئے بار بار ارادہ ہوتا ہے لیکن مشاغل کی وجہ سے ٹل جاتا ہے۔ البتہ اگر سننے والوں کی طرف سے تقاضا ہوتا رہے تو ہمارا دھیان بھی زیادہ ہو جاتا ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح وقت نکالیں اور اگر طلبہ یاد دہانی نہیں کراتے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چلو ہماری بھی چھٹی ہوئی۔ چھٹی کا تو ہر ایک کو شوق ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اس کا شوق ہے۔ طالب علم تو ہم بھی ہیں کیونکہ طالب علمی تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔

اب کچھ طلبہ نے یاد دہانی کرائی اور قیم صاحبان تو یاد دہانی کراتے رہتے ہیں تو اللہ کے نام پر ہم نے آج خطاب کرنے کا ارادہ کیا۔

ہم دھوپ میں کھڑے ہیں:

عزیز طلبہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بڑے ایک ایک کر کے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ ہمارے والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے ایک سال بعد مولانا اکبر علی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ پھر مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی الحمدللہ، ہمارے یہاں اکابر موجود تھے۔ حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا شمس الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیکن پچھلے چند سالوں کے اندر یہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ اب ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ ہم دھوپ میں کھڑے ہیں۔ ہمارے اوپر سے سایہ ختم ہوگیا ہے۔

میرے دل پر چوٹ لگتی ہے:

رجسٹر حاضری جس پر اساتذہ کرام دستخط کرتے ہیں۔ اس میں اساتذہ کا نام قدامت اور بزرگی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک جب وہ رجسٹر ہمارے پاس دستخط کے لئے آتا تھا تو اس میں میرا نام پانچویں نمبر پر ہوتا تھا۔ سب سے اوپر قاری رعایت اللہ صاحب، پھر حضرت مولانا غلام محمد صاحب، پھر حضرت مولانا سحبان محمود صاحب کا، پھر حضرت مولانا شمس الحق صاحب اور پانچویں نمبر پر ہمارا نام ہوتا تھا۔ پھر چوتھے نمبر پر آیا، پھر تیسرے نمبر پر آگیا، پھر دوسرے نمبر پر آیا۔ اب پہلے نمبر پر ہمارا نام ہے۔ کسی کو خوشی ہوتی ہوگی کہ ہمارا نام سب سے پہلے آیا لیکن یہ رجسٹر جب میرے سامنے آتا ہے تو میرے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

﴿كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاءِ﴾

''بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا۔''

یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے:

اور اب میرا حال بھی یہ ہے کہ اس سال کے جمادی الاولیٰ سے ہجری سالوں کے اعتبار سے میری عمر کے ستر سال پورے ہو جائیں گے۔ یہ بہت لمبا عرصہ ہے تقریباً دو تہائی صدی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت زندگی دی اور اس کا کرم ہے کہ وہ کام لے رہے ہیں۔ دعا ہے اور آپ بھی میرے لئے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ معذوری سے بچائیں۔ جب تک زندگی ہے اپنے سوا کسی کا محتاج نہ کریں۔ چلتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ہمیں اٹھالے۔

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت اہتمام سے یہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ! مجھے معذوری سے بچا لیجئے۔ کسی کا محتاج نہ بنائیے۔ چلتے ہاتھوں پیروں اٹھا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ایسے اٹھایا کہ چند منٹ میں رخصت ہوگئے۔ بالکل درست تھے، دفتر میں آئے تھے۔ دوسرے گھنٹے میں میرا سبق ہوتا تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹے میں وہ بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ پہلے دفتر آتے تھے، اور پھر وہاں سے سبق میں آتے تھے۔ میں سبق پڑھا رہا تھا۔ گھنٹہ ختم ہو رہا تھا۔ میں اس فکر میں تھا کہ گھنٹہ ختم ہو رہا ہے۔ ابھی استاذ آئیں گے لیکن ان کی بجائے قاری عبدالملک صاحب آئے اور یہ اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی کا محتاج نہیں بنایا اور ہماری بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معذوری سے بچائے مگر بہرحال ہم یہ بتا رہے ہیں کہ اب یہ کشتی بھی کنارے لگنے والی ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ رب العالمین کا کب پیغام آجائے؟

اس خلا کو پر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا:

اب یہ بات سوچنے کی ہے کہ ہمارے بزرگ اٹھ گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو ایسے سلب نہیں کر لیتا کہ کسی عالم کے دل سے علم کھینچ لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ علم کو واپس لیتا ہے علماء کو واپس لے کر۔ ان کے بعد جو جانشین ہوتے ہیں وہ ان جیسے نہیں ہوتے۔ ان کے پاس اتنا علم، اتنی تحقیق، اتنا تقویٰ اور اتنی فکر نہیں ہوتی۔ البتہ بعض اوقات ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو پہلوں سے زیادہ اونچے ہیں لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ جو بزرگ رخصت ہوتے ہیں، ان کی تلافی بعد کے لوگوں سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا سحبان محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے دارالعلوم میں ایک

زبردست خلا پیدا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کام چلا دیا۔ ان کی کچھ ذمہ داریاں مولانا شمس الحق صاحب نے سنبھال لیں، کچھ مولانا تقی عثمانی صاحب نے سنبھال لیں، کچھ ہم لوگوں نے سنبھال لیں، لیکن حضرت مولانا شمس الحق صاحب کی وفات کے بعد اس خلا کو پُر کرنا ہمارے لئے آسان نہیں رہا۔ اسباق میں بھی خلا پیدا ہوا ہے اور انتظامی کاموں میں بھی خلا پیدا ہوا ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس خلا کو آسانی اور بہتری کے ساتھ پُر فرمادیں۔

کیا ہماری پیداوار اس قابل ہے؟

یہ سب باتیں میں آپ کو اس لئے سنا رہا ہوں کہ اب آپ لوگوں کو تیاری کرنی ہے۔ جانے والوں کی جگہ آپ لوگوں کو لینی ہے۔ آپ کے اساتذہ آپ کے ساتھ جو محنتیں کررہے ہیں، وہ بھی اسی لئے کررہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے دور سے یہی سلسلہ چلا ہے کہ بڑوں نے رخصت ہونے سے پہلے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تاکہ وہ ان کی جگہ لے سکیں۔ چنانچہ جب رخصت ہوئے تو چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ جب وہ چھوٹے بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنے چھوٹوں کو تیار کیا تو جب وہ رخصت ہوئے تو ان کے چھوٹوں نے ان کی جگہ لے لی۔ اب ہم بھی یہی کام کررہے ہیں۔ آپ کو تیار کرنے کی فکر اور کوشش میں ہیں۔ اب اس بات کا جائزہ لینا آپ کا کام بھی ہے اور ہمارے سب اساتذہ کرام اور ہمارا بھی کہ جو پیداوار ہم تیار کررہے ہیں، آیا وہ اس قابل ہے کہ ان ذمہ داریوں کو سنبھال لے جو بڑے ہمارے سپرد کرکے رخصت ہوئے ہیں۔

بچپن سب کا ایسا ہوتا ہے:

یاد رکھئے! صحابہ کرام سے لے کر اب تک جتنی عظیم شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ وہ اپنے بچپن میں ایسے چھوٹے ہوتے تھے جیسے آپ ہیں۔ ان میں سے کسی کو خبر نہیں تھی کہ

ان میں سے کوئی امام ابوحنیفہ بنے گا اور کون امام مالک، کون امام شافعی بنے گا اور کون امام احمد بن حنبل، کون رازی بنے گا کون غزالی، کون فارابی بنے گا اور کون ابن سینا، کون مولانا جامی بنے گا اور کون مولانا رومی، کون بایزید بستامی بنے گا اور کون حافظ شیرازی جب بن جاتے ہیں تو لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بن گیا۔

ابھی سے تیاری کریں:

اس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو فکر کرنی چاہیے کیونکہ آپ پر ذمہ داریاں آنے والی ہیں۔ آپ میں سے بہت سے طلبہ دورۂ حدیث میں پڑھتے ہیں، فارغ ہوتے ہی ان پر ذمہ داریاں آجائیں گی، کچھ تخصص کے طلبہ ہیں، وہ فارغ ہوں گے تو ان پر اور ذمہ داریاں آجائیں گی۔ کوئی استاذ ہوجائیں گے اور کوئی مفتی ہوجائیں گے، کوئی مصنف ہوجائیں گے اور کوئی واعظ بن جائیں گے اور کچھ لوگ مدرسوں کے ذمہ داران بن جائیں گے۔ ابھی سے آپ لوگ محنت اور کوشش کریں گے اور یہ تیاری مکمل ہوگی تو انشاء اللہ تم بڑوں کی جگہ لے لوگے۔ کوئی یہاں جگہ لے گا کوئی اپنے شہر میں جگہ لے گا اور کوئی کسی اور شہر میں جاکر اپنے بڑوں کی جگہ لے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ کارواں رواں دواں رہے گا۔

علم بڑا غیور ہے:

ہمارے اس قافلے کے امام رسول اللہ ﷺ ہیں اور یہ قافلہ جنت کی طرف رواں دواں ہے۔ ہم بھی اسی قافلے کے شرکاء ہیں۔ آپ بھی اسی قافلے کے شریک ہیں۔ یاد رکھئے کہ اس قافلے کے شرکاء کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ یہ بہت کٹھن ہے، قربانیوں اور مجاہدوں کا راستہ ہے۔ جس علم کو حاصل کرنے میں آپ لگے ہوئے ہیں۔ یہ

آسانی سے نہیں ملتا، بڑی سخت محنت چاہتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ملفوظ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم طلبہ کو بار بار سنایا کرتے تھے کہ:

﴿أَلعِلمُ لا يُعطِيكَ بَعضَهُ حَتّٰى تُعطِيَهُ كُلَّكَ﴾

''علم اُس وقت تک تمہیں اپنا ایک ذرہ بھی نہیں دے گا، جب تک تم اپنا سب کچھ اُسے نہ دے دو۔''

علم بڑا غیور ہے، جو شخص اس علم سے استغناء برتتا ہے، علم اس کے پاس نہیں جاتا، اس سے دور رہتا ہے۔ جو علم کا محتاج بن کر اس کے پاس آتا ہے تو علم اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر تم اپنی ساری توانائیاں، صلاحیتیں اور کوششیں علم کے سپرد کر دو گے تو پھر علم اپنا کچھ حصہ تم کو دے دے گا ورنہ کچھ حصہ بھی نہیں ملے گا۔

ایسا ہرگز نہ ہوگا:

جو طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اور بھی بہت سارے کام کرتے رہیں گے اور علم بھی مل جائے گا تو ان کا یہ خیال غلط ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سونا اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا جائے۔ علم کے لئے تو سونے کی بھی ضرورت ہے اور کھانے پینے کی بھی پانچوں وقت کی نماز تو فرض ہی ہے اس کے علاوہ ضروری عبادات کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ جسمانی ورزش کی بھی ضرورت ہے تاکہ صحت ٹھیک رہے اس لئے عصر سے مغرب کے درمیان اس کا وقت بھی دیا جاتا ہے اور اس کے لئے باقاعدہ ایک میدان بھی تیار کیا گیا ہے، یہ سب علم کیلئے کوشش میں داخل ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ناولیں بھی پڑھتا رہے گا، ٹی وی کے تفریحی پروگرام بھی دیکھتا رہے گا، بازاروں اور ہوٹلوں میں بھی اپنا وقت ضائع رہے گا اور پھر علم بھی حاصل کرے گا تو یاد رکھئے! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان:

بلا ضرورت اور سخت مجبوری کے بغیر ناغہ کرنے والے طالبعلم کو علم نہیں ملے گا، ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ زرنوجی کے حوالے سے کسی بزرگ (غالباً صاحب ہدایہ) کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغے سے چالیس دن کا نقصان ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک دن سے چالیس دن کا نقصان کیسے ہوا؟ ناغہ تو صرف ایک دن کے اسباق کا ہوا، اس سے پچھلے دن کا سبق بھی پڑھا اور اگلے دنوں کے اسباق بھی پڑھے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے اس ناغہ کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسے شیشہ اگر ایک جگہ سے ٹوٹ جائے اور پھر آپ اس کو جوڑ دیں تو اگرچہ جڑ تو جائے لیکن اس کے اندر عیب تو باقی رہے گا، تو جو آپ نے بلا ضرورت ناغہ کیا یہ بھی ایسے ہے جیسے شیشہ ٹوٹ گیا۔ استاذ نے تو سبق پڑھایا لیکن آپ اس میں حاضر نہیں ہوئے۔ ہاں اگر استاذ نے بھی سبق نہیں پڑھایا تو پھر اس کا اتنا نقصان اور ایسی بے برکتی نہیں ہوتی۔ بے برکتی اس ناغے سے ہوتی ہے جس میں استاذ کا سبق ہوا اور پھر شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کر دیا۔ اگر مجبوری واقعۃً شدید ہو تو پھر اللہ کے کرم سے امید ہے کہ انشاء اللہ بے برکتی نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محروم نہیں کرتا جو اپنی پوری کوشش کرتا ہے مگر بیماری یا کسی شدید مجبوری کی وجہ سے ناغہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے طالبعلم کے نقصان کی تلافی کرا دیتے ہیں۔

جو طالب علم شدید مجبوری کے بغیر ناغہ کرتا ہے، وہ دراصل اپنے اساتذہ کو بھی دھوکہ دے رہا ہے، اپنے والدین کو بھی دھوکہ دے رہا ہے اور جتنے لوگ اُسے طالب علم کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں ان سب کو دھوکہ دے رہا ہے کیونکہ ایسا طالب علم دراصل طالب علم نہیں ہے۔ وہ دھوکے باز ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب زادے تھے، کچھ کام نہیں کرتے تھے، پڑھتے بھی نہیں تھے، گھر میں پڑے رہتے تھے۔ والد نے کئی بار سمجھایا لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ والد صاحب سمجھاتے رہے۔ آخر ایک دن صاحبزادے صاحب نے پوچھا کہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد صاحب نے کہا کہ پڑھ لوگے تو قابل ہو جاؤ گے۔ سند مل جائے گی۔ بیٹے نے کہا کہ سند مل جانے کا کیا فائدہ ہوگا؟ والد نے کہا کہ کہیں اچھی ملازمت مل جائے گی۔ بیٹا بولا، پھر کیا ہوگا؟ والد نے کہا کہ پھر اچھی تنخواہ ملے گی۔ بیٹا بولا: پھر کیا ہوگا؟ باپ نے کہا کہ تم شادی کر لینا اور مکان بنالینا۔ بیٹا بولا تو پھر کیا ہوگا۔ باپ نے کہا کہ پھر عیش سے زندگی گذارنا۔ یہ سن کر بیٹے نے کہا کہ اب کیا کر رہا ہوں! یہی عیش کی زندگی تو اب بھی گذار رہا ہوں تو پھر اتنی محنت کی کیا ضرورت ہے؟

بعض بے وقوف طالب علم اس طرح اپنا وقت ضائع کر دیتے ہیں اور باتیں بنا بنا کر والدین کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ ایسے طلبہ کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ آپ توجہ کریں گے تو بہت سے ایسے لوگ آپ کے ذہن میں آجائیں گے جنہوں نے اپنی زندگی اس طریقے سے برباد کر دی اور آج وہ تکلیف اور بے کاری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ یہ بڑے خسارے کی بات ہے کہ ایک طالب علم اپنے گھر کو بھی چھوڑے، والدین کو بھی چھوڑے، وطن کے آرام و راحت کو بھی چھوڑے، یہاں رہ کر طالب علمی کے مجاہدے بھی کرے لیکن پھر بھی علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اکابر دیوبند کی نمایاں خصوصیات:

ہمارے علماء دیوبند کی خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت علم کی پختگی تھی۔

علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی مہارت عطا فرمائی تھی کہ دوسروں پر ان کے علم کا رعب تھا۔ دوسرے فرقے کا بڑے سے بڑا عالم دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا تھا۔

علم کی اس پختگی کے ساتھ اخلاص، تقویٰ، خشیت، للھیت اور باطنی کمالات کا یہ حال تھا کہ ہمارے مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔ دن میں دارالعلوم دیوبند ایک درسگاہ ہوتی تھی، رات کو خانقاہ بن جاتی ہے۔ تہجد کے وقت طلبہ اور اساتذہ اٹھتے تھے۔ کمروں سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ گڑگڑا کر اللہ سے دعائیں مانگتے تھے۔

ذکر قلبی کے عجیب واقعات:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبند کے صدر مدرس رہے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استادوں میں سے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سبق پڑھاتے تھے تو انکے ذکر قلبی کی آوازیں ہم سنتے تھے۔

ہماری دادی مرحومہ جنکی قبرستان یہاں دارالعلوم میں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس قبرستان میں سب سے پہلی قبر ہماری دادی مرحومہ کی ہے۔ یہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھیں۔ ہم نے برس ہا برس ان کے ساتھ زندگی گذاری ہے۔ ان کا حال ہم نے دیکھا کہ وہ سو رہی ہوں تب بھی، جاگ رہی ہوں تب بھی، بول رہی ہوں تب بھی اور خاموش ہوں تب بھی ان کے گلے سے رگ ہلتی رہتی تھی

اور اس سے ''اللہ، اللہ'' کی آواز آتی رہتی تھی۔ ہر وقت یہ ذکر جاری تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی میں نجانے کتنا ذکر کیا ہوگا کہ اس کی وجہ سے یہ کیفیت بن گئی تھی کہ ان کا ارادہ ہو یا نہ ہو، ہر وقت ''اللہ اللہ'' کا ذکر جاری رہتا ہے۔ جس کی یہ مرید تھیں اس بزرگ کا کیا حال ہوگا۔

وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک حجام آیا کرتا تھا۔ حضرت کے بال بھی کاٹا کرتا تھا۔ ان پڑھ تھا۔ ایک مرتبہ اس کا سہارنپور جانا ہوا۔ سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رہتے تھے۔ آپ سنن ابی داؤد کی مشہور شرح ''بذل المجہود'' کے مصنف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حدیث میں یہ مقام دیا کہ عرب اور عجم میں آپ کی اس شرح کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ یہ حجام حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں اس کو کوئی مسئلہ یاد آ گیا تو اس نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ حضرت فلاں عمل میں اس طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے یا دوسری طرح کرنا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کس طرح کرتے ہوئے دیکھا اس نے جواب دیا کہ فلاں طرح، فرمایا وہی طریقہ سنت کے زیادہ قریب ہے۔

غور کیجئے! حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا کہ فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے کہ اس طرح کرنا اقرب الی السنۃ ہے بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عمل کا حوالہ دیا کہ چونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عمل اس طرح ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اقرب الی السنۃ یہی ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ہمارے اکابر سنت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ان کے عمل کو دیکھ کر لوگ پتہ لگا لیتے تھے کہ سنت کا طریقہ کونسا ہے؟

سنت کبھی مناظروں سے زندہ نہیں ہوتی:

سنت کا اسقدر اہتمام یہ بزرگانِ دیو بند کا خاصہ تھا۔ اب یہ سب باتیں تو اٹھتی چلی جارہی ہیں۔ صرف دیو بندیت کا نام باقی رہ گیا ہے اور یوں سمجھ لیا گیا ہے کہ دیو بندیت کا کام ہے کہ بریلویوں سے لڑو، ان سے فرصت ملے تو غیر مقلدوں سے لڑائی کرو۔ ان دونوں سے فرصت ملے تو شیعوں سے لڑائی کرلو۔ کسی نہ کسی کو سینگ مارتے ہی رہو۔ یاد رکھئے سنت کبھی مناظروں، تقریروں اور دلائل سے زندہ نہیں ہوتی بلکہ سنت زندہ ہوتی ہے سنت پر عمل کرنے سے۔ آج بریلویوں اور ہمارے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں رہا۔ ہم نے مسلک دیو بند کو تقریباً پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اور مدرسوں کے اندر بھی اب بڑی مشکل یہ ہوگئی ہے کہ طلبہ کا ذہن یہ بننے لگا کہ اس سے لڑو، اُس سے لڑو۔ یہ فکر نہیں ہوتی کہ شیطان سے لڑو، اپنے نفس سے لڑو حالانکہ ہمارے سب سے بڑے دشمن تو یہی دو ہیں۔ ان پر فتح حاصل کرنا اصل ہے۔ جب تم ان دو دشمنوں پر فتح پالو گے تو اللہ کے فضل وکرم سے دنیا کا کوئی دشمن تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ صحابہ کرام کے پاس سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا کہ انہوں نے شیطان اور نفس پر فتح حاصل کرلی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیا کو فتح کرتے چلے گئے۔ صحابہ کی زندگی سراپا سنت کا نمونہ تھی اور سنت وہ چیز ہے کہ معیارِ حق ہے، کلید کامیابی ہے اور فتح ونصرت کی ضامن ہے۔ آج ہم یہ شور مچاتے ہیں کہ ہمارے خلاف مغرب کا پروپیگنڈا بہت ہے۔ ہمارے خلاف فلاں فرقوں کا پروپیگنڈا بہت تھا۔ یہ پروپیگنڈا تو پہلے بھی تھا۔ دشمن تو پہلے بھی تھے لیکن ہمارے بزرگ نفس وشیطان پر فتح حاصل کرکے اور اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنا کر ان پر فتح حاصل

کر لیتے تھے۔

اسباق میں پوری توانائیاں لگادو:

میرے عزیز طالب علمو! اب آپ کو ان بزرگوں کی جگہ سنبھالنی ہے۔ ابھی سے اپنے آپ کو سنت کا خوگر بنانے اور نفس وشیطان پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اسباق میں اپنی ساری توانائیاں لگادو۔ اسباق پر توانائیاں لگانے کا حاصل تین چیزیں ہیں۔ جسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ سبق سے پہلے مطالعہ

۲۔ سبق میں پابندی سے حاضری، اس میں یہ کوشش کہ استاد سے پہلے درسگاہ میں پہنچے۔ بعض طلبہ باہر بیٹھے ہوئے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ جب استاد آئے گا تو ہم بھی چلے جائیں گے، ایسے طالب علم میں اور وہ طالب علم جو پہلے سے درسگاہ میں استاد کے انتظار میں بیٹھا ہوتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو طالب علم محتاج بن کر پہلے سے استاد کا منتظر ہو کر بیٹھتا ہے۔ اللہ رب العالمین اس کو اپنے استاد سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔

درس کی پابندی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ طالب علم استاد کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ بعض طلبہ یہ سوچتے ہیں کہ اب جو مسئلہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ مسئلہ ہم نے فلاں کتاب میں پڑھا تھا، اس لئے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس مسئلے کے بیان کے دوران وہ ادھر ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ ہر استاد کا انداز الگ ہوتا ہے۔ پہلے ایک استاد کے ذریعے سے معلوم ہوا تھا۔ اب دوسرے استاد سے بھی معلوم ہو گیا تو اس کی برکت کچھ اور ہو گی۔

۳۔ اور تیسرا کام ہے سبق کے بعد تکرار۔

مطالعہ کا آسان ترین طریقہ:

مطالعے کے بارے میں خوب سمجھ لیجئے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کتاب کی شرح اور حاشیہ کا پورا پورا مطالعہ کر کے آئیں۔ اگر اس طرح مطالعہ کرو گے تو پھر ایک دو کتابوں ہی کا مطالعہ ہو سکے گا حالانکہ آپ کو تو چھ کتابیں پڑھنی ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے مطالعہ کا بہت آسان طریقہ بتلایا ہے۔ وہ یہ کہ کتاب کی عبارت پڑھو۔ اس پر متوسط درجے کا غور وفکر کرو کہ کیا سمجھ میں آیا اور کیا سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی لفظ کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کسی مرکب کی ترکیب سمجھ نہیں آئی، کسی باب کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا اور کسی مسئلے کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی، اور کونسی چیزیں سمجھ میں آ گئیں۔ تو یہ اب دو باتیں سامنے آ گئیں کہ کچھ چیزیں معلوم ہیں اور کچھ مجہول ہیں۔ ان مجہولات کو معلومات سے ممتاز کر دو تو مطالعہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ جب آپ سبق میں پہنچیں تو آپ کے ذہن میں یہ موجود ہو کہ مجھے کونسی چیزیں معلوم نہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجہولات کو ممتاز کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مجہولات کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنے کی پیاس اور تشنگی پیدا ہو گئی اور علم کے لئے تشنگی پیدا ہو جانا ہی کلید کامیابی ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:

آب کم جو، تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وبست

ترجمہ: پانی کم ڈھونڈو، تشنگی حاصل کرو تا کہ پانی اوپر سے بھی آئے اور نیچے سے بھی آئے۔

یعنی جب پیاس پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور پھر وہ اوپر سے بھی پانی برسائے گا اور نیچے سے بھی برسائے گا۔ تو جب آپ علم کی پیاس لے کر درسگاہ میں پہنچیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔

جو استاد سے سوالات نہ کرے، وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں:

جو مجہولات لے کر آپ درسگاہ میں پہنچے، اگر استاد نے وہ باتیں بتلا دیں تو اللہ کا شکر ادا کرو اور اگر استاد نے نہیں بتائیں یا سمجھ میں نہیں آئیں تو استاد سے سوال کرو۔ خوب سمجھ لو! جو طالب علم استاد سے سوال نہ کرے وہ طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں۔ ابھی میں والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''دل کی دنیا'' میں دیکھ رہا تھا۔ اس میں بزرگوں کا ایک مقولہ لکھا ہوا دیکھا جو بڑا مزیدار ہے۔ فرمایا کہ

مریدے کہ چون وچراں کند وشاگردے کہ
چون وچرا نہ کند در چراگاہ باید فرستاد

ترجمہ: جو مرید چون وچراں کرے اور جو شاگرد چوں وچراں نہ کرے، انہیں چراگاہ میں بھیجنا چاہیے (کیونکہ وہ مرید نہیں اور یہ شاگرد نہیں بلکہ دونوں گدھے ہیں، انہیں گھاس چرنے کے لئے چراگاہ بھیج دو)

مرید کا کام یہ ہے کہ وہ شیخ کی بات کو بلا چوں وچراں تسلیم کرے۔ اس کی وجہ نہ پوچھے لیکن طالب علم کا کام یہ ہے کہ وہ چوں وچراں کرے، کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ پوچھے۔ اگر استاد کوئی دلیل بیان کرے اور اس پر دل مطمئن نہ ہوتا ہو تو چون وچراں کرے کہ حضرت! اس پر تو یہ اعتراض پڑتا ہے۔ اگر استاد کے جواب پر تشفی نہ ہو تو پھر دوبارہ سوال کرے۔ اگر درسگاہ میں بار بار سوال کرنے کا وقت نہ ہو یا اس سے استاد کو مشقت ہو رہی ہو تو سبق کے بعد پوچھ لے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ استاد کو یہ معلوم

ہوگا کہ آپ طالب علم ہیں اور علم کی سچی طلب میں لگے ہوئے ہیں۔

آخر میں پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے عزیزو! خوب محنت کرو، اخلاص، للھیت، تقویٰ اور سنت کی پابندی کا اہتمام کرو اور بزرگوں کی جو جگہیں خالی ہوتی جارہی ہیں، انہیں پُر کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین٥

صحیح مُسلم کی نادرالمثال شرح

خطاب	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام	جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم، کراچی
تاریخ	۸ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۷ اگست ۱۹۹۴ء
	بموقع تقریب اظہار شکر بر تکمیل ''تکملہ فتح الملہم''
ترتیب و عنوانات	[illegible]

صحیح مسلم کی نادر المثال شرح

خطبہ مسنونہ:

نحمدهٗ ونصلّی علی رسولهِ الکریم

امابعد!

محترم اساتذہ کرام، حضرات علماء عظام، معزز حاضرین اور عزیز طلبہ

ایسی خوشیاں صدیوں میں نصیب ہوتی ہیں:

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں جس مسرت کے اظہارِ شکر کے لئے آج کی یہ مجلس منعقد ہو رہی ہے۔ اس کے بارے میں میرا یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نوعیت کی خوشیاں صدیوں میں جا کر نصیب ہوتی ہیں۔ پچھلے ایک ہزار سال میں ایسے واقعات بہت خال خال پیش آئے ہیں کہ ایسا ٹھوس، علمی اور محققانہ کام سرانجام دیا گیا ہو جیسا یہ کام اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز، ہماری آنکھوں کے سرور اور امیدوں کے مرکز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ سے لیا ہے۔ یہ مایہ ناز تالیف اس صدی کا وہ کارنامہ ہے کہ اس کی عظمت کا اندازہ بہت عرصہ بعد ہی لوگ کر سکیں گے کیونکہ جس موضوع پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، یہ

کٹھن ترین اور مشکل ترین موضوع ہے اور اس سے استفادہ کرنے والے حضرات کا طبقہ بھی بہت محدود ہے جس کی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں۔

۱۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔

۲۔ عربی زبان میں بھی علم حدیث کے فن پر ہے جو اپنی نوعیت کا ایک مشکل اور کٹھن فن ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' لکھ کر قرض چکا دیا:

آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ پر یوں تو کتنی ہی کتابیں لکھی گئیں لیکن ان میں سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر دو ہی کتابیں شمار کی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح البخاری جسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تالیف فرمایا۔

۲۔ اور صحیح مسلم جسے امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا۔

صحیح بخاری کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت عطا فرمائی، وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آئی۔ پوری امت نے متفقہ طور پر کتاب اللہ کے بعد اسے صحیح ترین کتاب قرار دیا۔ اگرچہ اس کتاب کی بہت سی شروحات لکھی گئیں لیکن اس عظیم الشان کتاب کو جس شرح کی ضرورت تھی، ایک عرصہ تک وہ وجود میں نہ آئی۔ یہاں تک کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہنا پڑا کہ کوئی شرح اس کتاب کا حق ادا نہیں کر رہی۔

بالآخر صحیح بخاری کی تالیف کے تقریباً چھ سو سال بعد عظمت کا یہ تاج اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر رکھا اور آپ نے صحیح بخاری کی مایہ ناز شرح ''فتح الباری'' تالیف کی۔ الحمد للہ، ہمارے سارے کتب خانے اس سے آراستہ ہیں۔ آج دنیا کا کوئی محقق، کوئی فقیہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں۔ کسی بھی مکتبہ فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والا عالم دین ہو، وہ اس کتاب سے مستغنی نہیں۔

علماء امت نے جس طرح صحیح بخاری کے بارے میں متفقہ طور پر فرمایا تھا کہ

کتب حدیث میں اس کی نظیر نہیں ہے، اسی طرح فتح الباری کے بارے میں بھی متفقہ طور پر فرمایا کہ اس شرح کی مثال پوری دنیا میں موجود نہیں۔ یہ نادر المثال شرح ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے شایانِ شان کوئی شرح نہ ہونے کی جو شکایت کی تھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امت کی طرف سے یہ قرض چکا دیا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اگرچہ دریا بکوزہ ہے لیکن:

الحمدللہ، صحیح مسلم بھی حدیث کی بڑی مقبول کتاب ہے۔ صحیح بخاری کے بعد صحت حدیث کے اعتبار سے صحیح مسلم کا دوسرا درجہ اور حسنِ ترتیب اور انداز بیان کے اعتبار سے تو اس کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

اس کی بھی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ ہمارے زمانے کی مشہور ترین اور متداول شرح علامہ نوویؒ کی ہے۔ بلاشبہ یہ شرح ''دریا بکوزہ'' کی عمدہ مثال ہے۔ لغات، اسماء الرجال، سند اور متن حدیث کی تحقیق جس اختصار و جامعیت کے ساتھ انہوں نے کی ہے، وہ بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود صحیح بخاری کی شرح فتح الباری اور مسلم شریف کی علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح ''المنہاج'' میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح اگرچہ بہت محققانہ تھی لیکن انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے مسلم شریف کے بہت سے مباحث ایسے تھے جو اپنے لئے کسی شارح کو تلاش کر رہے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''فتح الملہم'' لکھنا شروع کی لیکن وہ مکمل نہ ہو سکی:

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کے مایہ ناز شاگرد، علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر اور ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی تقریر وتحریر کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی تمنا تھی کہ جس طرح بخاری شریف کی ایک جامع اور مفصل شرح حافظ ابن حجرؒ نے تالیف فرمائی، اس جیسی مسلم شریف کی شرح کا کام اللہ تعالیٰ ان سے کرادے۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں آپ نے عظیم الشان شرح ''فتح الملہم'' لکھنے کا آغاز کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر دنیائے علم کے آفتاب وماہتاب اور درخشندہ ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ ہر علم وفن کے بڑے بڑے علماء اور نابغہ روز محققین موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں یہ شرح لکھی گئی تین جلدوں میں یہ شرح ''کتاب النکاح'' تک پہنچی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب مسلم کا ابھی تک نصف حصہ بھی مکمل نہ ہوا۔ اس کتاب کے آغاز سے ان تینوں جلدوں کے شائع کرانے تک علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پچیس سال لگ گئے۔

اس کے بعد تحریک پاکستان پورے برصغیر میں وقت کا سب سے بڑا تقاضا بن کر اٹھی۔ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ایماء پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد کے لئے میدان سیاست میں آنا پڑا۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے اسی خیال کے پیش نظر استعفیٰ دے دیا تاکہ یکسوئی کے ساتھ اس تحریک کو اسلامی خطوط پر لانے کی بھرپور جدوجہد کریں۔ اس ہمہ وقتی جدوجہد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے نادر المثال مملکت خداداد پاکستان عطا فرمائی۔ جس پر جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے۔

لیکن آج ہمارا سر ندامت کی وجہ سے جھکا ہوا ہے کہ ہم نے اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں کیا۔ یہ عظیم ملک آج جس بیچارگی کا شکار ہے۔ وہ ہماری شامت اعمال اور

ناقدری کا نتیجہ ہے۔

۱۹۴۷ء میں جب یہ عظیم ترین اسلامی سلطنت دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی تو ہمارے بزرگوں کے پیش نظر سب سے پہلا اور بنیادی کام یہ تھا کہ اس مملکت کو قرآن وسنت کی تنفیذ، اسلام کے عادلانہ نظام اور معاشیات کے میدان میں اسلام کے فطری اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہاں کے نظام حکومت کو اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے رات دن ایک کردیئے۔ چنانچہ یہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا۔

میرے پاس اس مسودے کا ایک کچا ورق موجود ہے۔ جس پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم کی بھی کچھ تحریر ہے۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کچھ جملے بھی موجود ہیں۔ اس کو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رفقاء کار کے مشورے سے مرتب کیا تھا۔

پاکستان کے اس وقت کے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ مسودہ لیا اور کہا کہ آپ کو یہ مسودہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ میں خود بحیثیت پارلیمانی لیڈر اور وزیر اعظم اس قرارداد مقاصد کو پیش کرونگا تاکہ ہم پوری قوت کے ساتھ ایوان سے اسے منظور کراسکیں۔ چنانچہ ہم اسمبلی کے اجلاس میں اس وقت شریک تھے جب یہ تاریخی قرارداد اسمبلی میں پیش کی گئی۔ ایوان نے بڑی خوشیوں کے ساتھ اسے منظور کیا۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریریں ہوئیں جو پاکستان کی تاریخ کی عظیم تقریروں میں سے دو تقریریں ہیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ان بے پناہ مصروفیات کی بناء پر ''فتح الملہم'' کا کام آگے نہ بڑھا سکے۔ چنانچہ یہ عظیم شرح جو ابھی آدھی سے زیادہ باقی تھی، اس کا کام رک گیا۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اس کی تکمیل فرماسکیں لیکن ۱۹۴۹ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

کئی اکابر ''فتح الملھم'' کا تکملہ لکھنے کے خواہش مند تھے:

آپ کے وصال کے بعد آپ کے شاگردوں اور آپ سے تعلق رکھنے والے علماء کی شدید خواہش تھی کہ فتح الملھم کی تکمیل ان کے ہاتھوں انجام پا جائے۔ میں نے اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اعلاء السنن کے مصنف علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ کاش! اس عظیم کتاب کا تکملہ لکھنے کی سعادت ہمارے حصے میں آجائے لیکن ان کی دیگر علمی مشغولیات بہت زیادہ تھیں۔ جس کی وجہ سے یہ کام ان کے ہاتھوں پائے انجام تک نہ پہنچ سکا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور انہی بزرگوں کی برکات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد کو اس سعادت کبریٰ سے نوازا۔

میری عقل حیران ہے:

برادرِ عزیز مولانا محمد تقی عثمانی سلمہ جن کے بارے میں جی چاہتا ہے کہ جس طرح امت نے اصل لقب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیا تھا۔ ان کے ساتھ بھی استعمال کروں، انہیں والدِ ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف متوجہ فرمایا، اور اس دوسرے شیخ الاسلام نے فتح الملھم کی تکمیل اس انداز میں کی کہ میری عقل حیران

ہے۔ میرے خیال میں یہ کام کوہ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے سے بھی زیادہ مشکل تھا خاص طور پر اس پر آشوب دور میں جہاں یکسوئی عنقاء ہو جبکہ ایسے کام کیلئے کامل یکسوئی ناگزیر تھی۔

والد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال سے چند مہینے پہلے یہ کام شروع ہوا تھا۔ چند ماہ بعد ہماری زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہمارے سر سے اٹھ گیا، دار العلوم یتیم ہو چکا تھا۔ اس کی ذمہ داریاں ہمارے بزرگوں نے ہم دونوں بھائیوں پر ڈالی تھیں۔ دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریاں، اسباق کی مشغولیت اور فتاوٰی کی جان گسل مشقت اپنی جگہ کچھ نہ کم تھی کہ اس کے ساتھ ان کی اور بھی کئی مصروفیات پیدا ہو گئیں۔

اسی زمانے میں ملک میں انقلاب آیا۔ ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء نافذ کیا۔ انہوں نے نفاذِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ اس میں انہیں محقق علماء کرام کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ یہ ادائے حق میں کوتاہی ہوتی اگر ان کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا جاتا۔ چنانچہ اپنے مرشد ڈاکٹر عبدالحیؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم وایماء پر برادرِ عزیز نے اس کے لئے بھی دن رات کوششیں کیں۔ اب زیادہ وقت اسلام آباد میں گذرنے لگا، وہاں سے آکر یہاں سبق بھی پڑھاتے اور کراچی میں گذرنے والے ہر دن میں فتح الملہم کے تکملہ کے لئے مقررہ جگہ میں مقررہ وقت پر پہنچ جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں ناغہ نہیں آنے دیا۔

کچھ عرصہ بعد آپ وفاقی شرعی عدالت کے جج بن گئے۔ جس سے آپ کی مصروفیات میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بینچ کے رکن مقرر ہوئے اور ابھی تک اس عہدے پر ہیں۔[1] اس عرصے میں انہوں نے مایہ ناز اور انقلابی قسم کے فیصلے کئے۔ شرعی اور فقہی تحقیقات کی بنیاد پر ایسے فیصلے فرمائے کہ پاکستان کی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آج اسمبلی کے ذریعے قانون تبدیل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب کوئی قانون

تبدیلی کے لئے اسمبلی میں پیش ہوتا ہے تو اپوزیشن اور حکومت کے درمیان رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر اسلامی قانون اسمبلی سے پاس کرانا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن وفاقی شرعی عدالت کو ضیاء الحق مرحوم نے یہ اختیار دیا تھا کہ جن قوانین کو وہ شریعت کے خلاف پائے ان پر خط تنقید پھیر دے بشرطیکہ کوئی فرد یہ مسئلہ عدالت میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مبارک ہاتھوں سے درجنوں ایسے فیصلے صادر کرائے جن کی وجہ سے خلافِ شریعت قوانین کالعدم قرار دیئے گئے اور وہ آج تک کالعدم ہیں اور ان کی جگہ پر ان کے لکھے ہوئے فیصلے قانونی پوزیشن حاصل کر چکے ہیں۔

اتنی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی ایک اور اہم مصروفیت یہ ہے کہ آپ مجمع الفقہ الاسلامی (جدہ) کے نائب صدر ہیں۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو او۔آئی۔سی (O.I.C) کے تحت کام کر رہا ہے۔ اس ادارہ میں انتہائی مشکل موضوعات تحقیق کے لئے پیش ہوتے ہیں۔ اس کے اندر بھی انہوں نے معاشیات، اقتصادیات، عالمی تجارت، درآمدات برآمدات جیسے موضوعات پر تحقیقی مقالے عربی زبان میں پیش کئے جن کا اردو اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا۔

اس کے علاوہ دنیا بھر میں جو مختلف بینک اسلامی بنیادوں پر قائم ہوئے، انہوں نے بھی علمی اور فنی استفادے کیلئے ان کا بہت وقت لیا۔ اور ان کی وجہ سے انہیں بار بار غیر ملک سفروں کی نوبت پیش آئی۔ ان اسفار کا لب لباب آپ ''جہانِ دیدہ'' میں پڑھ چکے ہیں۔[1] یہ تفریحی سفر نہیں تھے بلکہ علمی اور تحقیقی کاموں کے لئے سفر تھے۔ ان سفروں میں انہوں نے جو کچھ دیکھا، عوام کی معلومات کے لئے اُسے ''جہانِ دیدہ'' میں لکھ دیا۔

ان تمام مشغولیتوں کے علاوہ ماہنامہ ''البلاغ'' (اردو، انگریزی) کی ادارت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر تھا جسے انہوں نے بطریق احسن نبھایا۔ اس پر ہجوم زندگی کے اندر اللہ تعالیٰ نے ان سے تکملہ فتح الملہم کا عظیم تحقیقاتی کام لیا ہے جو چھ

جلدوں میں تیار ہوا ہے۔ یہ کام ابھی پچھلے ہفتے مکمل ہوا اور یہ سامنے اُسی کے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے حصہ کی شرح میں تقریباً پچیس سال لگے تھے اور اس تکملہ میں تقریباً پونے انیس سال خرچ ہوئے ہیں۔ روزانہ کام کرنے کا اوسط گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس میں ذکر کردہ مشغولیتوں کی وجہ سے بہت زیادہ ناغے بھی ہوتے رہے۔

میں بے تحاشا رو پڑا:

جس دن انہوں نے یہ کام مکمل کیا، ظہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا، یہ خوشی خوشی سارے مسودے اٹھا کر میرے پاس تشریف لائے۔ جب انہوں نے یہ سارے رجسٹر میرے سامنے رکھے تو میں بے تحاشا رو پڑا کہ آج دنیا میں اس کی قدر کرنے والے شاذونادر ہی رہ گئے۔ آج ان اکابر کا سایہ بھی ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے جن کی تمنائیں آج بار آور ہوئیں۔

لیکن یہ بھی مقام شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اساتذہ کرام میں سے مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا سایہ ہمارے سروں پر موجود ہے۔[۱] ان کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیات بھی یہاں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں دل چاہتا ہے کہ ان کی لکھی ہوئی تقریظات پر کچھ تبصرہ کروں۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریظ:

اس وقت ہمارے سامنے شام کے جلیل القدر عالم دین شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

موجود ہیں۔ جو عرصہ دراز سے ریاض یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بڑے جلیل القدر عالم دین ہیں۔ علماء برصغیر کے عاشق ہیں۔ والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا استاد کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے اور تقریظ بھی لکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جس انداز میں اس کی تعریف کی ہے، یہ انہی کا مقام ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ، ہمارے استاذ علامہ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمت دلائی اپنے عظیم بیٹے، علامہ، محدث نجیب، فقیہ، ادیب، اریب مولانا محمد تقی عثمانی کو کہ وہ مکمل کریں فتح الملہم کی شرح کو۔ انہوں نے نے تکملہ وہیں سے شروع کیا جہاں سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھوڑا تھا اور تحقیق و تفصیل اور محنت وجستجو میں اُسی طریقے پر لکھا جس طرح علامہ عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے لکھا تھا اور ان کی مکمل پیروی کی۔''

ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ کی تقریظ:

ان کے علاوہ عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر یوسف قرضاوی بھی اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کی حس، ایک فقیہ کی استعداد، ایک استاذ کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور عصر حاضر پر نگاہ رکھنے والے عالم کی بصیرت دیکھی۔ میں نے صحیح مسلم کی بہت سی شرحیں دیکھی ہیں۔ قدیم بھی، جدید بھی لیکن ان شروحات میں

سے یہ شرح سب سے زیادہ قابلِ توجہ اور قابل استفادہ ہے۔"

میں نے اس شرح سے استفادہ کیا ہے:

اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے مسلم شریف پڑھا رہا ہوں۔ جہاں تک علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح لکھی ہوئی ہے وہاں تک آسانی سے کام چل جاتا تھا۔ جب آگے پہنچا تو مجھے یاد ہے کہ رات عشاء کے بعد درس ہوتا تھا اور میں اس کی تیاری دوپہر ۱۲ بجے سے شروع کر دیتا تھا۔ صرف کھانے اور نماز کا وقفہ ہوتا تھا۔ درجنوں کتابیں دیکھ کر مسائل کی تحقیق کرنا پڑتی تھی۔ خصوصاً کتاب البیوع میں جدید اقتصادیات ومعاشیات، طب و سیاست، جہاد وسیرت اور حدود وقصاص کے جدید مسائل میں محنت شاقہ کرنی پڑتی تھی۔ مطالعہ کرنے کے بعد سب یادداشتیں جمع کر کے طلبہ کو پڑھاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سلمہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے ایک زبردست خلا کو پر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس حصے سے استفادہ کیا ہے اور ہر سال کرتا ہوں۔ جتنا تالیف ہو جاتا تھا اس سے استفادہ کرتا رہا۔ ایک ایک سطر پر ان کے لئے دعائیں نکلتی رہیں۔

اِس شرح کی ایک نادر خصوصیت:

سلف صالحین کی احتیاط، مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر حقیقت حدیث کو واضح کرنے کا جو طریقہ ہم نے بزرگوں کے اندر دیکھا تھا، اس کا کامل نمونہ اس میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک خصوصیت اس شرح کی ایسی ہے جو کسی بھی کتاب حدیث کی شرح میں موجود نہیں۔ میں پوری بصیرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ اور وہ خصوصیت یہ

ہے کہ جدید دور کے سیاسی میدان، تجارتی و معاشیاتی میدان، طبی میدان میں اور حدود و قصاص کے قوانین کے میدان میں جن نئے مسائل اور الجھے ہوئے سوالات نے جنم لیا ہے، ان پر علماء نے اگرچہ عربی اور اردو میں کتابیں لکھی ہیں لیکن کسی حدیث کی شرح کے ضمن میں، حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ان مسائل کو شروح حدیث میں بیان نہیں کیا گیا۔ یہ نمایاں اور نادر المثال خصوصیت صرف تکملہ فتح الملہم کے حصہ میں آئی ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کتاب کے مؤلف کے علم وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کو اس سے بھی زیادہ اور بڑے بڑے علمی تحقیقی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین، ثم آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمدللہ رب العالمین٥

گلگت کے پہاڑوں میں

یادگار آپ بیتی

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مرتب:

مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳

امریکہ میں مُسلمان کِس طرح رہیں

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیتُ العُلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون، ۷۳۵۲۴۸۳

إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء، اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہشتم

- خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل
- پردہ پوشی
- شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات
- ہم کہاں جارہے ہیں؟
- سفرِ معراج
- اختلاف رحمت، افتراق زحمت
- تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد
- کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا؟
- شریعت وطریقت کا تلازم
- عالمِ اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ
- موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا
- ختمِ بخاری شریف
- تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

اِصلاحی تقریریں

جلد ہشتم

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد ہشتم

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مرتب:
مولانا اعجاز احمد صمدانی

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

نام کتاب: اصلاحی تقریریں

جلد: ہشتم

خطبات: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

ضبط وترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

باہتمام: محمد ناظم اشرف

ناشر: بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبرا

بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
ادارۃ القرآن = اردو بازار، کراچی

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لا کر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کی سات مجلد کتابیں شائع کر چکے ہیں، اور اب چند مزید تقریروں کا مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلد ہشتم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کر دے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پراثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہو جائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین

امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، اور ہفتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد ہشتم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی وغیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا اعجاز احمد صمدانی (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی) نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تا کہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل

پردہ پوشی

شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات

﴿ہم کہاں جا رہے ہیں؟﴾

سفرِ معراج

اختلاف رحمت، افتراق زحمت

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

﴿شریعت وطریقت کا تلازم﴾

عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ

﴿موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا﴾

﴿ختم بخاری شریف﴾

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: اپریل ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿خدمتِ خلق اور سفارش کے فضائل﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتو کّل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.﴾

اما بعد:

﴿عن عبداللّٰہِ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "المسلم أخو المسلم لایظلمہ ولایُسلِمہٗ من کان فی حاجۃِ أخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہٖ﴾ (بخاری، باب لایظلم المسلمُ المسلم ولایسلمہ، رقم الحدیث: ۲۳۱۰، مسلم، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۲۵۸۰)

حدیث کا ترجمہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج سے ہم جن ابواب کو شروع کر رہے ہیں ان میں یہ بتلایا گیا کہ مسلمانوں کو آپس میں کس طرح سلوک کرنا چاہئے۔ ان میں سے پہلے باب کا عنوان ہے ''دوسرے مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کرنا''۔ اس سلسلے میں علامہ نووی ؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی، جو اوپر بیان ہوئی اس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا (یا اسے دشمنوں کے حوالے نہیں کرتا) اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام لگا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔''

مسلمانوں کی خدمت کرنے کی صورتیں

یہ کتنی عظیم الشان فضیلت ہے۔ ہم تھوڑی سی کوشش کر کے اس فضیلت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم دین ہے جو دن رات دین کے کاموں میں لگا ہوا ہے۔ اپنا ذاتی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ کسی کو مسئلہ بتا دیا، کسی کو سبق پڑھا دیا، کہیں جا کر تقریر کر دی۔ کہیں نماز جنازہ پڑھا دی وغیرہ یہ شخص بھی اپنے بھائیوں کے کام میں لگا ہوا ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں عظیم الشان کام ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کی دینی حاجتیں پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ایسے آدمی کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

آپ دیکھیں گے تو ایسے بہت سے علماء اور صالحین ملیں گے جن کی ظاہری آمدنی بہت تھوڑی سی ہے۔ کسی مدرسے میں پڑھاتے ہیں یا مسجد میں امامت و خطابت ہے۔ وہاں سے معمولی تنخواہ مل جاتی ہے لیکن ان کے اندر اخلاص و قناعت پائی جاتی

ہے۔ اور وہ محض اللہ کی رضا کیلئے دین کے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ڈیوٹی کے اوقات کی تو تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن باقی کاموں کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں، مفت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

کم تنخواہ کے باوجود علماء کی مالی حالت اچھی کیوں ہوتی ہے؟

آپ کو ان کی معاشی حالت ایسے بہت سے لوگوں سے زیادہ بہتر نظر آئے گی، جن کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی ہے۔ ان کاموں میں لگنے والے خود بھی اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ایسے اسباب پیدا فرماتے رہتے ہیں کہ ان کی معاشی حالت بہتر رہتی ہے۔ اول تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ دوسرا آدمی جو کام ایک ہزار میں کرتا ہے، اس کا یہ کام سو میں ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مرتبہ دوسرے ذرائع آمدنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً تجارت کا کوئی ذریعہ بن گیا۔ کہیں سے ہدیہ، تحفہ مل گیا وغیرہ۔

آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں تو معمولی سی تنخواہ پر کام کر رہا ہوں۔ ملازمت کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسلمانوں کے کام مفت کر رہا ہوں۔ یاد رکھیے! اللہ میاں کسی سے مفت کام نہیں لیتے۔ اس کا معاوضہ ضرور دیتے ہیں لیکن یہ نہیں بتلاتے کہ ہم کہاں سے دے رہے ہیں اور کس کام کا معاوضہ دے رہے ہیں؟ ادھر آپ نے مسئلہ بتایا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے کاروبار میں اچھا سا گاہک بھیج دیا۔ اگر آپ مسئلہ بتانے کی فیس مقرر کرتے اور مسئلہ بتانے پر وہ فیس وصول کرتے، اب مفت بتانیکی صورت میں وہ گاہک اس سے زیادہ پیسے دے کر جائے گا۔ یا کہیں سے تحفہ آجائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتے ہیں۔

بے لوث خدمت کرنے والے ڈاکٹر

اسی طرح اگر کوئی ڈاکٹر ہے اور وہ بے لوث ہو کر خدمت خلق کرتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ انہیں اس کا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بہت سے طبیب دیکھے ہیں کہ چھوٹی سی دکان ہے، بہت زیادہ فرنیچر بھی اس میں نہیں ہے۔ سستی سی دوا دیتے ہیں۔ طمع اور لالچ نہیں، بہت ذمہ داری سے علاج کرتے ہیں۔ صرف اتنے پیسے لیتے ہیں کہ گزارا ہوتا رہے۔ بنگلہ اور کار کی فکر نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے دل میں اس کی تمنا ہوتی ہے۔ ایسے بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ مختلف ذریعوں سے دیتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ان کی گزر بسر اچھی ہو جاتی ہے۔

حکیم محمد مختار صاحبؒ کا واقعہ

ہمارے جاننے والے ایک حکیم صاحب تھے۔ جناب حکیم محمد مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں۔ مولانا حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ عرصہ نیو ٹاؤن مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں ان کے والد تھے۔ بڑے ماہر طبیب تھے۔ عام طور پر ہم ان سے علاج کرایا کرتے تھے۔

جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے دل کا سخت دورہ پڑا۔ ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں انہیں داخل کیا گیا۔ کئی دن تک بے ہوش رہے۔ میرے اکلوتے بیٹے مولانا محمد زبیر صاحب جو اب دارالعلوم کے استاذ ہیں، اس وقت یہ بچے تھے۔ ان کو ٹائیفائڈ تھا اور وہ بھی شدید۔ والد صاحب کو دورہ پڑنے سے ایک روز پہلے انہیں ایک سو چھ بخار تھا، بلکہ شاید دورہ پڑنے میں یہ پریشانی بھی شامل تھی۔

والد صاحب کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد ہماری ساری توجہ اسی طرف لگ گئی۔ زبیر صاحب کے علاج کی طرف توجہ میں کمی آ گئی۔ ان کا بخار لمبا ہوتا گیا یہاں تک دو مہینے تک ان کا بخار نہیں اترا۔ ایک دن ان کا حال یہ تھا کہ ہم انہیں آوازیں بھی دیں تو بولتے نہیں تھے۔ آنکھیں بھی نہیں کھولتے تھے۔ کیونکہ غذا بالکل بند کر رکھی تھی۔ ایک طبیب نے یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ غذا بالکل بند کر دیں اور دوا دیتے رہیں۔ تین ہفتے سے غذا نہیں مل

رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہونی ہی تھی۔ اس وقت ہماری حالت بہت تشویش ناک ہوگئی۔ والد صاحب ہسپتال میں اور زبیر میاں کی یہ کیفیت۔

جمعہ کا دن تھا۔ طے ہوا کہ میں یہیں رہوں گا۔ جمعہ کے بعد مولانا تقی صاحب ہسپتال جائیں گے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آئیں گے۔ چنانچہ مولانا تقی صاحب جمعہ کے بعد گئے اور حکیم مختار صاحب کو لے کر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ بچے کی حالت بہت خطرناک ہو چکی تھی۔ ان کے کہنے پر فوراً نرم غذا دی گئی جس سے زبیر صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے با قاعدہ سے علاج شروع کر دیا پرہیز، علاج اور غذا کا صحیح استعمال کیا گیا جس سے حالت روز بروز بہتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے معلوم ہوا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی عطا فرمائی۔

انہی علاج کے دنوں میں جب کہ ابھی تک بخار ختم نہیں ہوا تھا اور مریض کی حالت نازک تھی۔ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت ہمارے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے باہر آکر دیکھا تو حکیم مختار صاحب کھڑے تھے۔ فرمانے لگے کہ میں آج تہجد کے وقت گھر سے چلا تھا۔ (ان کا گھر ناظم آباد میں تھا) صدر میں آکر فجر کی نماز پڑھی اور پھر وہاں سے بس میں بیٹھ کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ خیریت تو ہے؟ فرمایا کہ رات آپ نے دوا لانے کے لئے آدمی بھیجا تھا۔ میں نے زبیر صاحب کے لئے جو دوا تیار کی تھی۔ آپ کا آدمی اسے لینے کے بجائے کسی اور مریض کی دوا اٹھا کر لے آیا۔ میں اس تشویش میں آیا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہ دوا اسے دے دیں۔ ان کی دوا یہ ہے (اور پھر وہ دوا میرے حوالے کر دی)۔

آپ اندازہ کیجئے! کیا آج کوئی طبیب ایسا ہے؟ آج کا ڈاکٹر تو یہی کہے گا کہ مریض مرتا ہے تو مرے اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور میری کوئی ذمہ داری بھی نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ غلطی ہمارے آدمی کی تھی لیکن معاملہ جان کا تھا، جس کے لئے انہوں نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

طبیب اور ڈاکٹر بھی اگر مسلمانوں کی خدمت کے خیال سے لگا رہتا ہے، صرف لالچ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں بھی پوری کرتا ہے۔ آخرت میں تو اس کو نوازیں گے ہی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں روکتے نہیں ہیں۔ اس کی کارسازی کرتے رہتے ہیں۔ کر کے دیکھ لیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسروں کی خدمت کا جتنا بھی موقع مل جائے، خواہ دینی خدمت ہو یا دنیاوی، بہت بڑے اجر و ثواب کی بات بھی ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسروں کی خدمت کے درجات

پھر دوسروں کی خدمت میں بھی درجہ بدرجہ آنچ ہوتی ہے۔ دوسروں کی خدمت میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے، پھر بیوی بچوں کا ہے، پھر بہن بھائیوں کا ہے، پھر پڑوسیوں کا ہے، پھر دوسرے مسلمانوں کا اور پھر غیر مسلموں کا۔ غیر مسلموں کا حق بھی ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بس جانور بن کر رہو۔ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ نہ کرو۔ غیر مسلموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے کیونکہ انسانی برادری میں وہ بھی شامل ہیں۔

مسلمان کی بے چینی دور کرنے کے فضائل

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے:

﴿ومن فرّج عَنْ مُسْلِمٍ كربةً فرّج الله عنها كربةً مِن كربِ يوم القيمة﴾

”اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی بے چینی کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ

(اس کے عوض میں) قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کسی
بے چینی کو دور کریگا۔"

بعض مرتبہ انسان کسی بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔ مثلاً سر میں درد ہے، پیٹ میں تکلیف ہے، یہ بھی بے چینی ہے۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے لیکن کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ یا کوئی ظالم اس پر ظلم کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنے بچاؤ کی طاقت نہیں، جس کی وجہ سے وہ بے چین ہے۔ غرضیکہ جس طرح کی بھی بے چینی ہو، اگر کوئی مسلمان اس کی بے چینی کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کسی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اندازہ کیجئے کتنا عظیم الشان بدلہ ہے! دنیا کی بے چینی آخرت کی بے چینی کے مقابلے میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ دنیا کی بے چینی عارضی اور معمولی جبکہ آخرت کی بے چینی دائمی اور بہت زیادہ تکلیف دہ ہے۔ آج اگر کوئی شخص کسی کی یہ عارضی بے چینی دور کرے گا تو کل قیامت کے روز اس کا یہ عمل اس کے کام آئے گا اور اس کی ایک بہت بڑی بے چینی دور کی جائیگی۔

کسی مسلمان پر آسانی کرنے کی فضیلت

ایک حدیث میں ہے کہ:

﴿مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ (صحيح مسلم، باب فضل الإجتماع على تلاوة، القرآن و على الذكر، رقم الحديث: ٢٦٩٩)

"جو شخص آسانی کرتا ہے کسی تنگدست پر (یا مشکل میں پھنسے ہوئے پر)
تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

تنگدست پر آسانی کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص پر آپ کا قرض ہے۔ وہ غربت کی وجہ سے اسے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ آپ نے اس کو مہلت دے

دی تو یہ اس کے لئے آسانی ہوئی۔ اس کا بدلہ آپ کو یہ ملے گا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دنیا میں بھی آسانیاں پیدا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

''معسرٍ'' کے ایک معنی ''مشکل میں پھنسے ہوئے'' کے ہیں۔ مشکل میں مبتلا شخص کے لئے آسانی پیدا کرنے پر بھی یہی فضیلت ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی ملازم ہے۔ روزے کا دن ہے۔ گرمی کا سخت روزہ ہے۔ اس میں آپ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں۔ ایسا سخت کام اس کے ذمہ نہ لگائیں جس کو برداشت کرنا اس کے لئے مشکل ہو۔ انشاء اللہ، آپ کے لئے دنیا و آخرت میں آسانیاں ہونگی۔

سفارش اور اس کے فضائل

دوسروں کی خدمت کرنے کی ایک صورت ''سفارش'' ہے۔ سفارش کے بہت سے فضائل قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُن لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُن لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (النساء، ۸۵)

''جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کی سفارش کی جائیگی۔ اسی طرح کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ اگر آپ نے کسی اچھے شخص کی سفارش کی اور کہا کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے، اپنے فن کا ماہر ہے، اسے آپ ملازم رکھ لیجئے یا کسی طالبعلم کی سفارش کی کہ یہ بڑا اچھا طالبعلم ہے، اسے اپنے مدرسہ میں داخلہ دے دیجئے اور واقعۃً ایسا ہے بھی، تو وہ جتنے اچھے کام کریگا اس میں آپ کا بھی حصہ ہوگا کیونکہ آپ اس کے ان نیک کاموں کا سبب بنے ہیں۔ اور اس کے برعکس اگر آپ نے کسی غلط کام کی سفارش کر دی اور اس

نے وہاں جا کر غلط کام کئے تو ان غلط کاموں میں آپ کا بھی حصہ لگے گا۔ اس لئے سفارش کرنے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے۔ جتنی بات آپ کو معلوم ہے، اس سے زیادہ کے دعوے نہ کریں۔

سفارش سننے والے کی ذمہ داری

اور سفارش سننے والے کیلئے یہ ہے کہ جس کی سفارش کی گئی، اگر وہ واقعۃً اس منصب کا اہل ہے تو اس کی سفارش قبول کرلے لیکن اگر اس کی نظر میں کوئی اور شخص اس سے زیادہ اس منصب کا اہل ہے تو اسے چھوڑ کر سفارش والے آدمی کو لینا ناجائز ہوگا۔

پھر بھی سفارش کا ثواب مل جائے گا

ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی شخص اپنی کسی حاجت کے لئے آتا تھا تو آپؐ اپنے ہم نشینوں کی طرف توجہ کر کے فرماتے:

﴿إشفعوا توجروا ويقضى اللّٰهُ علىٰ لسانِ نبيهٖ مَا أُحَبَّ.﴾ (صحيح البخاری باب تحريض على الصدقة والشفاعة فيها، رقم الحديث: ۱۳۶۵)

''تم سفارش کرو تمہیں اس کا اجر ملے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہ فیصلہ کرائے گا جو پسند کرے گا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کرنے والے کی سفارش کے مطابق عمل نہ بھی ہو تو بھی اسے سفارش کرنے کا ثواب مل جاتا ہے۔ آپ نے کسی مالدار آدمی سے غریب آدمی کی سفارش کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں یہ بے چارہ بہت غریب ہے، اگر آپ اس کی مدد کریں گے تو بہت اچھا ہوگا لیکن اس نے مدد نہ کی تو پھر بھی آپ کو سفارش کا ثواب مل جائیگا۔

سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں

لیکن سفارش کے معاملے میں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت کے اندر سفارش کی حدود ہیں۔ سفارش کرنے کی تو اجازت ہے۔ لیکن سفارش پر اصرار کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو میں جانتا تھا کہ یہ بڑا اچھا مسلمان ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے کہا کہ میرے نزدیک یہ پکا مؤمن ہے، اسے بھی آپ کچھ دے دیجئے۔ ایک لفظ انہوں نے ایسا بولا تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرمائی لیکن اسے کچھ دیا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر سفارش کی۔ آپ ﷺ نے پھر اسی لفظ کی اصلاح کی اور اس بار بھی کچھ نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے پھر سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أقِتالاً يا سعد!﴾ (صحيح مسلم، باب اعطاء من يخاف على ايمانه رقم الحديث: ۱۰۵۸)

''اے سعد! کیا تم مجھ سے لڑائی کرو گے''۔

مطلب یہ کہ کیا تم مجھ سے لڑائی کر کے زبردستی کا فیصلہ کراؤ گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ سفارش کے اندر اصرار کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس آپ سفارش لے کر جاتے ہیں، اس کی بھی تو اپنی کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، کچھ پابندیاں اور حدود ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہا ہے اور آپ آ کر اصرار کر رہے ہیں کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، اسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیں، ہوسکتا ہے کہ اسے ملازم رکھنے میں ادارے کی مصلحت

نہ ہو کیونکہ ادارے کا سربراہ ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی سفارش پر اصرار کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ایک آدمی کی تو خیر خواہی کر رہے ہیں لیکن دوسرے آدمی کو پریشان کر رہے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت عارفیؒ کا معمول

ہمارے والد ماجدؒ اور ہمارے مرشد ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ دونوں بزرگوں کا یہ معمول تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی سفارش کے لئے آتا کہ فلاں افسر یا فلاں وزیر آپ کے معتقد ہیں۔ آپ ان سے سفارش کر دیں کہ میرے بیٹے کو ملازم رکھ لیں یا فلاں کام کرلیں۔ تو یہ حضرات اولاً تو عام طور پر حکام کے پاس سفارش نہیں کرتے تھے۔ بے تکلف افسر ہوتا تو سفارش کر دیتے، لیکن اگر کسی افسر سے بے تکلفی نہ ہوتی تو اس کے پاس سفارش نہ بھیجتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ آج کل سفارش بہت بدنام ہو چکی ہے۔ تو سفارش کرنے میں یہ خطرہ رہتا کہ وہ سوچے گا اچھا ہم نے مولانا صاحب سے مسئلہ پوچھ لیا تھا یا ان کی مجلس میں جا کر بیٹھے تھے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہمارے پاس سفارش آنا شروع ہوگئی۔ اس طریقے سے وہ دینداروں کے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گے جس سے دین کا نقصان ہوگا۔

اور بے تکلف افسروں کی طرف سفارش کرنے میں بھی اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح سفارشی رقعہ لکھتے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حامل ہذا میرے دوست ہیں/عزیز ہیں یا رشتہ دار ہیں (جو تعلق ہوتا وہ لکھتے) ان کی فلاں حاجت ہے۔ اگر قانون کے خلاف نہ ہو اور آپ کی مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو اور ان کا یہ کام ہو گیا تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

کبھی سفارش کے اندر یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کام کر دیں بلکہ یوں فرماتے کہ اگر ان کا یہ کام ہو گیا تو بہت خوشی ہو گی تا کہ دوسرا شخص اس پر عمل کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔

سفارش کا صحیح طریقہ بھی وہی ہے۔ جو ان بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ اس سے مخاطب پریشان نہیں ہوتا البتہ اس کی توجہ ایک مستحق شخص کی طرف دلا دی جاتی ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی خدمت خلق کرنے اور سفارش کے صحیح اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا أنالحمد للّٰہِ رب العالمین.

پـَــردَہ پــوشِی

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: جامعہ مسجد، دارالعلوم کراچی

تاریخ: مئی ۲۰۰۴ء

ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿پردہ پوشی﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ مِن شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ أعمالنا . من یھدِہ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یُضلِلہ فلا ھَادِیَ لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أن سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین و سلم تسلیماً کثیراً کثیراً.﴾

امّا بعد:

﴿عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: لایستر عبدٌ عبداً فی الدنیا إلاّ سترہُ اللّٰہ یوم القیامۃ (مسلم باب بشارۃ من ستر اللّٰہ علیہ فی الدنیا بان یسترعلیہ فی الآخرۃ ، رقم الحدیث: ۲۵۹۰)

آیت کریمہ اور حدیث شریف کا ترجمہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج ہم جس بات کو شروع کر رہے ہیں، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلا عذر شرعی کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ اس سلسلے میں علامہ نوویؒ نے جو آیت ذکر کی، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''جو شخص اچھی بات کی سفارش کرنے اُس کو اُس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا''۔ (سورۃ نساء آیت:۸۵)

اور جو حدیث سب سے پہلے بیان ہوئی، جسے میں نے خطبے میں پڑھا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

''نہیں پردہ پوشی کرتا کوئی بندہ کسی بندے کی مگر (اس کے بدلے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا''

اسلامی آداب کا تقاضا

اسلامی آداب اور تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھیں تو اسے چھپائیں، کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں بلکہ گناہ کرنے والے پر بھی ظاہر نہ ہونے دیں کہ میں نے تمہیں دیکھا ہے ورنہ اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو شخص اس طرح دوسروں کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا اجر اسے اس طرح دے گا کہ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی بھی پردہ پوشی کرے گا۔ یعنی ان گناہوں کو معاف کردے گا اور کسی پر ظاہر بھی نہ کرے گا حتیٰ کہ فرشتوں کے سامنے بھی ظاہر نہیں کریگا۔

ہم میں سے ہر ایک اس کا محتاج ہے کہ......

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا محتاج ہے کہ ہمارے گناہ چھپے رہیں، ہم سب

گنہگار ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی گناہوں سے پاک نہیں ہے۔ کسی کے کم ہیں، کسی کے زیادہ ہیں۔ کسی کے چھوٹے ہیں، کسی کے بڑے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کا راز راز ہی رہے۔ خدانخواستہ اگر سب کے راز کھل جائیں تو سب کے سب رسوا ہو جائیں گے۔ سب ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے چھوٹوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے، اپنے شاگردوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اپنے مریدوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے۔ اگر آپ دوسروں کے عیب چھپا کر انہیں ذلت سے بچائیں گے تو اللہ رب العالمین آپ کے عیب چھپائیں گے۔

بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں

شریعت کا اصل حکم تو یہی ہے لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ یہ کہ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کے گھر میں چوری کر کے روپیہ پیسہ لوٹا ہے اور جس کی چوری ہوئی ہے، اسے معلوم نہیں کہ چوری کس نے کی ہے۔ اب اگر آپ چور کے عیب کو چھپائے رکھیں گے تو دوسرے شخص کا حق مارا جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ کے لئے اس کا جرم چھپانا جائز نہیں بلکہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے، اس پر اس جرم کو ظاہر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہاں اگر آپ چور پر رحم کرتے ہوئے اس کے عیب کو چھپائیں گے تو ایک بے گناہ کے اوپر ظلم لازم آئے گا۔ جس شخص کی چوری ہوئی ہے، وہ اس معاملے میں بے گناہ اور مظلوم ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم مظلوم کی مدد کرو۔ یہاں مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اسے چور کے بارے میں بتلاؤ اور اگر ہو سکے تو پیسہ واپس دلوانے میں اس کا ساتھ دو۔

اسی سے ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص صرف پردہ پوشی والی روایت کا ترجمہ پڑھے گا تو اسے اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ اس سے کونسی صورت مستثنیٰ ہے حالانکہ جو صورتیں مستثنیٰ ہیں، وہ بھی کسی دوسرے انسان نے مستثنیٰ نہیں کیں بلکہ خود

شریعت نے مستثنیٰ کی ہیں کیونکہ شریعت نے مظلوم کی مدد کرنے اور بے گناہ کو حتی الامکان ظلم سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جب دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ پردہ پوشی کا حکم عام نہیں اور ہر جگہ کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر استثنائی صورتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر دوسرے پر ظلم ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اسے ظلم سے بچانے کے لئے مجرم کا عیب ظاہر کر دینا واجب ہے۔

اسی طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ فلاں آدمی نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے کہ آج رات فلاں کے گھر میں ڈاکہ ڈالیں گے یا فلاں کو قتل کریں گے یا فلاں عمارت کو نقصان پہنچائیں گے وغیرہ اور آپ کو اس منصوبے کا پیشگی علم ہو گیا تو آپ پر لازم ہے کہ اس جرم کی اطلاع ان لوگوں کو دیں جو اس جرم کو روک سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کی اطلاع نہیں دیں گے تو یہ بھی ایک طرح سے مجرمین کے ساتھ مدد ہوگی۔

قرآن اور حدیث کا صرف ترجمہ چھاپنا درست نہیں

اصل حکم اور اس کی استثنائی صورتیں جاننے سے ہمیں ایک اور سبق حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ آج کل حدیث کی کتابوں کا اردو ترجمہ چھپ جاتا ہے۔ ان پر کسی عالم کی شرح لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لیجئے! ہمارے بزرگ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ کسی مستند عالم کی شرح کے بغیر اگر صرف ترجمہ شائع کیا جائے گا تو اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ ایک حدیث پڑھیں گے، دوسری حدیث سامنے نہیں ہوگی۔ اور پھر اس کے ظاہری معنی پر عمل کریں گے جس کے نتیجے میں بعض گناہوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ احادیث کو سمجھنے کے لئے یا تو استاذ کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر مستند عالم دین کی لکھی ہوئی شرح کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ غلط فہمی کا شکار ہو کر آدمی کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اسی طرح بعض لوگ قرآن شریف کا صرف ترجمہ چھاپ دیتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ترجمے کے ساتھ اس کے مختصر حواشی اور تشریحی نوٹس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف ترجمہ چھاپا جائے تو اس کی مختصر تشریح سامنے نہ ہونے کی وجہ سے عام آدمی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جتنے ترجمے کئے، ان کے ساتھ ساتھ مختصر حاشئے بھی ضرور لکھے۔

صرف زبان جاننے سے کسی فن میں مہارت حاصل نہیں ہوتی

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض وہ لوگ جنہوں نے عربی زبان میں کسی وجہ سے مہارت پیدا کر لی ہے مثلاً ایم اے عربی کیا ہے یا کسی عرب ملک میں برسوں رہے ہیں اور وہ عربی میں اچھا بول لیتے ہیں، اچھا لکھ لیتے ہیں لیکن با قاعدہ مستند عالم دین نہیں، تفسیر اور حدیث کے اندر مہارت حاصل نہیں کی، ایسے لوگ بعض مرتبہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ درس قرآن دینا شروع کر دیتے ہیں یا تفسیر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی عام طور پر غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ بہت ہی سنگین غلطیاں کر ڈالتے ہیں۔

محض کسی زبان سے واقفیت حاصل ہو جانے سے آدمی کسی علم کا ماہر نہیں ہو جاتا۔ اس کی مثال سمجھیں مثلاً میڈیکل کی کوئی کتاب انگریزی میں ہو۔ اور کوئی شخص انگریزی میں تو اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتا ہے لیکن اس نے با قاعدہ میڈیکل نہ پڑھی ہو۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ کر کے لوگوں کا علاج کرنے لگے یا میڈیکل کالج میں جا کر کہے کہ میں اس کالج میں لیکچر دے سکتا ہوں کیونکہ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور مجھے انگریزی خوب آتی ہے۔ ڈاکٹری کی کتاب لکھ سکتا ہوں اور ڈاکٹری کی فلاں کتاب کی شرح بھی لکھ سکتا ہوں تو کوئی بھی اس کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوگا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو خود بھی جہالت میں مبتلا ہوگا، دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گا، کیونکہ صرف زبان جاننے سے کوئی

آدمی کسی فن کا ماہر نہیں ہوسکتا۔

بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے!

آج کل یہ بھی ایک رواج ہوگیا ہے کہ ساری زندگی تو گزری تجارت اور ملازمت وغیرہ میں۔ بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہے۔ اسمبلی کے رکن ہوئے، گورنر ہوئے، بعض لوگ وزیر اعظم بھی بن گئے، صدر بھی بن گئے۔ ریٹائرڈ ہوگئے تو پتہ چلا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں، اس کے نیچے اپنی طرف سے تفسیر لکھ رہے ہیں۔ بھلا انہیں تفسیر لکھنے کا کیا حق ہے جنہیں عربی بھی نہیں آتی!

بلاشبہ اسلام سب کا ہے لیکن......

اگر ان سے کہا جائے کہ آپ یہ غلط کام کر رہے ہیں تو فوراً جواب ملتا ہے کہ کیا اسلام پر صرف علماء ہی کا راج ہے؟۔ اسلام تو ہم سب کا ہے تو جس طرح انہیں تفسیر لکھنے کا حق ہے، ہمیں بھی ہونا چاہئے۔

بلاشبہ، اسلام سب کا ہے، صرف مولویوں کا نہیں ہے لیکن تمہیں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔ اگر آپ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا علم تو حاصل کریں۔ خوب سمجھ لیجئے! استاذ کے بغیر کوئی آدمی کسی فن کا ماہر نہیں بنتا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹری کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر بننا چاہے یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرآن کی تفاسیر اور تراجم کا مطالعہ کر کے آدمی کبھی مفسر نہیں بن سکتا۔ اس کے لئے باقاعدہ علم سیکھنا پڑے گا۔

خود اپنا گناہ ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہیں

یہاں تک اس حدیث سے متعلق گفتگو ہوئی جس میں ایک مسلمان کو اس بات

کی ترغیب دی گئی کہ وہ دوسروں کی پردہ پوشی کرے، اگر کسی کو گناہ کرتا دیکھے تو اسے ظاہر نہ کرے۔ جس طرح دوسروں کو کسی کا گناہ ظاہر نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح خود اس شخص کو بھی چاہئے کہ اپنے گناہ کا اظہار نہ کرے۔ شریعت میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

﴿کل أمّتی معافیً إلاّ المجاهرین﴾ (صحیح البخاری، باب ستر المؤمن علی نفسه، رقم الحدیث: ۵۷۲۱)

''میری امت کے سب لوگوں کے گناہوں کی معافی ہوسکتی ہے سوائے ان لوگوں کے جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں۔ (ان کی معافی نہیں)''

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کے لئے معافی نہ ہونے کی وجہ

کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی معافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ کہ یہ جرم علی الاعلان کیا۔ جو ایک طرح کا ڈھٹائی پن ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ہے۔ ہم بے خوف ہیں۔ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں (العیاذ باللہ) یہ جرم بہت سخت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جرم پر نہ شرمندہ ہے اور نہ ہی وہ اسے برا سمجھ رہا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں آ رہا ہے۔

گناہ تو سب سے ہوتے ہیں لیکن گناہ کے بعد توبہ کر لینا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿کل بنی آدم خطّاء و خیر الخطاء ین التوّابونo﴾

(مستدرک علی الصحیحین، ۲۷۲/۴، رقم الحدیث: ۷۶۱۷)

''تمام انسان خطا کار ہیں لیکن سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں جو

سب سے زیادہ توبہ بھی کرتے رہتے ہیں''

اس لئے بندہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اس سے گناہ ہو جائے ،فوراً توبہ کرلے۔لیکن جو بندہ اس گناہ کو علی الاعلان کرتا ہے، وہ اسے برا ہی نہیں سمجھتا تو وہ اس سے توبہ کہاں کرے گا؟ اس سے گناہ کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر خدانخواستہ کسی آدمی سے گناہ ہو جائے تو وہ اسے چھپالے، کسی پر ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا رہے کہ یا اللہ! اسے چھپالیجئے۔ مجھے ذلیل اور رسوانہ کیجئے۔

مجاہرہ یعنی کھلم کھلا گناہ کرنے کا ایک مطلب اسی حدیث کے اگلے حصے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

﴿و إنّ المجاهره أن يعمل الرجل بالليل عملاً ثم يُصبحَ وقد ستره اللّٰهُ عليه فيقول: يا فلان عملت البارحة كذا و كذا.﴾

''علی الاعلان گناہ کرنے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص نے رات کو (چوری چھپے) کوئی گناہ کیا تھا (جس کی کسی کو خبر نہیں تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کو چھپا رکھا تھا لیکن جب وہ صبح کرتا ہے تو اپنے کسی دوست سے کہتا ہے کہ آج رات میں نے فلاں گناہ کیا تھا۔''

یہ عمل بھی مجاہرۃ میں داخل ہے اور یہ بھی بہت بڑی جسارت اور بے شرمی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کے گناہ کو چھپا رکھا تھا لیکن اس نے خود ہی اپنے گناہ کو ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے خود اپنی پردہ دری کر دی۔ تو جس طرح دوسروں کے لئے اس کی پردہ دری کرنا جائز نہیں خود اس کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔

اللہ پناہ میں رکھے، آج ہمارے معاشرے میں یہ بات بھی داخل ہو چکی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد خود ہی اس کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور اظہار کرتے وقت ان پر ندامت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس عیب سے ہماری حفاظت فرمائے اور اپنے گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمینO

شادیِ بیاہ سے مُتعلّق شرعی ھدایات

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مکان جاوید موتی والا
موقع: تقریب متعلقہ شادی عزیزہ جاوید موتی والا
ترتیب و عنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شادی بیاہ سے متعلق شرعی ہدایات﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ أعمالنَا . مَن یَھدِہِ اللّٰہُ فلا مضلَّ لہٗ و من یضللہ فلا ھادِی لہٗ و نشھدأنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ أجمعین و سلّم تسلیماً کثیراً.﴾

امّا بعد:

فاعوذ باللّٰہِ من الشیطانِ الرجیم

بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرجیمo

﴿یا ایھا الناس اتقوا ربّکم الّذی خلقکم مِن نفسٍ واحدۃٍ و خَلَقَ منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیراً و نساءً ط واتقوا اللّٰہ الّذی تساء لون بہٖ والأرحام ط

إِنّ اللّٰه کان علیکم رقیباً﴾ (النساء، آیت نمبر ۱)

مہینوں پہلے شادی کا بخار چڑھ جاتا ہے

بزرگان محترم، برادرانِ عزیز، محترم خواتین، میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیو!

سب سے پہلے میں اس تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے ایک اچھا، مفید اور مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔

شادی کے سلسلے میں نکاح سے پہلے کئی دن سے اور نکاح کے کئی دن بعد تک طرح طرح کی تقریبات اور اجتماعات کرنے کا رواج ہمارے ہاں موجود ہے بلکہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور ان میں بے شمار باتیں ناجائز ہوتی ہیں۔ مثلاً فضول خرچی، دکھاوا، بے کار کی رسمیں، وقت اور پیسے کا ضیاع وغیرہ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شادی ہوتی ہے تو مہینوں پہلے سے شادی کرنے والوں پر شادی کا بخار چڑھا ہوتا ہے۔

شاید دنیا کی اور کسی بھی قوم میں شادی کی اتنی رسمیں نہیں ہوتیں جتنی ہندوؤں میں اور ہمارے ہاں ہوتی ہیں۔ ہمارے اندر یہ رسمیں دراصل ہندوؤں سے ہی آئی ہیں۔ ہمارے جاوید صاحب نے یہ اچھا سلسلہ شروع کیا ہے کہ شادی کے کچھ روز پہلے یہ تقریب منعقد کی ہے۔ الحمدللہ، میں دیکھتا ہوں کہ میمن برادری اور گجراتی برادری میں یہ اچھا سلسلہ چل گیا ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے۔

نکاح کی تقریب وعظ و نصیحت کا موقع نہیں

بعض لوگ شادی کے دن نکاح کی تقریب میں یہ چاہا کرتے ہیں کہ کوئی وعظ و تقریر ہو جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ موقع وعظ و تقریر کا نہیں ہوتا۔ یہ تفریح اور ملاقاتوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے بڑے اور جوان سب ایک دوسرے سے ملاقاتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ آتے ہی خوشی منانے کے لئے ہیں۔ اس موقع پر اگر وعظ و تقریر رکھی جائے تو وہ کچھ بے موقع ہو جاتی ہے۔ اس کا خاص فائدہ بھی نہیں ہوتا اور

توجہ سے سنی بھی نہیں جاتی۔ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے کہ نکاح کی تقریب سے پہلے خاص اس مقصد کے لئے یہ اجتماع رکھا گیا ہے۔

میں رات کو ہونے والی شادی بیاہ کی تقریبات میں حتی الامکان نہیں جاتا لیکن اس اجتماع میں آنے کا تقاضا اس وجہ سے پیدا ہوا کہ یہ خواتین وحضرات کے لئے ایک اچھا موقع ہے کہ وہ دین کی باتیں سنیں اور ہم سنائیں۔

رسموں کی وجہ سے بیٹی زحمت بن گئی

آج کل شادی بیاہ کی رسموں کی وجہ سے یہ معاملہ اتنا دشوار ہوگیا ہے کہ غریب اور کم مالی گنجائش رکھنے والے لوگوں کے لئے ان رسموں کو پورا کرنا بڑی مصیبت بن گیا ہے۔ میرے ایک رشتہ دار کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی تین بیٹیوں کی شادی کی۔ تیسری بیٹی کی شادی کے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ''میں تو ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کسی کو بیٹی نہ دینا''۔ غور کیجئے! بیٹی تو اللہ کی رحمت ہے لیکن ان رسموں کی وجہ سے آج وہ زحمت بن گئی۔

کوئی ایک رسم تھوڑی ہے۔ رسمیں ہی رسمیں ہیں جو منگنی کے وقت سے شروع ہوتی ہیں۔ منگنی ایک مستقل تقریب ہے جس میں خطیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح ہر بعد میں آنے والے مرحلے میں کئی کئی طرح کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور ان پر بھی ڈھیروں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اب بیچارے وہ لوگ جن کے پاس قارون کا خزانہ نہیں ہے کہ وہ اتنی رسموں کو نبھائیں اور قیمتی جہیز دیں، ان کے لئے مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایک بھائی نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی اور دوسرے کے پاس اتنی وسعت نہیں تو وہ بیچارہ قرضہ لے گا یا کوئی اور ناجائز کام کرے گا۔ جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لئے پتہ نہیں کیا کیا دھندے کرے گا۔ آج ہمارے معاشرے میں جو بڑے پیمانے پر کرپشن موجود ہے، اس کی ایک بڑی وجہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کا ایک بہت بڑا باب ہماری یہ

شادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بیماریوں سے نجات عطا فرمائے۔

نکاح کے خطبے میں پڑھی جانے والی آیات

آپ سنتے ہوں گے کہ جب نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں تین آیات پڑھی جاتی ہیں۔

﴿ ۱۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ...... الخ﴾ (سورة نساء کی پهلی آیت)

﴿ ۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. ﴾ (آل عمران، ۱۰۲)

﴿ ۳۔ يا ايها الذين اٰمنوا اتقوا اللّٰه وقولوا قولا سديداً. ﴾

ترجمہ: ۱۔ ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اس خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔''

۲۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی حالت پر مت جان دینا۔''

۳۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔''

ازدواجی تعلقات میں تقویٰ کی اہمیت

ان تینوں آیات میں توجہ طلب بات یہ ہے کہ ان کا پہلا جملہ ''تقویٰ'' کے حکم پر

مشتمل ہے۔ ان آیات کے پڑھنے کا معمول تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تین آیات کی کیا خصوصیات ہیں؟ تو جتنا آپ غور کریں گے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نکاح کے وقت سے لے کر آخر دم تک میاں بیوی دونوں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ''خدا کا خوف'' ہے۔ اگر اللہ سے ڈریں گے تو دونوں ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور ایک دوسرے کو خوش بھی رکھیں گے بلکہ ایک دوسرے کے خاندان کو ان سے ملنے جلنے والوں کو بھی خوش رکھیں گے۔ لیکن اگر اللہ کا خوف نہیں ہوگا تو پھر طاقت اور زور میں جس کا پلہ بھاری ہو جائیگا، وہ دوسرے کو دبا لے گا۔

یوں تو تقوی کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں ہے۔ تجارت میں بھی ہے اور سیاست میں بھی، حکومت میں بھی ہے اور عدالت میں بھی، صنعت میں بھی ہے اور زراعت میں بھی، لیکن ازدواجی تعلق میں تقویٰ کی سب سے زیادہ ضرورت اس وجہ سے ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کو قانون کے ذریعے سے درست نہیں کیا جاسکتا۔ صرف پولیس کے ڈر سے ان تعلقات کو نہیں نبھایا جاسکتا، عدالتی فیصلوں کے ذریعے سے میاں بیوی ایک دوسرے سے اپنے اپنے حقوق نہیں لے سکتے۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال سمجھیں۔ مثال کے طور پر ایک شوہر ہے وہ اپنی بیوی کے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا لیکن مسکرا کر بات نہیں کرتا۔ جب بھی بات کرتا ہے اس کی تیوریوں پر بل ہوتے ہیں۔ کیا اس کو کسی عدالت میں آپ چیلنج کر سکتے ہیں؟ یا تھانے میں رپٹ لکھوا سکتے ہیں؟ یا فوج لا کر اسے زبردستی مجبور کر سکتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے خندہ پیشانی کے ساتھ بات کرو ہرگز نہیں لیکن اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ مسکرا کر بات نہیں کرے گا تو تعلقات میں اتنی کشیدگی پیدا ہوگی کہ آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے کیونکہ اس سے پہلے نفرت پیدا ہوگی۔ پھر جھگڑے اور ناچاقیاں شروع ہو جائیں گی اور نہ

جانے پھر کہاں سے کہاں تک معاملہ جا پہنچے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے

تاجدار دو عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ گھر تشریف لاتے تو آپ کے چہرہ انور پر تبسم ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ سفر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں داخل ہونے لگے تو آپ کا چہرہ انور ناگواری کے اثرات کی وجہ سے سرخ ہوگیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی تاب نہ لاسکیں فوراً عرض کیا کہ میں اللہ سے توبہ کرتی ہوں، آپ مجھے بتائیں کہ مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردے پر تصویر لگی ہوئی ہے۔

چنانچہ پھر ان پردوں کو پھاڑا گیا اور ان کو تکیوں میں اس طرح سے استعمال کیا گیا کہ تصویر ختم ہوگئی۔ (صحیح بخاری، باب التجارة فیما یکرہ لبسه، للرجال والنساء، رقم الحدیث: ۱۹۹۹، مسلم، باب تحریم صورة حیوان...... الخ (رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

اب دیکھیے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی عادت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائیں تو آپ کے چہرے پر تیوریاں پڑی ہوئی ہوں۔ چنانچہ اس کو برداشت نہیں کرسکیں۔ فوراً معافی مانگی اور وجہ دریافت کی۔

ان چیزوں کا اہتمام "تقویٰ" کے بغیر نہیں ہوسکتا

ایک رات کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں سو رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رات کا کچھ حصہ گزرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ میں سو چکی ہوں۔ آپ بہت آہستہ سے اٹھے، پائنتی کی طرف سے آہستہ آہستہ چل کر حجرے کے دروازے تک پہنچے۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور پھر آہستہ دروازہ بند کیا۔ (صحیح مسلم، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، رقم

الحدیث: ۴۷۹) اس کے بعد طویل قصہ ہے۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر احتیاط سے اٹھے کہ پاؤں کی چاپ نہ سنائی دے، دروازے کھولنے اور بند کرنے کی آواز پیدا نہ ہوتا کہ عائشہ صدیقہؓ کی نیند خراب نہ ہو جائے۔ ان چیزوں کا اہتمام اللہ کے ڈر اور آخرت کے حساب کے خوف کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ عورت خلقی طور پر کمزور پیدا ہوئی ہے۔ اگر خدا کا خوف نہیں ہوگا تو اسے مرد دبالے گا۔ اور یہ آج کل ہو رہا ہے۔ آج کل بکثرت یہ حال نظر آتا ہے کہ عورتوں کو میراث نہیں ملتی۔ باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ ساری میراث بھائی بانٹ کھاتے ہیں۔ عورتیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

بیوی باندی بن کر نہیں آتی

بہت سے گھروں میں یہ عادت ہے کہ شادی اس لئے کرتے ہیں کہ گھروں میں ایک کام کرنے والی باندی آجائے گی۔ اس پر ساس بھی حکومت چلائے گی اور سسر بھی، دیور بھی حکومت کریں گے اور نندیں بھی۔ گویا سارے خاندان کی خدمت کرنا اس کا فرض منصبی ہوگا۔ حالانکہ شریعت نے اسے کسی کی باندی نہیں بنایا بلکہ وہ شوہر کی زندگی کی ساتھی ہے۔ شریعت نے کسی کو یہ حق نہیں دیا کہ اس پر اس طرح حکومت چلائی جائے جس طرح ہمارے معاشرے میں چلائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ خدا کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت عارفیؒ کا عجیب معمول

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اتنے سال میری شادی کو ہو گئے (غالباً ۴۰ سال بتلائے) اس عرصے میں میں نے کبھی اپنی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہیں کی اور کبھی میں نے اپنے کسی کام کے لئے نہیں کہا۔ بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بیٹھی ہیں اور گلاس ان کے قریب رکھا ہے۔ اگر میں گلاس اٹھانا چاہوں تو مجھے اٹھنا پڑیگا اور اگر ان سے مانگوں گا تو اٹھنا نہیں پڑے گا، وہ ہاتھ

سے اٹھا دے گی لیکن میں کبھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ گلاس اٹھا کر دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے شوق سے خود میری خدمت کرتی ہے اور میری راحت رسانی کی فکر کرتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب شوہر ایسا پاکباز ہوگا، ایسی رعایت کرنے والا ہوگا، ایسی محبت کرنے والا ہوگا تو بیوی بھی اس پر اپنی جان قربان کرے گی۔ ویسے بھی ہمارے ہندو پاک کی عورتیں اپنے شوہروں پر سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ اپنا گھرانہ، اپنا خاندان اور والدین کی آغوش چھوڑ کر دوسرے گھر کو اپنا گھر بنالیتی ہیں۔ اگر شوہر اور سسرال سے ان کو محبت ملے تو اپنا پچھلا گھر بھلا دیتی ہیں لیکن یہ باتیں خدا کے خوف سے ہی آتی ہیں۔

اور جہاں خدا کا خوف نہیں ہوتا وہاں عورت باندی بن کر رہتی ہے۔ اس کی پٹائی تک کی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دیور نے بھاوج کی پٹائی کر دی۔ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے۔

تقریب شادی کے منکرات کے اثرات

آج کل ہمارے ہاں شادی کے اجتماعات میں طرح طرح کے منکرات ہوتے ہیں۔ فائرنگ بھی ہوتی ہے۔ مخلوط اجتماعات بھی ہوتے ہیں، میوزک بھی ہوتا ہے، اور دکھاوا وفضول خرچی وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ ''بے برکتی'' ہے۔ اس ''بے برکتی'' کا اثر یہ ہے کہ آج گھر گھر میں ناچاقیاں ہیں۔ تعلقات میں خرابیاں ہیں۔ کہیں میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، کہیں ساس بہو کے جھگڑے ہیں اور کہیں نند اور بھابھی کے جھگڑے ہیں۔ اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں سارے گھر کے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کئے جائیں گے، سنتوں کو پامال کیا جائیگا تو ان شادیوں سے خوشیاں نہیں ملیں گی، گھروں میں راحت اور سکون نہیں ملے گا۔

بعض خواتین کے اندر بری عادتیں ہوتی ہیں مثلاً بدزبانی، بے کار کے نخرے اور بے ڈھنگا پن۔ یہ بھی شریعت کے خلاف باتیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو

یہ تھا کہ اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے شوہر کو اتنا اونچا مقام دیا ہے۔ چنانچہ اگر بے کار کے نخرے اور بدزبانی کرے گی تو وہ گناہ کی مرتکب ہوگی۔ لہٰذا عورتوں کو حتی الامکان ان بری عادات سے پرہیز کرنا چاہئے تاکہ ان کی وجہ سے باہمی تعلقات ناخوشگوار نہ ہوں۔

انتہا پسندی کیا ہے؟

اسلامی شریعت کے اندر اعلیٰ درجے کا اعتدال اور توازن ہے اور اس میں ہر چیز کی کچھ حدود متعین کی گئی ہیں۔ محبت کی بھی حدود مقرر کی ہیں اور نفرت اور غصے کی بھی۔ اسی طرح کھانے، پینے، بولنے، سونے حتیٰ کہ عبادت کی بھی کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ جو ان حدود کی رعایت رکھے گا وہ معتدل ہے اور جو ان حدود کو پھلانگ جائے گا، وہ انتہا پسند ہے، آج کل ان حدود کا عام طور پر لحاظ نہیں کیا جاتا۔ آج ہی ایک صاحب مجھے اپنے بیٹے کی المناک داستان سنا رہے تھے۔ ان کا بیٹا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امریکہ میں مقیم ہے۔ لیکن کسی نقلی پیر صاحب کے ہتھے چڑھ گیا۔ جس کے نتیجہ میں اس نے اپنے ماں باپ سے تقریباً قطع تعلق کر لیا اور پیر صاحب کا ہو کر رہ گیا۔ برسوں کے بعد امریکہ سے یہاں کراچی آیا، ماں باپ سے ملے بغیر پیر صاحب سے ملنے چلا گیا۔ ماں باپ کو بتائے بغیر پیر صاحب کے کہنے پر شادی کر لی۔ ظاہراً داڑھی بھی، عمامہ بھی اور نماز کی پابندی بھی لیکن یہ سب حرکتیں شریعت کے خلاف بھی کر رہے ہیں۔ دیکھنے میں تو وہ بہت نیک کام کر رہے ہیں لیکن چونکہ یہ سب کچھ شریعت کی حدود کے مطابق نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ انتہا پسندی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حدیثیں لکھی ہیں۔ ان کے اندر عبادت کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر یہ طے کر لیا کہ رات کو

عبادت کیا کریں گے اور دن کو روزہ رکھا کریں گے۔ آپ اندازہ کریں کہ جو شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر عبادت کرے، اس کی بیوی پر کیا بیتے گی؟ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بیوی نے دبے الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کے بارے میں بتلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ دیکھو ''تمہارے اوپر تمہاری جان کا بھی حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی ہے۔'' مطلب یہ کہ اگر تم اس طرح عبادت کرو گے تو بیوی کے حقوق کیسے ادا کرو گے اور اس سے تمہاری صحت بھی خراب ہو جائیگی۔ اس لئے یہ طریقہ ترک کر دو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر روزے رکھنا چاہتے ہو تو مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اور اجازت دیجئے۔ فرمایا کہ اچھا، دس روزے رکھ لیا کرو۔ یہ مزید کی درخواست کرتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔

(صحیح البخاری، باب حق الجسم فی الصوم، رقم الحدیث: ۱۸۷۴، و باب لزوجک علیک حقٌّ، الحدیث: ۴۹۰۳، باب حق الضیف، الحدیث: ۵۷۸۳)

دیکھئے! روزہ کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ احادیث کے اندر اس کے اس قدر فضائل آئے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ آدمی خوب روزے رکھے لیکن جب عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بہت زیادہ روزے رکھنا شروع کئے تو آپ نے اس کی ایک حد مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ مت رکھو۔

ماں باپ کی خدمت کیلئے بیوی کو حکم نہ دو

آج کل حقوق کی ادائیگی میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ماں باپ کے حقوق میں لگے تو بیوی بچوں کے حقوق بھول گئے اور بعض لوگ بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں لگے تو ماں باپ کے حقوق بھول گئے۔ یہ غلط رویہ ہے۔ بلاشبہ ماں باپ کے حقوق بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ انسانوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

سب سے زیادہ حقوق ماں باپ کے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی اور بچوں کے حقوق بھی انہی کو دے دو۔ بعض لوگ اپنے ماں باپ کی خدمت اپنی بیوی سے کراتے ہیں۔ خود تو کام پر چلے گئے اور بیوی کو خدمت پر لگا دیا۔ یہ کوئی ثواب اور عبادت کی بات نہیں۔ ماں باپ کی خدمت خود کرو، بیوی کو اس کا حکم نہ دو۔ ہاں بیوی اگر اپنی خوشی اور شوق سے کرے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہے کہ شوہر کے ماں باپ بھی اس کے ماں باپ کی طرح ہیں۔ اگر وہ خوشدلی سے ان کی خدمت کرے گی تو اس سے خوشگوار تعلقات پیدا ہوں گے۔

تبلیغ میں ضرور جاؤ لیکن......

میں صاف کہتا ہوں کہ میں تبلیغی جماعت کے کام کو بہت اچھا سمجھتا ہوں اور ہر جگہ کہتا ہوں کہ تبلیغ میں خوب وقت دینا چاہئے۔ لیکن بعض باتیں (ان سب میں نہیں بلکہ بعض میں) ایسی باتیں آ گئی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً یہ کہ بیوی کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو یا نہ ہو، بچوں کو دیکھنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، صاحب چلے پر جا رہے ہیں۔ چلے سے خط آتا ہے کہ چار مہینے بعد آؤں گا اور پھر خط آتا ہے کہ ایک سال بعد آؤں گا۔ یہ کہاں کی شریعت ہے کہ بیوی بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نکل گئے کہ اللہ کے راستے میں جا رہا ہوں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا بھی تو اللہ کا راستہ ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزارو۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرو، تبلیغ میں ضرور وقت لگاؤ لیکن اس طریقے سے لگاؤ کہ بیوی بچوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

ایک صاحب تبلیغ میں چلے گئے۔ ان کی بیوی سیدزادی شریف خاندان کی لڑکی تھی، ہمیں اطلاع ملی اس کو کئی وقت کا فاقہ ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے بھی فاقے پر فاقے ہوتے رہتے ہیں اور یہ صاحب چلے پر جاتے رہتے ہیں۔ ہم نے اس صاحب کو بہت سمجھایا اور بہت ڈانٹا ڈپٹا تو کچھ ان کی روش میں تبدیلی آئی۔

خواتین بھی مردوں کے ساتھ تعاون کریں

آخر میں میری خواتین سے یہ درخواست ہے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر مرد ارادہ بھی کرتے ہیں کہ شادی بیاہ کے اندر بری رسموں سے بچیں تو عورتیں عام طور پر مردوں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔ اگر خواتین اس معاملے میں تعاون کریں گی تو ان غلط رسموں سے ہم اپنے آپ کو آسانی سے بچا سکیں گے۔ الحمد للہ، میمن برادری کے اندر میں دیکھ رہا ہوں کہ خواتین مردوں کے ساتھ اس معاملے میں تعاون کر رہی ہیں۔ اللہ کرے کہ ہماری ساری برادریوں کے اندر یہ صورت پیدا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو پیسہ دیا ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ شادی کے اندر اسے برباد کیا جائے نیک کاموں میں خرچ کرے تا کہ خود بھی رسموں کے گناہوں سے بچے اور خاندان کے غریب لوگوں کی پریشانی کا باعث بھی نہ بنے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شادی سے متعلق قرآنی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین٥

ہم کہاں جا رہے ہیں؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۱۴ مئی ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿ہم کہاں جارہے ہیں؟﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدهٗ و نستعینهٗ، و نستغفرهٗ و نومن بهٖ و نتوکّل علیه و نعوذ باللّٰهِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا ۔ من یهدهِ اللّٰه فلا مضلّ لهٗ و من یضللهٗ فلا هادی لهٗ و نشهدأن لا الٰه اِلاّ اللّٰه وحدهٗ لاشریک لهٗ ونشهد أنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدهٗ و رسولهٗ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وعلیٰ آلهٖ و صحبه اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً.﴾

اما بعد:

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:

﴿لاَ تَدْخَلُونَ الجَنَّةَ حَتّٰی تُؤمِنُوا وَلاَتُؤمِنُوا حَتّٰی تَحَابُّوا أَوَلاَ أَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْئٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُم ٥﴾ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنّه لایدخل الجنة إلاالمؤمنون ، الخ رقم الحدیث: ۵۴)

حدیث کا مفہوم

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

پچھلے کئی جمعوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے متعلق بیان چل رہا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مؤمن نہ ہو جاؤ اور تم مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ اگر وہ کرنے لگو تو تمہارے درمیان محبت قائم ہو جائے؟ وہ چیز یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنے کو رواج دو۔''

آج میں اس حدیث سے متعلق ایک اہم بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی برادری کی جان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''تم جنت میں نہیں جا سکتے، جب تک مؤمن نہ بنو اور ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو'' یہ ایک بنیادی چیز ہے اور اسلامی برادری کی جان ہے۔ اسلام میں برادری کی بنیاد ایمان ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

﴿اِنّما المؤمِنُونَ اِخْوَۃٌ﴾ (الحجرات، آیت نمبر ۱۰)

''بلاشبہ، تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

ایمان والے خواہ کوئی بھی زبان بولنے والے ہوں، کسی بھی علاقے کے رہنے والے ہوں، کسی بھی نسل سے ان کا تعلق ہو، کسی بھی تنظیم کے رکن ہوں، وہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کلمہ طیبہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

''تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو پورا

جسم بے چین ہو جاتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، ہاتھ میں تکلیف ہوتی ہے، تو پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے'' (صحیح مسلم، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم و تعاضدهم، رقم الحدیث: ۲۵۸۶)

گویا دنیا کے کسی بھی کونے میں مسلمان کو تکلیف پہنچے، وہ مسلمان خواہ افریقہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا، یورپ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سارے مسلمان بے چین ہو جائیں۔

عالم کفر مسلمانوں کی مظلومیت پر پریشان نہیں ہے

اس وقت ہم اس بات کا رونا رو رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف کونوں میں دشمنان اسلام ہمارے بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں، عراق میں کیسے کیسے مظالم توڑے جارہے ہیں، افغانستان پر کیسے مظالم ڈھائے گئے، کشمیر اور فلسطین میں برسوں سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے سامنے چنگیزیت بھی شرما جائے۔ پوری دنیا ان مظالم کو دیکھ رہی ہے اور عالم کفر اس پر ناراض نہیں ہے، وہ بیان دے دیتے ہیں، قرارداد پاس کر دیتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان مظالم کی وجہ سے ان کے کانوں پر جوں تک بھی نہیں رینگتی کیونکہ وہ مطمئن ہیں کہ ہم نہیں مر رہے بلکہ مسلمان مر رہے ہیں۔

اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

دکھ ہوتا ہے تو اہل ایمان کو ہوتا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم کو اپنے ان مسلمانوں کی تکلیف اور مظالم کی چکی میں پسنے پر دکھ ہو۔ جو حدیث میں نے خطبہ میں پڑھی ہے، اس کا ایک سبق بھی یہی ہے لیکن افسوس صد افسوس اس بات پر کہ ہم خود آپس کے میل جول میں اس سبق کو یکسر بھول چکے ہیں، کراچی میں الیکشن کے دنوں میں جو کچھ ہوا اور پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ہم سب کے سامنے ہے۔ ایک بھائی دوسرے

بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ یہ کس کھاتے میں جائے گا؟ ان پر کون روئے گا؟ اس میں ہم الزام کس پر ٹھہرائیں گے۔ ادھر بھی بھائی ادھر بھی بھائی۔ ایک مسلمان خواہ کسی بھی پارٹی کا ہو، خواہ اس کی پارٹی سے ہمارا اتفاق ہو یا اختلاف، لیکن وہ ہے تو ہمارا بھائی۔ وہ اسلامی برادری کا حصہ تو ہے۔ لیکن دکھ یہ ہے کہ یہی اسلامی برادری ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہی ہے۔ اس کی شکایت کس کے پاس لے کر جائیں؟!

کفار کے بارے میں تو ہم زور شور سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھادیئے، غیر مسلموں نے مسلمانوں کا قتل عام کر دیا لیکن یہ مقدمہ کونسی عدالت میں لے جائیں کہ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کا گلہ کاٹ دیا؟

مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کا نقصان زیادہ ہوتا ہے

ہمارے ایمان نے تو ہمیں اس کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تیئس ۲۳ سالہ محنت کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات پھیلا چکے، اسلام کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں حکمران بنا چکے، امن و امان اور عدل و انصاف پورے جزیرہ نمائے عرب میں قائم ہو چکا تھا، اور اب اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے، وصال سے تقریباً تین ماہ قبل آپ نے حج فرمایا، جسے ''حجۃ الوداع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس خطبے میں ایسی باتیں ارشاد فرمائی تھیں جیسے کوئی باپ رخصت ہوتے وقت اہم اہم باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو کرتا ہے۔

اس موقع پر آپ نے ایک نصیحت یہ فرمائی:

﴿لاتَرجِعُوا بَعدِیْ کُفّارًا یَضرِبُ بعضکم رِقَابَ بَعْضٍ﴾ (مسلم، کتاب الإیمان)

''تم میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں

مارنے لگو۔“

آپ نے مسلمانوں کے آپس میں دست و گریبان ہونے سے اس لئے بھی منع فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں جنگ و جدال اور لڑائی شروع کر دیتے ہیں تو اس کا نقصان اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

مسلمان کو قتل کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں

اور آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ”لاترجعوا بعدی کفّارًا (میرے بعد لوٹ کر کافر نہ ہو جانا) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا ایک مسلمان کا کام نہیں بلکہ یہ کام کافروں کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ایمان کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کسی مسلمان کی گردن مارے۔ ایک مسلمان دوسرے کے ساتھ کتنا ہی شدید اختلاف رکھتا ہو، سیاسی اختلاف ہو یا تنظیمی اختلاف ہو، رائے کا اختلاف ہو یا کسی شرعی مسئلے میں اختلاف ہو، لیکن جب ادھر بھی مسلمان ہو اور ادھر بھی مسلمان ہو تو شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے مال، جان یا آبرو کو نقصان پہنچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

﴿إنّ دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرامٌ علیکم کحرمةِ یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شَهرکم هذا﴾

کہاں پناہ ملے گی؟

اسلام نے تو ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ ہم کسی دوسرے کے مال، عزت اور جان سے کھیلیں لیکن افسوس کہ ہمارا شہر کراچی برسوں سے خون میں نہا رہا ہے۔ گن پوائنٹ پر کاریں چھنتی ہیں، گھر لٹتے ہیں، مال بھی لٹ رہے ہیں، عزتیں بھی

لٹ رہی ہیں، جانیں بھی جارہی ہیں۔

یوں تو یہ کھیل عرصے سے کھیلا جارہا ہے، لیکن الیکشن کے موقع پر اس میں اور شدت آجاتی ہے۔ الیکشن کا کام اصل میں تو پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ قیادت کے چناؤ کے لئے ہوتا ہے۔ الیکشن لڑنے والے اس بات کے دعویدار ہوتے ہیں کہ ہم قوم اور ملت کی رہنمائی کریں گے، ان کی جان و مال کی حفاظت کریں گے اور ان کے مسائل حل کریں گے۔ اگر اس الیکشن کے اندر بھی ایک دوسرے کی گردنیں ماری جائیں اور جان و مال کو نقصان پہنچایا جائے تو بتلایئے کہاں پناہ ملے گی؟

کلمہ پڑھنے والا خواہ کسی تنظیم کا ہو، ہمارا بھائی ہے

کلمہ پڑھنے والا ہمارا بھائی ہے، خواہ کسی بھی تنظیم کا ہو۔ زیاہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اچھا بھائی نہیں۔ لیکن برے بھائی کو بھی گھر سے نکالتے تو نہیں، اس سے بھی تو قطع تعلق کرنے کی اجازت نہیں، اسے بھی تو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ تو جس طرح خونی رشتے والے بھائی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا جائز نہیں، اسی طرح اسلامی بھائی پر بھی اسطرح کے مظالم ڈھانا جائز نہیں۔

اسلام کے خلاف عالم کفر کا اتحاد

افسوس صد افسوس یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے شہر میں ہو رہا ہے، کسی گاؤں، گوٹھ میں نہیں ہو رہا، ان پڑھ اور جاہل لوگوں کی بستیوں میں نہیں ہو رہا، پڑھے لکھے لوگوں کے علاقوں میں ہو رہا ہے۔ سارا عالم کفر تمہارے مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ روس اور امریکہ جن کی کتنے سالوں سے پرانی دشمنی چل رہی تھی، وہ بھی متفق ہو گئے روس والے امریکہ سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ اگر تم مسلمانوں کو مٹاؤ تو ہمیں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والے ان سے کہتے ہیں کہ تم چیچنیا اور بوسنیا پر ظلم ڈھاتے رہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح ہندو ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا کوئی دوسری غیر مسلم اقوام، یہ

سب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ابھرنے والی طاقت ''اسلام'' ہے۔ جس طرح ممکن ہو اس کا راستہ روکو۔

یہ عہدے یہیں رہ جائیں گے

تو عالم کفر تو تمہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور تم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے آپ کو مٹانے پر تلے ہوئے ہو۔ بتاؤ پھر امان کہاں ملے گی؟ اور ایسی قوم کہاں رہے گی جس کے دوسرے بھی دشمن اور اپنے بھی دشمن، دوسرے بھی اس کو ماریں اور خود بھی ایک دوسرے کی گردنیں اڑائیں۔

یہ سیٹیں یہیں دھری رہ جائیں گی، یہ عہدے اور رنگینیں یہیں رہ جائیں گی۔ جب یہ ظاہری آنکھ بند ہوگی اور دوسرا عالم سامنے آئے گا تو وہاں نہ یہ سیٹیں ہوں گی اور نہ عہدے و رنگینیں، وہاں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا، وہاں یہ پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس کام کیلئے دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے وہاں کیا کام کیا؟ وہاں تو ایک ایک لمحے کا، ایک ایک چیز کا، ایک ایک حرکت اور ایک ایک سکون کا حساب ہوگا۔

ان جرائم کا بنیادی سبب

آدمی یہ سارے دھندے اس وقت کرتا ہے جب وہ قبر کو بھول جاتا ہے۔ جب آخرت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو وہ قتل و غارت بھی کرتا ہے، لڑائیاں بھی کرتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے اور دشمنیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن وہ شخص جسے اپنی قبر یاد ہو، وہ ان دھندوں میں لگنے کے بجائے اپنی آخرت بنانے کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے، جس سے میری قبر برباد ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

﴿حبّ الدُّنیا رأسُ کلِّ خطیئۃٍ﴾ (کشف الخفاء، ج ۱ ص ۴۱۲ رقم الحدیث: ۱۰۹۹)

''دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔''

جب آدمی کے دل میں دنیا کی محبت سما جائے۔ مال و دولت، عہدہ اور شہرت اس کا مطمح نظر بن جائے تو پھر وہ ہر قسم کے گناہ کرتا ہے۔ قتل و غارت گری بھی کرتا ہے۔ ظلم بھی ڈھاتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی بھی کرتا ہے غرضیکہ سب کچھ کرتا ہے۔ انبیاء کرام یہی بتلانے کے لئے آتے تھے کہ اگر تم نے اپنی قبر کو بھلا دیا اور موت سے غافل ہو گئے تو تمہاری یہ زندگی بھی جہنم بن جائے گی۔ اگر تم اس زندگی کو پرامن رکھنا چاہتے ہو اور اسے خوشیوں کا گہوارہ بنانا چاہتے ہو تو اپنی قبر کو یاد رکھو، ورنہ ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے، بھیڑیئے اور درندے بن کر جنگل کا قانون رائج کرو گے''۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا قانون رائج ہو گا۔

آج پورا شہر سوگوار ہے، سارے کام معطل پڑے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف ایک مسلمان کے قتل سے اگر اتنی سوگواری بلکہ اس سے بھی زیادہ سوگواری ہو تو بھی بجا ہے، اس لئے کہ مسلمان کے خون کی عظمت، ایسی ہے جیسے بیت اللہ کی۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَمَن يقتل مومناً متعمدًا فجزاءهٗ جهنم خٰلدًا فيها و غضب اللّٰه عليه ولعنهٗ و اعدّلهٗ عذاباً عظيماً﴾

''اور جس شخص نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کا بدلہ جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور اس پر اللہ نے لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یہ قرآن کا فرمان ہے، کوئی مولوی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، یہ کیسی خطرناک وعید ہے۔

جتنے بھی مسلمان مارے گئے، وہ ہمارا ہی نقصان ہے۔ کسی یہودی، ہندو یا

عیسائی کا نہیں ہوا۔ ہماری پونجی لٹی ہے۔ ایک ایک مسلمان ہماری طاقت ہے، اس واقعے سے ہماری ہی طاقت کمزور ہوئی ہے۔ اس پر ہم جتنا بھی غم کریں، بجا ہے۔ اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آئندہ کے لئے اس بارے میں کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔

اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا

ہماری دشمن قومیں جو ہم پر یلغار کر رہی ہیں، وہ کبھی آپس میں اس طرح نہیں لڑتیں۔ وہ دوسروں کو مارنے میں تو چنگیز خان اور ہلاکو خان سے بھی آگے ہیں، لیکن آپس میں متحد ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا کی سرحد تقریباً پانچ ہزار میل تک ملی ہوئی ہے۔ اس پوری سرحد پر دونوں ملکوں کا کوئی ایک فوجی بھی نہیں ہے۔ انہوں نے آپس میں معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، آپس میں لڑیں گے نہیں، کیونکہ ہمیں لڑنا تو دوسروں سے ہے۔ آپس میں لڑ کر ہمیں اپنی طاقت ختم نہیں کرنی، نتیجہ یہ ہے کہ وہاں سات سمندر پار بیٹھ کر پوری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور ہم، ہمارے پاس مادی اسباب ان سے زیادہ ہیں، قدرتی وسائل اتنے ہیں کہ کسی اور قوم کے پاس نہیں لیکن اس سب کے باوجود ان کے محکوم ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا لالچ سامنے ہو، دوسرے کی گردن مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پیسے کا لالچ ہو یا عہدے کا ہمیں مسلمان کی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس قوم کی خود غرضی اس حد تک پہنچ جائے، اس قوم کو آزاد رہنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ تاریخ کا بے رحم ہاتھ ایسی قوموں سے اقتدار چھین لیا کرتا ہے۔

مسلمانوں کو حکومت کب ملے گی؟

دنیا دار الاسباب ہے، دار الجزاء نہیں۔ حکمرانوں والی صفات پیدا کرو گے تو حکمرانی ملے گی، غلاموں کی صفات اپناؤ گے تو غلامی ملے گی۔ صرف ایمان لانے اور نماز پڑھنے سے غلامی نہیں جائے گی۔ اس کے لئے وہ اعمال کرنے پڑیں گے جو غلامی کو

مٹانے والے ہیں۔ قرآن مجید نے کہیں بھی مطلق یہ وعدہ نہیں کیا کہ صرف ایمان لانے پر حکمرانی ملے گی۔ کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وعدہ نہیں فرمایا کہ اگر مسلمان ایمان پر قائم رہے اور نماز روزہ کی پابندی کرتے رہے تو انہیں حکمرانی مل جائے گی۔ بلکہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا کہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

''اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک اعمال کیے ضرور بضرور ان کو خلیفہ بنائے گا زمین میں جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔''

''عملوا الصالحات'' میں جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ داخل ہے۔ اسی طرح سچ بولنا، سچی گواہی دینا حسنِ معاشرت، اخوت، مالِ حرام سے بچنا، دوسرے کی بددعا سے بچنا، دوسرے کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ ان سب کا مجموعہ اعمال صالحہ ہے۔ جب تمام اعمال صالحہ بجا لائے جائیں گے تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خلافت عطا کی جائے گی۔

ہمارے حصے میں غلامی کیوں آئی؟

آج بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ ایمان بھی لائے ہوئے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجا لاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ ہم نے تمام اعمال صالحہ کو اختیار نہیں کیا جن کی بنیاد پر خلافت ملا کرتی ہے۔ ہم نے وہ صفات اختیار نہیں کیں جو اقتدار کے لئے شرط تھیں۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ یورپ نے ہماری بہت سی اچھائیاں لے لیں اور یہ

ساری اچھائیاں وہ تھیں، جو دنیا بنانے والی تھیں۔ اب ہمارے پاس جو اچھائیاں باقی ہیں جیسے نماز، روزہ، ان سے جنت تو ملے گی لیکن اس پر اقتدار کا وعدہ نہیں، لیکن دنیا بنانے والی اچھائیاں ہمارے اندر موجود نہیں۔ ہماری یہ اچھائیاں انہوں نے لے لیں اور ان کی برائیاں ہم نے لے لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے حصے میں غلامی آگئی اور ان کے حصے میں حکومت آگئی۔

یہ کافر قومیں آپس میں اس طرح گردنیں مار کر اپنی طاقت برباد نہیں کر رہیں، جس طرح ہم اپنی طاقت برباد کر رہے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جتنے مسلمان کشمیر میں مرتے ہیں، اتنے کراچی میں بھی مرجاتے ہیں، جتنے فلسطین میں مرتے ہیں، اتنے پاکستان میں بھی مرجاتے ہیں۔ فرق کیا رہا کافر میں اور مسلمان میں؟ کس کس کا رونا روئیں؟!

محبت پیدا کرنے کے طریقے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیں محبت کا درس دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے، جب تک تمہارے اندر ایمان نہ ہو اور تمہارا ایمان پورا نہیں ہوگا جب تک تمہاری آپس میں محبت نہ ہو"۔ اور پھر محبت قائم کرنے کے طریقے بتلا رہے ہیں۔

ایک طریقہ یہ بتلایا کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ ہم نے اس طریقے کو ترک کر رکھا ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ بتلایا کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو تمہاری صفیں بالکل سیدھی ہونی چاہئیں اور فاصلے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ تمہارے دلوں میں فرق آجائیں گے۔

آج ہمارے ہاں عام طور پر صفوں کے برابر کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کی پابندی نہیں کی جاتی۔

غرضیکہ آج جب ہم ان اعمال کی پابندی نہیں کر رہے جن کی وجہ سے آپس

میں محبت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں دشمنیاں پھیل رہی ہیں۔

دشمنی کے اسباب اختیار کئے جارہے ہیں

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمنی کے اسباب اختیار کئے جارہے ہیں۔ غیبت کرنے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، چغلی سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ گالی دینے اور بہتان لگانے سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے ہاں ہورہا ہے۔

اس وقت ہم کیا کریں؟ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا، سوائے اس کے کہ اللہ رب العالمین کے سامنے آہ وزاری سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں اس حماقت سے نکال دے۔ ہمارے اندر محبتیں پیدا فرمادے۔ ہمارے سیاسی اختلافات دشمنیوں کی حد تک نہ آئیں۔

کب عقل آئے گی؟

اگر اب بھی ہمیں عقل نہ آئی تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کب آئے گی۔ کیا اس وقت عقل آئے گی جب ہم رہی سہی آزادی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور دشمن ہمارے اوپر پوری طرح قابض ہو جائیں۔ اللہ پناہ میں رکھے اس وقت سے کہ جب یہاں دشمن کا دور دورہ ہو اور دشمن کی حکومت ہو۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ جس قوم کی یہ حالت ہوا کرتی ہے، وہ غلامی کی طرف جایا کرتی ہے۔ یہ آثار اقتدار کی طرف جانے والے نہیں، غلامی کی طرف جانے والے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ اگر ہماری یہی حالت رہی تو کب ہم سے ہماری یہ آزادی چھن جائے۔ اللہ ہمیں وہ غم نہ دکھائے کہ ہم وہ المناک وقت دیکھیں، اس وقت سے پہلے ہمیں اٹھالے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین.

سَفُـــــرِمعُـــــرَاج

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: مدرسۃ البنات، جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ: ۲۹ نومبر ۱۹۹۷ء
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿سفرِ معراج﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدهٗ و نصلّی علی رسولِهٖ الکریم﴾

اما بعد:

﴿قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِی رَجَبَ و شَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ﴾ (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۴۸۵، رقم الحدیث: ۱۹۸۴، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۹۶، مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۱۶۵ باب الصلوٰۃ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۹ فی مسند انس شعب الإیمان للبیھقی ج ۳ ص ۳۷۵، رقم الحدیث: ۳۸۱۵)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

رجب کا مہینہ برکتوں والا ہے:

رجب کا مہینہ چل رہا ہے اور یہ مہینہ وہ ہے کہ جب یہ شروع ہوتا تھا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت سے رمضان المبارک کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ

حدیث میں آتا ہے کہ جب رجب کا چاند نظر آتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے:

﴿اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَ بَلِّغْنَا رَمَضَانَ.﴾

''اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان کے مہینے میں برکتیں عطا فرمایئے اور ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔''

''رمضان تک پہنچا دیجئے'' کا مطلب ہے کہ رمضان تک زندہ رکھئے تا کہ رمضان المبارک کے روزوں، نفلوں اور اس میں نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اس حدیث میں سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ رجب کا چاند نظر آنے پر یہ دعا کرنی چاہئے جو اوپر گزری۔

دوسرے یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں برکت کے لئے دعا کر رکھی ہے تو یہ مہینہ بڑی برکتوں والا ہے۔

اس مہینے میں معراج کا واقعہ پیش آیا

پھر اس مہینے کی ایک اور بڑی اہمیت ہے۔ وہ یہ کہ ایک روایت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مہینے میں معراج ہوئی ہے۔ معراج کے مہینے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں حتیٰ کہ سال بھی متعین نہیں ہے کہ کون سے سال یہ واقعہ پیش آیا البتہ اتنی بات متعین ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے پیش آیا بلکہ ۱۱ھ سے بھی پہلے پیش آیا، لیکن کتنا عرصہ پہلے پیش آیا، اس کے بارے میں تقریباً دس روایات ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات اور طائف کے واقعے کے بعد پیش آیا۔

پھر مہینے کے بارے میں بھی پانچ روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ربیع الاول میں یہ واقعہ آیا، ایک روایت ربیع الثانی کی ہے، تیسری روایت رجب کی، چوتھی

رمضان المبارک کی اور پانچویں روایت شوال المکرّم کی ہے۔ اسی طرح تاریخ بھی یقینی طور پر متعین نہیں کہ کونسی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا البتہ تمام روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو بات نسبتاً راجح معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ۲۷ رجب کو یہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ (ملاحظہ فرمایئے: فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۷)

واقعہ معراج کی کوئی نظیر نہیں

بلاشبہ معراج کا واقعہ پوری انسانی تاریخ کا عجیب ترین واقعہ ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا کیا ہو کہ راتوں رات ساتوں آسمانوں اور اس سے اوپر کی سیر کرا کے پھر واپس بھی لے آئے۔ اور یہ ایسا واقعہ ہے کہ انسان محض اپنی عقل کے گھوڑے دوڑا کر اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جب مشرکین مکہ کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ حیرت سے کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جائے پھر اوپری بلندی کی طرف سفر شروع کرے۔ اس میں پہلا، دوسرا، تیسرا حتیٰ کہ ساتواں آسمان اور اس سے آگے تک کا سفر کر کے پھر وہاں جا کر نجانے کیا کیا مناظر دیکھے، پھر اسی رات میں واپس بھی آ جائے۔ یہ سوچ کر بڑی خوشی خوشی بعض مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب صدیق اکبرؓ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے تو فوراً جھٹلا دیں گے چنانچہ جب آپ کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ تم جس کو نبی مانتے ہو، وہ ایسی باتیں کرتا ہے، بھلا تم ہی بتاؤ، کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی کہتے ہیں؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فرماتے ہیں تو پھر یقیناً یقیناً یہ بات بالکل سچی ہے۔ اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں۔ اسی تصدیق کے واقعے سے آپ کو ''صدیق'' کا لقب ملا۔

معراج کی رات دیدارِ الٰہی ہوا یا نہیں؟

کیا معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شامل ہیں، کی رائے یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا، اس کے برعکس بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت ابن عباسؓ بطور خاص شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے۔ اگر دوسرے قول کو اختیار کیا جائے تو یہ بھی انسانی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ کسی انسان کو دنیا میں اللہ رب العالمین کا دیدار ہوا۔ (البتہ آخرت میں تمام جنتیوں کو یہ دیدار نصیب ہوگا)۔ یہ ایسا شرف ہے کہ اس سے بڑے بڑے فرشتے بھی محروم ہیں۔

آپ کتنی بلندی پر پہنچے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں کتنی بلندی تک پہنچے، اس کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ جتنا فاصلہ یہاں سے پہلے آسمان تک کا ہے، اتنا ہی دوسرے آسمان سے تیسرے کا، تیسرے سے چوتھے کا، چوتھے سے پانچویں کا، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں آسمان کا درمیانی فاصلہ ہے۔ آج کی جدید ٹیکنالوجی ابھی تک اس زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ معلوم نہیں کر سکی۔ مختلف سیاروں کا درمیانی فاصلے معلوم ہوا ہے۔ زمین سے سورج تک کا فاصلہ بھی ناپا گیا ہے جو تقریباً ۹ کروڑ میل ہے اور وہاں سے زمین تک روشنی تقریباً ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔[۱] اور بعض سیاروں کے درمیان اتنے فاصلے ہیں کہ میلوں کے حساب سے گنتی ختم ہو جاتی ہے تو اس کے لئے فلکیات کے ماہرین نے ایک نئی اصطلاح ایجاد کی جس کا نام ہے ''نوری سال''۔ نوری سال کا مطلب ہے وہ مسافت جس کو روشنی ایک سال مسلسل سفر کر کے طے کرتی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ سورج جو ہم سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہے، اس کی روشنی ہم تک پہنچنے میں صرف

[۱] کیونکہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے۔

آٹھ منٹ لگاتی ہے، بعض اس سے دور ہیں جن تک روشنی دنوں میں پہنچتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ وہاں مہینوں سفر کے بعد روشنی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض سیارے اتنے دور ہیں کہ وہاں تک اگر روشنی بھیجی جائے تو اسے پہنچنے میں سالوں سال لگ جاتے ہیں۔ بعض سیارے ایسے ہیں کہ ان کے آپس کے فاصلے کئی کئی سو بلکہ کئی کئی ہزار نوری سالوں کے برابر ہیں اور یہ سب کچھ دنیا کے آسمان کے نیچے نیچے ہے تو پہلے آسمان تک کا فاصلہ کتنا ہوگا! اور ہر آسمان کا فاصلہ نچلے آسمان سے اتنا ہی ہے جتنا پہلے آسمان کا زمین سے تو خود اندازہ لگائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواز کس قدر بلند ہوگی۔

سفر معراج کس قدر تیز رفتار تھا؟

اور پھر یہ کس قدر تیز رفتاری سے ہوا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کی جدید سائنس بھی اس تیز رفتاری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی۔ حدیث میں آتا ہے جس سواری پر آپ کو لے جایا گیا، وہ تقریباً خچر کے برابر جنت کا ایک جانور ہے، جس کا نام ''براق'' ہے۔ اس کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، وہاں اس کا قدم پڑتا تھا۔ گویا نظر کی جو رفتار ہے، وہ رفتار اس کے جسم کی تھی۔ اگر اس براق کی نظر کی رفتار روشنی کی رفتار کے برابر ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے جانے میں ہزاروں نوری سال لگ جاتے۔ معلوم ہوا کہ براق کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی۔ آج کی سائنس بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ رفتار کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کی اس قدر تیز رفتار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھی۔

وہاں بھی امت کو یاد رکھا

یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس اونچے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی جب اللہ رب العالمین سے ہمکلامی ہوئی تو وہاں بھی امت کو یاد رکھا چنانچہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کیا۔

﴿اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ﴾

''میری تمام قولی، جسمانی اور مالی عبادات اللہ کے لئے ہیں''۔

اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿السَّلامُ عَلَیکَ اَیّھا النبیّ و رحمۃُ اللّٰہِ و برکاتہٗ﴾

''اے نبی! تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں''

جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا اور فرمایا:

﴿اَلسَّلامُ عَلَینا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّالحین﴾

''ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر ہو''۔

گویا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا اعزاز ملا تو امت کے نیکوکاروں کو بھی شامل فرمایا۔

معراج کا تحفہ

اس معراج میں آپ پانچ نمازوں کا تحفہ لائے۔ یہ نمازیں ہر مؤمن کی معراج ہیں۔ آپ کے اس واقعہ معراج کی برکت سے ہر مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ اللہ کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ میں ہوتا ہے۔ (مسند أبی عوانة ج ۲ ص ۱۸۰) اس میں وہی معراج کی باتیں یہ بھی تشہد کے اندر دہراتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے مطابق انہیں معراج نصیب ہوئی لیکن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا بلکہ نماز کے ذریعے اپنے سے ہمکلام ہونے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی قدر کرنے کی توفیق دے (آمین)

آج کل سربراہ مملکت سے ملاقات کرنا تو بڑی بات ہے، کسی وزیر یا گورنر سے

ملاقات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو قیامت آجاتی ہے۔ مہینوں چکر لگانے اور جوتے چٹخانے کے بعد ایک دومنٹ ملاقات کے لئے مل جائیں تو آدمی اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے لیکن ادھر بادشاہوں کا بادشاہ، جہانوں کا مالک اور رب الارباب نے ہمارے لئے اپنے دروازے چوپٹ کھول دیئے بلکہ پابندی لگادی کہ دن میں پانچ مرتبہ ضرور آؤ اور اس کے علاوہ ہر وقت آنے کی اجازت ہے اور پھر چاہے جتنی لمبی بات کرو (تلاوت کرو، نماز میں قرآن پڑھو) اس کی اجازت ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

﴿الصلوة معراج المؤمنين (شرح سنن ابن ماجه ج ١ ص ٣١٣، باب الأمل و الأجل الخ)

ترجمہ: نماز مومنین کی معراج ہے۔

رجب کی کسی رات یا دن میں عبادت کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں

یہاں ایک بات یاد رکھیں۔ وہ یہ کہ کوئی بھی عبادت "قیاس" اور اپنی رائے کے ذریعے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جس کو قرآن یا حدیث نے عبادت قرار نہیں دیا، وہ عبادت نہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی عبادت میں اضافہ کرتا ہے یا کوئی نئی عبادت متعارف کرتا ہے تو گویا وہ اپنے عمل سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین پہلے مکمل نہیں تھا، وہ اب اسے مکمل کر رہا ہے۔ رجب کے مہینے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی میں معراج ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مہینے کی کوئی خاص فضیلت الگ طور پر نہیں آئی۔ کسی سند صحیح کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ ۲۷ ویں شب کو جاگنے اور ۲۷ رجب کا روزہ رکھنے کی کوئی فضیلت ہے۔ رات کو عبادت کرنے کے معاملے میں دوسری راتوں کی طرح یہ بھی ایک رات ہے اور دن کو روزہ رکھنے کے معاملے میں دوسرے دنوں کی طرح یہ بھی ایک دن ہے، یعنی جو حکم باقی راتوں اور دنوں کا ہے، وہی حکم اس رات اور دن کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس رات کو جاگ کر عبادت کرے یا دن کو روزہ رکھے تو

بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یوں سمجھنا کہ اس رات میں عبادت کرنے کا یا دن کو روزے رکھنے کا کوئی خاص ثواب ہے، ہرگز درست نہیں کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے۔

کونڈے کی رسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں

اس مہینے میں ایک خاص رسم اور ہے جسے ''کونڈے'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں پکا کر تقسیم کی جاتی ہیں۔ یہ خودساختہ باتیں اور کھانے پینے کے دھندے ہیں۔ اگر اس دن کچھ کھانا پینا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لیکن اس کو اللہ تعالیٰ یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرو کہ انہوں نے اس دن کے کھانے پینے میں کوئی خاص فضیلت بیان کی۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگائے بغیر جو حلال چیز کھانا چاہو، کھالو۔ لیکن خوب سمجھ لو کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین.

اختلاف رحمت، افتراق زحمت

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مقام: مکان جناب بہجت ایوب زنجانی صاحب

جدہ، مدیر المستودع الأقلیمی الإمداد و

المساندة، المملکة العربیة السعودیة

تاریخ: یکم جولائی ۲۰۰۴ء ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿اختلاف رحمت، افتراق زحمت﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿نحمدهٗ و نصلّی علی رسولہٖ الکریم﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرجیم

﴿یٰٓا ایُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ولاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ. وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَلاَ تَفَرَّقُوْا﴾

﴿وَاذْکُرُوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْکُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا﴾

﴿وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ منھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ آیاتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ﴾

(آلِ عمران، ۱۰۲، ۱۰۳)

تمہیدی کلمات

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز!

میں سب سے پہلے برادر عزیز جناب بھجت صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا اور آپ حضرات کا ممنون ہوں کہ یہاں میں آپ حضرات سے اپنی معروضات پیش کرسکوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محبت کی جزائے خیر دے۔ (آمین)۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات عرض کردوں کہ آپ حضرات کو شاید تعجب ہو رہا ہے کہ میں نے احرام کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ساتھ میرے سر پر ٹوپی اور پاؤں میں موزے بھی ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے ابھی تک اپنا احرام شروع نہیں کیا۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ احرام ان کپڑوں سے شروع نہیں ہوتا بلکہ جب تلبیہ نیت کے ساتھ پڑھ لیا جائے، اس وقت سے احرام شروع ہوتا ہے تو جب یہاں سے روانگی کا وقت ہوگا، انشاء اللہ، میں احرام اس وقت شروع کرونگا۔

آیات خطبہ کا ترجمہ

محترم بھجت صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگرچہ یہ اجتماع بہت مختصر ہوگا لیکن اس میں مختلف تنظیموں اور سالک سے تعلق رکھنے والے احباب موجود ہوں گے تو کوئی ایسی بات ہونی چاہیئے جو ہم سب کے کام کی ہو۔ اسی وجہ سے میں نے قرآن مجید کی ان آیات کا انتخاب کیا جو آپ کے سامنے میں نے پڑھیں۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور تم مضبوطی سے پکڑے رکھو اللہ کی رسی کو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کہ جب تم آپس میں

ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں
الفت پیدا کی اور تم ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی۔“

یہودی سازشوں کے مقابلے کا طریقہ

”اذکنتم اعداء فالّف بین قلوبکم“ کے اندر اشارہ ہے اوس وخزرج کے اختلافات کی طرف۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلے تھے۔ برسہا برس سے ان کے درمیان قتل و غارت گری کا سلسلہ جاری تھا، اور یہودی جو مدینہ طیبہ کے گرد ونواح میں مقیم تھے، وہ ان دشمنیوں کو ہوا دیتے تھے اور ان اختلافات اور لڑائی جھگڑوں سے ہی ان کی چاندی ہوتی تھی کیونکہ اس سے ان کا اسلحہ فروخت ہوتا تھا جس سے وہ خوب مال کماتے تھے۔

یہودی لڑائیوں کو ہوا دینے کے لئے کیا کیا سازشیں کرتے تھے، وہ ایک طویل داستان ہے اور وہ داستان تقریباً ایسی ہی ہے جیسی آج کل مسلمانوں کو لڑانے کے لئے دہرائی جارہی ہے۔ ان آیات کریمہ کے اندر ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اور وہ ہے تقویٰ کا اختیار کرنا، اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا۔

چنانچہ سب سے پہلے یہ حکم دیا گیا کہ ”یا ایھا الذین اٰمنو اتقوا اللّٰہ“ تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے بچاؤ چھوٹے گناہوں سے بھی بچاؤ اور بڑے گناہوں سے بھی، کھلے ہوئے گناہوں سے بھی بچاؤ اور چھپے ہوئے گناہوں سے بھی، حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے بھی بچاؤ اور حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے بھی۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب

قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیتا ہے اور اس میں بظاہر بندوں کے لئے طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ چنانچہ یہاں ”تقویٰ“ کا حکم دیا گیا ”جو اتنا آسان

کام نہیں، گناہ، زبان، کان، دل، ہاتھ اور پاؤں کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانا ایک مشکل کام ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کا ایک طریقہ تو سورۃ توبہ میں اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''الصادقین'' سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی، عقیدے کے بھی سچے ہیں اور عمل کے بھی یعنی اللہ والے۔

گویا یہ بتلا دیا کہ جب اللہ والوں کے ساتھ رہو گے تو تقویٰ حاصل کرنا آسان ہو جائے گا اور ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ رہنے سے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے مثلاً اگر ہم سفر میں جائیں، دس پندرہ آدمی ہوں اگر سارے کے سارے نمازی ہیں، گناہوں سے بچنے والے ہیں، متقی اور پرہیز گار ہیں تو گناہوں سے بچنا کچھ مشکل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ ہمارا سفر ہو رہا ہو کہ جنہیں نہ نماز کی پرواہ ہے، نہ حلال و حرام کی اور نہ پاکی و ناپاکی کی تو وہاں وضو کرنا مشکل، نماز پڑھنا مشکل اور گناہوں سے بچنا بھی مشکل۔

قرآن معیار حق ہے

اور یہاں یہ تقویٰ پر عمل کرنے کا ایک اور آسان راستہ بتایا۔ وہ یہ کہ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' یعنی یہ بتلایا کہ اگر قرآن کو مضبوطی سے تھام لو گے تو تقویٰ میں مدد ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن معیار حق ہے اور پھر قرآن نے جس چیز کو معیار حق بنایا ہے، وہ معیار حق ہے۔ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معیار حق بنایا ہے۔ صحابہ کرام کو معیار حق بنایا ہے، اللہ والوں کو معیار حق بنایا ہے۔

گویا پہلی بات یہ ہوگئی کہ قرآن مجید کو اپنا رہبر و رہنما بنایا جائے لیکن قرآن مجید

ہی کو رہبر بنا کر ہم پوری طرح اس سے استفادہ نہیں کرسکتے کیونکہ انسان کا معلم کتاب نہیں ہوتی، بلکہ انسان ہوتا ہے۔ دنیا کا کوئی علم وفن صرف کتاب کے مطالعے سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ رب العزت نے ہر کتاب اور صحیفے کے ساتھ ایک نبی بھیجا۔ جسے اس کتاب یا صحیفے کا معلم بنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قرآن مجید بھیجا گیا اور آپ کو معلم قرآن کا خطاب دیا گیا "**ویعلمھم الکتاب والحکمۃ**" آپ کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل کی گئی کہ آپ قرآن مجید کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سکھائیں۔

کوئی کتاب کسی معلم کے بغیر نہیں آئی، البتہ ایسا ضرور ہوا ہے کہ نبی آیا ہے، کتاب نہیں آئی۔ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے معلم کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ معلم تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر ان کے شاگرد جنہوں نے ان سے یہ کتاب سیکھی یعنی صحابہ کرام پھر ان کے شاگرد، پھر ان کے شاگرد...... الخ الحمد للہ، یہ سلسلہ آج تک تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

اختلاف حدود کے اندر ہو تو مذموم نہیں

آگے حکم ہے کہ "تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔ یہاں خاص طور پر اس اعتبار سے توجہ کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید نے اس جگہ "**ولا تفرّقوا**" کا لفظ استعمال کیا ہے، "**ولا تختلفوا**" کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ اختلاف یعنی اختلاف رائے اگر قرآن وسنت کی بنیاد پر ہو، اخلاص اور للھیت کے ساتھ ہو، اپنی بڑائی جتانے اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی نیت سے نہ ہو اور ایسے مسائل میں اختلاف ہو جن میں واقعی اختلاف رائے ہوسکتا ہے (جنہیں اصطلاح میں "**مجتھدفیہ**" مسائل کہا جاتا ہے) تو وہ اختلاف کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے درمیان بھی یہ اختلاف رائے رہا اور یہ اختلاف بھی

ان معاملات میں ہوا جن کے بارے میں قرآن وحدیث کا کوئی واضح حکم نہیں تھا۔

اختلاف رائے کے نتیجے میں ایک جماعت نے ایک رائے پر عمل کیا اور دوسری نے دوسری رائے پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غزوہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے زرہیں اتار دیں، ہم نے تو ابھی تک نہیں اتاریں۔ آپ کو اسی لمحے بنوقریظہ پر چڑھائی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً صحابہ کو بنوقریظہ کی طرف جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

﴿لا يصلّين أحدُكم إلاّ في بني قريظة﴾

''تم میں سے کوئی آدمی (عصر کی) نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں''۔

صحابہ کرام روانہ ہو گئے لیکن راستہ میں عصر کی نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر عصر کی نماز بنوقریظہ پڑھیں تو نماز قضا ہو جائیگی یا اس کا وقت مکروہ ہو جائیگا اور اگر یہاں پڑھیں تو بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوگی۔ اب صحابہ کرام کی دو آراء ہو گئیں۔ کچھ صحابہ کرام کا کہنا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی بنوقریظہ پہنچنا چاہئے یہاں تک کہ عصر وہیں پڑھیں گویا نماز کو قضا کرنا مقصود نہیں، بلکہ جلدی پہنچنا مقصود ہے لیکن چونکہ اب عصر کے وقت کے اندر اندر وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس لئے ہمیں نماز یہیں پڑھ لینی چاہئے۔

دوسرے صحابہ کرام کی رائے تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ عصر بنوقریظہ میں پڑھنی ہے تو قضا ہو یا ادا، ہر حال میں نماز وہیں پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ کچھ صحابہ کرام نے راستے میں نماز پڑھ لی اور کچھ نے وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ بعد میں یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق پر نکیر نہیں فرمائی۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر قرآن وسنت کے کسی ارشاد میں دو معنوں کا

احتمال ہو اور ان میں سے کسی احتمال کو اہل علم اجتہاد کر کے اختیار کرلیں اور بعض دوسرے اہل علم دوسرے علم کو اختیار کرلیں تو ان میں سے کوئی جہت منکر نہیں ہوتی۔ اور اس پر کوئی نکیر بھی جائز نہیں۔ اختلاف فقہاء کی حقیقت بھی یہی ہے۔

بلاشبہ اسلام ایک ہے لیکن......

آج اختلاف فقہاء کو بہت اچھالا جاتا ہے کہ اسلام تو ایک ہے پھر یہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہونے کا کیا مطلب؟ بلاشبہ اسلام ایک ہے، اللہ ایک ہے، قرآن ایک ہے، قبلہ ایک ہے، نبی ایک ہے، لیکن اسی ایک دین کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ لچک رکھی ہے کہ کچھ احکامات کے اندر مختلف امکانات اور احتمالات رکھے تاکہ ہر زمانے کے فقہاء اور مجتھدین قرآن وسنت کے دلائل پر غور کر کے مسائل کا استنباط کرسکیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجتھدین کی آراء کے درمیان اختلاف ہونا ایک ظاہری بات ہے لیکن یہ اختلاف کرنے کا حق انہی کو ہے جن کے اندر اجتہاد کی صلاحیت موجود ہے، قرآن وسنت کے ماہر ہوں، ایک مضمون سے متعلق تمام احادیث ان کے علم میں ہوں۔

اختلاف رحمت کیسے بنتا ہے؟

ایسے لوگ جب کسی مسئلے میں اختلاف رائے کرتے ہیں تو یہ اختلاف رائے امت کے لئے رحمت بن جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مسئلے سے متعلق دو مختلف اقوال ہیں۔ اور دونوں اقوال دلائل پر مبنی ہیں لیکن قطعی دلائل کسی فقیہہ کے پاس بھی نہیں۔ اب کوئی شخص مجبور کن حالات کا شکار ہوگیا تو اس زمانے کے مفتی کے لئے یہ گنجائش ہوتی ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے قول پر فتوی دے دے۔ اس کے برعکس کسی دوسرے ملک میں اس کے برعکس قول پر فتویٰ دینے کی شدید ضرورت پیش آئی تو وہاں کے مفتی کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر اس مخالف قول پر فتویٰ دے دے۔ گویا ایک ملک میں ایک قول پر فتویٰ دیا گیا اور دوسرے ملک میں اس کے

برعکس قول کو اختیار کیا گیا، اس طرح شریعت کے اندر لچک پیدا ہوئی اور امت کے لئے رحمت بنی۔ اسی کو فرمایا گیا کہ:

﴿إختلاف أمتي رحمةٌ﴾

(كشف الخفاء ج ١ ص ٦٦، رقم الحديث: ١٥٣)

اختلاف کے باوجود تعظیم وتکریم

لیکن یہ اختلاف ہے ''تفرق'' نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے ''تفرق'' نہیں ہوا۔ فقہاء کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا ہے ''تفرق'' نہیں ہوا۔ چنانچہ باہمی اختلاف کے باوجود ائمہ مجتہدین ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور آج بھی ان مسالک کے پیروکار ایک دوسرے سے بڑی تعظیم وتکریم سے ملتے ہیں۔ میں ابھی اردن سے آرہا ہوں، میرے سارے میزبان شافعی تھے، شام گیا تو وہاں کچھ شافعی، کچھ حنبلی اور کچھ حنفی تھے لیکن ہماری ان سب کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ بعض دفعہ سفر میں ایسا ہوتا کہ ظہر کے وقت ہمارے بعض ساتھی کہتے ہیں کہ ہم تو عصر کی نماز بھی ابھی پڑھ رہے ہیں (کیونکہ ان کے مسلک میں اس کی گنجائش ہے کہ حالت سفر میں عصر کو ظہر کے وقت پڑھا جائے) ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تم پڑھنا چاہو تو پڑھ لو۔ ہم اپنے وقت پر عصر پڑھتے تھے لیکن محبتیں اور تعظیم وتکریم برقرار رہی۔

اب دیکھئے! امام شافعیؒ اور بعض دیگر فقہا کا مذہب یہ ہے کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو مقتدی کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے ایسی صورت میں صورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہی نہیں۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ نماز کے متعلق جتنے اور اختلاف ہیں وہ افضل غیر افضل کے ہیں لیکن یہ اختلاف وجوب اور عدم جواز کا ہے اور دلائل دونوں کے پاس قوی درجے کے ہیں۔ یہ دلائل قرآن کریم، احادیث صحیحہ سے ہیں۔

امام شافعی شاگرد ہیں امام محمد کے اور امام محمد شاگرد ہیں امام ابوحنیفہ کے۔ امام شافعی امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہیں نماز کا وقت ہوگیا۔ امام شافعیؒ کی عام عادت یہ تھی کہ وہ امامت کے لئے آگے نہیں بڑھتے تھے لیکن یہاں جب جماعت کا وقت ہوا تو خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ نماز پڑھائی اور اس میں رفع یدین نہیں کیا۔ (رفع یدین کا اختلاف افضل اور غیر افضل کا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک رفع یدین کرنا افضل ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ کرنا افضل ہے)

جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ کی عادت تو امامت کرانے کی نہ تھی یہاں آپ خود ہی آگے بڑھ گئے اور پھر رفع یدین بھی نہیں کیا۔ فرمایا کہ رفع یدین تو اس لئے نہیں کیا کہ یہ میرے نزدیک افضل ہی تو ہے، واجب تو نہیں۔ مجھے یہاں نماز پڑھتے ہوئے شرم آئی کہ میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے خلاف عمل کروں اور امامت کے لئے اس لئے آگے بڑھا کہ اگر میں کسی کے پیچھے نماز پڑھتا تو مجھے سورۃ فاتحہ پڑھنا پڑتی کیونکہ میرے مسلک کے مطابق اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر یہاں ہوتے ہوئے امام صاحب کے مسلک کے خلاف عمل کرتے ہوئے شرم آئی لہٰذا میں امام بن گیا کیونکہ امام کو دونوں مذاہب کے مطابق سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

یہ تھا ان لوگوں کا آپس میں اکرام اور تعظیم۔ جو لوگ ان اختلافات کو طعنہ زنی کا ذریعہ بناتے ہیں وہ پرلے درجے کی بددیانتی سے کام لیتے ہیں یا پرلے درجے کی ناواقفیت کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ جو حضرات ان اختلافات کی حقیقت کو جانتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ یہ اختلاف محض اللہ کے لئے تھا، اس میں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ جو اختلافات فقہاء کرام کے درمیان بعد میں ہوئے یہ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی موجود تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ "قرأت فاتحہ خلف الامام" کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض رفع یدین کرتے تھے، بعض نہیں کرتے تھے، بعض آمین بلند آواز سے کہتے تھے،

بعض نہیں کہتے تھے۔ ''نماز قصر'' کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مسلک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مختلف تھا۔ یہ سب باتیں تھیں لیکن اس کے باوجود قرآن مجید ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ:

﴿اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح، ۲۹)

(صحابہ کرامؓ) کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔

قرآن مجید نے یہ تمغۂ امتیاز تمام صحابہ کرامؓ کو دیا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ اختلاف خالص للھیت پر مبنی تھا۔

جنگ جمل وصفین سے متعلق اشکال و جواب:

یہاں ہر کوئی سوال کرسکتا ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے جو واقعات پیش آئے، وہاں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی ہوئی ہے، یہ کیا تھا؟ یہ تفرق تھا یا اختلاف تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نفسانیت پر مبنی تھا یا للھیت کی بنیاد پر تھا؟

اس کا اصولی جواب تو اسی آیت میں آگیا جو ابھی بیان ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ''رحماء بینھم'' تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کی کوئی جنگ نفسانیت کے لئے نہ تھی۔ چنانچہ اس کے بہت سے دلائل بھی ہیں جنہیں تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔

(۱) حضرت علیؓ سے جنگ صفین کے موقع پر پوچھا گیا کہ کل کی جنگ میں اگر ہم اپنے مخالف لشکر کے صحابہ کو قتل کریں گے تو ان کا کیا حکم ہوگا فرمایا کہ وہ شہید ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ ہمارے لشکر کے آدمیوں کو قتل کیا گیا تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ فرمایا کہ وہ بھی شہید ہوں گے۔ یہی سوال حضرت معاویہؓ سے بھی کیا گیا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے دیا۔[۱] کیونکہ دونوں فریق اللہ کے لیے لڑ رہے تھے حکومت کے لیے نہیں۔

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۵ فصل ۳۰

(۲) دوسری دلیل جو تاریخ نے محفوظ رکھی۔ عربی کی معروف لغت ہے ''قاموس'' اس کی شرح ہے ''تاج العروس'' جو علامہ زبیدیؒ نے لکھی۔ اس شرح میں ''اصطفلین'' کے لفظ کے تحت انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے[1]۔ اصطفلین ''اصطفلینہ'' کی جمع ہے۔ بمعنیٰ گاجر، علامہ زبیدیؒ اس کلمے کے تحت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے درمیان مقابلہ ہونے والا تھا تو ایک عیسائی حکمران کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے پاس خط آیا اور اس میں انہیں ہر قسم کی مدد کرنے کی پیشکش کی۔ (اس بادشاہ نے اس موقع پر بہترین انداز میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر آج کا کوئی حکمران ہوتا تو کہتا اہلاً سہلاً ومرحباً، لیکن معاویہ تو معاویہ تھے، تاج دار کونین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے) انہوں نے جواب میں لکھا کہ او عیسائی! تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ میں علی کا دشمن ہوں یا علی میرا دشمن ہے۔ یاد رکھ! وہ میرا بھائی ہے اور میں اس کا بھائی ہوں اور یہ جنگ ہم دو بھائیوں کی جنگ ہے۔ اگر تو نے اس میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو علیؓ کے لشکر کا سب سے پہلا سپاہی بن کر جو نکلے گا اور گاجر کی طرح تیرا سر تن سے جدا کرے گا، وہ معاویہ ہوگا۔

یہ شان تھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کو آج کل کے سیاستدانوں پر قیاس کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم کہاں اور صحابہ کرام کہاں۔ قرآن مجید اور احادیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔

ایک اہم اصول:

ایک بڑا اصول یاد رکھنے کا ہے جو ہمارے والد ماجدؒ نے اپنی کتاب ''مقام صحابہ'' میں تحریر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ تاریخی کتاب اٹھائیں گے تو آپ

---

[1] تاج العروس ج ۷ ص ۲۰۸ نیز ملاحظہ فرمائیے ''الغریب للخطابی ج ۲ ص ۵۳۵، الفائق ج ۱ ص ۱۴۶، لسان العرب ج ۱ ص ۱۱۶ و ص ۱۵۴۔

کو اس میں طرح طرح کی چیزیں ملیں گی۔ حیرت ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت معاویہؓ بھلا ایسا کر سکتے ہیں! کہیں حضرت عمرو بن العاصؓ کے بارے میں بھی باتیں ملیں گی۔ کہیں کسی اور کے بارے میں ملیں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخی روایات کی سند اس قدر مضبوط نہیں ہوتی جس قدر احادیث کی مضبوط ہوتی ہے اور نہ مورخین ان کڑی شرائط کی پابندی کرتے ہیں، جن کی پابندی محدثین کرتے ہیں۔ تاریخ کے اندر کمزور بلکہ جھوٹے راویوں کی روایات بھی آ جاتی ہیں جبکہ احادیث کے اندر کاوشیں کر کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیا گیا ہے۔ اور صحابہ کرام کے فضائل، ان کی بزرگی، ان کے تقدس اور ان کی عدالت کو قرآن اور احادیث متواترہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے تقدس کا مسئلہ عقیدے کا مسئلہ ہے۔ اور عقیدے یا تو قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہیں یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ تاریخی روایات سے تو کیا ثابت ہوتے، حدیث کی قسم خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتے۔ لہٰذا صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے والی جتنی روایات تاریخ میں ہوں گی، وہ سب ردی کے ٹوکرے میں پھینکنے کے قابل ہیں۔

ایک عجیب بات:

میرے والد ماجدؒ ایک عجیب بات فرماتے تھے وہ یہ کہ جہاں بھی کوئی قطعی بات نہیں ہوگی بلکہ مختلف طرح کے احتمالات ہوں گے اور بہت سے آدمی اس پر غور و خوض کر رہے ہوں گے تو وہاں اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ اختلاف رائے نہ ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو سب کے سب بے وقوف ہوں کہ جیسا ایک نے کہا سب نے ہاں میں ہاں ملا دی یا سب کے سب منافق کہ رائے تو کچھ اور ہے لیکن ہاں میں ہاں ملانے کے لئے اپنے دل کی رائے پوشیدہ رکھی۔ لیکن اگر منافق بھی نہیں ہوں گے اور بے وقوف بھی نہیں ہوں گے بلکہ سمجھدار اور دیانتدار ہوں گے تو پھر اختلاف رائے

ضرور ہوگا۔ چنانچہ قرآن وسنت کی تشریح میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہوا اور ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہوا لیکن یہ اختلاف ہے ''تفرق'' نہیں ہے۔ اختلاف جائز ہے۔

تین چیزیں:

تفرق پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ذہن میں رکھیں کہ اختلاف کے متعلق جو بات ہوئی ہے، اس کا حاصل اور لب لباب تین چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ جو اختلاف قرآن وسنت کی بنیاد پر اخلاص وللھیت کے ساتھ ہو اور اختلاف کرنے والوں میں وہ اہلیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے تو یہ اختلاف ممنوع نہیں بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے اس میں جو فریق بھی جو جہت اختیار کرے وہ منکر نہیں ہوتی۔

جب وہ منکر نہیں تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کو اس کی بنیاد پر ٹوکے مثلاً ایک شخص رفع یدین کر رہا ہے، دوسرا نہیں کر رہا، کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ نہ کرنے والے کو ٹوکے اور نہ کرنے والے کے لئے بھی جائز نہیں کہ کرنے والے کو ٹوکے۔ کیونکہ کوئی جہت بھی منکر نہیں، اور ''غیر منکر پر تنکیر کرنا خود منکر ہے۔''

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جو مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں اور فلاں شافعی یا مالکی یا حنبلی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول یقیناً، یقیناً صحیح ہے اور امام شافعیؒ کا قول یا کسی اور امام مثلاً امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالکؒ کا قول جو اس کے مقابلے میں ہے، وہ یقیناً غلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا قول ''مظنون الصواب اور محتمل الخطاء'' ہے جبکہ دوسرے کا قول ''مظنون الخطاء اور محتمل الصواب'' ہے۔ یعنی ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح ہے، اگرچہ احتمال اس کے غلط ہونے کا بھی ہے اور دیگر ائمہ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ وہ

خطا ہے لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔

تفرق کے جواز کی کوئی صورت نہیں:

دوسری چیز ہے ''تفرق'' یعنی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی حالت میں اس کی اجازت نہیں دی۔ خنزیر کا گوشت جتنا بڑا حرام ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا حرام ہے۔ خالص انگور کی شراب پینا جتنا بڑا گناہ ہے، مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اس سے بڑا گناہ ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بعض انتہائی مجبور کن حالات میں شریعت نے ایک حد تک خنزیر کا گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دے دی (مثلاً ایک شخص کی بھوک یا پیاس کی وجہ سے جان جا رہی ہے اور کوئی حلال چیز میسر نہیں تو اتنا خنزیر کا گوشت کھا لینا یا اتنی شراب پی لینا کہ جس سے جان بچ جائے، اس کی اجازت دے دی) لیکن مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی اجازت کسی حالت میں نہیں دی۔ جتنا ہم نے قرآن وسنت میں غور کیا اور جتنا ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھایا، ہمیں یہی نظر آیا کہ ''تفرق'' کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

نہی عن المنکر کب ضروری ہے؟

آج کے دور کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ باہمی اختلاف رائے کو باہمی جنگ وجدل اور پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ شیطان کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ عالم کے پاس عالم کے روپ میں آتا ہے، صوفی کے پاس صوفی بن کر آتا ہے اور فقیہہ کے پاس فقیہہ بن کر آتا ہے اور اسے یہ سمجھاتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام غلط کیا ہے اور کلمہ حق کہنا فرض عین ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

﴿مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنکَراً فَلْیُغَیِّرہ، بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اضعفالایْمَان.﴾ (مسلم، کتاب الایمان)

''جو تم میں سے کوئی برائی ہوتی دیکھے تو چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

لیکن یہ بات فراموش کرا دیتا ہے کہ وہ جس کو روکنے جا رہا ہے وہ منکر ہے ہی نہیں کیونکہ اس کا تعلق مجتہد فیہ مسائل سے ہے۔ اور اگر منکر بھی ہو لیکن اس پر نکیر کرنے کی وجہ سے کوئی بڑا فتنہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ''نہی عن المنکر'' بھی جائز نہیں ہوتا، بلکہ سکوت واجب ہو جاتا ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ

﴿مَنْ رَأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع......الخ﴾

یہاں پر استطاعت سے صرف حسی استطاعت اور قدرت مراد نہیں بلکہ قدرت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر اس منکر کے ازالے سے کوئی دوسرا منکر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے یا مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ قدرت حاصل نہیں اور سکوت کرنا واجب ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا واقعہ:

اس کی مثال: صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ واقعہ ہے کہ ان کے دور میں مروان بن حکم مدینے کا گورنر تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ عید کی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے دینا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوسعید خدریؓ اور وہ اکٹھے عید گاہ کی طرف آئے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے مصلی کی طرف بڑھایا لیکن وہ منبر پر چڑھ گیا۔ جب وہ خطبہ دینے لگا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کوئی سخت کلامی نہیں کی۔ صرف ایک جملہ بولا کہ

﴿الصلوٰۃ قبل الخطبہ﴾

''نماز خطبے سے پہلے (ادا کرنا ضروری) ہے۔''

لیکن مروان نے کہا کہ وہ طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

﴿اما ھذا فقد قضی ماعلیہ "مسلم کتاب الایمان﴾

(یہ شخص جس نے یہ مسئلہ بتلایا) اس نے وہ فریضہ ادا کر دیا جو اس کے ذمے تھا۔

اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابوسعید خدریؓ اور اس شخص کو یہ حسی قدرت حاصل تھی کہ مروان کو پکڑ کر منبر سے نیچے اتار دیتے لیکن شرعی قدرت نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا کرتے تو لڑائی جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ کچھ لوگ حضرت ابوسعید خدریؓ کا ساتھ دیتے اور کچھ مروان بن حکم کا ساتھ دیتے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر پھوٹ پڑتی، تو حضرت ابوسعید خدریؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ یہاں صرف زبان سے سمجھا دینا کافی تھا، ہاتھ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ معلوم ہوا کہ منکر کا ازالہ بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس سے مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑے۔

عید کی نماز میں سجدۂ سہو کیوں معاف ہے؟

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر عید کی نماز میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عید کی نماز میں مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس کا طریقہ عام نمازوں سے کچھ مختلف بھی ہے اس میں اگر سجدۂ سہو کیا جائے گا تو بہت سے وہ لوگ جو پوری طرح مسائل سے واقف نہیں ہوتے وہ الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔ کوئی سجدہ کرے گا، کوئی سلام پھیرے گا کوئی کھڑا ہو جائے گا۔ پھر آپس میں

جھگڑا ہوگا۔ کچھ لوگ امام کے سر پر جائیں گے کہ تم نے ہماری نماز خراب کر دی تو شریعت نے امت کو جھگڑے سے بچانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ یہاں سجدۂ سہو ہی نہ کرو۔

حطیم کو بیت اللہ میں کیوں شامل نہیں کیا گیا؟

اس کی ایک اور بہت واضح مثال یہ ہے کہ بیت اللہ شریف جو پوری امت مسلمہ کا قیامت تک کے لئے قبلہ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے گرد کچھ حصہ ''حطیم'' کہلاتا ہے۔ یہ دراصل بیت اللہ کا حصہ تھا لیکن جب قریش نے اس کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیسوں کی کمی تھی، اس لئے انہوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں حطیم کے حصے تک ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم (یعنی مسلمان) حدیث العہد بالاسلام نہ ہوتی (یعنی اگر یہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے نہ ہوتے) تو میں اس بیت اللہ کو حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔ (لیکن چونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے خطرہ ہے کہ اگر میں اسے منہدم کر کے حطیم والا حصہ شامل کروں گا تو نئے مسلمانوں میں کچھ لوگ بے چینی کا شکار ہوں گے جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے) (بخاری، باب من ترک بعض الاختیار، مخافۃ ان یقصر فھم بعض الناس الخ، رقم الحدیث:۱۲۶، مسلم، رقم الحدیث:۲۳۳۳)

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے بیت اللہ کو، جو قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا قبلہ بننا تھا، نامکمل چھوڑ دیا اور آج تک نامکمل چلا آرہا ہے حالانکہ یہ کھربوں انسانوں کا قبلہ ہے اور اس کا رتبہ مسجد سے کہیں زیادہ ہے لیکن مسلمانوں کو پھوٹ سے بچانے کے لئے اسے مکمل کئے بغیر چھوڑ دیا گیا۔

مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا جیل کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت

کر کے رہا ہو کر واپس دیو بند تشریف لائے تو وہاں مجالس ہوا کرتی تھیں۔ حضرت اپنے حالات سنایا کرتے۔ ایک مجلس میں، جس میں صرف علماء ہی علماء تھے حضرت نے فرمایا کہ ہم نے اس پورے مالٹا کے قیام کے دوران دو سبق سیکھے۔ مجلس میں بڑے بڑے مشاہیر علماء موجود تھے وہ سب چونک کر متوجہ ہوئے کہ اپنے وقت کا امام جو دو باتیں سیکھ کر آیا ہے، وہ کتنی اہم ہوں گی، فرمایا کہ ہم کو دو چیزوں نے تباہ کیا ہے۔ ایک قرآن سے دوری نے اور دوسرے مسلمانوں کے باہمی افتراق نے۔ میں یہ سبق لے کر آیا ہوں کہ زندگی کے جتنے لمحات باقی ہیں وہ قرآن مجید کی خدمت میں اور مسلمانوں کے افتراق کو ختم کرنے میں گزارنے ہیں۔'' ہر برائی کو ایک وقت تک اور ایک حد تک برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن مسلمانوں کے افتراق وانتشار کو کسی حالت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا:

ہمارے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا۔ اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ایک آدمی اپنی مونچھیں نیچی کرنے کے لئے تیار ہو۔ اگر دونوں اپنی مونچھیں اونچی رکھیں گے تو کبھی اتحاد نہ ہوگا۔ اور کبر کا ہونا تقویٰ کے منافی ہے۔

اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں:

کرنا کیا چاہئے؟ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ جو بہت مختصر ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ ''اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔'' جو جس مسلک کا پیرو کار ہے وہ اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے۔ لیکن دوسروں کو نہ چھیڑے۔ یہ وہی بات ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں کوئی جہت منکر نہیں ہوتی اور جب منکر نہیں تو اس پر نکیر کرنا جائز نہیں (یعنی اسے چھیڑنا جائز نہیں)

خلاصہ:

پس میری گزارشات کا خلاصہ یہ نکلا کہ اختلاف جائز ہے اور اختلاف کرنے والوں کی آراء کا احترام بھی لازم ہے لیکن افتراق کسی حال میں جائز نہیں۔ ہم اسی افتراق کی وجہ سے تباہ ہو رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کچھ اشعار اس معاملے کی بڑی اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج کفر ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور ہم آپس میں جھگڑے کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرے اور بھائیوں کی طرح مل کر رہے اور مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: تبلیغی مرکز ڈیوز بری، انگلینڈ
تاریخ: ۲۶ دسمبر ۱۹۹۶ء
ترتیب وعنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿تین اہم شعبے تعلیم، تبلیغ، جہاد﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہ فلا مضل لہٗ و من یضللہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین.﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم

بسمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیمo

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ إِذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِنْھُمْ یَتْلُوا عَلَیْھِم اٰیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُم الْکِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (آلِ عمران، ۱٦۴)

وَقَال تَعالٰی:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ إِلَيْهِم وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ.﴾ (النحل، ۴۵)

وقال تعالى:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُم أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥﴾ (آلِ عمران، ۱۰۴)

وقال تعالٰی:

يَا أَيُّهَا الرَّسُلَ بَلِّغ مَاأُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ٥ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ٥ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.﴾ (المائده، ٦٧)

وقال تعالٰی:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الجنّة. يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ٥﴾ (التوبة، ۱۱۱)

کفرستان آج دین کی سر بلندی کا سنگِ میل

بزرگان محترم اور برادران عزیز

اگر ہمارے جسم کا رواں رواں بھی اللہ کا شکر ادا کرنے لگ جائے تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا کہ یہ سرزمین جو آج سے ساٹھ ستر سال پہلے اذانوں سے

محروم تھی، اللہ کے ذکر سے بے بہرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی قربانیوں کو ایسا اثر دیا کہ آج وہی کفرستان اللہ کے دین کی سربلندی کا ایک بہت بڑا سنگ میل محسوس ہوتا ہے۔ ان دعوت کا کام کرنے والوں کے دل سے کوئی پوچھے جنہوں نے یہاں کے برفستانوں میں عین برفباری کے دوران کھلے میدانوں میں کس طرح راتیں گزاری ہیں، کوئی انہیں ٹھہرانے والا بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں اللہ کا پیغام گھر گھر پہنچایا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ نے اس کے ثمرات یہ دکھلائے کہ اب یہاں جگہ جگہ مسجدیں ہیں جو نمازیوں اور ذاکرین سے آباد ہیں۔ اور اسی دعوت والی محنت کا نتیجہ ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قرآنی کھلے ہوئے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے جو خاندان دین سے بے بہرہ تھے، نمازیں نہیں پڑھتے تھے، داڑھیاں نہیں رکھتے تھے، بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم نہیں دلواتے تھے، وہ یہاں آئے تو ملازمت اور مزدوری کے لئے تھے لیکن یہاں پر ہونے والی دعوت کی محنت کے ثمرات نے ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

دین کی محنت رائیگاں نہیں جاتی

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جو محنتیں کی جاتی ہیں، کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب وہ چٹان آگئی جو صحابہ کے زور لگانے کے باوجود نہیں ٹوٹ رہی تھی۔ تو تاجدار دو عالم، سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر کدال ماری تو اس سے چنگاری نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں قیصر کے محلات دکھائی دے رہے ہیں، دوسری مرتبہ کدال مارنے سے چنگاری نکلی تو فرمایا کہ مجھے کسریٰ کے محلات نظر آئے ہیں۔ تیسری مرتبہ فرمایا کہ مجھے یمن کے محلات نظر آرہے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ میرے سامنے ان کے خزانے پیش کئے گئے۔ میں تمہیں یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ تم ان ملکوں کو فتح کرو گے۔

کدال مدینہ میں ماری جا رہی تھی۔ اس کے اثرات قیصر و کسریٰ کے محلات پر پڑ رہے تھے کدال آج ماری جا رہی تھی، اس کے اثرات دس سال بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ اسی طرح دعوت کی محنت ایک جگہ کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات دوسری جگہ ظاہر ہوتے ہیں۔ محنت آج کی جاتی ہے۔ اس کے اثرات بعض مرتبہ سالہا سال بعد نظر آتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی پچھلی محنتیں آج رنگ لا رہی ہیں۔ ہماری محنتیں انشاء اللہ آئندہ رنگ لائیں گی۔ ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے لیکن ہماری نسلوں کو اس محنت کا فائدہ پہنچے گا۔

اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں......

اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ یہ دین قیامت تک رہنے کیلئے آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جو کام کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری آپ صحابہ کرام کے سپرد کر گئے تھے۔ اللہ رب العالمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے تابع دار صحابہ کی جماعت عطا فرمائی کہ اس زمین و آسمان نے ان کے بعد ایسے انسان نہیں دیکھے۔ انہوں نے ان کاموں کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ مسلسل بڑھاتے چلے گئے اور جب صحابہ کرام کا قرن ختم ہو رہا تھا تو ان کی ذمہ داریاں تابعین سنبھال چکے تھے، جب تابعین رخصت ہوئے تو ان کی ذمہ داریاں تبع تابعین نے سنبھالیں۔ اس طریقے سے یہ دین چلتا چلتا ہم تک پہنچا ہے۔ اگر یہ محنتیں نہ ہوتیں تو آج ہم تک یہ دین نہ پہنچتا۔ اور نہ جانے ہم کہاں کہاں ہوتے؟ اور ہم کیسے ماں باپ کی اولاد ہوتے؟ یہ دین ہم تک قربانیوں، محنتوں اور مسلسل اللہ پر یقین کے ساتھ کوششوں سے پہنچا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ سوائے اس راستے

کے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ڈالا تھا اور صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو ڈالا تھا۔ اس امت کے مسلّم امام، امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

﴿لن یصلح آخر هذه الأمة إلاّ بما صلح به أوّلها﴾

اس امت کے آخری گروہ کی اصلاح نہیں ہوگی سوائے اس راستے کے جس راستے سے اس امت کے ابتدائی گروہ کی اصلاح ہوئی۔

تین کام: سیرت نبوت کا خلاصہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی و مدنی زندگی کے کاموں کا اگر لب لباب نکالا جائے تو تین کام نظر آتے ہیں جو ترتیب وار شروع ہوئے۔

سب سے پہلا کام جو سب سے پہلے وحی کے ساتھ فاران کی چوٹیوں پر غار حرا میں شروع ہوا۔ وہ تعلیم و تعلم کا تھا جو سب سے پہلے پیغام جبرئیل امین اللہ رب العالمین کی طرف سے لے کر آئے، وہ ان الفاظ سے شروع ہو رہا تھا۔

﴿إِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ٥ خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ إِقْرَا وَ رَبُّکَ الأَکْرَمُ ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الإِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ٥﴾ (العلق، ۱۔۵)

''پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے، بنایا آدمی کو جمے ہوئے لہو سے، پڑھئے اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔''

آپ گھر تشریف لائے۔ یہ آیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سنائیں، پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو سنائیں پھر حضرت علیؓ کو سنائیں۔ یہ حضرات فوراً ایمان لے آئے لیکن ابھی اس پیغام کو عام کرنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ یہ آیات سیکھی اور سکھائی جا رہی تھیں ان کی تعلیم اور تعلم جاری تھا کافی عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تابی

سے جبرئیل علیہ السلام کا انتظار رہتا تھا۔ ایک دن جب غار سے واپس آتے ہوئے ''وادی جیاد'' سے اتر رہے تھے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا کہ:

﴿یـآ اَیُّهَـا الْمُدَّثِّرُo قُمْ فَأَنْذِرْ o وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ o وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْo وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْo﴾ (المدثر ۱ . ۵)

''اے لحاف میں لپٹنے والے، کھڑا ہو پھر سنا دے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔''

ان آیات میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ''انذار'' کیجئے یعنی اللہ کے عذاب سے لوگوں کو ڈرائیے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں آپ سے کہا گیا کہ:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾

''آپ اس پیغام کا کھل کر اعلان کر دیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔''

چنانچہ آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے دعوت عام دی ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں کا نام لے لے کر اور انہیں پکار پکار کر دعوت دی۔ تعلیم کا کام پہلے دن سے چل رہا تھا۔ اب دعوت کا کام بھی شروع ہو گیا۔

''اِنذار'' کا مطلب

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا تو اس کی پہلی وحی سورۂ مدثر کے اندر ''انذار'' کا لفظ استعمال ہوا لفظ ''انذار'' کا مطلب سمجھ لیجئے۔ ہماری اردو اتنی فصیح زبان نہیں کہ عربی کے ہر لفظ کی پوری پوری ترجمانی کر سکے۔ ''انذار'' کا لفظ بھی ایسا ہی ہے کہ اردو کا اکیلا کوئی لفظ اس کی پوری ترجمانی نہیں کر سکتا بلکہ کئی لفظوں کے مجموعہ کو ملا کر اس کے مطلب کو واضح کیا جا سکتا ہے۔

عام طور پر ''انذار'' کا ترجمہ ''ڈرانے'' سے کر دیا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ کافی

ترجمہ نہیں۔ ''انذار'' کے معنی ہیں ''کسی کو شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ کسی نقصان سے بچانے کے لئے ڈرانا'' جیسے ماں اپنے بچے کو ڈراتے ہوئے کہتی ہے ''آگ کے پاس نہ جانا، ہاتھ جل جائیگا''۔ اگر بچہ چھت کے اوپر سے جھانک رہا ہو تو ماں کہتی ہے کہ ''بیٹا! زیادہ نہ جھکنا گر جاؤ گے'' ماں کا یہ ڈرانا انتہائی شفقت، محبت اور خیر خواہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کا نام انذار ہے۔

انسان کو شیر بھی ڈراتا ہے۔ اس کا دشمن بھی اسے ڈراتا ہے۔ یہ ڈرانا ''انذار'' نہیں۔ اسی طرح آپ نے کسی کے اوپر لاٹھی اٹھالی اور کہا کہ یہ کام کرو ورنہ ماروں گا، یہ بھی انذار نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو انتہائی محبت اور خیر خواہی کے ساتھ اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور اس کا اظہار آپ نے اپنے قول وفعل سے کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا کام خیر خواہی اور گہری شفقت کے ساتھ ڈرانا ہے اور گہری شفقت کے ساتھ وہی ڈرایا کرتا ہے جس کے دل میں خود اللہ کا ڈر اور خوف سمایا ہوا ہو۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا خوف

مجھے اس وقت اپنے بچپن کا واقعہ یاد آرہا ہے اور اس موقع کی وجہ سے بار بار یاد آرہا ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً سات سال کی ہوگی کہ میں اپنے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ پہلی مرتبہ دیو بند سے دہلی گیا۔ وہاں والد صاحبؒ نے ہمیں شاہی قلعہ اور دیگر تاریخی مقامات دکھائے۔ اس کے بعد نظام الدین تشریف لے گئے۔ مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ کونسی جگہ تھی اور وہ کون لوگ تھے۔ جن کے پاس والد صاحب گئے تھے البتہ اتنا نقشہ شروع سے ذہن میں آگیا کہ وہاں کچھ لوگ تھے۔ ایک نوجوان جن کی خوبصورت داڑھی تھی، وہ بھی وہاں موجود تھے۔ (بعد میں پتہ چلا

کہ یہ مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحبؒ تھے) ان سے باتیں ہوئیں۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں کسی کی مزاج پرسی کے لئے گئے لیکن دروازے پر کھڑے لوگوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ واپس آنے لگے تو وہی نوجوان آئے اور کہنے لگے کہ حضرت والد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ اندر لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت ہی منحنی اور کمزور بزرگ سفید عمامہ باندھے ہوئے دائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے۔ (بعد میں والد صاحبؒ نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ تھے) انہوں نے اصرار کر کے والد صاحبؒ کو اپنی چارپائی پر بٹھا لیا اور پھر بلک بلک کر رونے لگے۔ اتنے بلک بلک کر روئے کہ میں حیران رہ گیا کہ یہ کیوں اتنا رو رہے ہیں۔ والد صاحبؒ نے ان کو تسلی دی جس سے انہیں کچھ ٹھنڈک سی پڑ گئی اور وہ خاموش ہو گئے۔

وہ باتیں کیا تھیں؟ اس وقت بچہ ہونے کی وجہ سے مجھے سمجھ میں نہیں آئیں لیکن والد صاحبؒ بعد میں وہ واقعہ سنایا کرتے تھے۔ والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب مولانا محمد الیاسؒ نے مجھے دیکھا تو اپنے طبیب کو بھول گئے اور بلک بلک کر رونے لگے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں رو رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب ذرا سکون ہوا تو یوں گویا ہوئے۔ ''مفتی شفیع! جب میں نے یہ کام شروع کیا تھا تو مجھے دور دور تک یہ توقع نہیں تھی کہ میری زندگی ہی میں یہ کام اتنا پھیل جائے گا، اب یہ کام اتنا پھیل گیا ہے کہ مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں یہ ''استدراج تو نہیں۔'' (استدراج کا مطلب ہے کہ کوئی شخص نافرمانی کے راستے پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے دے اور وہ یہ سمجھے کہ میں تو بڑا اچھا کام کر رہا ہوں اور اسی میں وہ مگن ہو جائے جیسا کہ فرعون وہامان وغیرہ کے ساتھ ہوا کہ نافرمانی کے باوجود انہیں بادشاہت اور وزارت ملی جس سے وہ اور گھمنڈ میں آگئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ ناراض ہوتا یہ چیزیں کہاں ملتیں)۔

والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ ہرگز استدراج نہیں

ہے۔ اور میرے پاس اس کی دلیل ہے۔ وہ یہ کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ استدراج کرتا ہے، اس کو کبھی خیال بھی نہیں گزرتا کہ میرے ساتھ استدراج ہو رہا ہے۔ آپ پر خوف وخشیت کی یہ کیفیت بتلا رہی ہے کہ یہ ہرگز استدراج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام و کرم ہے۔

جس شخص کے دل میں دین کی یہ بھٹی سلگ رہی تھی، وہ اپنی ساری توانائیاں دعوت کے کام میں لگانے کے بعد بھی اسے خوف اور ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسی نافرمانی تو نہیں ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے استدراج میں مبتلا کر دیا۔ یہ خوف اسے ہی دامنگیر ہوسکتا ہے جس کا دل اللہ کے خوف، اس کی عظمت اور اپنی حقارت کے جذبات سے بھرا ہوا ہو۔ یہ انہی کے خوف و خشیت کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ، آج اس کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں:

مکی زندگی

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں انذار اور دعوت کے نتیجے میں آپ پر مصائب کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ پوری ایک داستان ہے۔ مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں کی بھٹی کے اندر سونے کو کندن بنایا جا رہا ہے، نفس کو کچلا جا رہا ہے۔ کوڑے پڑ رہے تھے۔ نجاستیں پھینکی جا رہی تھیں، گالیاں دی جا رہی تھیں لیکن حکم تھا کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ چنانچہ گالیوں کا جواب دعاؤں سے ملتا تھا۔ تیرہ سال اس مجاہدے کی بھٹی سے گزارا گیا اور پھر حکم ہوا کہ بیت اللہ کے در و دیوار اور اس کے پڑوس کو جو تمہارا آبائی وطن بھی ہے، چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ۔

مدنی زندگی اور جہاد

مدنی زندگی کے آغاز سے تیسرا عمل یعنی جہاد فی سبیل اللہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ مدینہ آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد غزوہ بدر کا واقعہ پیش آگیا۔ یہ حق و باطل کا پہلا

معرکہ اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے کرایا کہ آپ قتال کے ارادے سے مدینے سے نہیں نکلے تھے لیکن کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کم دکھلائی گئی (جو واقعہ کے مطابق تھی) اور مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بھی کم دکھلائی گئی۔ معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ صحابہ پر مشتمل بے سروسامان قافلے کو ایک ہزار کے مسلح لشکر پر فتح عطا فرمائی۔ کفار کا لشکر جو فتح کے شادیانے بجاتا ہوا، تکبر کے گیت گاتا ہوا اور فتح کا یقین کرتا ہوا آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے سرنگون کیا۔ ان کے ستر افراد قتل ہوئے اور اتنے ہی افراد گرفتار ہوئے۔ گویا اس معرکے کے ذریعے اسلام کی دھاک بٹھائی گئی۔

اس کے بعد بقیہ مدنی زندگی ساری ایسی گزری ہے کہ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا خالی جاتا تھا کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کو کوئی نہ کوئی جہادی مہم پیش نہ آتی۔ غزوات در غزوات اور سرایا در سرایا کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، جس کے اندر ایسی شرائط رکھی گئی تھیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔ فاروق اعظمؓ بے تاب ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! جب ہم حق پر ہیں اور ہمارا دین بھی حق ہے تو یہ دبنے والی شرائط ہم کیوں قبول کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ وہ مجھے کبھی رسوا نہیں کریگا۔ (مسلم، باب صلح الحدیبیہ فی الحدیبیہ، رقم الحدیث: ۱۷۸۴)۔

اور اس کے بعد آپ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًاo﴾ (الفتح، ۱)

''ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کر دی''۔

اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ صلح مسلمانوں کے حق میں فتح مبین کا باعث بنی۔ کیونکہ اس صلح کے زمانے میں آپ کو قبائل عرب کی طرف تبلیغی قافلوں کو بھیجنے کا اور بادشاہان دنیا کے نام تبلیغی خطوط بھیجنے کا موقع مل گیا۔ آپ نے قیصر روم، کسریٰ

فارس، شاہ مصر، شاہِ حبشہ، شاہ یمن اور متعدد بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط لے کر مختلف ملکوں کی طرف جا رہے تھے۔ کوئی مصر جا رہا تھا، کوئی شام جا رہا تھا، کوئی افریقہ کوئی حبشہ جا رہا تھا۔ ہر ملک کی زبانیں الگ الگ تھیں اور صحابہ کرام ان زبانوں سے واقف نہیں تھے۔ لیکن طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جس دن روانگی ہونے والی تھی، اس دن جب صبح کو اٹھے تو ہر صحابی اس ملک کی زبان جان چکا تھا، جس ملک کی طرف وہ جانے والا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ا جزو۳ ص ۲۵۸ و ص ۲۶۴)

پھر کچھ عرصہ بعد صلح حدیبیہ ٹوٹ گئی جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے بعد مشکل ترین غزوہ ''غزوۂ تبوک'' پیش آیا اور پھر جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو جیش اسامہ روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ اس وقت حضرت اسامہ کم عمر نوجوان تھے اور خاندانی اعتبار سے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے تھے، رنگ کے اعتبار سے کالے تھے، ہونٹ موٹے تھے اور صورت وشکل میں بظاہر کوئی حُسن نظر نہیں آتا تھا لیکن آپ نے انہیں لشکر کا سپہ سالار بنایا اور سپہ سالار بھی ایسا بنایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ماتحت تھے۔ اس عمل کے ذریعے امت کو یہ سکھانا تھا کہ جو بھی تمہارا امیر مقرر ہو جائے، اس کی طاعت واجب ہے خواہ عمر میں چھوٹا ہو، رنگ میں کالا ہو اور خاندانی اعتبار سے بھی کم ہو۔

الحمدللہ، دعوت وتبلیغ کے کام میں یہی سکھایا جاتا ہے۔ تبلیغی قافلے جاتے ہیں۔ اس میں امیر مقرر کئے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ جس کو بھی امیر مقرر کر دیا جائے، اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اسلام پوری دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا

غرضیکہ آپ کی سیرت طیبہ کا پہلا کام ''تعلیم وتربیت'' غار حرا اور دارِ ارقم سے

شروع ہوا۔ دوسرا عمل ''دعوت وتبلیغ'' یہ وحی کے نزول کے وقت سے شروع ہوگیا اور تیسرا عمل ''جہاد'' یہ ہجرت مدینہ سے شروع ہوا۔ یہ تینوں کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر حیات تک کرتے رہے اور یہی کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور ان تینوں کاموں کا امین صحابہ کرام کو بنایا۔ صحابہ کرام نے ان تینوں کاموں کو اس حسن وخوبی کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دنیا نے وہ تماشا دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری دنیا کے معلم بن گئے اور ان کے تبلیغی قافلوں کے لئے دشمنان اسلام اپنے قلعوں کے دروازے کھول رہے تھے اور جو دروازہ بند کیا گیا۔ انہیں یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم کلمہ اسلام پڑھ لیتے ہو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے لیکن اگر تم کلمہ اسلام نہیں پڑھتے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے اور تمہیں زبردستی مسلمان نہیں بناتے لیکن ہمارے لئے دعوت کے راستے کو بند نہ کرو جس کی صورت یہ ہے کہ ہم سے صلح کرلو تاکہ ہم اللہ کا پیغام اگلی قوموں اور دوسرے ملکوں تک پہنچا سکیں اور اگر تم اس کو بھی قبول نہیں کرتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

چنانچہ کہیں تلوار سے فیصلے ہوئے، کہیں مصالحت سے فیصلے ہوئے اور کہیں عوام الناس نے خود ہی اپنے بادشاہوں کے تخت وتاج الٹ کر پھینک کر مجاہدین اسلام کا استقبال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا سب سے بڑا دین اسلام بن گیا۔ اللہ کے اس دین کی حکمرانی پوری مہذب دنیا پر چھا چکی تھی۔

جب یہ کام نہ رہے

جب تک یہ تینوں کام اخلاص کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ اور صحابہ کرام کی نقالی کے ساتھ انجام دیئے جاتے رہے تو مسلمان پوری دنیا کے معلم بھی تھے، میر کارواں بھی تھے، حکمران بھی تھے اور پوری دنیا کے لئے داعی اسلام بھی تھے۔ جوں جوں ہمارے ان کاموں میں کمزوری پیدا ہوئی۔ ہم عظمتوں سے ذلتوں کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔ ہم نے پیسے کمانے کے لئے دینی تعلیم سے منہ موڑا اور جب دین

کا علم نہ رہا تو دین کی تبلیغ کیسے کرتے، اس لئے کہ تبلیغ تو علم پر موقوف ہے۔ جب تک علم نہ ہوگا تو تبلیغ کس چیز کی کریں گے! اور جب علم بھی نہ رہا، تبلیغ بھی نہ رہی تو پھر جہاد کس کام کے لئے ہوگا کیونکہ علم اور تبلیغ سے خالی جہاد فساد فی الارض کا ذریعہ تو بن سکتا ہے، اشاعت دین کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

داعیان اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں

دنیا شاہد ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جب بھی کوئی کام مثبت انداز میں ہوا ہے، اس کے عالیشان اثرات اس امت نے دیکھے ہیں۔ یہ تبلیغ کا کام شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ برکت دی کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ الحمد للہ، آج دنیا میں شاید کوئی بھی اسلامی تنظیم، کوئی بھی اسلامی ادارہ اور کوئی بھی جماعت اتنے بڑے پیمانے پر اللہ کا پیغام نہیں پہنچا رہی جتنے بڑے پیمانے پر اللہ تعالیٰ اس جماعت سے کام لے رہا ہے حالانکہ اس کا نہ کوئی فنڈ ہے، نہ کوئی دفتر ہے، نہ کوئی صدر اور جنرل سیکرٹری ہے۔ نہ ناظم اطلاعات ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا عہدہ ہے۔

آج ساری تنظیموں میں عہدوں کے جھگڑے ہیں جبکہ یہاں کوئی عہدہ ہی نہیں۔ بس سب اللہ اور اس کے رسول کے غلام اور صحابہ کرام کے نقال ہیں۔ کندھوں پر سامان اٹھا اٹھا کر لوگوں کی خوشامدیں کر رہے ہیں۔ اسی دعوت اسلام کا نتیجہ ہے کہ یہاں مسجدیں اور مدرسے نظر آ رہے ہیں۔ اگر یہ تبلیغ کا کام نہ ہوتا تو بظاہر یہاں کوئی مسجد اور مدرسہ وجود میں نہ آتا۔ یہاں کے مساجد و مدارس تبلیغ کے رہین منت ہیں۔ اب تو میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ انگلستان میں بڑے بڑے دارالعلوم بھی قائم ہو رہے ہیں۔ آپ کے اسی مرکز میں درس نظامی کی پوری تعلیم ہو رہی ہے۔ بری ہی میں اس سے بھی ایک بڑا مدرسہ کام کر رہا ہے۔ ان کے فاضلین سے ملاقاتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ البانیا میں بھی کام کر رہے ہیں اور انگلینڈ میں بھی بڑے اچھے انداز میں کام کر رہے ہیں۔ ابھی ایک

اور شہر میں جانا ہوا، وہاں بھی ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم ہو چکا ہے۔ اس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ الحمد للہ، یہاں کے حفاظ و قراء، داعیانِ اسلام اور علماء کرام کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں۔

شاید انگلستان اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا مرکز ہو

اور یہاں میں ایک بات یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں کی مسجدیں مجھے پاکستان کی مسجدوں سے بھی زیادہ آباد نظر آتی ہیں اور یہاں کے اجتماعات سے خطاب کرتا ہوں تو یہ بات دیکھتا ہوں کہ پاکستان کے اجتماعات میں اتنی داڑھیاں نظر نہیں آتیں۔ جتنی داڑھیاں یہاں نظر آتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ محنتیں دنیا کو یہ نظارہ دکھانے والی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار شاید اس طرح کرے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ انگلستان سے ہو۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز ٥ اِنّہ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیْر ٥ جو اللہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاتھوں کرا سکتا ہے، وہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا مرکز انگلستان کو بھی بنا سکتا ہے البتہ شرط یہ ہے کہ یہ تینوں کام اپنی اپنی شرائط اور اپنے اپنے موقع و محل کے ساتھ امت انجام دیتی رہے۔

جہاد کے اثرات

الحمد للہ، جس طرح تعلیم و تبلیغ کے اثرات ظاہر ہوئے ہیں، اسی طرح اگرچہ جہاد کی محنت دیر سے شروع ہوئی لیکن افغانستان میں آپ نے دیکھا کہ جب تک وہ جہاد اللہ کے راستے میں اور شریعت کی حدود کے اندر ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے محسوس کی ہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ فرشتے مدد لے کر آسمانوں سے اتر رہے ہیں۔

الحمد للہ، اس ناچیز کو بھی معرکہ ارغون کے اندر حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مجاہدین اسلام ہم جیسے کم ہمت لوگوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہم نے اپنی

آنکھوں سے جو مناظر دیکھے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ عین گولوں کی بارش میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ سہانا وقت زندگی میں کبھی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں کہ بچھوؤں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے، پرندوں نے مجاہدین اسلام کی طرف سے جنگ کی ہے اور خود دشمن کے بموں نے مجاہدین اسلام کی مدد کی ہے۔

مولانا جلال الدین حقانی صاحب کا یہ واقعہ میں نے خود ان کی زبانی سنا تھا کہ دشمن نے ان کا محاصرہ کیا، بمبار طیاروں نے بم گرائے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر سرنگ میں چھپ گئے، ایک اور بم گرا جس سے ایک پہاڑ کا ٹیلا سرنگ کے منہ پر آ گرا جس سے سرنگ بند ہوگئی۔ یہ کہتے تھے کہ اب ہمارے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم سب کے سب لا الٰہ الا اللہ پڑھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مزید بمباری ہوئی تو ایک بم سرنگ کے اوپر گرا جس سے سرنگ کے منہ پر پڑا ہوا ٹیلہ ہٹ گیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات میں نے اپنی کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔[1] لیکن جب یہ جہاد ختم ہوگیا اور اقتدار کی جنگ شروع ہوئی تو وہ بدترین نمونہ بھی سامنے آیا جو افغانستان میں بعد میں رونما ہوا۔

تینوں دین کے راستے ہیں

یاد رکھئے! تعلیم، تبلیغ اور جہاد یہ تینوں دین کے راستے ہیں لیکن ہر ایک کے لئے کچھ شرائط اور تفصیلات ہیں، جن کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ خدا کیلئے یہاں انگلستان میں کوئی جہاد نہ شروع کر دینا۔ یہاں وہ زندگی گزارنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی تھی۔ البتہ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ یہاں وہ مشقتیں نہیں ہیں جو مکی زندگی میں تھیں۔ اگر کوئی یہاں جہاد

---

[1] اس کتاب کا نام ہے ''یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے'' ادارۃ المعارف کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔
اعجاز احمد غفرلہ

شروع کرے گا تو یہاں دین کا کام نہیں ہو سکے گا۔

ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ان تینوں کاموں میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے، لیکن اگر کوئی تینوں کام نہیں کر رہا تو جس کام کو بھی کرے اسے نعمت کبریٰ سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ تینوں کام شریعت کی حدود میں، سنت کے مطابق، صحابہ کرام کے طریقے پر اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں تو یہ تینوں کام ہمارے کام ہیں۔ اگر کوئی مدرسہ چلا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔ کوئی دعوت و تبلیغ میں پھر رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے اور اگر کوئی کسی شرعی جہاد میں اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے تو وہ بھی ہمارا کام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے ان کاموں میں شریعت کے مطابق لگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہِ رب العالمینo

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا؟

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب: مولانا عجاز احمد صمدانی

مقام: دارالحدیث، جامعہ دارالعلوم کراچی

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے؟

زیرِ نظر تحریر کوئی مستقل مضمون یا تقریر نہیں بلکہ مسلم شریف کی ایک حدیث کا درس ہے۔ حضرت مدظلہم نے اس حدیث سے تعلق رکھنے والے کئی مسائل کئی روز تک بیان فرمائے۔ اس تفصیلی درس کے ضمن میں حضرت مدظلہم نے ایک روز زیرِ نظر موضوع پر بھی روشنی ڈالی، افادۂ عام کے پیشِ نظر اس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔ اعجاز احمد غفر اللہ لہٗ

حدیث:

﴿عن ابی عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: أُمِرتُ أقاتِلَ النّاسَ حَتّٰی یَشهَدُوا أنْ لآ اِلٰہ اِلَّااللّٰہُ وَیُقِیمُوا الصَّلوٰۃَ وَیُؤتوا الزکوٰۃ﴾

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۱۳۸)

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نماز قائم کیا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں۔''

یہاں اسلام اور اہل اسلام پر ایک بہت بڑا اعتراض ہوتا ہے اور یہ اعتراض مستشرقین گزشتہ دوسو سال سے مسلمانوں پر کر رہے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں؟

مستشرقین وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو تحقیق اور ریسرچ کے نام پر گمراہ کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ علوم مشرقیہ کے اندر مہارت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مثلاً ہندو مذہب کے اندر مہارت پیدا کر رکھی ہے۔ کسی نے بدھ مت کے بارے میں اور کسی نے اسلام کے بارے میں مہارت پیدا کر رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ہاں ان موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا ہے۔ لیکن ان تحقیقات سے ان کا مقصد حق معلوم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، اعتراضات نکالنا اور ان اعتراضات کو اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلانا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ گزشتہ دوسو سال سے وہ لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔

مستشرقین کا اعتراض:

چنانچہ ان لوگوں نے اسلام پر جہاں اور بہت سے اعتراضات کیے ہیں، اُن میں ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اسلام میں جہاد اس لیے مشروع ہوا ہے تاکہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، چنانچہ دنیا میں اسلام اپنی حقانیت اور دلائل کے ذریعہ سے نہیں پھیلا۔ اسی طرح مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اسلام کی اعلیٰ فطری تعلیمات کی کشش سے بھی نہیں پھیلا بلکہ اسلام کو تلوار کے ذریعے زبردستی پھیلایا گیا ہے۔ اس لیے اسلام سراسر تشدد پر مبنی ظالمانہ مذہب ہے جو لوگوں کو مذہبی آزادی سے روکتا ہے اور زبردستی انہیں اپنا پیروکار بناتا ہے۔

اگرچہ یہ پروپیگنڈہ گزشتہ دوسو سال سے چل رہا ہے لیکن آج کل یہ اپنے

عروج پر ہے۔ مغربی میڈیا زہراگل رہا ہے اور ان کے بعض مفکرین تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ قرآن انسانیت دشمنی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے اندر غیر مسلموں کے بارے میں جگہ جگہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ "اُقْتُلُوْهُمْ"، "قَاتِلُوهُمْ" وغیرہ، یہ قرآن ہی ہے جو مسلمانوں کو قتل وقتال پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر غیر مسلم اقوام کے لیے امن و امان نہیں ہے۔ اس سے شاید وہ دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے "خطرے" کو اس وقت تک نہیں مٹایا جا سکتا جب تک کہ قرآن کی تعلیم کو نہیں مٹایا جائے گا۔

ان کے اعتراضات کی ظاہری دلیلیں:

ان کے اس پروپیگنڈے کی ایک دلیل بظاہر یہ حدیث بھی ہے کہ:

﴿أُمِرتُ ان أقاتِلَ النّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتوا الزكوٰةَ﴾ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اس حدیث کو اگر قرآن کریم کی آیات اور قرآن وسنت کے دوسرے احکام و قواعد سے نظر بچا کر کوئی دنیا کو دھوکہ دینا چاہے تو یہ باور کرانے کی کوشش کر سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے تین کام زبردستی کرائے جائیں گے۔

(۱) کلمہ طیبہ کا اقرار۔

(۲) نماز کی پابندی۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی۔

جب تک دنیا کے لوگ یہ تین کام نہیں کریں گے، اس وقت تک اُن سے جنگ جاری رہے گی۔

اسی طرح وہ یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوا

لھم کُلَّ مَرْصدٍ، فَاِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ فَخَلُّوا سَبِیْلَھُمْ ﴾ (التوبۃ، ۵)

''اور جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکین کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔''

اس آیت کا حوالہ دے کر کوئی سیاق و سباق، اور دوسری آیات سے آنکھیں بند کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار جہاں کہیں بھی ملیں، انہیں قتل کیا جائے گا ہاں اگر وہ ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تمام کفار کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے، اس وقت تک ان کی جان بخشی نہیں ہے۔

یہ اعتراض کم فہمی یا دھوکہ دہی پر مبنی ہے:

اس اعتراض کا جواب سمجھ لیجیے۔ یاد رکھئے کہ یہ حدیث ہو یا ابھی تلاوت کردہ آیت، جب بھی انہیں سیاق و سباق سے جدا کر کے پڑھا اور سمجھا جائے گا تو غلط نتائج نکلیں گے۔

قرآن مجید کی جس آیت پر انہوں نے اعتراض کیا یعنی فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الحرم.........الخ اس کے بعد اگلی آیت یہ ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَأمَنَہ﴾ (التوبہ: ۵)

''اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ۔''

اس اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر کوئی مشرک آپ کے پاس آ کر آپ سے پناہ مانگ لے تو اُسے پناہ دے دو۔ یہاں آنے سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اللہ کا کلام سنے گا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ' (پھر اس کو اس کی جائے پناہ تک پہنچاؤ) گویا یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ امن وامان کے ساتھ اس کے وطن واپس پہنچایا جائے۔

دیکھئے کہ یہاں یہ معاملہ اُس شخص کے ساتھ کیا جا رہا ہے جو مسلمان نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ قتال سے بچنے کا ایک راستہ یہ بھی ہے کہ کافر اجازت طلب کر کے مسلمانوں کے ملک میں آ جائے۔ ایسے کافر کو اصطلاح میں ''مستأمن'' کہتے ہیں جیسے آجکل دوسرے ممالک کے کافر ویزا لے کر ہمارے ملک میں آ جاتے ہیں تو ایسے کافروں کے بارے یہ حکم ہے کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور اُن سے جنگ ہرگز نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت سے کچھ پہلے سورۂ انفال کے اواخر میں یہ ہے کہ:

﴿وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾

(الانفال: ۶۱)

''اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کر لیں معلوم ہوا کہ کفار اگر اپنے کفر پر رہتے ہوئے مسلمانوں سے صلح کے طلبگار ہوں تو مسلمان ان سے صلح کر سکتے ہیں اور ایسی صورت میں بھی اُن سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح اسی سورۂ توبہ میں ایک آیت یہ بھی ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْآخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍوَّھُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ: ۲۹)

''لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچا دین، ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔''

''ید'' کے یہاں معنی ہیں ''طاقت'' اور عن ''سبب'' کے معنی میں ہے، تو معنی یہ ہیں کہ وہ ادائے جزیہ کو قبول کرلیں اسلام کی طاقت کی وجہ سے اور وَھُمْ صَاغِرُوْنَ کا مطلب امام شافعیؒ نے یہ بیان فرمایا ہے جسے تفسیر معارف القرآن میں بھی نقل کیا گیا کہ ''وہ مسلمانوں کے عام قانون کی پابندی کرلیں۔ (نہ کہ کسی شخصی قانون کی جسے ''پرسنل لاء'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اسلامی ملک میں غیر مسلموں پر اسلام کے پرسنل لا کی پابندی نہیں ہوتی، پرسنل لاء میں وہ اپنے مذہبی قانون پر عمل کرنے میں آزاد ہوتے ہیں)۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے ملک میں رہیں اور مسلمان ملک کے عام قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جزیہ ادا کریں تو بھی ان سے قتال نہیں کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے جنگ کو روکنے والی کل چار چیزیں ہیں:

(۱) صلح (۲) استیمان (اجازت لے کر مسلمانوں کے ملک میں آنا)

(۳) جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس جو مسلم ملک کے غیر مسلموں سے زکوٰۃ کے بجائے لیا جاتا ہے، یعنی مسلمانوں سے سرکاری طور پر زکوٰۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ)۔

(۴) کلمۂ طیبہ (لا الہ الا اللّٰہ، محمدر سول اللّٰہ)

ان آیات سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ قتال کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے، اگر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود ہوتا تو پھر تو نہ کفار سے صلح کی اجازت، نہ استیمان کی اجازت ہوتی اور نہ جزیہ قبول کیا جاتا۔

جہاد کی اقسام:

لیکن وہ کفار جن سے نہ تو ہماری صلح ہے، نہ وہ امان لے کر ہمارے ملک میں آئے ہیں اور نہ وہ ہمارے ملک میں رہتے ہیں تو ہم سے جنگ کرنے میں وہ بھی آزاد ہیں اور ان سے جنگ کرنے میں ہم بھی آزاد ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جو ہم سے کسی قسم کی صلح اور معاہدہ نہیں کر رہے، ان کے بارے میں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ ان پر نظر رکھو، اگر محسوس ہو کہ یہ تمہارے لیے خطرہ بن رہے ہیں تو قبل اس کے وہ تمہارے لیے خطرہ بن جائیں تم خود ان پر حملہ کر کے اُن پر غلبہ حاصل کر لو، تاکہ یا تو وہ تم سے ترکِ جنگ کا معاہدہ کرلیں یا جزیہ دے کر تمہارے ملک میں پُر امن شہری بن کر رہنے لگیں، اس کا نام ''اقدامی جہاد'' ہے۔ اور جس وقت دشمن حملہ آور ہو جائے تو اس وقت جواب میں جو جہاد کیا جائے گا، اس کا نام ''دفاعی جہاد'' ہے۔ اسلام میں اقدامی جہاد کی بھی اجازت ہے اور دفاعی جہاد کی بھی۔

''اقدامی جہاد'' کی مثال غزوۂ تبوک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کے لشکر جمع ہو رہے ہیں اور ان کا منصوبہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفیرِ عام کر دی اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ دشمن کو جب پتہ چلا تو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ مختصر اصولی تشریح ہے اسلامی جہاد کی۔ اس میں کون سی بات ناانصافی کی ہے اور کون سی بات ظلم و تشدد کی؟ کوئی بھی منصف انسان اس نظام کا مطالعہ کرے گا تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ اس میں کوئی بھی بات ایسی نہیں جو انصاف کے خلاف ہو یا ظلم کی تائید کرنے والی ہو۔ یا زبردستی مسلمان بنانے والی ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جہادِ اسلام کا مقصد لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا اور اسلام کو خطرات سے بچانا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض کرنا ہرگز درست نہیں کہ اسلام کو تلوار کے ذریعے پھیلایا گیا ہے۔

اس موضوع پر ہمارے بزرگوں کی تصانیف

جب مستشرقین کی طرف سے اہل اسلام پر یہ اعتراض کیا گیا تو ہمارے بزرگوں کی طرف سے اس پر مفصل کلام کیا گیا۔ ''سیرۃ خاتم الانبیاء'' میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ چند صفحات کے اندر کافی شافی کلام فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے، ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟'' ہندوستان میں اسی نام سے چھپی تھی البتہ پاکستان میں ''اشاعت اسلام'' کے نام سے چھپی ہے۔ یہ بڑی مفصل کتاب ہے اور اس میں انہوں نے واقعات اور تاریخ اسلام کے حوالے سے بتلایا ہے کہ اسلام طاقت کے زور سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعلیٰ کردار اور اپنی حقانیت کی وجہ سے پھیلا ہے۔

تیسری کتاب شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ یہ کتاب الحمدللہ ادارۃ المعارف کراچی سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ''اسلام سے دنیا کو کس کس طرح روکا گیا؟'' یعنی کافر طاقتوں نے لوگوں کو زبردستی

اسلام سے روکنے کی کیا کیا کوششیں کی ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت مستشرقین کے سوال کا الزامی جواب ہے کہ تم تو کہتے ہو کہ اسلام زبردستی پھیلایا گیا، حالانکہ معاملہ برعکس ہے کہ اسلام سے لوگوں کو زبردستی روکا گیا اور اس کے لیے ان پر کتنے اور کیسے کیسے مظالم ڈھائے گئے ہیں۔

الحمدللہ ان بزرگوں نے اس موضوع پر بڑا کافی اور شافی کلام فرمایا ہے، اُسے مطالعے میں رکھنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین

شریعت وطریقت کا تلازم

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: بالٹی مور، امریکہ
تاریخ: ۵ دسمبر ۲۰۰۴ء
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

﴿شریعت و طریقت کا تلازم﴾

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدهٗ و نستعینه، و نستغفرهٗ و نومن بہٖ و نتوکل علیه و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سئیاتِ اعمالنا . من یهدہِ اللّٰہُ فلا مضل لهٗ و من یضلله فلا هادی لهٗ و نشهدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدهٗ لاشریک لهٗ ونشهد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدهٗ و رسولهٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آلہٖ و صحبه اجمعین. وسلم تسلمیاً کثیراً کثیراً﴾

اما بعد:

فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم○

﴿یـآایها الذین اٰمَنُوا اتقوا اللّٰہَ و کُونُوا مَعَ الصّادِقِین○﴾

سب سے پہلا سوالیہ نشان:

بزرگانِ محترم برادرانِ عزیز اور میری محترم ماؤں، بہنو اور بیٹیو!

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ ''کبھی رسمی اور فرمائشی تقریریں نہ کرنا۔'' فرمائشی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے لیے موضوع مقرر کر دیا جائے کہ آپ کو اس موضوع پر تقریر کرنی ہے اور رسمی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مقصود تقریر کرنا نہ ہو بلکہ اس میں کچھ لطیفے، کچھ قصے، کچھ اشعار سنا دیئے اور کچھ آیات و احادیث کی تلاوت بھی کر دی۔ مقصد یہ ہے کہ سننے والوں کا کچھ وقت تفریح میں گزر جائے۔ ان دونوں قسموں کی تقریروں میں اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ حاضرین کی ضرورت کیا ہے۔''

چنانچہ میرے مرشد نے مجھے رسمی اور فرمائشی تقریروں سے منع کیا اور فرمایا کہ جہاں جاؤ، وہاں دیکھو کہ زخم کہاں ہے؟ جہاں زخم ہو، وہیں مرہم لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ زخم تو کہیں اور ہو اور تم مرہم کہیں اور لگاؤ۔ مخاطبین تو کسی اور بات کے محتاج ہیں اور تم دوسری باتیں کرتے رہو، اس طرح کرنے سے تمہاری محنت بھی اکارت جائے گی اور سننے والوں کا وقت بھی ضائع ہوگا۔

حضرتؒ کی اس نصیحت کا اثر یہ ہے کہ جب کسی جگہ جانا ہوتا ہے تو سب سے پہلا سوالیہ نشان میرے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں جا رہا ہوں، وہاں کی ضرورت کیا ہے۔ آج ہمارے ایک بھائی نے میرے لیے یہ مشکل آسان کر دی۔ انہوں نے طریقت کے حوالے سے سوال کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہاں کے لوگ طریقت کے حوالے سے کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ میرا خیال یہ ہے کہ اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بات کرنی چاہیے۔

تقویٰ دِل میں ہوتا ہے:

میں نے خطبہ کے اندر آپ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی ہے:

﴿یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾

اس کا ترجمہ یہ ہے:

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔''

اس آیت میں ایمان والوں کو دو حکم دیئے گئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم۔

(۲) سچوں کے ساتھ رہنے کا حکم۔

ان میں سے پہلے حکم (یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے حکم کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے اس لیے اللہ کا ڈر دل میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿التقوی ھٰھنا﴾

''اللہ کا ڈر یہاں ہوتا ہے۔''

گناہوں سے کیسے بچیں؟

البتہ جب دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے تو ظاہر پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ ہمارے سارے ظاہری اعمال درست ہو جائیں گے۔ فرائض و واجبات پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا اور حرام و مکروہات کو چھوڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔ بس بنیادی چیز ''اللہ کا ڈر'' ہے۔ ہم جتنے بھی گناہ کرتے ہیں، وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں سے اللہ کا ڈر نکل گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے اس دور میں جہاں ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے، ان حالات میں اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچایا جائے۔ ہاتھوں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، پاؤں کو گناہوں سے کیسے بچائیں، زبان کو کیسے بچائیں، آنکھ، کان اور دیگر

اعضاء کو گناہوں سے کیسے بچائیں۔ ہر طرف فسق و فجور ہے، جونہی باہر نکلو، گناہوں کی دعوت دینے والے سارے مناظر ہیں۔ کبھی آنکھ بہکتی ہے کبھی کان۔ کبھی زبان سے گناہ ہو جاتا ہے کبھی ہاتھ سے۔ کاروبار کی طرف جاتے ہیں تو دغابازی اور دھوکہ دہی کا گناہ اپنی طرف بلاتا ہے، ملازمت اختیار کرتے ہیں تو کام چوری کا گناہ اپنی طرف دعوت دیتا ہے، بازاروں میں جاتے ہیں تو بے پردگی اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ غرض ہر طرف گناہ ہی گناہ کی دعوت ہے۔ ان حالات میں گناہوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ ہے کہ یہ جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص شفقت اور عنایت ہے کہ وہ صرف حکم ہی نہیں دیتے بلکہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ اے میرے بندو! میرے اس حکم کو اس طرح پورا کرو گے تو آسانی سے پورا ہو جائے گا۔ لہٰذا اگر وہ طریقہ اختیار کرلیا جائے جو اللہ رب العالمین بتاتے ہیں تو دیکھنے میں وہ حکم خواہ کتنا ہی مشکل نظر آ رہا ہو، اس پر عمل کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہاں پر جب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے یعنی گناہوں سے بچنے کا حکم دیا جو بظاہر ایک مشکل حکم لگ رہا تھا تو اس کے ساتھ اس پر عمل کرنے کا ایک انتہائی سہل طریقہ بتلا دیا، وہ یہ کہ:

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔''

''سچے لوگوں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان کے بھی سچے ہیں اور دل کے بھی، ان کا ظاہر بھی سچا ہے اور باطن بھی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ تقویٰ والوں کے ساتھ رہنا شروع کر دو، نیک ہو جاؤ گے۔ یہ ایسا حکیمانہ اور نفسیاتی طریقہ ہے کہ انسانی تربیت کے لیے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

اب دیکھئے! ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ یہ نمازی لوگوں کا اجتماع ہے۔ مسجد سے تعلق رکھنے والوں کا اجتماع ہے۔ یہاں بیٹھ کر اگر کوئی شخص شراب پینا چاہے تو اس کے لیے ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس آپ غیر مسلموں کے کسی ریسٹورنٹ میں چلے جائیں یا کسی نائٹ کلب میں چلے جائیں وہاں یہ گناہ کرنا انتہائی آسان ہے۔ وہاں نماز پڑھنا چاہو تو یہ مشکل ہوگا۔ تو حاصل یہ نکلا کہ اگر اچھے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو نیکی کرنا آسان ہو جائے گا، گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور اگر برے لوگوں کے ساتھ رہو گے تو گناہ کرنا آسان ہو جائے گا اور نیکی کرنا مشکل ہو جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ اگر تم اللہ والے بننا چاہتے ہو، متقی بننا چاہتے ہو، گناہوں سے بچنا چاہتے ہو تو نیک لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دو۔ میں آج اسی کے بارے میں مزید تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شریعت اور طریقت کا مفہوم

مین نے دوپہر عرض کیا تھا کہ کچھ اعمالِ ظاہرہ ہیں جنہیں ہمارے ظاہری اعضاء انجام دیتے ہیں اور وہ ہر ایک کو نظر آتے ہیں لیکن کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن کو ہمارا دل انجام دیتا ہے، انہیں اعمالِ باطنہ کہا جاتا ہے جیسے تواضع، ایثار، اللہ کی محبت، آخرت کا خوف وغیرہ وغیرہ۔ ظاہری اعمال کو عام طور پر ''شریعت'' کہا جاتا ہے اور باطنی اعمال کو عام طور پر ''طریقت'' کہا جاتا ہے۔

ظاہری اعمال کا مدار باطن پر ہوتا ہے:

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ظاہری اعمال سارے کے سارے مبنی ہوتے ہیں باطنی اعمال پر، اگر دل کے اعمال صحیح ہوں گے تو ظاہری اعمال بھی ٹھیک ہو جائیں گے لیکن اگر باطن خراب ہے تو ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہوں گے مثلاً اگر کسی انسان کے اندر تکبر ہے تو وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرے گا، سخت

کلامی کرے گا، لوگوں کو گالیاں بھی دے گا اور بدتمیزی بھی کرے گا۔ بیوی بچوں کے ساتھ بھی سختی سے پیش آئے گا۔ اس کے برعکس اگر اس کے اندر تواضع اور انکساری ہوگی تو نرم انداز میں گفتگو کرے گا، ہر ایک کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آئے گا۔ اگر باطن میں بخل کا مادہ ہے تو اس کے لیے جیب سے ایک ایک پیسہ نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر اندر میں سخاوت کا مادہ ہوگا تو اللہ کی راہ میں خوب مال خرچ کرے گا۔

شریعت تھیوری ہے اور طریقت پریکٹیکل:

شریعت کے اعمال کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں، اور پڑھانے والے کا نام ''استاذ'' ہوتا ہے اور پڑھنے والے کا نام ''طالب علم'' ہوتا ہے جبکہ طریقت والے اعمال سکھائے جاتے ہیں۔ سکھانے والے کو ''پیر'' اور سیکھنے والے کو ''مرید'' کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چیزیں سکھاتے تھے یعنی شریعت بھی سکھاتے تھے اور طریقت بھی سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے علماء بھی ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے بھی ماہر ہوتے ہیں اور طریقت کے بھی ماہر ہوتے ہیں۔ البتہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف طریقت کے ماہر ہوتے ہیں، اگرچہ وہ شریعت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس کے اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اُسے آگے پڑھا سکیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ شریعت کے ماہر ہوتے ہیں، وہ طریقت پر عمل تو کرتے ہیں لیکن اس میں اتنے ماہر نہیں ہوتے کہ اُسے آگے دوسروں کو سکھا سکیں۔

ایک بات اور سمجھئے! وہ یہ کہ شریعت کے مسائل آپ کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں اور علماء سے پوچھ سکتے ہیں مثلاً نماز کا مسئلہ آپ نے کتاب میں پڑھ لیا۔ اگر سمجھ نہ آیا تو کسی عالم کے پاس جا کر پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن طریقت کا معاملہ ایسا نہیں۔ طریقت کے مسائل اور اس کے اعمال کو کتابوں سے نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ ہی اِن اعمال کو کتابوں سے سیکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر طریقت کی خدمت میں رہ کر عملی مشق کی جائے۔

گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ شریعت تھیوری (Theory) ہے اور طریقت پریکٹیکل (Practical) کالجوں میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کلاس روم میں تھیوری پڑھائی جاتی ہے لیکن تجربہ کے لیے لیبارٹری (Labortory) میں لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت اور طریقت کا معاملہ ہے۔ شریعت کو آپ استاد سے پڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں لیکن طریقت کے لیے شیخ کے پاس کچھ عرصہ گزارنا پڑے گا۔

ایک نظیر:

اس کی ایک اور نظیر سمجھئے۔ مختلف کتابوں اور رسالوں میں مختلف کھانے بنانے کے طریقے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً ان میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کباب بنانے کا یہ طریقہ ہے، بریانی بنانے کا یہ طریقہ ہے، نہاری بنانے کا یہ طریقہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طریقے میں پوری تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کون سی چیز کتنی مقدار میں ڈالی جائے گی۔ اب مثلاً آپ نے بریانی بنانے کا طریقہ کسی کتاب سے پڑھ لیا کہ اس میں چاول اتنے ہوں گے، گوشت اتنا ہوگا، مصالحہ اتنا ڈلے گا، نمک اتنا ہوگا، پانی اتنا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ سب کچھ اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد از خود بریانی تیار کرنے لگے۔ تو کیا خیال ہے بریانی بن جائے گی؟! بریانی کیا بلکہ بریانی کا دلیہ تیار ہو جائے گا حالانکہ آپ نے کتاب کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اس کی ہدایات پر پورا پورا عمل بھی کیا لیکن اس کے باوجود آپ سے بریانی نہیں پک سکی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بریانی کا پکانا کتابوں سے نہیں سیکھا جاتا۔ اس کے سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی ماہر بریانی پکانے والے کی شاگردی اختیار کریں۔ اس کی صحبت میں رہیں، اس کی ہدایات پر عمل کرتے رہیں۔ وہ آپ سے کہے گا کہ اتنا پانی ڈالو کچھ دیر بعد کہے گا کہ اچھا اب اتنے چاول ڈال دو۔ آنچ نیچے رکھو۔ ایسا کرو، ویسا کرو۔ جیسے جیسے وہ کہتا رہے گا، آپ کو ویسا ویسا کرنا پڑے گا۔ کبھی غلطی ہو جائے گی تو ڈانٹ بھی کھانی پڑے گی۔ غرضیکہ اگر آپ اسی طرح اس کے ساتھ لگے رہے تو پندرہ بیس دن میں آپ بہترین بریانی بنانے کے قابل ہو جائیں گے۔

طریقت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ مثلاً کسی کے دل میں ''حسد'' ہے۔ میں آپ کو حسد کی تعریف بتلاؤں اور یہ بھی بتلا دوں کہ اس کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ آپ سمجھ تو لیں گے لیکن اس سے آپ کا حسد دور نہیں ہوگا۔ تکبر کسے کہتے ہیں اور اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے، کتاب میں پڑھنے سے اور استاذ سے تکبر دور نہیں ہوگا۔ اس کے لیے کسی اللہ والے کی خدمت میں جا کر رہنا پڑے گا۔ شیخ ہدایات بھی دیتا رہے گا، روک ٹوک بھی کرتا رہے گا۔ رفتہ رفتہ یہ مرض دور ہو جائے گا۔

شیخ طریقت ماہرِ نفسیات ہوتا ہے:

شیخ طریقت دراصل نفسیات کا ماہر ہوتا ہے۔ وہ ایسے ایسے علاج بتلاتا ہے کہ اس سے دل کی وہ بیماریاں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں جو جنت کے راستے میں حائل ہونے والی ہیں، دینی اور اخلاقی اعتبار سے انسان کو ہلاک کر دینے والی ہوتی ہیں جیسے بخل، حسد، کینہ اور تکبر وغیرہ۔

اب میں آپ کو اپنی مثال بتاتا ہوں۔ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ سے بیعت کرایا۔ الحمد للہ، ہمارا ان کے ساتھ انیس سال تک تعلق رہا۔ ہفتے میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر انہوں نے ہم دو بھائیوں کے لیے ایک مجلس خاص طور پر پیر کے دن رکھی۔ البتہ بعد میں دوسرے لوگ بھی اس میں آنا شروع ہو گئے۔

اس زمانے میں مختلف جلسوں اور ریڈیو پر ہماری تقریریں ہوتی تھیں۔ جلسوں کی تقریر کا اشتہار بعض مرتبہ اخبارات میں بھی آتا تھا، پوسٹر بھی لگے ہوتے تھے۔ بعض مرتبہ ہمارے مضامین بھی اخبارات میں چھپ جاتے تھے۔ یہ سب ہماری نظر میں اشاعتِ دین کا کام تھا لیکن ہمارے مرشدؒ نے ہم سے ایک مرتبہ فرمایا کہ بھائی! آپ

تقریریں نہ کیا کریں۔ آپ جلسوں میں نہ جایا کریں۔ ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ کیوں؟ لیکن حضرت کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ مرید کا کام یہ ہے کہ شیخ جو ہدایت دے، اس پر چوں و چراں نہ کرے۔

شاگرد اور مرید میں فرق:

ایک مزیدار بات یاد آ گئی۔ وہ یہ کہ شاگرد اگر اپنے استاذ سے سوال و جواب اور چوں و چراں نہ کرے تو وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے لیکن طریقت میں مرید اگر چوں چراں کرے گا تو پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا چنانچہ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

شاگردیکہ چوں و چراں نہ می کند
و مرید یکہ چوں و چراں کند ہر دو
را بچراگاہ باید فرستاد

"جو شاگرد چوں و چراں نہ کرے اور جو مرید چو و چراں کرے، ان دونوں کو چراگاہ میں بھیج دینا چاہیے (کیونکہ یہ آدمی نہیں بلکہ جانور جیسے ہیں)۔"

شاگرد کا کام تو سوال کرنا ہے۔ اگر وہ سوال نہیں کرے گا تو اُسے کبھی پختہ علم حاصل نہیں ہوگا مثلاً میڈیکل کے طالبعلم نے استاد سے سبق پڑھا، فارمولا آدھا سمجھ میں آیا، آدھا نہیں آیا لیکن جو سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس نے استاد سے پوچھا بھی نہیں تو ایسا طالبعلم کبھی ماہر ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہی شاگرد اگر بیمار پڑ کر ہسپتال پہنچ گیا اور ڈاکٹر نے اس کے لیے دوائی تجویز کی اور کہا کہ فلاں دوا فلاں وقت کھاؤ، فلاں انجکشن لگواؤ اور فلاں فلاں پرہیز کرو تو اگر وہاں یہ ڈاکٹر سے پوچھے گا کہ آپ نے جو فلاں فلاں دوا تجویز کی ہے، اس کی دلیل بھی بتلا دیں اور فلاں پرہیز کی وجہ بھی سمجھا دیں تو ڈاکٹر صاحب اُس کو وہیں سے رخصت کر دیں گے کہ یہ سوالات آپ میڈیکل کالج میں تو کر سکتے ہیں، ہسپتال میں نہیں کر سکتے۔

اسی طرح استاذ سے تو شاگرد پوچھتا ہے لیکن شیخ اگر اپنے مرید کو کسی کام کے کرنے کا یا کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے تو مرید کو اس کی وجہ پوچھنے کا حق نہیں۔ لہٰذا جب حضرت نے ہمیں تقریریں کرنے سے منع کر دیا تو ہم خاموش ہو گئے۔

جلسوں والے آئے تو ان سے معذرت کر دی، ریڈیو والے آئے کہ فلاں تاریخ کو آپ کی تقریر ہوتی تھی، تشریف لائیں لیکن حضرتؒ کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بھی معذرت کرنا پڑی، اخبارات میں مضامین بھیجنا بھی بند کر دیئے بلکہ اگر ان کا مطالبہ بھی آیا تو انکار کرنا پڑا۔ اب ذہن میں یہ آتا تھا کہ حضرت ان نیک کاموں سے روک رہے ہیں تو اس کی کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ لیکن وہ حکمت کیا تھی، دس سال تک ہمیں معلوم نہ ہو سکی۔

دس سال بعد حکمت معلوم ہوئی:

دس سال بعد ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جلسوں اور ریڈیو پر تقریر کرنے سے اس لیے روکے رکھا کہ ابھی آپ کو ''بلوغ'' نہیں ہوا۔ جب ''بلوغ'' ہو جائے گا تو پھر کسی کے روکے بھی نہیں رکو گے۔ یہ فرما کر اندر کمرے میں تشریف لے گئے اور خطوط کا ایک ڈھیر اٹھا کر باہر لائے اور فرمایا کہ یہ سارے کے سارے خطوط شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ہیں۔ ان میں سے ہر خط کے اندر یہ بات ضرور لکھی ہے کہ مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے (میں اور مولانا تقی عثمانی) آپ کی زیر تربیت ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ چونکہ یہ بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے دلوں میں تکبر پیدا نہ ہو جائے اس لیے اس پہلو کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔

یہ خطوط دکھانے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب! میں نے آپ کو جلسوں وغیرہ میں تقاریر کرنے اور اخبارات میں مضامین لکھنے سے اس لیے منع کیا تھا کہ کہیں آپ کے

اندر شہرت کا شوق نہ پیدا ہو جائے۔ خدانخواستہ اگر آپ کے اندر شہرت کا شوق پیدا ہو گیا تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شیخ اپنے مریدوں کا علاج کس طرح کرتا ہے۔ دراصل مرشد یہ دیکھتا ہے کہ کون سی بیماری مرید میں موجود ہے یا کون سی بیماری کا خطرہ ہے۔ پھر اس کے علاج یا سدِ باب کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کرتا ہے۔

کسی مرید کے بارے میں مثلاً حسد کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے حسد کا علاج کرتا ہے، کسی کے بارے میں بخل کا خطرہ ہوتا ہے تو اس کے بخل کا علاج کرتا ہے۔ ہمارے بارے میں تکبر کا خطرہ تھا تو ہمارا اس طرح علاج کیا۔ گویا طریقت گناہوں اور باطنی بیماریوں سے بچنے کی عملی کوشش اور پریکٹیکل کرانے کا نام ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس تفصیل سے شریعت اور طریقت، استاد و شاگرد اور مرشد و مرید کا فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ باقی باتیں پھر کبھی سہی۔

و آخر دعوانا أنِ الحمدللّٰہ رب العالمین o

سوالات و جوابات

حضرت مدظلہم کے خطاب کے بعد سامعین نے مختلف طرح کے دینی سوالات پوچھے، جن کے حضرت مدظلہم نے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ افادۂ قارئین کے لیے وہ سوالات و جوابات بھی طبع کیے جارہے ہیں۔

کیا چاروں فقہی مذاہب کو جمع کر کے ایک مذہب بنایا جا سکتا ہے؟

سوال:

کیا یہ ممکن ہے کہ چاروں فقہی مکاتب کو ملا کر ایک فقہ کر دی جائے تا کہ عام مسلمانوں کے لیے آسانی پیدا ہو جائے اور وہ کنفیوژن کا شکار نہ ہوں۔

جواب:

جی ہاں، عقلاً بھی ممکن ہے اور شرعاً بھی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اس کے لیے ایسے امام کی ضرورت ہے جو چاروں اماموں سے زیادہ علم رکھنے والا ہو۔ بظاہر جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ یہ کام کریں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس طرح چار فقہی مذاہب پیدا ہونے میں کنفیوژن کی کوئی بات ہی نہیں۔ اس کی مثال سمجھ لیجیے۔ فرض کیجیے چار بھائی ہیں اور چاروں بیمار ہیں اور مختلف ڈاکٹروں سے علاج کرا رہے ہیں تو صاف بات یہ ہے کہ جو بھائی جس ڈاکٹر کا علاج کرا رہا ہے، اس کی پابندی کرے، انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ اگرچہ ہر ڈاکٹر کی بتائی ہوئی دوا دوسرے ڈاکٹر کی دوا سے مختلف ہو سکتی ہے لیکن ہر بھائی اگر صرف اپنے ہی ڈاکٹر کی بتلائی دوا استعمال کرے گا تو کوئی کنفیوژن پیدا نہیں ہو گا۔ ہاں، کنفیوژن اُس وقت پیدا ہو گا جب ایک بھائی اپنے ڈاکٹر کی دوا بھی کھائے اور دوسرے کی دوا بھی کھالے یا یہ اپنی دوا چھوڑ کر دوسرے کی دوا کھالے یا جو پرہیز ڈاکٹر نے ایک بھائی کو بتلایا ہے، وہ اس

پرہیز کو چھوڑ کر اس پرہیز کو اختیار کر لے جو اس کے بھائی کو بتلایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کوئی کنفیوژن کی بات نہیں۔

اسی طرح اگر ہر آدمی اپنے اپنے امام کی فقہ پر عمل کرتا رہے تو کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی، ساری گڑبڑ اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب آدمی یہ کہے کہ میں جس امام کی فقہ پر عمل کر رہا ہوں، فلاں شخص بھی اُسی امام کی فقہ پر عمل کرے۔ چاروں امام برحق ہیں۔ ان میں سے جو جس کی پیروی کرے گا، انشاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ لہٰذا اس میں کنفیوژن کی کوئی بات نہیں۔

نماز میں پاؤں ملانے کا حکم

سوال:

نماز کے اندر پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں۔

جواب:

پہلے یہ سمجھ لیں کہ قرآنِ کریم یا احادیث میں کہیں یہ نہیں آیا کہ ایک نمازی دوسرے کے پاؤں کے ساتھ اپنا پاؤں اڑا کر کھڑا ہو جائے۔ ملا کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لائن میں ہو تاکہ صف سیدھی ہو جائے۔ جس طرح شانے سے شانے کو ملانے کا حکم آیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل ملا دو (اور یہ تو ممکن بھی نہیں) بلکہ مراد یہ ہے کہ سیدھ میں رکھو۔

ہیرے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال:

ہیرے (Diamond) پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنی ہے، نہیں ہے، تو کیوں نہیں؟

جواب:

اگر ہیرا تجارت کے لیے نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ سونا خواہ تجارت کے لیے ہو یا پہننے کے لیے دونوں صورتوں میں اس پر زکوٰۃ ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ ہیرے پر زکوٰۃ کیوں نہیں تو اس کا نہایت دانشمندانہ جواب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں کی۔ ہم تو حکم کے پابند ہیں، جس طرح اللہ کا حکم ہوگا، اسی طرح اس کی پیروی کریں گے۔

قصر نماز کتنی ہے؟

سوال:

قصر نماز کتنی ہے، دو یا چار؟

جواب:

قصر نماز میں چار رکعت والی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

کیا کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے؟

سوال:

کیا چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے؟

جواب:

یہ سوال بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ اس کا تفصیلی جواب سمجھ لیجیے۔ قرآن مجید نے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ اور اس حرام سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی جائے۔ ایسا نہ کیا جائے کہ کچھ باتوں میں امام کی پیروی کر لی، کچھ دوسری باتوں میں

دوسرے امام کی تقلید کری۔ اگر ایسا کرنے کی اجازت دی گئی تو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کریں گے کہ اپنی مرضی اور خواہش کا مسئلہ تلاش کریں گے، وہ جہاں بھی مل جائے، اس پر عمل کریں گے اور چونکہ ایسا کرنا حرام ہے اس لیے کسی ایک امام کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ایک امام کی پیروی نہ کرنے سے بعض مرتبہ ایسی صورتحال بھی پیش آسکتی ہے کہ آدمی کا عمل شرعاً بالکل معتبر نہ رہے حالانکہ وہ شخص اپنے طور پر اُسے درست سمجھ رہا ہو مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ سے خون نکل کر ذرا سا بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے برعکس ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کو حائل کے بغیر چھوا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ گیا جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔

اب ایک شخص سے یہ دونوں کام ہو گئے۔ یعنی اس کا خون بھی بہا اور اس نے بغیر حائل کے کسی عورت کو بھی چھوا وہ کہتا ہے کہ آج سردی بہت ہے وضو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا کر لیتا ہوں کہ خون کے معاملے میں امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کر لیتا ہوں اور عورت کو چھونے والے مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کر لیتا ہوں لہٰذا نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اگر یہ شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہوگی حالانکہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں یہ کام صحیح کر رہا ہوں۔

اس کو ایک نظیر کے ذریعے سے بھی سمجھ لیجئے۔ آپ ایک ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں۔ عین اُسی وقت میں اُسی مرض کا علاج کسی دوسرے ڈاکٹر سے شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ دوائیں ایک ڈاکٹر نے بتا رکھی ہیں، کچھ دوسرے نے بتا رکھی ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے ان میں تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں کہ سیرپ تو فلاں ڈاکٹر کا اچھا رہے گا اور گولیاں فلاں ڈاکٹر کی بہتر رہیں گی تو خود ہی بتائیے کہ اپنی مرضی کی ایسی تبدیلیوں کا کیا

انجام ہوگا۔ ایسا ہی معاملہ اُس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو ایسا آزاد کرنا چاہتا ہے کہ جس کو چاہا اختیار کرلیا تو درحقیقت وہ نہ اللہ کی پیروی کر رہا ہے نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بلکہ وہ تو سیدھا سادا شیطان کی اور اپنے نفس کی پیروی کر رہا ہے جس سے قرآن نے صاف منع کیا ہے۔

باہمی ناراضگی اور عداوت کا حکم

سوال:

میں حج کے مبارک سفر پر جارہا ہوں لیکن میری اپنے ایک دوست کے ساتھ کسی بات پر ناراضگی ہوگئی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سفرِ حج پر جانے سے پہلے معافی تلافی کر لوں لیکن میرا بھائی کہتا ہے کہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ سفرِ حج سے پہلے ناراض لوگوں کو منایا جائے۔ براہِ مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:

آپ نے بہت اچھا سوچا ہے۔ حج پر جانے سے پہلے راضی نامہ کر لینا چاہیے۔ مسلمانوں کے درمیان ناراضگی اور عداوت و دشمنی سخت حرام ہے۔ اتنی سخت حرام ہے کہ لیلۃ القدر میں سب لوگوں کی بخشش ہو جاتی ہے لیکن ایسے دو لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی جو ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہوں۔

ویسے بھی حج پر جانے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلینی چاہیے اور توبہ کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر کسی کے ساتھ ناراضگی چل رہی ہو تو معافی تلافی کرلی جائے۔

ایک اور بات آپ کی خدمت میں عرض کردوں۔ وہ یہ کہ راضی نامے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی مونچھیں نیچی کرلو۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ دوسرے کی مونچھیں نیچی ہوں، میری اونچی رہیں تو صلح نہیں ہوگی کیونکہ وہ بھی یہی چاہے گا کہ میری مونچھیں اونچی رہیں اور دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا۔ اتحاد و اتفاق کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایک فرق مونچھیں

نیچی کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿مَنْ تَواضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ﴾

''جو شخص اللہ کے لیے اپنے آپ کو نیچے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بلندی عطا فرماتا ہے۔''

آپ پستی اختیار کیجئے انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں بلندی عطا فرمائے گا۔

پیر کی بے چوں و چراں پیروی کیوں؟

سوال:

آپ نے اپنی تقریر کے دوران کہا ہے کہ طریقت میں سوال نہیں کرنا چاہیے یعنی اگر پیر نے کچھ کہا ہے تو سوال نہیں کرنا چاہیے۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی دلیل ہے۔

جواب:

قرآن مجید میں ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور تم میں جو اَمر والے ہیں ان کی۔''

''اولوالامر'' سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں لیکن ہمارے بزرگوں نے جس کو اختیار کیا اور تفسیر معارف القرآن میں ہمارے والد ماجدؒ نے جس کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ نظمِ حکومت میں اولوالامر سے مراد حکام ہیں اور شرعی مسائل میں علماء اور اللہ والے ہیں تو جس کو آپ نے اپنا مرشد بنایا ہے، بے چوں و چراں اس کی پیروی کریں۔

خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال:

کیا خواتین کے لیے مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب:

اس کا جواب ذرا تفصیل سے سمجھ لیجئے۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں خواتین نماز کے لیے آیا کرتی تھیں اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مرد آگے ہوتے تھے، ان کے پیچھے بچے اور سب سے آخر میں خواتین۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"عورتوں کے لیے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھیں اور گھر میں بھی صحن کے مقابلے کمرے کے اندر نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔"

یہ بات اُس وقت فرمائی جب عورتیں مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں جس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں اُس وقت امامت بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس کے باوجود فرمایا کہ عورتوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو روکا نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں مسجد آئیں گی تو اسلام کے احکام براہِ راست سیکھ سکیں گی۔ اس وجہ کے پیشِ نظر اگرچہ منع نہیں کیا لیکن ترغیب اس بات کی دی کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ خاتون اگر گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مسجدِ نبوی جتنا ثواب ملتا تھا، اس سے زیادہ ثواب مدینہ طیبہ کے اندر گھر میں نماز پڑھنے پر ملتا۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو چند شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی مثلاً یہ کہ وہ راستے کے بیچ میں چل کر

نہ آئیں، بلکہ راستے کے کنارے کنارے سمٹ کر چلیں۔ دوسرے یہ کہ بن سنور کر نہ نکلیں۔تیسرے یہ کہ پردے کے ساتھ نکلیں۔ چوتھے یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس زمانے میں عورتوں نے جو طریقہ اختیار کر لیا، اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات اس زمانے میں فرمائی جب صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد حیات تھی۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دور ہی میں عورتوں نے وہ پابندیاں چھوڑ دی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عائد کی تھیں حالانکہ صحابہ کرام کا زمانہ وہ ہے کہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم﴾

''سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے اور اس کے بعد اس سے ملا ہوا دور ہے۔''

تو صحابہ کرام کا دور ''خیر القرون'' کہلاتا ہے، اس زمانے میں کچھ عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا پڑا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کا یہ حال دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں آنے سے منع کر دیا جاتا۔ کچھ عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ آج تک اسلامی ممالک میں یہی ہو رہا ہے کہ خواتین نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتیں البتہ مسجدوں میں عورتوں کے لیے نماز کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر وہ شہر میں کہیں سفر کے لیے جا رہی ہیں (اور شہر بھی بڑے بڑے ہیں) اور راستے میں کہیں نماز کا وقت ہو جائے تو وہ وہاں نماز پڑھ لیں۔

لیکن یہاں امریکہ اور یورپ کے حالات دیکھ کر میرا خیال یہ ہو رہا ہے (یہ میرا

فتویٰ نہیں، محض خیال ہے) کہ اگر یہاں کے ماحول میں ہم خواتین کو محرموں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دے دیں اور ان شرائط کی پابندی بھی کی جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لگائی تھی تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑی خرابی پیدا نہیں ہوگی اور انشاء اللہ ایسا کرنا ناجائز بھی نہیں ہوگا۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہماری خواتین کے پاس یہاں دین سیکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ مسجد میں آنے سے انہیں دین سیکھنے کا کچھ موقع مل جائے گا۔

ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش کا حکم

سوال:

اگر کوئی شخص ملازمت یا تجارت کی غرض سے امریکہ میں رہائش اختیار کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

جائز ہے بشرطیکہ شریعت پر عمل کر سکے لہٰذا اگر اُسے خطرہ ہو کہ یہاں رہ کر وہ دین پر عمل نہیں کر سکے گا یا اس کے بیوی بچے اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو ایسی صورت میں یہاں رہنا جائز نہیں ہوگا۔

موجودہ زمانے کے یہودی و عیسائی اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟

سوال:

کیا اس زمانے کے یہودی اور عیسائی اہل کتاب ہیں یا نہیں؟

جواب:

یہ سوال اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے اور ان کی

عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تو اگر ہم ان کو اہل کتاب تسلیم کرلیں تو ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا۔

جواب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو محض خاندانی نسبی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے یہودیت یا عیسائیت والے نہیں ہیں چنانچہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہیں جو خدا کو ہی نہیں مانتے ایسے لوگ درحقیقت بے دین ہیں لہٰذا ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

لیکن اگر یہودی اور عیسائی اپنے مذہب پر قائم ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہوگا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت ان شرائط کی پابندی کریں جو ان کے مذہب میں مقرر کی گئی ہیں۔ ہماری معلومات یہ ہیں کہ یہاں یہودی تو اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ کرتے ہیں (اُسی کو کوشر کہتے ہیں) اور عیسائی اپنے مذہب کے مطابق ذبیحہ نہیں کرتے۔

صحیح مرشد کی پہچان

سوال:

صحیح مرشد کی پہچان کیا ہے؟ کس کو اپنا مرشد بنایا جائے؟

جواب:

مرشد کی مثال ڈاکٹر کی ہے۔ جس ڈاکٹر کو حکومت کی طرف سے لوگوں کا علاج کرانے کی اجازت ملی ہو اُس سے علاج کرانا تو درست ہے لیکن جس ڈاکٹر کو حکومت نے علاج کرنے کی اجازت نہ دی ہو، اُس سے علاج کرانا عقلمندی نہیں۔ اسی طرح ایسا شخص جس کا مرشد یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ تربیت حاصل کر چکا ہے اور دوسروں کا علاج کرسکتا ہے تو وہ اُسے اپنی طرف سے خلیفہ بناتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُسے اس کا مرشد کی

طرف سے دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت مل گئی تو جس شخص کو اس کا شیخ اس طرح کی اجازت دے دے تو اس کے لیے دوسروں کو بیعت کرنا جائز ہے اور دوسروں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اُسے اپنا مرشد بنائیں۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل سجادہ نشینی کا ایک سلسلہ بھی چل پڑا ہے۔ باپ پیر تھا، اس کے مرید بھی تھے، اس کا انتقال ہوا تو بیٹا اس کے جانشین بن گیا، حالانکہ بسا اوقات ایسا شخص دین پر عمل کرنے والا نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کرنا بالکل جائز نہیں۔

گویا صحیح مرشد ہونے کے لیے بنیادی طور پر دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اُسے اپنے شیخ سے اجازت ملی ہوئی ہو۔

(۲) وہ شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔

ایک وقت تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال:

شوہر نے بیوی سے ناراضگی کی بنیاد پر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں تو کیا اس عورت پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:

آج کل ایک مشکل تو یہ ہوگئی ہے کہ جب بھی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو تین طلاقیں ہی دیتے ہیں، حتیٰ کہ اب یہاں تک ہوگیا ہے کہ شوہر کو خود لکھنا نہیں آتا، وہ عرضی نویس کے پاس جا کر کہتا ہے کہ مجھے طلاق لکھ دو۔ وہ بھی تین طلاقیں لکھتا ہے۔ پھر اس سے دستخط کروالیتا ہے یا انگوٹھا لگوالیتا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا ناجائز ہے۔ ایک طلاق سے کام چل سکتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عدّت کے اندر اگر رجوع کرنا چاہے گا تو رجوع کرسکتا

ہے۔ دوسری طلاق کے بعد بھی یہی اختیار رہتا ہے لیکن تین طلاقیں دینے کے بعد یہ اختیار نہیں رہتا حتیٰ کہ تین طلاقیں دینے کے بعد دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینا کتنا خطرناک ہے اور گناہ ہے لیکن یاد رکھیئے جب تین طلاقیں دے دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور سامنے ایک آدمی ہے۔ اگر میں اس کو ایک گولی ماروں گا تو ایک لگے گی، تین ماروں گا تو تین لگیں گی۔

دوسرے شیخ کی بیعت کرنے کا حکم

سوال:

اگر شیخ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے شیخ کی بیعت کی جائے یا پہلے ہی شیخ کی تعلیمات کو جاری رکھا جائے؟

جواب:

اگر مرشد کا انتقال ہو جائے تو کسی دوسرے مرشد سے بیعت کرنا واجب تو نہیں البتہ کسی شیخ سے اپنا اصلاحی تعلق ضرور قائم کر لینا چاہیے۔

داڑھی کا شرعی حکم اور اس کی مقدار

سوال:

داڑھی رکھنے کا کیا حکم ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟

جواب:

جہاں تک داڑھی رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بار بار حکم دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

﴿اعفوا اللُّحی﴾

''داڑھیوں کو بڑھاؤ۔''

اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ یہ کرو تو وہ واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا واجب ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ داڑھی کی مقدار کیا ہے تو بات یہ ہے کہ حدیث کی تفسیر حدیث سے اور صحابہ کرام کے عمل سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے اطراف سے کچھ بال لیا کرتے تھے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ داڑھی کے کچھ بال کاٹنے کی گنجائش ہے۔ لیکن کتنی کاٹنے کی گنجائش ہے، یہ بات اس حدیث سے معلوم نہیں ہوئی۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کا خاص وصف یہ ہے کہ ان کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ایسی سنتوں پر عمل کرنے کا بھی بہت اہتمام تھا جو سننِ عادیہ کہلاتی ہیں یعنی جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے طور پر نہیں کیا بلکہ اُسے اپنی عادت میں شامل کر لیا۔

ان کا یہ عمل دیکھا گیا کہ آپ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ ثابت ہے کہ آپ اپنی داڑھی سے کچھ لیا کرتے تھے۔ اس کی مقدار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے ثابت ہوئی۔ اس بنیاد پر علماءِ کرام نے فرمایا کہ داڑھی کو کاٹنا اس حد تک جائز ہے کہ مٹھی سے کم نہ ہو۔

داڑھی کی حدود

سوال:

داڑھی کی حدود کیا ہیں؟

جواب:

داڑھی کو عربی زبان میں "لحیه" کہا جاتا ہے اور "لحیه" نیچے کے جبڑے کو بھی کہتے ہیں لہٰذا نیچے کے جبڑے کے مقابلے میں جو بال ہیں، وہ داڑھی میں شامل ہیں۔

اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال:

اجتماعی قرآن خوانی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:

کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے دور میں لوگ جمع ہو کر قرآن کریم ختم کرتے ہوں اور پھر اس کا ایصالِ ثواب کرتے ہوں اس لیے اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے البتہ اگر کہیں میت ہو گئی اور لوگ جمع ہو گئے تو بجائے اس کے کہ وہ فارغ بیٹھے رہیں یا ادھر ادھر کی باتیں کریں، اگر تلاوتِ قرآن کر کے ایصال ثواب کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اور اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا قرآن مجید ختم کیا جائے بلکہ جس کو جتنی توفیق ہو جائے، وہ اتنا پڑھ کے ایصالِ ثواب کر دے۔

سالگرہ منانے کا حکم

سوال:

برتھ ڈے (سالگرہ) منانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

ہمارے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سالگرہ اس خوشی میں مناتے ہیں

کہ ہماری عمر ایک سال بڑھ گی۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک سال بڑھی نہیں بلکہ گھٹ گئی، جتنی عمر لے کر آیا تھا، ہر سال اس سے ایک سال کم ہوتی جارہی ہے تو یہ خوشی کے بجائے فکر مندی کی بات ہے۔ یہ خوشی منانے کے بجائے اپنا احتساب کرنے کا موقع ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیں کہ ہم ایک سال قبر کے قریب ہو گئے اور ہم نے اس کے لیے کیا تیاری کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقۂ کار ہے اگر غیر مسلموں کے مذہبی شعار میں تشبہ ہو تو وہ حرام ہے اور اگر مذہبی شعار نہیں تو بھی تشبہ کراہت سے خالی نہیں کیونکہ وہ دوسروں کا اپنایا ہوا طریقہ ہے، اس لیے اس سے بھی بچنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب

عالمِ اسلام کے حالات

ایک اجمالی جائزہ

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
مقام: دینہ (جہلم)
ترتیب و عنوانات: اعجاز احمد صمدانی

﴿عالم اسلام کے حالات ایک اجمالی جائزہ﴾

خطبہ مسنونہ

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکّل علیہ و نعوذُ باللّٰہِ مِن شرورِ انفسنا ومِن سیئاتِ أعمالنا . من یھدِہِ اللّٰہُ فلا مضلّ لہٗ و مَن یضلِلہٗ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ إلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد أنّ سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً.﴾

امّا بعد:

فَاعوذ باللّٰہِ من الشیطان الرجیم

بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤمِنِیْنِ إذْبَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِھِمْ یَتْلُوا عَلَیْھِمْ أیٰاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمْ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝﴾ (آل عمران، ۱۶۴)

امید افزا صورت حال

بزرگانِ محترم، حضرات علماء کرام اور معزز سامعین!

میرے لئے آپ کے اس شہر ''دینہ'' میں آنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ یہاں قریب سے گزرا تو ہوں لیکن اس سے پہلے یہاں رکنے کا موقع نہیں ملا۔ آج کے سفر میں یہاں آنے کے بعد چند گھنٹوں میں جن حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، اس سے ایک امید افزا صورت سامنے آئی کہ الحمد للہ، اس علاقے میں دین کے جذبات موجود ہیں اور مخالفین اسلام کی سازشوں اور کوششوں کے باوجود یہاں دین کا ایک ولولہ اور جذبہ صادقہ موجود ہے۔ یہ ایک فال نیک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جذبے کو اس پورے علاقے کے لئے مبارک کرے اور یہاں سے وہ افراد پیدا کرے جن کی اس وقت عالم اسلام کو ضرورت ہے۔

اوپر کی سطح

اوپر کی سطح پر تو یہ نظر آتا ہے کہ پورا عالم کفر مسلمانوں کو مٹانے پر متفق ہو گیا ہے اور جگہ جگہ مسلمان ظلم وستم کا شکار ہیں۔ کشمیر، فلسطین، تاجکستان اور بوسنیا اس کی نمایاں مثالیں ہیں حتیٰ کہ مسلم ممالک جیسے تیونس، الجزائر، ترکی اور مصر میں بھی دینی قوتوں کو کچلا جا رہا ہے۔ طاقت کے بل بوتے پر دینی جذبات رکھنے والے افراد کو چن چن کر کچلا جا رہا ہے، انہیں جیلوں میں بھی بھیجا جا رہا ہے، ان کا قتل بھی ہو رہا ہے اور ان کے خلاف دہشت گردی کے الزامات کی بوچھاڑ کی جا رہی ہے۔ خود پاکستان میں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ علماء حق کو جن کا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں، دہشت گردی سے دور کا واسطہ نہیں، جن کی کوششیں ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کے لئے وقف رہی ہیں، انہیں بھی چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں بہت سے لوگوں کے حوصلے ٹوٹنے لگتے ہیں لیکن یہ اوپر کی سطح ہے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات نے سمندر دیکھا ہوگا کہ اس کی اوپر کی سطح میں موجوں کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے لیکن اندر اندر ایک موج ان کے مخالف سمت چلتی ہے۔ اوپر کی موجیں ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہیں، نیچے کی لہر گرم پانی کی ہوتی ہے۔ بالکل اس وقت عالم اسلام کا حال یہی ہے۔

انقلاب اسلام کی لہر

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے تقریباً پوری دنیا میں گھومنے کا موقع دیا۔ اور یہ گھومنا صرف تفریح کے لئے نہیں تھا بلکہ وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا ہے۔ مختلف طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے، اس کے بعد یہ کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی اوپر کی سطح تو وہ ہے جو میں نے اوپر بیان کی لیکن اس پوری دنیا کے اندر ایک لہر ہے ''انقلاب اسلام'' کی جوان حوادث کے نیچے نیچے چل رہی ہے۔ اوپر یہ مصائب اور آلام ہیں جو عالم اسلام پر برس رہے ہیں لیکن نیچے انقلاب اسلام کی ایک طاقتور اور بے تاب اور ناقابل شکست لہر ہے۔

یہ لہر اٹھی ہے افغانستان سے، روس نے عالم اسلام کے تقریباً ۲۹ ممالک کو ہڑپ کیا تھا، جس میں یورپ، ایشیا اور وسطی ایشیا کے ممالک شامل ہیں۔ اس نے سوچا کہ چلو تیسواں ملک بھی شکار کر ڈالوں اور اس کی شامت اعمال اسے افغانستان کے پہاڑوں میں لے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے افغانستان کے مجاہدین کو یہ اعزاز بخشا کہ گیارہ سال کے صبر آزما جہاد کے نتیجے میں جو پتھروں اور ڈنڈوں سے شروع تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے یہ کرشمہ دکھایا۔ یہ طلبہ، یہ مسجدوں کے مؤذن، یہ مسجدوں کے امام اور مدرسوں کے مدرس جن کو دنیا کے اندر حقیر ترین مخلوق سمجھا جارہا تھا، جب یہ خالی ہاتھ ہونے کے باوجود روس کے ٹینکوں، گن شپ ہیلی کاپٹروں اور ان کے بمبار طیاروں کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے تو دنیا کی سپر طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور افغانستان اس کے لئے قبرستان بن گیا۔

پندرہ لاکھ مجاہدین افغانستان نے اپنا خون دیکر اس طوفان کو روکا، پاکستان کے مجاہدین کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے ان کے بہتے ہوئے خون میں اپنا خون شامل کیا اور ان کے علاوہ عالم اسلام کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو گا جس کے شہداء کی قبریں وہاں موجود نہ ہوں۔

مغربی ممالک میں اسلامی لہر

یہ انقلاب کی لہر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ میں جائیں تو وہاں بہت سے پاکستانی بلکہ اکثر پاکستانی جن کو ہم یہاں داڑھی منڈا دیکھتے تھے، نمازوں کے لئے مسجد میں نہیں آتے ہیں، وہاں ان کی داڑھیاں ہیں، مسجدوں میں صف اول کے نمازی ہیں اور وہ عورتیں جو یہاں پردہ نہیں کرتی تھیں، وہاں پردہ کر رہی ہیں۔ برطانیہ میں جاؤ، وہاں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی کفرستان ہے جس نے پورے عالم اسلام پر یلغار کی تھی اور اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، آج وہاں اذانیں گونج رہی ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں ہیں، مکاتب قرآنیہ اور دارالعلوم ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے وہاں برقعے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا، آج وہاں جگہ جگہ مسلمان عورتیں برقعہ پہنے نظر آتی ہیں، بلکہ بغیر برقعہ والی کم اور برقعہ والی زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ پیرس (فرانس) جو کہ کفر وشرک اور عیاشی کا مشہور مرکز ہے۔ وہاں اسلامی انقلاب بہت زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔ وہاں کی صورتحال یہ ہے کہ روزانہ اوسطاً سولہ افراد مسلمان ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پاکستان میں خاص رفیق کار تھے، پھر وہ ہجرت کر کے فرانس چلے گئے۔ وہیں ڈیرہ ڈالا۔ آپ یورپ کی تقریباً ایک درجن زبانوں کے ماہر تھے۔ انہوں نے علمی رنگ میں اسلام کا کام کیا۔ ان کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ وہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، جو خفیہ طور پر مسلمان ہوئے

تھے۔ ان میں کروڑ پتی اور ارب پتی لوگ بھی ہیں اور بڑے بڑے افسران بھی، اسمبلیوں کے اراکین بھی ہیں اور صنعتکار بھی، تعلیمی اداروں کے سربراہ بھی ہیں اور پادری بھی۔ برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور فرانس میں یہ صورتحال ہے کہ عیسائی اپنے چرچ فروخت کر رہے ہیں اور مسلمان ان سے خرید کر وہاں مسجدیں اور مدرسے بنا رہے ہیں۔

اسلام کا خاص مزاج

مجھے کسی نے یہ بتایا کہ کسی نے فرانس کے کسی وزیر سے کہا کہ آپ کے ہاں اسقدر تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے کہ یہ اندیشہ ہے کہ یہاں جلد ہی اکثریت مسلمانوں کی ہو جائیگی تو ایسی صورتحال میں آپ کیا کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے بار بار کہا ہے کہ امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ یہ کہ:

؎ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

عالم کفر نے جتنا زیادہ مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی، مسلمان اتنے ہی زیادہ ابھر رہے ہیں۔ یہ انقلاب ایک عالمگیر اور طاقتور لہر ہے۔ یہ ایک صورتحال ہے جسے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس وقت تعلیم تو دینی مدرسوں میں ہے

ادھر ہمارے پاکستان کے نظام تعلیم کا حال یہ چلا آ رہا ہے کہ ہمارے ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے اسلامی نظام تعلیم کو برپا نہیں ہونے دیا۔ وہی فرسودہ اور سیکولر نظام تعلیم جو انگریزی دور سے چلا آ رہا تھا، اسی کو چلا رہے ہیں اور اب اس نظام تعلیم کا حال بھی یہ ہے کہ اس کے اداروں میں تعلیم ہی ختم ہوگئی۔ نہ قدیم تعلیم رہی نہ جدید رہی۔ نہ اچھی رہی اور نہ بری رہی۔ نہ دین کی رہی اور نہ دنیا کی رہی۔

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے کسی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ افغانستان کے ریلوے کے وزیر ہیں۔ مخاطب نے حیران ہو کر کہا کہ وہاں تو ریلوے کا نظام ہی نہیں تو ریلوے کے وزیر کیسے! تو وہ کہنے لگا کہ جب آپ کے ہاں تعلیم کے بغیر وزیر تعلیم ہو سکتا ہے تو وہاں ریلوے کے بغیر وزیر ریلوے کیوں نہیں ہو سکتا۔

سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس کے اندر طلبہ کو سنبھالنے کی جگہ نہیں۔ سکولوں اور یونیورسٹیوں سے بیزار ہو کر والدین اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں بھیج رہے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت اگر تعلیم ہو رہی ہے تو دینی مدرسوں میں ہو رہی ہے۔

یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے

ایک مرتبہ میں ایک میٹنگ میں شریک تھا۔ جس میں تعلیم کے حوالے سے بڑے بڑے سرکاری عہدیداران اور ماہرین موجود تھے۔ اس مجلس میں سیکرٹری وزارت تعلیم مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے ہاں جو طریقہ ہے ''تکرار'' کا۔ یہ بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے۔ یہ ہمارے ہاں نہیں ہو رہا البتہ امریکہ والے اسے اختیار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ کہنے لگے کہ ایک بات ہے'' وہ یہ کہ آپ کے طلبہ صحت کے بارے سے کمزور ہوتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اور تو کچھ جانتا نہیں، البتہ آپ کشتی لڑوا لیجئے۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ مدرسوں کے لڑکے زیادہ کمزور ہوتے ہیں یا سرکاری اداروں کے لڑکے۔

اب غور کیجئے کہ عالمی صورتحال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی اور ہمارے ملک کی تعلیمی صورتحال یہ ہے کہ سرکاری اداروں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں کا رجحان دینی مدارس کی طرف بڑھ رہا ہے اور سرکاری اداروں کا نظام تعلیم ناکام ہو رہا ہے ان حالات میں دینی مدرسوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دینی مدارس، حفاظت دین کے قلعے

دینی مدرسے درحقیقت دین کی حفاظت کا قلعہ ہیں۔ افغانستان میں برسر حکومت وہی لوگ تھے جیسے ہمارے پاکستانی حکمران۔ یہ انگریز کے زیر اثر ہیں اور وہ روس کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے خود روس کی فوجوں کو آنے کی دعوت دے دی تھی لیکن یہ مدرسوں کے طلبہ، خانقاہوں کے بزرگ اور مسجدوں کے امام تھے جنہوں نے اپنے حکمران کا بھی مقابلہ کیا اور روسی طاقت کا بھی مقابلہ کیا۔ الحمد للہ، ہمارے پاکستان میں بھی یہ مدارس دین کی حفاظت کا قلعہ بنے ہوئے ہیں۔ روکھی سوکھی کھا کر دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں ہیں۔

مکاتب قرآنیہ کا ایک خاص اثر

میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ جو شخص مکاتب قرآنیہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ لیتا ہے خواہ ناظرہ پڑھا ہو یا حفظ یاد کیا ہو، ایسے شخص کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے ہی فسق و فجور کے ماحول میں چلا جائے، اس کے اعمال خراب ہو سکتے ہیں لیکن اس کا عقیدہ نہیں جاتا، ایمان دل میں جاگزین ہو جاتا ہے۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس بات کا مشاہدہ کرتا تھا کہ جن وزیروں سے اسلامی قانون اور اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں بحثیں ہوتی ہیں، ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو بالکل بد دین سے معلوم ہوتے ہیں اور کوئی وعظ و نصیحت کی بات قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ بات تو نہیں مانتے لیکن بحث نہیں کرتے اور اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صحیح بات آپ کی ہے لیکن ہم فلاں فلاں مجبوریوں کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے۔ ہم غلطی کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کبھی کسی مکتب قرآنی میں نہیں پڑھا اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے کسی مکتب قرآنی میں پڑھا ہے۔

تزکیہ کا کام بھی ضروری ہے

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ﴿یَتلُوا عَلَیھِمْ ایاتہ﴾ (قرآن مجید کے الفاظ کی تعلیم)

۲۔ ﴿وَیُزَکِّیھِمْ﴾ (اعمال واخلاق اور عقائد کا تزکیہ کرنا)

۳۔ ﴿وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتٰبَ﴾ (معنی قرآن کی تعلیم دینا)

۴۔ ﴿والحکمۃ﴾ (اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھانا)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر حکمت سے مراد ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی۔

الحمدللہ یہ کام ہمارے دینی مدارس میں ہو رہے ہیں۔ الفاظ قرآن کی تعلیم کے لئے خاص ہیں مکاتب قرآنیہ اور معانی قرآن اور حکمت کی تعلیم کے لئے درس نظامی کے مدارس۔ لیکن یاد رکھئے کہ کوئی دینی مدرسہ اس وقت تک جامع دینی مدرسہ نہیں کہلا سکتا جب تک اس میں ''تزکیہ'' کا کام نہ ہو۔ آج کل ''تزکیہ'' کا کام عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ نہیں تھا کہ الفاظ و معانی قرآن تک ایک جگہ سے سیکھے لیکن تزکیہ کے لئے کہیں جانا پڑتا تھا، بلکہ سب کام ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے ہمیں اپنے بچوں کو ان مدارس میں الفاظ اور معانی قرآن کی تعلیم بھی دینی ہے اور قرآن وسنت کے مطابق ان کی عملی تربیت بھی کرنی ہے۔

آپ کے ہاں الحمدللہ، مکاتب قرآنی قائم ہیں اور اب ایک درس نظامی کا مدرسہ بھی شروع ہو رہا ہے۔ یہ آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہو رہی ہے۔ اس کے اندر آپ دامے، درمے، سخنے جس طریقے سے بھی تعاون کر سکتے ہیں، تعاون کریں۔ جہاں بھی کوئی دین کا کام ہو رہا ہو، وہاں تعاون کرنا چاہئے۔

مدرسے کی اصل ضرورت

اصل بات یہ ہے کہ مدرسہ قائم ہونے کے لئے عمارت کی ضرورت تو بعد میں پیش آتی ہے۔ سب سے پہلے تو ایک استاد اور ایک طالبعلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیو بند کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ایک استاد تھا اور ایک شاگرد۔ دیو بند بستی میں چھتے کا محلّہ تھا۔ بہت پرانی ایک مسجد تھی۔ اس میں ایک انار کا درخت کھڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سبق شروع ہوا۔ استاذ کا نام بھی محمود تھا، شاگرد کا نام بھی محمود۔ شاگرد وہی ''محمود الحسن'' جو بعد میں شیخ الھند بنے۔ انہوں نے ''ریشمی رومال'' کی تحریک چلائی تھی اور انگریزی حکومت کا تختہ الٹنے کا سارا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔ عظیم الشان ولی اللہ، اعلیٰ درجے کے مفسر، اونچے درجے کے فقیہ، عظیم الشان محقق، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے استاذ، ہمارے والد صاحبؒ کے مرشد شیخ الھند حضرت مولانا ''محمود الحسن'' نے یہ تعلیم اس وقت حاصل کی جب وہاں عمارت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پھر الحمد للہ، عمارتیں بھی بنیں اور پوری دنیا مین اس کا فیض پہنچا۔

آپ حضرات سے بھی یہی گزارش کرونگا کہ آپ جو مدرسہ قائم کررہے ہیں، انشاءاللہ اس کے لئے بھی بڑی جگہ کی ضرورت پیش آئے گی البتہ اس سے پہلے ماہر اور متقی اساتذہ کی ضرورت ہے۔ اگر اساتذہ ماہر، پرہیز گار اور بزرگوں کے تربیت یافتہ ہوں تو اس سے مدرسہ حقیقی ترقی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین ٥

موریشس میں اسلامی حالات
اور وقت کا تقاضا

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم
مقام: موریشس (جنوبی افریقہ)
ترتیب وعنوان: اعجاز احمد صمدانی

موریشس میں اسلامی حالات اور وقت کا تقاضا

خطبہ مسنونہ:

﴿الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ، و نستغفرہٗ و نومن بہٖ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہِ من شرورِ انفسنا ومن سئیاتِ اعمالنا . من یھدہِ اللّٰہُ فلا مضل لہٗ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھدأن لا الٰہ اِلاّ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہ اجمعین.﴾

اما بعد:

﴿قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

طَلَبُ العِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ﴾

(ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۲۴، مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب طلب العلم ج۱ص ۱۱۹، مسند ابی یعلی ج ۷ص ۹۶، رقم الحدیث: ۴۰۳۵)

آپ عالم اسلام سے بہت دور ہیں

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

ممکن ہے کہ آپ یوں سمجھ رہے ہوں کہ میرا وعظ روایتی اور رسمی قسم کا وعظ ہوگا لیکن میں رسمی قسم کی باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرے بزرگوں نے مجھے یہ تعلیم دی ہے کہ جب کہیں لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملے تو جہاں زخم ہو، وہاں مرہم لگاؤ، اور اس مقام پر مسلمانوں کی جو دینی ضرورتیں ہیں، ان کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاؤ۔

آپ دنیا کا نقشہ اٹھا کر اس میں ماریشس کو دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ پورے عالم اسلام اور عرب ممالک سے بہت دور یہ ایک جزیرہ ہے جس کے اندر آپ آباد ہیں۔ جہاں علم دین ہے اور جہاں اسلام کی حکومت ہے، وہاں سے آپ بہت دور دراز کے علاقے میں آباد ہیں۔ اس دور دراز علاقے میں اسلام مکہ اور مدینہ سے آیا تھا اور جن قربانیوں سے آیا تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر بھی نظر رکھیں۔

براعظم افریقہ میں اسلام کیسے پہنچا؟

براعظم افریقہ میں اسلام کا پیغام کس طرح پہنچا؟ اس کی طویل داستان ہے، لیکن میں اس میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ براعظم افریقہ کے بعض ممالک میں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام آ گیا تھا لیکن اس کے بعد اسلام کے مجاہدین، مبلغین اور اسلام کے خدام، جو اس وقت صحابہ کرام تھے، اللہ کا پیغام لے کر افریقہ کے ممالک میں دور دراز تک بڑھتے چلے گئے، اسلام کی فتوحات کا پرچم گام بگام اور ملک در ملک لہراتے ہوئے لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش تک جا پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور اسلامی لشکر کے جرنیل حضرت عقبہ بن نافع جب اپنا لشکر لے کر تیونس کے قریب پہنچے ہیں تو اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ہم اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئے ہیں۔

یہاں پہنچنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں ایک چھاؤنی قائم کرلینی چاہئے جہاں مجاہدین کو تربیت بھی دی جائے، سامان جہاد بھی جمع رکھا جائے اور مسلمانوں کی باحفاظت رہائش کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس چھاؤنی کے قائم کرنے کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا کہ اس کا محل وقوع صحت کے لئے بھی مفید ہو، حمل ونقل بھی آسان ہو اور دشمن سے حفاظت بھی زیادہ بہتر انداز میں ہوسکے۔ لشکر میں موجود بعض مجاہدین جو اس قسم کے معاملات میں ماہر تھے، انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے جنگل کا انتخاب کیا۔ لیکن وہ جنگل درندوں، بچھوؤں، سانپوں اور اژدھوں سے بھرا پڑا تھا۔ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اس جنگل میں چھاؤنی بنانے کا فیصلہ کیا۔

اسی علاقے کے نئے نئے مسلمانوں نے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ہمدردی اور خیر خواہانہ طریقے سے درخواست کی کہ آپ یہاں چھاؤنی بنانے کا ارادہ نہ کریں کیونکہ اس جنگل میں اتنے اژدھے اور درندے ہیں کہ مجاہدین اسلام کے لئے یہاں ایک دن بھی ٹھہرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے یہاں کے بجائے کسی اور جگہ کا انتخاب کیا جائے لیکن حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے جرنیلوں نے اس جگہ کو سب سے زیادہ موزوں قرار دیا ہے اور ہم اس جنگل میں اپنی ذاتی غرض کے لئے چھاؤنی قائم نہیں کررہے بلکہ اللہ رب العالمین کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ درندے ہمیں اس کام سے نہیں روک سکتے اور آؤ آج تم میرے ساتھ اس جنگل میں چلو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چنانچہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کا لشکر اور مقامی آبادی کے بعض مسلمانوں کو لے کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض کافر لوگ بھی تماشہ دیکھنے کے لئے ساتھ ہوگئے۔ اس جنگل کے قریب ایک ٹیلہ تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عقبہؓ اس ٹیلے پر چڑھ گئے اور وہاں چڑھ کر خطاب شروع کیا۔ یہ خطاب انسانوں سے نہیں تھا

بلکہ شیروں، اژدھوں اور خونخوار بھیڑیوں اور چیتیوں سے تھا۔ آپ نے کہا:

''اے اس جنگل کے درندو! ہم بالکل جاہل تھے، اللہ نے ہمارے اندر اپنے آخری رسول کو مبعوث کیا، اس نے ہم تک دین اسلام کا پیغام پہنچایا اور اس رسول نے ہم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے اس پیغام کو دنیا کی تمام اطراف میں پہنچا دو۔ ہم اللہ کے رسول کے بھیجے ہوئے لشکر ہیں۔ مجاہدین اسلام اپنے وطنوں سے بہت دور نکل آئے ہیں، ان کو یہاں ٹھہرنے کے لئے چھاؤنی بنانے کی ضرورت ہے، ہم اپنے اقتدار کے لئے نہیں، اپنی حکومت کے لئے نہیں، مال و دولت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے کے لئے نکلے ہیں۔ مجاہدین اسلام کا یہ لشکر تمہارا مہمان ہے، اس اسلامی لشکر کو تمہارے جنگل کی ضرورت ہے اور میں تم کو اللہ کے بھروسے پر یہ حکم دیتا ہوں کہ بارہ گھنٹے کے اندر اس جنگل کو خالی کر دو ورنہ اس کے بعد جو جانور بھی یہاں نظر آئے گا، قتل کر دیا جائے گا۔''

یہ خطاب کر کے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس ٹیلے سے نیچے اترنے نہیں پائے تھے کہ پورے جنگل میں بھگدڑ مچ چکی تھی۔ شیرنی اپنے بچوں کو سینے سے لپٹائے ہوئے بھاگی جا رہی تھی۔ ہاتھی اور ہتھنی اپنے خاندان کو لے کر دوڑ رہے تھے، سانپنی اپنی سپولیوں کو لے کر تیز تیز نکل رہی تھی، عقبہ بن نافعؓ نے بارہ گھنٹے کا نوٹس دیا تھا، جنگل چار گھنٹے میں خالی ہو گیا۔ لشکر اسلام وہاں ٹھہرا، وہاں ایک شہر تعمیر ہوا۔ آج بھی وہ شہر موجود ہے، اس کا نام ہے ''قیروان''۔ یہاں کی مشہور جامع مسجد کی تصویریں آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الحمد للہ، آج بھی افریقہ کے ممالک میں اسلام نظر آتا ہے اور یہاں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی سنائی دیتی ہیں۔

ہمارے موجودہ حالات خطرے کا الارم ہیں

میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے آباء اجداد تھے جنہوں نے اتنی مصیبتیں جھیل جھیل کر جان کی بازیاں لگا لگا کر اور قربانیاں دے دے کر یہاں تک اسلام پہنچایا لیکن اس وقت ہمارے حالات جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ خطرے کا الارم ہیں اور اس اندیشے کو پیدا کر رہے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم اپنے اسلاف کی لائی ہوئی اس امانت کو اپنی نسلوں سے ناپید نہ کر دیں۔

دو خطرے

مجھے یہاں دو چیزوں کے بارے خطرہ ہے۔ ایک یہ کہ میں یہاں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الحمد للہ، یہاں کے لوگ مسجدوں میں آتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں لیکن یہاں کے عوام کی علم دین کی طرف کوئی توجہ اور دلچسپی نہیں ہے۔ اول تو یہاں مدرسے ہی بہت کم ہیں اور جو مدرسے قائم ہوئے ہیں، وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آتے۔ یہ اتنی خطرناک بات ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور اس ملک میں اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مدرسہ قائم نہ ہوا اور ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں ہمارے بچوں نے ناظرہ و حفظ اور ضروری دینی تعلیم حاصل نہ کی تو ایک یا دو نسلیں گزرنے کے بعد جو لوگ آئیں گے تو شاید انہیں یہ بھی یاد نہ رہے کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان تھے یا عیسائی، ہندو تھے یا کمیونسٹ۔

اس پر مزید خطرناک صورتحال یہ ہے کہ اسلامی معلومات اور اسلامی مسائل عربی اور اردو زبان کی کتابوں میں بہت زیادہ ہیں۔ اگر کوئی عربی یا اردو جانتا ہو تو ان کا مطالعہ کر سکتا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں عربی جاننے والے بھی نہیں ہیں اور اردو جاننے والے بھی نہیں بلکہ گجراتی جاننے والے بھی اب نہیں رہے۔ ان حالات میں اس نسل کیلئے اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔

ایک اور خطرناک بات

اس پر ایک صورتحال اور خطرناک ہے۔ وہ یہ کہ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے، اس میں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ اس کے باوجود آپس میں پھوٹ، اختلاف اور افتراق ہے۔ کہیں دیو بندی اور بریلوی کے جھگڑے ہیں، کہیں مقلد اور غیر مقلد کی عصبیتیں ہیں، کہیں گجراتی اور بہاری کے درمیان کشمکش ہے، کہیں سیاسی پارٹی بندیاں ہیں۔ ان حالات میں بتلائیے کہ آپ نے آنے والی نسلوں کے لئے کیا سوچا؟

یہی حالات اسپین کے تھے

یہی وہ حالات تھے جو اسپین (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ وہاں اسلام کی عظمت کا پرچم تقریباً آٹھ سو سال تک لہراتا رہا اور اسلام کا اقتدار ایسا پھیلا ہوا تھا کہ تقریباً آدھا فرانس بھی ان کے زیر اقتدار تھا، یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں امیر المؤمنین کو پیشکش کرتی تھیں کہ ہماری بیٹیوں سے شادی کرلیں، لیکن جب وہاں کے مسلمانوں میں وہ حالات پیدا ہوئے جو میں اپنی آنکھوں سے ماریشس میں دیکھ رہا ہوں کہ علم دین سے دور، باہمی افتراق و انتشار، ان میں بربری اور اندلسی جھگڑے تھے، عصبیت تھی، عیش و عشرت تھی، مال و دولت کی فراوانی نے ان کو مدہوش کر دیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اللہ کی یاد سے غافل ہوئے تو اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ اور اللہ کا عذاب ایسا آیا کہ آج پوری سرزمین اندلس پر ایک مسلمان وہاں کا مقامی نظر نہیں آتا۔ وہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی موجود ہے لیکن مسجد کے مینارے اور اس کی محراب ''اللہ اکبر'' کی آوازوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ اسپین جس کی فضاؤں میں دن میں پانچ مرتبہ اذانوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، وہاں اذانیں خاموش ہو چکی ہیں۔

دو کام ناگزیر ہیں

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ماریشس میں آپ کی نسلوں کے ساتھ وہ عمل نہ ہو اور یہاں وہ حالات پیدا نہ ہوں جو اسپین میں پیدا ہو گئے تھے تو آپ کو دو کام کرنے ناگزیر ہیں۔ اگر نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آکر رہے گا۔

۱۔ ایک علم دین کی طرف پوری توجہ

۲۔ دوسرے، اتحاد

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرائیں لیکن اگر کسی کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوتی تو کم از کم یہ تو فیصلہ کرلیں کہ اپنا کوئی بچہ اور کوئی بچی ایسی نہیں چھوڑیں گے جو قرآن کریم دیکھ کر پڑھنے والا نہ ہو اور دین کے ضروری مسائل جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ ان دونوں چیزوں کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ ماریشس کا کوئی بچہ بلکہ کوئی مرد اور کوئی عورت بھی اس سے خالی نہ رہے اور یہ بھی کافی نہیں بلکہ یہاں ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ یہاں ماہر علماء کی ایسی تعداد ہو جو دینی مسائل میں قوم کی معقول رہنمائی کر سکے۔ اور ایسے علماء کو تیار کرنے کے لئے یہیں پر ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ اس دارالعلوم کے قیام کے لئے آپ کو موجودہ علماء کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔ انہی کی رہنمائی سے ایسا دارالعلوم قائم ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ، ایک دارالعلوم کا کام ابتدائی مرحلے میں شروع بھی ہو چکا ہے لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں پڑھنے کے لئے بچے نہیں آئے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو قرآن مجید نہیں سکھائیں گے تو کیا ہندو اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں گے؟ بدھ مت اپنے بچوں کو عالم بنائیں گے؟ یہ قرآن و حدیث کا علم ہمارے لئے ہے یا کافروں کے لئے۔ اسے کون پڑھے گا اور کون پھیلائے گا۔

آپ کا فریضہ ہے کہ اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرائیں، ابتدائی تعلیم تو

سب کو دلوائیں اور اولاد میں جو سب سے زیادہ ذہین ہو اور سب سے زیادہ تندرست ہو اسے پورا عالم دین بنانے کیلئے پاکستان بھیجیں۔ الحمد للہ، کراچی میں ہمارا ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ ہے "دارالعلوم کراچی"۔ اگر آپ اپنے ہونہار لڑکوں کو قرآن شریف یہاں پڑھوانے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے وہاں بھیجیں گے تو ہم ان کو خوش آمدید کہیں گے اور انہیں داخلہ دیں گے، ہمارے یہاں طلبہ کے لئے رہائش اور کھانے کا بھی جامعہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہاں سے اچھے عالم بن کر واپس آئیں اور یہاں پر دینی ادارہ دارالعلوم قائم کریں اور پھر یہیں پر اچھے علماء قائم ہونے لگیں۔

پہلا کام تو علم دین کے پھیلانے سے متعلق تھا، جس کی تفصیل میں نے عرض کی۔ دوسرا کام "اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت" ہے۔ جو مسلمان کوئی بھی مسلک رکھتا ہے، دیوبندی ہو، یا بریلوی، اہلحدیث ہو یا حنفی، اپنے مسلک پر عمل کرے لیکن دوسروں سے لڑائی جھگڑا نہ رہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بڑا بہترین ارشاد ہے جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے، فرماتے تھے "اپنا مسلک چھوڑو نہیں، دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔" اور اجتماعی کاموں میں ہر مکتبہ فکر اور ہر علاقے کے مسلمان متحد ہو کر اجتماعی جدوجہد کریں مثلاً اس وقت آپ کے ہاں ایک بڑا اہم مسئلہ "مسلم پرسنل لاء" کا ہے۔

اس مقصد کے اندر آپ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک آپ کا باہمی انتشار اور افتراق ختم نہ ہو۔ اگر دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہلحدیث حنفی کے خلاف اور حنفی اہلحدیث کے خلاف لڑتے رہے تو آپ نہ مسلم پرسنل لاء کے مقاصد کو حاصل کر سکیں گے اور نہ دین کا کوئی اور مقام حاصل کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اپنی ذمہ داریوں کو احسن انداز میں نبھانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

﴿وآخر دعوانا أنِ الحمد للّٰہ رب العالمین﴾

خَتمِ بُخارِی شَرِیف

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی (کورنگی)

تاریخ: رجب ۱۴۲۵ ہجری

ضبط و ترتیب: مولانا اعجاز احمد صمدانی

﴿ختم بخاری شریف﴾

بزرگانِ محترم، حضرات علماء کرام، برادرانِ عزیز، ہونہار عزیز طلباء اور طالبات ومعلمات مدرسۃ البنات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمدللہ آپ حضرات نے قرآن کریم کے بعد اس دنیا کی سب سے زیادہ عظیم کتاب اور سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس درس کے وہ تمام فائدے عطا فرمادے جن کی اس عظیم درس کے ضمن میں توقع کی جاتی ہے۔

قبل اس کے کہ اپنی کچھ اور معروضات پیش کروں، اپنے دورۂ حدیث کے ہونہار طلباء کی ایک درخواست مجھے ملی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ صحیح مسلم کا درس مجھ ناچیز سے متعلق ہے ہم نے درس تو پورا کر دیا اور اس کی پوری سند بھی طلباء کو بتا دی اور لکھوا دی، لیکن ان سے یہ وعدہ تھا شروع سال سے کہ صرف صحیح مسلم کی نہیں بلکہ جتنی کتب حدیث کی روایت کی اجازت مجھے اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے حاصل ہے یا جو کتب حدیث اور حدیثیں میں نے ان سے پڑھی یا سنی ہیں ان سب روایات اور مرویات کی اجازت بھی دوں گا، یہ وعدہ ان طلباء نے مجھ سے شروع سال سے لے رکھا تھا، لیکن جب مسلم شریف کا آخری درس ہوا تو یہ بات ذہن سے نکل گئی، طلباء نے بعد میں یاد دلائی اور اب انہوں نے دوبارہ یاد دہانی کرائی ہے کہ وہ وعدہ پورا کر دیا جائے، چنانچہ میں اللہ رب

العالمین کے بھروسے پر اپنے دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے ان تمام طلباء کو جن کی تعداد اس سال الحمد للہ ۳۹۵ ہے اپنی تمام مسموعات[1]، مقروآت[2] اور مُجازات[3] کی اجازت دیتا ہوں، اُن تمام سندوں کے ساتھ جو مجھے بزرگوں سے ملی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور میرے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

تعلیمی سال کا اختتام:

یہ اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ یہ سال جیسا پُرآشوب تھا دینی مدارس کے لیے، دینی اداروں کے لیے اور دینی شخصیات کے لیے اس سے پورا عالم اسلام مضطرب تھا، اور ہے، اللہ رب العالمین کا کرم اور احسان ہے کہ ہمیں اس پورے پُرآشوب سال میں اپنا کام جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، اور الحمد للہ آج ہمارے تعلیمی سال کا اختتام ہوا ہے، یہ تعلیمی سفر ایک سال کا آج ہم نے پورا کیا ہے، اللہ رب العالمین سے ہماری دعا ہے کہ اس کو قبول فرمائے اور یہ عزیز طلباء جو فارغ ہو کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنائے۔

دو متضاد جذبات:

یہ صحیح بخاری کے ختم کا دن عجیب وغریب جذبات کا دن ہوتا ہے، عظیم الشان خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارا تعلیمی سفر اس سال کا مکمل ہوا، ایک بڑی تعداد الحمد للہ درسِ نظامی کے سترہ سالا نصاب سے فارغ ہو کر آج سرخرو نظر آرہی ہے، اس کی مسرت بھی رگ رگ میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہے جو جامعہ دارالعلوم کے پورے ماحول میں بہت نمایاں نظر آتی ہے، لیکن ساتھ ہی غم کے جذبات بھی اس دن اپنے عروج پر ہوتے ہیں، اس سال دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے یہ طلباء جو آپ کے سامنے اس وقت

---

۱ سنی ہوئی حدیثیں۔ ۲ پڑھی ہوئی حدیثیں
۳ وہ احادیث جن کی بغیر پڑھے اکابر نے اجازت دی ہو۔

بیٹھے ہوئے ہیں ان کی تعداد ۳۹۵ ہے، اور جو طالبات دورۂ حدیث سے فارغ ہوئی ہیں اس سال ان کی تعداد چونتیس ۳۴ ہے اور جو تخصص فی الافتاء سے فارغ ہوئے ہیں ان کی تعداد ۱۰ ہے، اس طرح الحمد للہ ۴۳۹ طلبہ اور طالبات اس سال تعلیمی سفر سے فارغ ہوئے ہیں، تو جب یہ اختتام کا وقت ہوتا ہے تو یہ طلباء جو یہاں کے درودیوار سے اتنے مانوس ہوتے ہیں کہ اپنے گھروں سے زیادہ محبت ان کو یہاں کی درودیوار سے اور یہاں کی فضاؤں سے ہو جاتی ہے اور اپنے اساتذہ کے سایہ میں جو شفقت ان کو ملتی ہے، جو تربیت و تعلیم ان کو ملتی ہے وہ ان کے دلوں میں گہرا نقش بن کر تاحیات ان کے ساتھ رہتی ہے، تو رخصت ہونے کا تصور ان طلباء کے لیے بھی جاں گداز ہوتا ہے اور ہم خدامِ دارالعلوم کے لیے بھی یہ تصور بہت صبر آزما ہوتا ہے کہ اپنے ان چہیتے بیٹوں کو اپنے ان معنوی بیٹوں کو جن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو چودہ، پندرہ، سولہ سال سے ہمارے ساتھ ہیں، ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہے جو آٹھ سال سے ہمارے پاس زیرِ تعلیم ہیں، آج ہم ان کو رخصت کر دیں گے، آج دنیا کے کسی اور طرح کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم میں ان جذبات کا تصور نہیں کیا جا سکتا ان جذبات کو محسوس نہیں کیا جا سکتا جو ان طلباء کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں جامعہ سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جانے کے وقت، اور جو اساتذہ کے جذبات ہوتے ہیں ان کو رخصت کرتے وقت، اس کا اندازہ صرف وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو ان دینی مدرسوں کے اندر پڑھنے پڑھانے کی سعادت اور لذت نصیب ہوئی ہو۔

ہر محبت کی لذت الگ ہے:

اللہ رب العالمین نے ہر محنت کی لذت الگ رکھی ہے، اولاد کی محبت کی لذت کچھ اور ہے، بیوی کی محبت کی لذت کچھ اور، ماں باپ کی محبت کی لذت کچھ اور ہے بہن بھائیوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اسی طرح مُریدوں کی محبت کی لذت کچھ اور ہے اور

شاگردوں کی محبت کی لذت کچھ اور، اس لذت کو نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے، یہ طلباء ہم سے رخصت ہونے والے ہیں، ہماری دعا اور تمنا ہے کہ انہوں نے اس طویل مدت میں جو درس حاصل کیا ہے وہ درس زندگی بھر ان کا ساتھی رہے اور جن امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ اساتذہ نے ان کی تعلیم و تربیت کی ہے وہ ان امیدوں اور تمناؤں پر پورے اتریں اور امت کو اس وقت جیسی قیادت کی ضرورت ہے اپنے آپ کو اس قیادت کے قابل بنائیں۔

فارغ التحصیل ہونے کا مطلب:

میں طلباء سے یہ کہنا چاہوں گا، اور درس کے دوران بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ جب آپ فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ عالم دین بن گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نصاب پورا پڑھ لیا ہے اور آپ کے اندر قوتِ مطالعہ پیدا ہوگئی ہے، جیسے کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ طلباء کے فارغ التحصیل ہونے کا اور ہمارا ان کو پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اسلامی علوم وفنون میں قوتِ مطالعہ پیدا ہو جائے، جتنے علوم وفنون ہیں ان میں یہ مطالعہ کرسکیں، عربی زبان میں بھی اور اپنی اپنی زبانوں میں بھی،، درساً پڑھنے کی ضرورت نہ رہے، اب جتنا مطالعہ کرتے جائیں گے علم میں اضافہ ہوگا، جتنی تحقیق کریں گے، جتنی ریسرچ کریں گے، جتنا تدریس کا کام کریں گے، فتویٰ کا کام کریں گے، قضاء کا کام کریں گے، وعظ ونصیحت کا کام کریں گے جتنا کام کرتے جائیں گے تجربہ بڑھتا جائے گا، عالم دین بنتے جائیں گے، اور ایک وقت آئے گا انشاء اللہ کہ آپ عالم دین ہوں گے، لیکن ابھی آپ اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، عالم دین بننے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے، آج سے آپ کا سفر عالم دین بننے کے لیے ہوگا۔

فقہ باطن ابھی باقی ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فقہ ظاہر حاصل کرلیا، ظاہری اعمال کے احکام سمجھ لیے، شریعت کے مسائل سمجھ لیے، اور الحمد للہ احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ آپ کے ذہنوں میں اور آپ کے دلوں میں اتر گیا، لیکن باطنی فقہ، دل کی اصلاح، باطنی اعمال کی اصلاح، جس کا نام قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''احسان'' ہے یہ کام ابھی باقی ہے، یہ کام کتابوں کے پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، اسباق پڑھنے سے نہیں ہوسکتا، یہ مطالعے اور درس سے نہیں ہو سکتا، اس کا تعلق صرف تربیت سے ہے، تربیت حاصل کریں، کسی مصلح کی خدمت میں رہ کر، کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر، اپنے نفس کو مٹا کر، اپنے آپ کو اس شیخ کے اس طرح سپرد کر دیں کہ "کالمیّتِ فِی ید الغَسَّال" ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی الفاظ فرمایا کرتے تھے، کہ اپنے آپ کو شیخ کے اس طرح حوالے کر دو جیسے مردہ غسل دینے والوں کے قبضہ میں ہوتا ہے کہ جدھر غسل دینے والے الٹ دیں وہ پلٹ جاتا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا، اسی طریقہ سے اپنے آپ کو شیخ کے حوالے کر دو کہ جس کام میں وہ لگائے، جو ہدایت وہ دے، جو مشورہ وہ دے اس کو بے چون و چرا اختیار کرلو، یاد رکھئے! باطن کی اصلاح یعنی دل کے اخلاق واعمال کی اصلاح کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، اس کے بغیر آدمی پورا مسلمان بھی نہیں ہوتا، خوب ذہن نشین کر لیجیے، آپ فقہ باطن کے بغیر عالم دین نہیں بن سکیں گے، اس لیے اب پوری لگن کے ساتھ کسی شیخ کی تربیت وصحبت میں رہ کر اس کام میں لگیں۔ یہ کام درس وتدریس وغیرہ کے ساتھ بھی چل سکتا ہے۔

تعلیم میں ہمارے طلباء کی مثالی محنت اور لگن:

الحمد للہ ایک بات یہ ہے کہ جس نوعیت کی محنت ہمارے دینی مدارس کے طلباء کرتے ہیں اور پڑھنے کے زمانے میں جس عظیم مجاہدے سے یہ گزرتے ہیں اس کی نظیر اس وقت شاید ہی کسی اور جگہ ملتی ہو، آپ کو شاید خوشگوار تعجب ہوگا کہ دورۂ حدیث کے ان

تین سو پچانوے طلباء نے اس طرح اسباق پڑھے ہیں کہ صبح کو آٹھ بجے سے درس شروع ہوتا تھا تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک، پھر سہ پہر کو تین بجے سے عصر تک، پھر مغرب سے لے کر رات کے تقریباً پونے بارہ بجے تک ان کا درس ہوتا تھا، کیا وقت باقی بچا؟ عصر سے مغرب تک کا وقت تا کہ اس میں کچھ چہل قدمی کرلیں، جسمانی ورزش کرلیں، دوپہر کا تھوڑا سا وقت تا کہ اس میں کچھ آرام کرلیں، اور نمازوں کا وقت، باقی سارا وقت ان کا ''قال اللہ قال الرسول'' میں خرچ ہوا۔ ان ۳۹۵ طلبہ میں سے ۹۰ طالب علم اللہ کے فضل وکرم سے ایسے سعادت منداور مستقل مزاج ہیں کہ انہوں نے اپنے درس کے کسی حصے میں پانچ منٹ کا بھی ناغہ نہیں کیا، پورا سال تقریباً دس پیریڈان کے روزانہ ہوئے ہیں کسی پیریڈ میں، کسی گھنٹے میں انہوں نے چھٹی نہیں کی، نہ رخصت علالت لی، نہ رخصت اتفاقیہ لی، نہ تاخیر سے پہنچے، استاذ جب درسگاہ میں آتا تھا یہ پہلے سے وہاں موجود ہوتے تھے، نتیجہ یہ ہے کہ جتنی حدیثیں دورۂ حدیث کے سال میں آئی ہیں وہ ساری کی ساری حدیثیں انہوں نے پڑھی ہیں کوئی حدیث ان سے نہیں چھوٹی، دورۂ حدیث کے ۳۹۵ طلباء میں سے ایسے طلباء کی تعداد نوے ہے، میں نے سرسری حساب کیا کہ انہوں نے کتنی حدیثیں سال بھر میں پڑھی ہیں تو تقریباً اٹھائیس ہزار حدیثیں بنتی ہیں، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

ایک طالب علم مجھ سے ملا وہ دورۂ حدیث کا طالب علم نہیں تھا، بلکہ مرحلۂ ثانویہ عامہ یا خاصہ کا طالب علم تھا، اُس نے بہت ہی بے تابی کے عالم میں کہا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمادیں مجھے سخت پریشانی ہے آج کل۔ میں سمجھا گھر سے کوئی خبر آئی ہو گی، مجھے اُس پر رحم آ گیا، اس کے چہرے سے بے چینی بہت محسوس ہوتی تھی، میں نے پوچھا بیٹا کیا بات ہے؟ تمہیں کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا کہ میں دن بھر اور رات کے اکثر حصے میں پڑھنے میں لگا رہتا ہوں میری نیند بھی پوری نہیں ہوتی، مگر اس کے باوجود میرا مطالعہ پورا نہیں ہوتا، وہ اس سے پریشان تھا، الحمدللہ یہ لگن ہمارے طلباء میں ہوتی ہے۔

غرض نوے طلباء تو وہ ہیں جن کی کوئی حدیث کسی درس میں نہیں چھوٹی، ان کے

علاوہ مزید ۴۵ طلباء ایسے ہیں کہ بخاری شریف کی ان کی کوئی حدیث نہیں چھوٹی، یہ معمولی مجاہدہ نہیں۔

مثالی عزم:

ایک بہت ہی تعجب خیز اور مسرت انگیز بات یہ ہے کہ انہی دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے ۳۹۵ طلبہ میں سے ایک صاحب عزم طالب علم محمد اسد الحسینی ایسا بھی ہے (میں چاہوں گا کہ اس وقت وہ یہاں اسٹیج پر آجائیں) خاص بات اس طالب علم کی یہ ہے۔ آپ اندازہ کیجیے اس کے مجاہدے کا، اس کے عزم واستقلال کا۔ کہ آٹھ سال سے یہ دارالعلوم میں زیر تعلیم ہے، اس آٹھ سال کے عرصہ میں کسی دن کسی پیریڈ میں کسی بھی سبق میں اس نے نہ کوئی رخصت لی ہے نہ کوئی غیر حاضری کی ہے نہ رخصت علالت لی، آپ اندازہ کیجیے اس کے عزم واستقلال کا، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ کوئی طالب علم آٹھ سال اس طرح گزارے کہ کسی ایک گھنٹہ اور کسی ایک پیریڈ میں بھی رخصت نہ لے، غیر حاضری تو بہت بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کے علم میں، عمل میں، اور عمر میں برکت عطا فرمائے، یہ دارالعلوم کے شعبے دارالتربیت کے سابق اتالیق مولانا نورالحسن صاحب کے صاحبزدے ہیں، اصل وطن ان کا برما تھا لیکن جب وہاں کمیونسٹوں نے مظالم ڈھائے تو وہاں سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے، تقریباً چالیس سال سے یہ حضرات یہیں آباد ہیں۔ اس طالب علم کو انشاء اللہ خصوصی انعام بھی دیا جائے گا۔

الحمدللہ تعلیمی سال کا یہ سفر آج پورا ہو رہا ہے، ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں، پتہ نہیں کتنے بے شمار گناہ ہوئے ہیں۔ آج کا دن اس پر بھی توجہ دلاتا ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں پر نظر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی طلب کریں۔

طلبہ اور اساتذہ کی تعداد:

الحمدللہ اس سال ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم میں طلباء کی کل تعداد ۷۰ ۶ ۴ تھی،

جامعہ سے ملحق مکاتب میں زیر تعلیم طلباء و طالبات ان کے علاوہ ہیں اور اساتذہ اور معلمات کی تعداد دوسو بیالیس ۲۴۲ تھی، جو دارالعلوم اور اس کے مختلف شعبوں میں اور شاخوں اور مکاتب میں تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور غیر تدریسی عملے کی تعداد ایک سوبتیس ۱۳۲ ہے، اس طرح کل ۳۷۴ افراد ہیں جو الحمد للہ اس ادارے کی اور اس کے طلباء کی خدمت میں شب و روز لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور ہمارے کاموں میں اخلاص اور رہنمائی اور دستگیری فرمائے۔

زیر تعمیر جامع مسجد:

الحمد للہ دارالعلوم کی اس زیر تعمیر جامع مسجد کے مرکزی ہال میں آج ختم بخاری کا ہم نے درس پڑھا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ہال اب تکمیل کے قریب ہے، آٹھ دس سال سے اس مسجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، اور کوشش یہ ہے کہ یہ ہال اب کے رمضان سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے تاکہ قدیم مسجد سے ہم یہاں رمضان میں منتقل ہو جائیں اور پرانی مسجد کو توڑ کر اس کو بھی اس نئی مسجد میں شامل کرنے کا کام شروع کیا جا سکے۔ اس مسجد کی تعمیر میں اب تک دس (۱۰) کروڑ انہتر (۶۹) لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں، اور یہ کرم ہے اللہ رب العالمین کا اور برکت ہے ہمارے بزرگوں کی کہ آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ دارالعلوم کراچی کی اس کی مسجد کے لیے چندے کرنے کے لیے لوگ پھر رہے ہوں، اخبارات میں اشتہارات آرہے ہوں، سفیر دورے کر رہے ہوں، الحمد للہ الحمد للہ۔ اگرچہ اس طرح کے نیک کاموں کے لیے چندہ کرنا اور اس کے لیے اعلان کرنا بھی شرعاً ممنوع اور ناجائز نہیں، لیکن آج کل بعض اسباب کی بناء پر چندوں کے اعلانات بدنامی کا شکار ہو گئے ہیں، اس لیے ہمارے بزرگ ان سے بڑی حد تک اجتناب کرتے تھے، اور ہمیں بھی یہی ہدایت فرما گئے ہیں۔ البتہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق یہ ضرور ہوا کہ جب زیادہ قرضہ ہو گیا تو ہم نے لوگوں کو بتلا دیا کہ یہ کام چل رہا ہے آپ کے علم میں لانا مقصود ہے کہ اتنا

قرضہ ہو گیا ہے، ہم نے یہ بھی نہیں کہا کہ دیجیے، لیکن اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کام کرا دیا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ تقریباً سوا چار کروڑ روپے مزید خرچ ہوں گے اور یہ مسجد انشاء اللہ مکمل ہو جائے گی، آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آسانی سے اپنی رضا کے مطابق ریا و نمود کے جذبات سے ہمیں محفوظ رکھتے ہوئے مسجد کو خالص اللہ کی رضا کے لیے مکمل کروا دے۔ الحمد للہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اس ہال کا فرش ماربل کا اعلیٰ درجہ کا تیار ہو چکا ہے اس میں صرف آخری گھسائی اور پالش کا کام باقی ہے اور اسی طریقہ سے یہ بڑا برآمدہ آپ دیکھ رہے ہیں پچاس فٹ چوڑا اور تین سو بیس فٹ لمبا برآمدہ ہے اس کا فرش بھی مکمل ہو چکا ہے، اسی طریقہ سے دائیں بائیں کے کوریڈور آپ دیکھ رہے ہیں ان کا اور ان کے اوپر کے جو کوریڈور ہیں ان سب کا فرش بھی اللہ کے فضل و کرم سے ماربل کا پڑ چکا ہے۔ اور ہر ایک مصلے کی جگہ جو ماربل لگا ہے جس میں ایک ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اس کا خرچہ ستائیس سو (۔/۲۷۰۰) روپے ہے، جو ہم نے کبھی کبھی مسجد میں لوگوں کو بتا دیا، الحمد للہ لوگوں نے اس میں حصے لیے، کسی نے ایک مصلیٰ اپنی طرف سے کروایا، کسی نے دس کروائے، کسی نے سو کروائے، کسی نے سو سے زیادہ بھی کروائے، اللہ کے فضل و کرم سے پوری مسجد کا نصف فرش مکمل ہو گیا ہے، لیکن اتنی بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تاکہ آپ حضرات دعا میں بھی یاد رکھیں کہ مصلوں کے سلسلے میں بیالیس (۴۲) لاکھ روپے قرض ہو گیا ہے، ایک مصلیٰ ستائیس سو (۔/۲۷۰۰) روپے میں بن رہا ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا انگریزی ترجمہ:

الحمد للہ یہ خوشخبری آپ نے ابھی سنی ہے کہ تفسیر معارف القرآن کی پوری آٹھ جلدوں کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو کر کل ہی آخری جلد وصول ہوئی ہے۔ اللہ رب العالمین نے برادر عزیز شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اتنا بڑا کام لیا ہے یہ

بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے، اللہ رب العالمین ان کے علم میں عمل میں اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اگرچہ ترجمہ کے کام میں دوسرے حضرات بھی شریک تھے، لیکن انہیں اس ترجمہ کا ایک ایک حرف دیکھنا پڑا، اور جگہ جگہ اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں، ترمیمیں کرنی پڑی ہیں، شب و روز سفر میں بھی اس کے مسودات کو یہ ساتھ رکھتے تھے، جہاز میں اور ایئر پورٹ کے لاؤنج میں بھی یہ کام جاری رہتا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اور ان کی زیر نگرانی یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دلا دیا۔ وللہ الحمد۔

تکملۃ فتح الملہم:

اسی طرح یہ بھی دارالعلوم کراچی کا ایک بڑا سرمایۂ امتیاز ہے کہ فتح الملہم صحیح مسلم کی شرح جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کی تھی اور تقریباً آدھی کتاب کی شرح ۳ جلدوں میں تصنیف فرما چکے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ اور شرح نامکمل رہ گئی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی وفات کے بعد اکابر علماء کی یہ تمنا رہی کہ یہ شرح مکمل کرنے کی سعادت اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دے، حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہ تمنا رہی، اللہ رب العالمین کا کرم ہے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور رہنمائی کا فیض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برادر عزیز مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ذریعہ فتح الملہم کو بھی مکمل کروا دیا۔ پچھلے تقریباً ۱۲ سو سال میں صحیح مسلم کی شرحیں اگرچہ درجنوں اور بیسیوں لکھی گئی ہیں جو اپنے اپنے وقت میں بلاشبہ عظیم الشان قرار دی گئیں، لیکن بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ان تمام شرحوں میں فتح الملہم اور تکملۃ فتح الملہم کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور میں اس وجہ سے پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ تقریباً ۳۵ سال سے الحمدللہ صحیح مسلم کا درس میرے سے متعلق ہے، اور صحیح مسلم کی جتنی شرحیں اب تک چھپی ہیں وہ ساری الحمدللہ میری نظر سے گزری ہیں، میں نے ان سے استفادہ کیا ہے، لیکن جو کمال اللہ تعالیٰ نے فتح الملہم اور تکملۃ فتح الملہم کو عطا فرمایا ہے اس کی نظیر کسی شرح میں نہیں، کیونکہ پچھلی شرحوں سے خوشہ چینی کر کے ان کی تقریباً ساری

خوبیاں اس میں جمع کر دی گئی ہیں، اور جدید عصری مشاغل پر سیر حاصل تحقیقی مباحث ان کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العالمین نے اس دار العلوم کے ذریعہ پورا کرایا، اللہ تعالیٰ دار العلوم کو اور خدامِ دار العلوم کو نظر بد سے بچائے اور اس کا فیض پوری دنیا میں قیامت تک جاری رکھے۔

دینی مدارس اور مغربی دنیا:

اب میں دینی مدارس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے کئی سال سے دینی مدارس نہ صرف ملک میں اور نہ صرف عالم اسلام میں، بلکہ پوری دنیا میں، خصوصیت سے مغربی دنیا میں زیر بحث ہیں، اور ان پر مختلف حیثیتوں سے مختلف انداز سے ریسرچ کا کام چل رہا ہے، دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور ان کے صحافی اور ان کے دانشور ہمارے پاس آ جا رہے ہیں، مدرسوں میں آتے ہیں، ہم سے ملتے ہیں، مدرسوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں، انہوں نے یہ سنا ہوتا ہے کہ ان مدرسوں میں دہشت گرد ہوتے ہیں، خوفناک لوگ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ مدرسوں میں آتے ہیں تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کیسے اچھے انسان زیر تعلیم ہیں، الحمد للہ اس میں کوئی استثناء نہیں کہ مغربی اور مشرقی غیر مسلم ممالک کے جتنے ایسے نمائندے سرکاری یا غیر سرکاری آئے ہیں وہ یہاں سے غیر معمولی طور پر متأثر ہو کر گئے ہیں۔

ایک خاتون بھی جو انگلینڈ کی تھیں ان کا ہمیں پیغام ملا پاکستانی حکام کے ذریعے کہ وہ دار العلوم دیکھنا چاہتی ہیں، ہمارے یہاں اصول یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اصول پر ہمیں اخلاص کے ساتھ، پابندی کے ساتھ قائم رکھے۔ کہ خواتین کے بے پردہ درسگاہوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے، وہ کسی اونچے عہدے سے متعلق تھیں، اور غالباً صحافت سے بھی ان کا تعلق تھا، پاکستانی حکام سے ہم نے کہا اھلاً وسھلاً وہ خاتون ضرور آئیں، مدرسۃ البنات میں وہ آئیں، وہاں معلمات اور صدر معلّمہ ان کا استقبال کریں گی۔ اور صدر معلّمہ الحمد للہ میری اہلیہ ہیں، الحمد للہ جب سے مدرسۃ البنات قائم ہوا ہے وہ اعزازی اور رضا کارانہ طور پر

مدرسۃ البنات کی یہ خدمت انجام دے رہی ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ ہماری بیگم ان کا استقبال کریں گی، اور مدرسۃ البنات کا دورہ کروائیں گی، معلمات اور طالبات کے ساتھ جلسہ ہوگا اور طالبات اپنا پروگرام پیش کریں گی۔ لیکن انہوں نے پیغام بھجوایا کہ ہم تو آپ حضرات کے ساتھ بھی میٹنگ رکھنا چاہتے ہیں، ہم نے ان کو جواب بھجوایا کہ ان شاء اللہ یہ بھی ہو جائے گا، لیکن اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جب وہ مدرسۃ البنات میں آئیں گی تو وہاں کی معلمات ایک خوبصورت چادر ان کو تحفہ میں دیں گی، اور چادر ان کو اوڑھائیں گی، وہ چادر اوڑھ کر ہمارے میٹنگ روم میں آجائیں وہاں ہم لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ الحمد للہ ایسے ہی ہوا۔ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ میٹنگ میں بھی شریک ہوئیں اور غیر معمولی اثرات لے کر اس جامعہ سے رخصت ہوئیں۔ الحمد للہ۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "اَلنَّاسُ اَعداءٌ لِمَا جَهِلُوْا" یعنی لوگ اُس چیز کے دشمن ہو جاتے ہیں جس سے وہ واقف نہیں ہوتے، مغربی میڈیا خاص طور سے یہودی میڈیا نے دینی مدارس کا ایسا خوفناک تصور پوری دنیا میں پھیلایا ہے کہ لوگ طرح طرح کی باتیں سوچتے ہیں لیکن جب یہاں آتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے کہ ناروے کے وزیر یا سفیر تھے وہ آئے، اسی طرح جرمنی کے آئے اور جب یہاں سے گئے تو انہوں نے غیر معمولی تعریفیں وہاں جا کر کیں، مجھے وہاں کی روایتیں ملی ہیں، انہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ دار العلوم کیا ہے وہ تو عظیم الشان تعلیمی ادارہ اور یونیورسٹی ہے، الحمد للہ ہماری خواہش ہے۔ بلکہ اب ضرورت ہوگئی ہے۔ دنیا بھر کے لوگ صحافی، دانشور، فلاسفر، سائنسدان اور تعلیمی میدان کے ماہرین، سیاسی لیڈر، سرکاری احکام اور وزراء آکر ہم سے ملیں اور ان مدرسوں کو دیکھیں اور ان کے حالات کو جانیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ وہ متاثر ہو کر جائیں گے۔

جہاد اور جنگی قیدی:

سب سے زیادہ ان کا سوال جہاد کے بارے میں ہوتا ہے، ہم ان کو بتاتے ہیں

کہ جہاد اور عام جنگ میں زمین آسمان کا فرق ہے، عام جنگ کچھ اور ہے، جہاد کچھ اور، جہاد ایک مقدس عمل ہے جس کی بہت سی شرطیں ہیں بہت سی پابندیاں ہیں مثلاً یہ کہ دشمن کے ساتھ بھی عہد شکنی کسی حالت میں نہ کی جائے، عین جنگ کے اندر بھی دشمن کے کسی بچے کو، کسی عورت کو، کسی بوڑھے کو یا کسی مذہبی پیشوا کو گزند نہ پہنچائی جائے، اور دشمن کا جو شخص آپ سے لڑ رہا ہے اس کے بھی ناک، کان، آنکھ نہ کاٹے جائیں، اور اگر دشمن قید میں رکھا جائے تو ان کو تمام انسانی حقوق دیئے جائیں، اور ان کا معقول انتظام کیا جائے، وہ ظلم نہ ہو جو ابوغریب جیل میں عراق میں مسلم قیدیوں کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ کام نہ ہو جو کیوبا میں افغانستان کے قیدیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ بات میں نے امریکہ کی بھی ایک تقریر میں کہی تھی، واشنگٹن میں ایک بڑا اجتماع تھا وہاں کی بات ہے جب پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا، اور یہ بھی بتلایا کہ اسلام میں غلام صرف جنگی قیدیوں کو بنایا جاتا تھا، جبکہ دنیا میں اُس وقت جنگل کا قانون چل رہا تھا کہ جس طاقتور کو موقع ملتا وہ کمزور کو غلام بنا لیتا تھا، غلام بنانے کے لیے کسی شرط کی پابندی نہیں تھی، غلاموں کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ ہر ایک کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اور جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنانے کے لیے کڑی شرطیں ہیں اور اب وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لیے اب بحالت موجودہ کسی کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، اور جنگی قیدیوں کو غلام تمام شرائط کے ساتھ بنا لیا جائے تو ان کے بھی بہت سے حقوق ہوتے تھے، تو میں نے اس اجتماع میں کہا کہ کیوبا کے جو قیدی ہیں ان کے مقابلے میں وہ جنگی قیدی بدرجہا خوش قسمت ہوں گے جو بالفرض اسلام کے قاعدے کے مطابق غلام بنا لیے جائیں، کیوبا کے اندر مسلم قیدیوں کے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک کیا گیا، اسلام میں ہرگز اس کی گنجائش نہیں، الحمدللہ۔

دعوت الی اللہ:

ایک بات میں آپ سے عرض کروں گا کہ اعدائے اسلام کی سمجھ میں اب یہ بات آ گئی ہے کہ اسلام کی اصل طاقت ان مدرسوں میں ہے، اسلام کے اصلی قلعے یہ

مدرسے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے تبلیغ نکلتی ہے اور دعوت الی اللہ کے قافلے تیار ہوتے ہیں، یہی وہ مدرسے ہیں جہاں دین کے دوسرے مسائل کی طرح جہاد کے مسائل بھی پڑھائے جاتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا ذہن تیار ہوتا ہے۔ یہی وہ مدرسے ہیں جہاں سے دین کی اور اسلام کی اشاعت ہوتی ہے، اور یہی وہ مدرسے ہیں جن کے اندر دین کی اعلیٰ سطحی تعلیم دے کر علماء دین تیار کیے جاتے ہیں۔ اور قرآن وسنت کے علوم کو زندہ رکھا جاتا ہے۔ اب وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر اسلام کو مٹانا ہے اور مسلمانوں کو مٹانا ہے تو سب سے پہلے ان مدرسوں کو مٹانا ضروری ہے، تو میں خاص طور پر طلبہ سے کہوں گا کہ یاد رکھو! اس وقت پورے عالم کفر کی دشمنیوں کا نشانہ تم ہو، تمہارے اوپر سب سے زیادہ نظریں ہیں، پاکستان کے ایٹمی پلانٹ پر شاید ان کی اتنی نظریں نہ ہوں جتنی نظریں تمہارے اوپر ہیں، وہ تمہیں اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھتے ہیں، تم ان کے دشمن نہیں ہو، تم تو داعی الی اللہ ہو، ان کو جنت کی طرف بلانے والے ہو، تم اپنے عمل سے بتلاؤ کہ تم ان کے دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہو، اور داعی الی اللہ ہو، اللہ کی طرف لانے اور دعوت دینے والے ہو، اور جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچانے والے ہو۔

سنتِ انبیاء سے کام لو "**وقولا لہ قولًا لینًا**" پر عمل کرو اور "**اُدْعُ اِلٰی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة**" پر عمل کرو کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے کافروں کو کس کس طریقے سے محبتوں سے، پیار سے، خیر خواہی سے سمجھا کر خوشامدیں کر کر کے ان کو دعوت الی اللہ دی ہے، تم بھی داعی الی اللہ بنو، دنیا غلط سمجھتی ہے کہ تم ان کے دشمن ہو، تم ان کے خیر خواہ ہو، محبت کرنے والے ہو، تم ان کے لیے نجات دہندہ بننا چاہتے ہو، یہ اپنے عمل سے ثابت کرو، آپ کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ دنیا کو آپ کی طرف سے محبت کا، سلامتی کا اور خیر خواہی کا پیغام ملے۔

اہل مدارس سے ایک درخواست:

آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ ان مدرسوں کے خلاف چھاپے پڑ رہے

ہیں طرح طرح کی سازشیں ہو رہی ہے اور بلاشبہ بیرونی دباؤ بہت ہے ہماری حکومت پر، لیکن اللہ کے بھروسے پر ایک بات کہتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر ان مدرسوں پر کوئی برا وقت آیا تو وہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے آئے گا۔ حکمت کے بغیر کام کرنے کی وجہ سے آئے گا، سنت انبیاء کو چھوڑنے کی وجہ سے آئے گا۔ فرقہ واریت کی باتوں سے آئے گا۔ مالی امور میں حساب کتاب کی گڑبڑ سے آئے گا، تقویٰ کی کمی سے آئے گا، اخلاص کی کمی سے آئے گا، حُبِ جاہ کی وجہ سے آئے گا۔ حُبِ مال کی وجہ سے آئے گا۔ اگر یہ باتیں ہمارے اندر نہ ہوئیں ہم نے اخلاص کے ساتھ، تقویٰ کے ساتھ، سنت انبیاء کو سامنے رکھ کر۔ اور جو کچھ ہم نے ان احادیث میں پڑھا ہے اور قرآن کریم نے جو کچھ تعلیم ہمیں دی ہے، انبیاء کرام کا جو طریقہ ہمیں سکھلایا ہے ہم اسی پر کاربند رہے تو۔ ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔ اللہ کے بھروسے پر عرض کرتا ہوں۔ کوئی ان مدرسوں کا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ میری درخواست آپ سب حضرات سے یہی ہے کہ اخلاص اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں، مدرسوں کے اندر جو چندہ آتا ہے اس کو بہت احتیاط سے استعمال کریں، اور صرف احتیاط سے استعمال کرنا کافی نہیں، حساب کتاب بھی صاف ہونا چاہیے اور حساب کتاب کا صاف ہونا نظر بھی آنا چاہیے۔ کاغذات میں حسابات میں بالکل ایک ایک چیز آپ ثابت کر سکیں کہ جو چندہ آیا تھا وہ کہاں لگا ہے۔

ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ مدرسوں کو موردالزام ٹھہرانے اور بدنام کرنے کے لیے اور ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لیے حسابات کو ذریعہ بنایا جائے گا۔ کچھ اطلاعات ہمیں ملی ہیں، اس وجہ سے میں اہل مدارس سے درخواست کرتا ہوں کہ الحمدللہ آپ حضرات بڑے اخلاص سے کام کر رہے ہیں حساب کتاب بھی صاف سہی مگر حساب کتاب ایسے انداز میں رکھیے جس کو دنیا حساب کتاب سمجھتی ہو تا کہ کسی کو انگلی رکھنے کا موقع نہ ملے سکے۔

حضرت والدِ ماجدؒ کا ایک واقعہ:

میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سناتا ہوں انتقال سے چند روز پہلے کی بات ہے فرمانے لگے دیکھو وہ ایک تار لٹکا ہوا ہے اس کے اندر بہت سارے کاغذ ہیں پروئے ہوئے، وہ تار اٹھالاؤ، میں اٹھالایا تو اس پر بہت سارے کیش میمو تھے دارالعلوم کے مطبخ سے آٹا کھانا خریدا اتنے پیسے، اور ذاتی کال ٹیلی فون پر کی اس کا معاوضہ اتنے پیسے، دارالعلوم کی گاڑی ذاتی کام میں استعمال ہوئی اس کے پیسے جمع کرائے گئے اس کا کیش میمو، غرض رسیدوں اور کیش میموں کا ایک موٹا گڈا تھا، فرمایا کہ اگرچہ اس کا حساب مکمل ہو چکا، میں ادائیگی بھی کر چکا، اب ان کو محفوظ رکھنے کی کوئی اور ضرورت نہیں، لیکن میں اس واسطے رکھتا ہوں کہ بعض لوگ تہمت لگایا کرتے ہیں اہل مدارس پر کہ یہ لوگ چندہ کھاتے ہیں، مدرسہ کا پیسہ کھاتے ہیں، یہ میں نے اس واسطے رکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کے منہ پر دے کر مار سکوں کہ لو اس کو دیکھو۔ حالانکہ اس زمانے میں مدرسوں کے خلاف ایسی باتیں بھی نہیں تھیں جیسی اب ہو رہی ہیں، اس وجہ سے میری درخواست خاص طور سے طلبہ سے بھی ہے کیونکہ ان شاء اللہ آپ جا کر اپنے مدرسوں سے متعلق ہوں گے، کوئی مدرس بنے گا، کوئی اور ذمہ داریاں اٹھائے گا، اپنے مدرسوں کے حسابات کو اور وہاں کی اخلاقی تربیت کو اور وہاں کے تعلیم کے معیار کو اپنا سب سے بڑا اہم مقصد بنائیں، اللہ ہر قسم کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

فرقہ واریت سے اجتناب ضروری ہے:

ایک بات اور عرض کروں، کہ فرقہ واریت سے اجتناب کریں، ہمارے بعض دینی حلقوں میں یہ عادت پڑ گئی ہے کہ تقریر کرتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی فرقے کے خلاف ہوتی ہے، دیوبندی بریلوی کے خلاف، بریلوی دیوبندی کے خلاف، اہل حدیث غیر اہل حدیث کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، یاد رکھئے دشمن ان اختلافات کو نہیں جانتا وہ تو آپ کا بھی دشمن ہے، ہر مکتب فکر کا، ہر مسلک کا دشمن ہے۔ وہ دشمن ہے اللہ و رسول کے ماننے والوں کا، اس واسطے خدا کے لیے ان فرقہ واریت کے جھگڑوں کو چھوڑ دیجیے، فرقہ

واریت کی اجازت شریعت نے کبھی بھی نہیں دی۔ کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی۔ ان باتوں کو چھوڑیئے امت کو دین کا مثبت پیغام پہنچایئے عوام کو کیا کرنا ہے؟ اور کن چیزوں سے بچنا ہے؟ اس کی تعلیم دیجئے، ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی اور کامیابی ان شاء اللہ ہمارا مقدر بنے گی۔ ان طویل گزارشات کی معافی چاہتے ہوئے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

(وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین)

تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

موضوع: تفسیر احکام القرآن کی تکمیل

مقام: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک لاہور

﴿تفسیر احکام القرآن کی تکمیل﴾

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا (الی آخرہ)

اما بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾

تمہیدی باتیں:

بزرگان محترم، حضرت علماء کرام، محترم گورنر پنجاب اور معزز حاضرین! اللہ رب العالمین کا بے پایاں فضل وکرم ہے کہ تقریباً اَسّی (۸۰) سال کے اس علمی اور تحقیقی سفر کی تکمیل اللہ رب العالمین نے اس ادارے دارالعلوم الاسلامیہ اور اس کے مہتمم صاحب کی شب و روز محنت کے نتیجے میں پوری فرمائی۔

تکمیل کا کام باقی تھا اللہ رب العالمین نے اس ادارے سے اور اس ادارے کے فاضل مہتمم کی مساعی سے پورا فرمایا۔ ہمارے برادر محترم جناب ڈاکٹر محمد غازی صاحب نے بڑا پر مغز مقالہ ابھی آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جب تک ان کے ذمہ وزارت کی ذمہ داریاں نہیں تھیں، اس سے پہلے تو ان کی اس قسم کی علمی تقریریں اور تحریریں سامنے آتیں رہتی تھیں۔ کچھ عرصہ ہم نے اسلام نظریاتی کونسل میں مل کر کام بھی کیا ہے اور مجھے ہمیشہ اس بات کی خوشی رہی ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں ان کو ذہنِ رساں عطاء فرمایا ہے اور محنت کا ذوق بھی عطاء فرمایا ہے۔ لیکن وزارت کی موجودہ ذمہ داری کے ساتھ جو اہم معلومات آج اس مقالے میں سامنے آئیں وہ توقع سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اور عمر میں برکت عطاء فرمائے اور جو منصب اللہ نے ان کو عطاء فرمایا ہے اس منصب کو ملک اور ملت کے لیے اور دین کی ترقی اور استحکام کے لیے بہترین ذریعہ بنائے۔

وقت چونکہ کافی ہو چکا ہے اور نظام الاوقات کے حساب سے تو مجھے تقریر ختم کرنی چاہیے دس بج کر پندرہ منٹ پر۔ صرف تین منٹ باقی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ کے منتظمین نے اس معاملے میں تھوڑی سی سہولت خطاب کرنے والے حضرات کو دے رکھی ہے۔ میں اس سہولت سے کوئی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھانا چاہتا، لیکن ضروری حد تک فائدہ حاصل کر کے بس مختصر سی ایک دو باتیں جو میرے نزدیک اس مجلس کے لیے شاید ضروری ہوں انہیں پر اکتفاء کروں گا۔

استنباط احکام میں اکابر کی محنتیں:

میں بہت مختصر بات کروں گا۔ آپ نے ابھی ڈاکٹر غازی صاحب کے مقالے میں اس بات کا مختصر سا جائزہ سنا کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی آیات سے احکام کو مستنبط کرنے کے لیے محنتیں کیں۔

اور کس کس طریقہ سے قرآن کی باریکیوں سے احکام کو نکالا اور امت میں بعد میں آنے والے اہل علم کے لیے احکام کو مستنبط کرنے کے اصول فراہم کیے اس سلسلہ میں

آپ نے امام شافعیؒ کا واقعہ اور دوسرے بزرگوں کے واقعات بھی سنے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے برصغیر کے اعلیٰ درجے کے منتخب علماء جو اس وقت ان کو بہتر سے بہتر دستیاب ہو سکتے تھے ان کو احکام القرآن کے لکھنے پر مامور کیا تھا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ (صاحب اعلاء السنن) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل صاحبؒ۔

ایک عام سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال ہے جو عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں آیا کرتا ہے بس اس کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کریم سے احکام نکالنے کا کام اتنا مشکل تھا کہ چوٹی کے دماغ اس پر لگے رہے اور چودہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے، غیر معمولی ذہانت، غیر معمولی حافظہ، انتہائی گہرے اور وسیع درجہ کا علم حدیث اور عربی زبان کی مہارت وغیرہ بہت ساری شرطیں جب تک کسی شخص میں مکمل نہ ہوں وہ قرآن مجید کے احکام خود نہیں نکال سکتا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ قمر میں اللہ تعالیٰ نے بار بار ایک ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

''کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے (یا یاد کرنے کے لیے) کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''

کئی بار یہ جملہ آیا ہے۔

قرآن کے لیے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے:

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو جگہ جگہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں اتنا آسان ہوں

کہ اعلانِ عام ہے تمام انسانوں کو کہ کوئی بھی آ کر اس سے نصیحت حاصل کر لے اور جو تفصیل ابھی آپ نے سنی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اتنا آسان نہیں ہے اس کے لیے بڑے گہرے علوم وفنون کی ضرورت ہے اعلیٰ درجہ کی مہارت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ

پوری زندگیاں جن لوگوں نے لگا دیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے کہ انہوں نے قرآن مجید کے سارے احکام نکال لیے ہیں۔ بہرحال یہ ایک سوال ہے۔ جس کا جواب سامنے آنا چاہیے۔ لیکن قرآن کریم نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے یہاں تو یہ فرمایا کہ

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾

لیکن دوسری جگہ پر قرآن کریم نے کہا سورۃ النحل میں کہ:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

''ہم نے نازل کی ہے آپ کے اوپر یہ یادداشت یعنی قرآن کریم تاکہ آپ اس کو بیان کریں یعنی اس کی تشریح فرمائیں لوگوں کے سامنے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ قمر میں تو اعلان عام ہے کہ ہر ایک اس سے نصیحت حاصل کر لے تو پھر، جب قرآن کریم اتنا آسان ہے کہ ہر ایک اُس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے تو پھر اس کی تشریح وتفسیر کی ضرورت ہی کہاں رہی؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اس کی تشریح کریں۔

مقاصد بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

چار جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، سورۃ البقرہ میں دو جگہ، سورۃ آل عمران میں ایک جگہ، سورۃ الجمعہ میں ایک جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے چار مقاصد ہیں ان میں سے ایک مقصد چاروں جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ویعلمھم الکتاب﴾

کہ "قرآن کی تعلیم دیں"۔

یہ ایک مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا کہ آپ قرآن کی تعلیم دیں لوگوں کو، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخاطب کون لوگ تھے، عرب تھے، مایۂ ناز بلیغ و فصیح شعراء تھے، ادیب تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب کی مادری زبان عربی تھی۔ عربی زبان کے ایسے ماہرین اُس زمانے میں موجود تھے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی کھڑا ہو جائے تو فی البدیہ بیسیوں اشعار کہہ ڈالے۔ ان کے لیے حضور ﷺ کو مامور کیا گیا کہ آپ قرآن کریم کی تعلیم ان کو دیں۔ ان کو قرآن سکھائیں کس کو؟، صدیق اکبر کو رضی اللہ عنہ کو، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو، عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو جن کی مادری زبان عربی ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے رفیق خاص تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن اتنا آسان تھا کہ ہر ایک اس کو سمجھ سکتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ یہ خدمت کیوں سپرد کی گئی کہ آپ اتنے بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں، بلیغوں، فصحاء اور عربی زبان کے ماہرین کو قرآن سکھائیں۔

قرآن حکیم نے اس کا جواب دے دیا ہے، بلکہ جس آیت سے یہ سوال پیدا ہوا اسی میں جواب دے دیا اور کہا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

تفصیل اس کی یوں ہے: قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، یہ نہ فلسفہ کی کتاب ہے۔ نہ سائنس کی کتاب، نہ صرف قانون کی کتاب ہے۔ نہ محض وعظ و نصیحت کی کتاب ہے، بلکہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں اعلیٰ درجے کے علوم و فنون اور حکمت فلسفہ کے مضامین بھی آئے ہی، اسلامی قانون بھی آیا ہے۔ عقائد بھی آئے ہیں۔ عبادات کا بیان بھی آیا ہے۔ آئندہ کی خبریں بھی آئیں ہیں۔ پچھلی قوموں کے حالات کا ذکر بھی آیا

ہے۔ آخرت کا بیان بھی آیا ہے۔ اور اس میں پورے نظام زندگی کے اصول پوری بنی نوع انسان کو دیئے گئے ہیں، لیکن یہ صرف احکام کی کتاب نہیں کہ بس فقہ کی کتاب کی طرح اوپر سے لے کر آخر تک پڑھتے جاؤ تو سارے احکام ترتیب وار مل جائیں اور ختم ہو جائیں۔ نہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ حاکمانہ کتاب بھی ہے، حکیمانہ کتاب بھی ہے، اس میں قانون بھی آتا ہے، نصیحت بھی آتی ہے، وعظ وعبرت کی باتیں بھی اتی ہیں عقل وحکمت کے عجیب وغریب راز بھی اس میں واضح کیے جاتے ہیں۔

تو قرآن نے یہ کہا کہ:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾

قرآن آسان ہونے کا مطلب:

کہ ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے کس کام کے لیے؟ نصیحت حاصل کرنے کے لیے، ''الذکر'' کی قید لگادی کہ قران ہر کام کے لیے آسان نہیں، بلکہ نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان ہے، احکام ومسائل سمجھنے کے لیے آسان نہیں، اس کے لیے تو عمریں کھپانی پڑتی ہیں۔ اس میں مہارت کے لیے بڑے بڑے سخت مرحلے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ہاں نصیحت حاصل کرنے کے لیے اور یاد کرنے کے لیے آسان ہے۔ ذکر کے معنی دو آتے ہیں۔ یاد کرنا اور نصیحت حاصل کرنا تو قرآن کریم نے یہ بتلا دیا کہ سورہ قمر کی ان آیات میں جو بار بار فرمایا گیا ہے کہ ﴿ولقد یسرنا القرآن﴾ یعنی ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے، حفظ یاد کرنے کے لیے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں کسی کتاب کے حافظ نہیں ہیں لیکن قرآن مجید کے حافظ موجود ہیں لاکھوں حافظِ قرآن موجود ہیں، مسلمانوں کے بچے بھی حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ کسی دوسری قوم کے پاس کوئی ایسی کتاب نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کے لیے قرآن کو اتنا آسان کیا۔ نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی اتنا آسان کیا کہ کوئی شخص اگر عربی زبان جانتا ہے یا نہیں جانتا تو ترجمہ پڑھ لے تو اس کے دل پر گہرا اثر

ہوتا ہے۔ اگر وہ اس سے ہدایت یا نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے مل جاتی ہے۔

قرآن سے احکام نکالنا انتہائی مشکل کام ہے:

جہاں تک احکام قرآن کا معاملہ ہے۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ احکام قرآن، قرآن کریم کی آیات میں کہیں کہیں بالکل ظاہر ہیں اور کہیں کہیں یہ ایسے پوشیدہ ہیں جیسے سونے کی کان میں سونے کے ذرات بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان چٹانوں کو توڑ کر اور پیس کر اور پوڈر بنا کر اس کو چھان کر اندر سے سونا نکالنا آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور اسی کے لیے ہمارے فقہاء کرام نے اور مفسرین نے اپنی عمریں لگائی ہیں۔ تو عام طور سے یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ چونکہ قرآن بہت آسان ہے اس لیے ہر ایک مفسر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بہت سے حضرات کو ہم نے دیکھا کہ عمر بھر کبھی انہوں نے نہ عربی سیکھی، نہ پڑھی اور جب سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن لکھ رہے ہیں۔ بھئی تفسیرِ قرآن آپ کیسے لکھ رہے ہیں؟ درحقیقت وہ یہ سمجھے ہیں کہ قرآن نے چونکہ کہا ہے کہ بہت آسان ہے اس واسطے بس ہم بھی تفسیر لکھ سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ احکام القرآن نکالنا اور استنباط کرنا بہت گہری مہارت اور بہت طویل محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور ہمارے ان بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا، اس زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے امت کی رہنمائی فرمائی، اور اس زمانہ میں جو جدید مسائل پیدا ہوئے تھے ان کو قرآن کریم کی روشنی میں حل کیا۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس سے اکتسابِ خیر کی توفیق عطاء فرمائے۔

(وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین)

محمد عربی ﷺ

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

قرآنِ حکیم

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف

ڈاکٹر ذُوالفقار کاظم

بیتُ العُلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پُرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۱۲۴۸۳

انبیائے کرام علیہم السلام

انسائیکلوپیڈیا

مؤلف
ڈاکٹر ذوالفقار کاظم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

- خوفِ الٰہی
- قیامت کی ہولناکیاں
- فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا
- خوف و رجا
- فضیلت یوم عاشورہ
- اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری
- اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے
- طلباء کو اہم نصیحتیں
- تعلق مع اللہ کا آسان طریقہ "ذکر اللہ"
- سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ
- دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت
- آزاد قبائل سے خصوصی تعلق
- تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۴۸۳

اِصلاحی تقریریں

جلد نہم

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

اِصلاحی تقریریں

عمل پر اُبھارنے والی عام فہم اور فکر انگیز تقاریر
علماء، خطباء اور عوام کے لیے یکساں مفید

جلد نہم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۷۳۵۲۲۸۳

کتاب اصلاحی تقریریں
جلد جلد نہم
خطاب مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
باہتمام محمد ناظم اشرف
ناشر بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور
فون: 042-7352483

(ملنے کے پتے)

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبرا
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبۂ قرآن = بنوری ٹاؤن، کراچی
بک سنٹر = 32 حیدر روڈ راولپنڈی

پیش لفظ

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

مجھ جیسے ناچیز کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں تو اس قابل بھی نہ تھیں کہ ان کو ''تقریریں'' کہا جاتا، چہ جائیکہ انہیں ''اصلاحی تقریریں'' کا عظیم الشان نام دے کر کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ لیکن اہل محبت کا حسن ظن ہے کہ وہ ان کو ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ کر لیتے ہیں۔

عزیز القدر مولوی محمد ناظم سلمہ نے جو دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل، اور ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' کے مقبول استاذ ہیں، کئی سال سے ان ٹیپ شدہ تقریروں کو ضبط تحریر میں لاکر اپنے ادارے بیت العلوم لاہور سے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے اور اب تک اس سلسلے کے کئی درجن کتابچے شائع کر چکے ہیں، اور اب ان میں سے کچھ مطبوعہ کتابچوں کا ایک مجموعہ ''اصلاحی تقریریں (جلدنہم)'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ انہوں نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کرنے میں

بڑی کاوش اور احتیاط سے کام لیا ہے اور ذیلی عنوانات بڑھا کر ان کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے، اور اس کتاب کو قارئین کے لئے نافع بنا کر ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور ''بیت العلوم'' کو دینی اور دنیاوی ترقیات سے مالا مال کردے۔

والله المستعان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿عرض ناشر﴾

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ ملک و بیرون ملک ایک جانی پہچانی علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ آنجناب ملک کی مشہور دینی درسگارہ ''دارالعلوم کراچی'' کے مہتمم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک فعال ممبر ہونے کے علاوہ کئی جہادی، اصلاحی اور تعلیمی تنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ مفسر قرآن مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحبؒ کے ممتاز اور اخص الخواص خلفاء میں سے ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو حسن خطابت سے خوب خوب نوازا ہے۔ ہر موقعہ پر پر اثر اور دلنشین پیرائے میں ہر سطح کے سامع کو بات سمجھانا حضرت کا خصوصی کمال ہے جو اس قحط الرجالی کے دور میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ پھر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کہ کسی طرح لوگ روحانی طور پر درست ہوجائیں حضرت کے بیانات کا لازمی حصہ ہے۔ گویا حضرت کے خطبات و بیانات شریعت وطریقت کا ایک حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ جن میں عالمانہ تحقیق، فقیہانہ نکتہ وری کے ساتھ ساتھ، ایک بلند پایہ صوفی، مصلح اور مربی کی

سوچ بھی جلوہ نما ہوتی ہے۔

الحمدللہ ''بیت العلوم'' کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلی مرتبہ حضرت کے ان اصلاحی، پرمغز اور آسان بیانات کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تجویز کردہ نام ''اصلاحی تقریریں'' کے نام سے شائع کررہا ہے۔ اصلاحی تقریریں جلد اول تا ہشتم کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد نہم آپ کے سامنے ہے۔ جس میں حضرت کے کچھ بیانات لاہور، کراچی اور دوسرے ملکی و غیر ملکی مقامات کے شامل ہیں۔ اس کتاب کی ضبط وترتیب کا کام مولانا طلحہ اقبال، مولانا محمد شعیب سرور، اور مولانا عبدالتواب نے انجام دیا ہے۔ اس میں حتی الوسیع ضبط وترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اور آیات واحادیث کی تخریج بھی کردی گئی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو براہ کرام مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ''بیت العلوم'' کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو صحتِ عافیت عطا فرمائے تاکہ ہم حضرت کے بیانات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔

آمین

والسلام

﴿محمد ناظم اشرف﴾

مدیر ''بیت العلوم''

فہرست

خوف الٰہی

﴿قیامت کی ہولناکیاں﴾

فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

خوف اور رجاء

﴿فضیلت یوم عاشورہ﴾

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

﴿اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری﴾

طلباء کو اہم نصیحتیں

تعلق مع اللہ کا آسان راستہ "ذکر"

﴿سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ﴾

﴿ دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت ﴾

آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

﴿تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ﴾

خوفِ الٰہی

موضوع: خوف الٰہی

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

تاریخ: ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال

﴿خوفِ الٰہی﴾

خطبۂ مسنونہ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امّا بعد!

فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾ (البروج: ۱۲)

﴿وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا أَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ أَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ (هود: ۱۰۲)

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

﴿یُؤتیٰ بِجَهَنَّم یَوْمَئِذٍ لها سبعون الفَ زمام مع کل زمام سبعون الف ملکٍ یجرُّونها﴾ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۸۴۲، ۲/ ۳۸۱ باب جهنم اعاذنا الله منها)

وعن النعمان بن بشیر رضی الله عنهما قال سمعت

رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول.

﴿انَّ اَهون اهل النار عذاباً یوم القیامة لرجُلٌ یوضَعُ فی أخمص قدمیه جمرتان یغلی منها دماغه﴾ (الحدیث)

(صحیح مسلم: ۱/۱۱۵، باب شفاعة النبی صلی الله علیه وسلم لابی طالب والتخفیف عنه بسببه﴾

ایمان کس کیفیت کا نام ہے؟

میں نے پچھلی مجلس میں عرض کیا تھا کہ ایمان امید اور بیم کی درمیانی کیفیت کا نام ہے اور بیم کے معنی خوف کے ہیں۔ گویا ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔ اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اور اس کے عذاب کا خوف بھی۔ جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ رب العالمین کی رحمت کی امید ہی نہ رہے بلکہ آدمی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے تو بعض صورتوں میں یہ مایوسی کفر ہے اور ایسی صورت میں ایمان بھی باقی نہیں رہتا اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف اور ڈر باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اسی طرح اگر خوف غالب آجائے اور آدمی اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائے تو یہ بھی کفر ہے۔ اسی طرح اگر امید اتنی بڑھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہی باقی نہ رہے اس کے عذاب کی کوئی فکر ہی نہ رہے تو یہ بھی کفر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امید اتنی بڑھ جائے کہ خوف نہ رہے۔ تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا اور خوف اتنا بڑھ جائے کہ امید بالکل باقی نہ رہے تب بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔ ایمان تب باقی رہتا ہے جب اللہ کی رحمت کی امید بھی ہو اس کے عذاب کا خوب بھی ہو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی امید اور خوف

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں یہ اعلان ہو کہ جنت میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ

امید ہوگی کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ جہنم میں صرف ایک آدمی جائے گا اس کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا تو مجھے یہ خوف ہوگا کہ شاید وہ اکیلا جہنم میں جانے والا آدمی میں ہوں۔ (سیر الصحابۃ بحوالہ کنز العمال ۱/ ۱۵۷)

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں خوف بھی اعلیٰ مقام اور اعلیٰ درجے کا تھا اور امید بھی اعلیٰ درجے کی تھی، جب یہ دونوں چیزیں اعلیٰ درجے کی جمع ہو جاتی ہیں تو ایمان بھی اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ

پچھلی مجلس میں ہم نے اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں سے امید ورجاء کے متعلق کچھ آیتیں اور احادیث سنائی تھیں، وہ ''باب الرجاء'' تھا۔ یہ ''باب الخوف'' اس میں قرآن کریم کی کچھ آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث ہیں جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف بھی ضروری ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا عذاب کتنا سخت ہوتا ہے، یوں تو اس موضوع پر قرآن کریم میں بہت آیات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت احادیث ہیں لیکن آپ کو چند آیتیں اور چند احادیث سنائیں گے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿انَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''یقیناً جان لو تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾

ترجمہ ''اور اسی طریقے سے تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب وہ پکڑتا ہے، بستیوں کو اس حالت میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوں، اس کی پکڑ دردناک ہوتی

ہے، سخت ہوتی ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بستیوں کو پکڑتا ہے، جھنجوڑتا ہے، الٹتا ہے، تباہ کرتا ہے، اللہ کا عذاب بستیوں کو فنا کر دیتا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم، حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قومِ عاد، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قومِ ثمود، حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بھی سنائے ہیں، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو پکڑا اور تباہ و برباد کیا۔ آج بھی وہ نشان موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ساری علامتیں چھوڑ رکھی ہیں کہ کس طرح قوم لوط کی بستیوں کو مٹا دیا تھا۔ آج بھی جا کر دیکھ لیجئے وہاں کا منظر سامنے ہے، قومِ ثمود کے شاہی محلات تو باقی رہے لیکن آدمی ایک بھی زندہ باقی نہ رہا، وہ بستی آج بھی مدائن صالح میں موجود ہے، قرآن کریم انہی کو ذکر کر رہا ہے۔

ان قوموں کو اس وقت تباہ کیا گیا جبکہ یہ ظلم کرنے والی تھیں جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا ''وھی ظالمة'' اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں ظلم پھیل جاتا ہے تو اللہ کا عذاب آ کر ان کو پکڑ لیتا ہے، تباہ کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ﴾ (سورة هود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اس کے اندر ان لوگوں کے لیے علامتیں ہیں جو آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں کہ دنیا میں عذاب کی یہ کیفیت ہے تو آخرت میں عذاب ہوگا تو کیا حال ہوگا۔

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ﴾ (هود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اس آخرت کے دن تمام لوگوں کو میدان حساب میں جمع کر دیا جائے گا۔''

اندازہ لگائیے کیسا ہولناک دن ہوگا! حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے تھے، ان سب کو وہاں جمع کر دیا جائے گا، کیا تعداد ہوگی اور کتنا زبردست ہجوم ہوگا!

﴿وَذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ (هود: ۱۰۳)

ترجمہ ''اور وہ دن ایسا ہے کہ سب لوگ اس میں حاضر ہوں گے، سب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴾ (هود: ۱۰۴)

ترجمہ ''اور ہم نے اس دن کو مؤخر نہیں کر رکھا مگر گنی ہوئی تعداد کے ساتھ۔''

مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی تعداد کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت مقرر ہے، اس کی مدت گنی ہوئی ہے، کتنے سال، کتنے مہینے، کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ اور کتنے سیکنڈ ہیں، یہ سب متعین ہے۔ جب یہ متعین مدت پوری ہوگی تو قیامت آجائے گی۔

قیامت کے دن کا خوف اور دہشت

قیامت کے دن کے خوف اور دہشت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (هود: ۱۰۵)

یعنی جب وہ دن آئے گا تو خوف اور دہشت کا یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہیں سکے گا، خاموشی چھائی ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی

پڑی ہوگی، سب خاموش ہوں گے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ایک اور جگہ فرمایا:

﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۸)

یعنی کھرب ہا کھرب انسان ہوں گے لیکن خوف کی وجہ سے سب خاموش ہوں گے، ششدر ہوں گے، جب وہ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حساب کی طرف چل رہے ہوں گے، تو خوف کی وجہ سے سوائے ان کے چلنے کی آواز کے کوئی اور آواز نہیں سنائی دے گی۔

اب دیکھئے آپ یہاں بیٹھے ہیں، کتنی آوازیں آپ کے کانوں میں آرہی ہیں، پنکھے کی آواز بھی آرہی ہے، ہوا کی آواز بھی، پرندوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور لوگوں کی آوازیں بھی آرہی ہیں اور میری آواز بھی آپ تک پہنچ رہی ہے۔ کتنی آوازیں بیک وقت انسان کو دنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ دھیان نہ جائے تو دوسری بات ہے لیکن بے شمار آوازیں ہر وقت آتی رہتی ہیں لیکن میدان حساب میں سناٹا ہوگا، صرف چلنے کی آواز سنائی دے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾ (ھود: ۱۰۵)

کہ دو قسم کے لوگ ہوں گے کچھ بدنصیب ہوں گے کچھ خوش بخت ہوں گے، العیاذ باللہ۔ ان میں سے پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾

(ھود:۱۰۶)

اور جو لوگ بدبخت اور بدنصیب ہوں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان کی صرف آہیں نکل رہی ہوں گی، ان کی چیخیں نکل رہی ہوں گی۔

ایک اور جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ (آل عمران: ۲۸)

ترجمہ ”اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے“

یعنی مجھ سے ڈرو اگر میں عذاب دینے پر آجاؤں گا تو کوئی چھڑا نہیں سکے گا۔

میدانِ حساب کا منظر

قرآن کریم میں ایک جگہ میدانِ حساب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۴ تا ۳۶)

ترجمہ ”اس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور شوہر اپنی بیوی سے اور باپ اپنے بیٹوں سے۔“

یہ سب ایک دوسرے سے اس لیے بھاگیں گے کہ ہر کسی کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، ہر کسی کو یہ خوف ہوگا کہ کہیں مجھ سے میری کوئی نیکی نہ مانگ لے، اس لیے نہ ماں کو اپنے بچے کی فکر ہوگی، نہ باپ کو اپنے بیٹے کی فکر ہوگی، نہ بیوی کی فکر ہوگی، نہ بیٹوں کو اپنے ماں باپ کی فکر ہوگی، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ (عبس: ۳۷)

ترجمہ ”ہر ایک کی حالت اس دن ایسی ہوگی کہ اسے دوسرے سے غافل کردے گی۔“

یعنی دوسرے کی طرف دھیان ہی نہیں ہوگا، جس طرح آدمی کو اگر پورے جسم میں آگ لگی ہوئی ہو اور آگ بھڑک رہی ہو تو اس وقت کسی اور چیز کی طرف دھیان نہیں جاتا، اسی طرح قیامت کے دن بھی ایسا خوف اور دہشت سوار ہوگی کہ کسی کو کسی کا دھیان نہیں ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں تو سب کے سب ننگے اٹھیں

گے حالانکہ قبروں میں کفن کے ساتھ دفن کیے جاتے ہیں لیکن کفن تو عام طور سے جانور کھالیتے ہیں، قبر کی مٹی کھالیتی ہے، بدن کو بھی مٹی کھالیتی ہے، کچھ چھوٹا سا ہڈی کا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ البتہ شہیدوں کے بدن باقی رہتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے بدن باقی رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو کپڑے پہنائے جائیں گے لیکن باقی سب لوگ ننگے ہوں گے، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! عورتیں اور مرد سب ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہوں گے، فرمایا کہ کسی کو کسی طرف دیکھنے کی مجال اور ہمت ہی نہیں ہوگی، دھیان ہی نہیں ہوگا، یہی بات اس آیت میں بیان فرمائی کہ ہر ایک کے لیے اس دن ایسی حالت ہوگی جو اس کو اپنے اندر ہی مشغول رکھے گی، کسی دوسری طرف دھیان جانے ہی نہیں دے گی۔

(صحیح مسلم: ۲/۳۸۴، باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیمۃ)

قیامت کا زلزلہ

اللہ نے قیامت کے زلزلہ کے بارے میں سورۂ حج میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾ (الحج: ۱)

ترجمہ ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''

زلزلے تو دنیا میں بہت آئے ہیں، آتے رہے ہیں، آتے رہیں گے لیکن قیامت کا زلزلہ ایسا خوفناک ہوگا کہ اس میں آسمانوں کے ٹکڑے اڑ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے، پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، کوئی متنفس زندہ نہیں بچے گا، کوئی جاندار زندہ نہیں بچے گا۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ (الحج: ۲)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا کچھ نقشہ کھینچا ہے کہ اس قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی حالانکہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو دنیا میں کبھی نہیں بھولتی لیکن جب قیامت کا زلزلہ آئے گا تو اس ماں کو اپنے دودھ پیتے بچے کا بھی ہوش نہیں رہے گا اور عورتیں حمل سے ہوں گی، خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد باری ہے:

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج: ۲)

اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ شاید وہ نشے میں ہیں، وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ اس وقت ہر ایک کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ نشے میں ہیں اور لوگ اپنے قابو میں نہیں ہوں گے، پاؤں کہیں رکھنا چاہیں گے کہیں اور پڑے گا، یہاں تک کہ اس کائنات پر فنا مسلط ہو جائے گی۔

قرآن کریم کا اسلوب

ایک بات یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ ساری خوف کی باتیں ایک جگہ جمع نہیں کرتا بلکہ خوف کی باتیں بھی سناتا ہے اور ساتھ ساتھ امید کی باتیں بھی بتاتا ہے لیکن اس کتاب ''ریاض الصالحین'' میں چونکہ خوف کا باب الگ سے قائم کیا گیا ہے اس لیے خوف والی آیات اور احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کیا گیا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے کا انعام

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرنے والے شخص کے بارے میں سورۂ الرحمٰن میں فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ (الرحمٰن: ۴۶)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے گا یعنی میدان حساب میں اللہ کے سامنے جو پیشی ہونے والی ہے، اس پیشی سے دنیا میں جو شخص ڈرتا ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ دو باغ عطا فرمائیں گے، پھر قرآن نے ان باغات کی کیفیات بیان کی ہیں کہ وہ کیسے باغات ہوں گے؟ لیکن یہ ساری نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ڈرنا بھی ضروری ہے، صرف امید ہی امید کافی نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ گناہ بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ کہتے رہتے ہیں کہ اللہ میاں غفور الرحیم ہیں، یہ بات تو ٹھیک ہے کہ اللہ میاں غفور الرحم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی شدید ہے، جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں اس لیے ڈرنا بھی ضروری ہے اور امید رکھنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ آخرت کا ایک یہ حال بیان فرمایا۔

﴿وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾

یعنی آخرت میں بعض لوگ ایک دوسرے کے پاس آئیں گے اور سوال کریں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو نجات ہو جائے گی، جہنم سے پار ہو جائیں گے اور جنت میں پہنچ جائیں گے، یہ ایک دوسرے سے کہیں گے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ﴾ (الطور: ۲۶)

فرمایا کہ ہم تو پہلے دنیا میں اپنے گھر والوں میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے چنانچہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور: ۲۷)

پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو اللہ رب العالمین نے کرم ہوا کہ عذاب سے بھی بچالیا۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ دنیا میں اللہ رب العالمین سے ڈرتے ہوں گے اور اس کے عذاب سے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں گے تو آخرت میں ان کی نجات ہوگی، اس آیت میں "السَّمُوْمِ" سے مراد آگ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ سے بچالیا۔

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ط اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾

(الطور: ۲۸)

اہل جنت جنت میں جا کر یہ بات بھی کہیں گے کہ ہم اللہ سے دعا کیا کرتے تھے، اسی کو پکارا کرتے تھے، وہی نیکوکار ہے اور وہی رحمت والا ہے۔

معلوم ہوا کہ جنت میں جو پہنچا ہوا وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے ہوا اور اس امید کی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول کرتے ہیں۔

جہنم کو لائے جانے کی کیفیت

اس باب میں چند احادیث بھی مذکور ہیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم.

﴿يُؤْتىٰ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لها سَبْعُوْنَ اَلْفَ زَمَامٍ مَعَ كُلِّ زمامٍ سبعون الف ملك يَجُرُّوْنها﴾

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یؤتی بجھنم" جہنم کو اس دن لایا جائے گا یا تو لوگوں کو دکھانے کے لیے میدان حساب میں لایا جائے گا یا جہاں اس کو نصب کرنا مقصود ہوگا، وہاں لایا

جائے گا یا یہ مراد ہے کہ جہنم کو ظاہر کیا جائے گا یعنی ہے تو وہیں، لیکن پہلے مخفی تھی اب اس کو ظاہر کیا جائے گا۔ بظاہر لایا جانا ہی مراد ہے۔

جہنم کے لائے جانے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لها سبعون الف زمام مع كل زمام سبعون الف ملك يجرونها﴾

ستر ہزار اس کی زنجیریں ہوں گی جس سے اس کو کھینچا جا رہا ہوگا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔ ستر ہزار کو ستر ہزار میں ضرب دے لیجئے جو جواب آئے وہ تعداد بنے گی۔ ان فرشتوں کی جو جہنم کو کھینچ رہے ہوں گے۔ یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور صحیح حدیث ہے۔

اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہنم اتنی بڑی ہوگی۔

قیامت کے دن سب سے کم عذاب والے شخص کا حال

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ يُّوْضَعُ فِي اَخْمَصِ قَدَمَيهِ جَمْرَتَانِ يغلي منها دماغُه مايَرىٰ اَنَّ اَحَداً اشدُّ منهُ عذاباً و انّه لأهونهم عذاباً﴾

(صحیح مسلم، ۱/۱۱۵، فتح الباری ۱۱/۴۳۰)

اہل نار میں سے یعنی جن کو آگ کا عذاب دیا جائے گا ان میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کو آگ میں پھینکا نہیں جائے گا، اس کے پورے جسم کو آگ میں نہیں ڈالا جائے گا بلکہ اس کے پاؤں کے تلوے ''اخمص'' میں ایک انگارہ رکھ دیا جائے گا، ہر ایک کے پاؤں میں بیچ میں کچھ ابھار ہوتا ہے جو اوپر ہوتا ہے اور خالی ہوتا ہے

چنانچہ جب آدمی زمین پر گیلا پاؤں رکھتا ہے تو پورے پاؤں کا نشان پڑ جاتا ہے لیکن بیچ کے حصے کا نشان نہیں پڑتا۔ اس بیچ کے اٹھے ہوئے حصے کو ''اخمص القدم'' کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک انگارہ ایک پاؤں کے اخمص میں اور ایک انگارہ دوسرے پاؤں کے ''اخمص'' میں رکھ دیا جائے گا لیکن وہ انگارہ کیا ہوگا! فرمایا کہ ''یَغْلِی مِنْهُا دماغه'' اس انگارے کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جیسے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا کھولتی ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اس کے بعد فرمایا ''مایری أن احداً شدمنه عذاباً'' کہ وہ یوں سمجھے گا کہ اس سے زیادہ عذاب والا کوئی آدمی نہیں ہے اور سب سے زیادہ عذاب اسے ہو رہا ہے، آپ اندازہ کیجئے کہ جس کے عذاب کا یہ حال ہو کہ اس کے پاؤں میں انگارہ رکھا ہوا ہو جس کی وجہ سے اس کا دماغ ہنڈی کی طرح کھول رہا ہو تو وہ یہی سمجھے گا کہ میں تو سب سے بڑا عذاب والا ہوں حالانکہ ''وإنه لاهو نهم عذاباً'' کہ آگ کے عذاب والوں میں یہ سب سے کم عذاب والا انسان ہوگا اور جو پورے جہنم میں گرے ہوئے ہوں گے، آگ میں جل رہے ہوں گے، ان کے عذاب کی اشدیت کا اندازہ تو کیا ہی نہیں جا سکتا۔ العیاذ باللہ۔

جہنم میں عذاب کے طبقات

ایک بات یہ ہے کہ جہنم میں جن کو عذاب ہونے والا ہے وہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہوں گے، جہنم کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جو کافروں کے لیے خاص ہے اور کافر تو جہنم سے کبھی نکالے ہی نہیں جائیں گے۔ وہاں پر آگ بھی سب سے زیادہ ہے اور دائمی ہے۔ کفار الگ اس طبقے میں ہوں گے اور وہ مؤمن جنہوں نے گناہوں سے توبہ نہیں کی ہوگی یا اللہ نے ان کو معاف نہیں کیا ہوگا، ان کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن پھر بھی اللہ کا کرم ہے کہ ان مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ نہیں رکھا جائے گا۔

اعمال کے بقدر آگ

اب پھر ہر ایک کے عمل کے حساب آگ اس پر اثر انداز ہوگی چنانچہ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مِنۡهُمۡ مَنۡ تَاۡخُذُهُ النَّارُ اِلٰی كَعۡبَيۡهِ وَمِنۡهُمۡ مَنۡ تَاۡخُذُهٗ اِلٰی رَكُبَتَيۡهِ و منهم من تأخذه إلٰی حُجُزَتِهِ و منم من تأخذه الی تَرۡقوَتِهِ﴾

(رواه مسلم، رقم الحدیث ۲۸۴۵، باب جهنم اعاذ ناالله منها)

''منهم من تاخذه النار الی کعبیه'' کہ بعض ان میں سے ایسے ہوں گے کہ آگ صرف ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ باقی جسم آگ سے بچا ہوا ہوگا لیکن اس کا بھی کیا حال ہوگا! جس کے ایک انگارہ ''اخمص میں رکھا ہوا تھا وہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے سب سے بڑا عذاب ہو رہا ہے تو اس کے تو ٹخنوں تک آگ پہنچی ہوئی ہوگی۔ اس کا عذاب اس سے بھی زیادہ ہوگا لیکن اس سے بھی زیادہ عذاب والے ہوں گے۔ ''ومنهم من تاخذه الی رکبتیه'' بعض ان میں سے ایسے ہوں گے جن کے گھٹنوں تک آگ پہنچی ہوگی ''ومنهم من تاخذ الی حجزته'' اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کی کوکھ تک پہنچی ہوگی۔ پیٹ کے جس حصے پر آدمی اپنا پائجامہ باندھتا ہے' شلوار باندھتا ہے اس حصے کو ''حجزة'' کہتے ہیں۔ وہاں تک آگ پہنچی ہوگی۔ ''ومنهم من تاخذه الی ترقوته'' اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کے ترقوۃ یعنی ہنسلی کی ہڈی تک پہنچی ہوگی، یہ دو ہڈیاں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف جو ہمارے بالکل گلے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں، یہ ہنسلیاں کہلاتی ہیں۔ عربی میں ہنسلی کو ''ترقوه'' کہتے ہیں، تو بعض لوگوں کے آگ یہاں تک پہنچی ہوگی اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ہر قسم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اعمال کے بقدر پسینہ

میدان حساب کی گرمی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ العَالَمِيْن حتى يَغيْب احدهم فى رشحه الى أنصاف أُذُنَيْه﴾

(صحيح مسلم: باب في صفة يوم القيامة ۲/۳۸۴)

یعنی میدان حساب میں لوگ جب اپنے رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بعض لوگوں کا حال یہ ہوگا اور ان کا پسینہ اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اپنے پسینے میں غائب ہو جائیں گے۔ پاؤں سے لے کر آدھے کانوں تک کا حصہ پسینے میں چھپ جائے گا، اتنا پسینہ اس لیے ہوگا کہ میدانِ حساب میں گرمی سخت ہوگی، روایات میں آتا ہے کہ آفتاب اتنے قریب کردیا جائے گا کہ یوں محسوس ہوگا جیسے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

قیامت کے عذاب کی شدت

قیامت کے عذاب کی شدت کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ

﴿عن انس رضى الله عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خُطْبَةً ما سَمِعْتُ مثلها قطُّ فقال لو تعلمون ما اعلم لَضَحِكْتُمْ قليلاً و لَبَكَيْتُم كثيراً فغطّى أصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وجوهم ولهم خنين﴾ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۳۵۹، باب توقيره صلى الله عليه وسلم وترك اكثار سؤاله عمالا ضرورة اليه الخ ۲/۲۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا، وہ خطبہ ایسا تھا کہ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف موضوعات پر خطبہ دیتے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اکثر ساتھ ہی رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت خطبے سن رکھے تھے لیکن کہتے ہیں کہ اس دن ایسا خطبہ دیا کہ اس جیسا خطبہ پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا اور اس خطبہ میں منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ

﴿لَوْتعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً﴾

اگر تم جانتے ہوتے وہ باتیں جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسا کرتے، تمہارا ہنسنا کم ہوتا، رونا زیادہ ہوتا کیونکہ اللہ کا عذاب اتنا شدید ہے کہ اس کا خوف انسان کو رونے پر مجبورا کرتا ہے، یہ خطبہ سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو حالت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فغطی اصحاب رسول الله صلی الله وجوههم کے اصحاب نے اپنے چہروں کو کپڑوں سے یا ہاتھوں سے چھپالیا" **ولهم خنین** "خنین کہتے ہیں زیادہ رونے کی آواز جو ناک کے راستے سے آرہی ہو مطلب یہ ہے کہ وہ بے تحاشا رو پڑے۔

ایک بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں یہ بھی کہی کہ اس دن سے زیادہ سخت دن صحابہ کرام پر کوئی دن نہیں آیا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت سے متعلق اس خطبہ میں بڑی خوفناک باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔

یوم القیامۃ کا مصداق

ایک روایت میں قیامت کی گرمی کا حال بیان فرمایا ہے، وہ روایت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

﴿تدنی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنَ الخلق حَتّٰی تکونَ مِنْھُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ﴾ (رواہ مسلم، رقم الحدیث ۲۸۶۴، باب فی صفۃ یوم القیمۃ)

فرمایا: ''قیامت کے دن سورج کو اتنا قریب کردیا جائے گا''، قیامت کا لفظ اس دن کیلئے بھی آتا ہے جب اس پوری کائنات کے نظام کو درہم برہم کردیا جائے گا۔ زمین، چاند، سورج سب آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور سب پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس کو بھی ''یوم القیامۃ'' کہتے ہیں اور اس کے بعد جب لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے، زمین دوبارہ بنے گی اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ یہ اگرچہ یوم الحساب ہوگا لیکن اس کو بھی ''یوم القیامۃ'' کہہ دیتے ہیں اور اس حدیث میں وہی مراد ہے کہ میدان حساب میں آفتاب مخلوقات کے اتنا قریب کردیا جائے گا ''حتیٰ تکون منھم کمقدار میل'' یہاں تک کہ وہ آفتاب ان سے ایک میل کی مقدار کے برابر ہو جائے گا۔

قیامت کے دن کی گرمی کی شدت

یہ آفتاب اب ہم سے کروڑوں میل دور ہے، اتنے دور ہے کہ آٹھ منٹ کے بعد اس کی روشنی زمین پر پہنچتی ہے اور روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے یعنی روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے اور یہ سورج کی روشنی ہم تک آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ آفتاب ہم سے اتنے کروڑ ہا کروڑ میل دور ہے۔ جب اس کی گرمی کا یہ حال ہے کہ پنکھے چل رہے ہیں لیکن پھر بھی پسینے چھوٹ رہے ہیں اور میدان حساب میں یہ آفتاب ایک میل کے برابر کردیا جائے گا یعنی لوگوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ یہ ایک میل کے برابر آ گیا ہے۔

میل سے کیا مراد ہے؟

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والے ان کے شاگرد سُلَیم بن

عامرؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جو ''میل'' کا لفظ سنایا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ ''میل'' سے کیا مراد ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ عربی زبان میں ''میل'' دو معنیٰ میں آتا ہے۔ ''میل'' اس مسافت کو بھی کہتے ہیں جو ہمارے یہاں بھی معروف ہے یعنی ایک مقررہ مسافت' اور ''میل'' کے معنیٰ سلائی کے بھی ہیں جس سے سرمہ آنکھ میں لگاتے ہیں، حدیث میں اگر سرمہ لگانے والی سلائی مراد ہو پھر تو قیامت ہی قیامت ہے کہ آفتاب بالکل برابر میں ہوگا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب ایک میل کے فاصلے پر تو نہیں ہوگا بلکہ زیادہ فاصلے پر ہوگا۔ اسی لیے حدیث میں ''کمقدار میل'' فرمایا یعنی ''میل کی مقدار کی طرح'' یہ نہیں فرمایا کہ میل کی مقدار کے برابر کہ اگر کوئی چیز آفتاب سے ایک میل کے فاصلے پر بھی ہو تو وہ اسی وقت جل بھن کر تباہ ہو جائے لہٰذا بظاہر مراد یہ ہے کہ دیکھنے میں آفتاب ایسا معلوم ہوگا گویا کہ ایک میل کے برابر آ گیا۔ اس واسطے خلاصہ یہ کہ آفتاب قریب کر دیا جائے گا۔

اعمال کے بقدر پسینہ

﴿فَيَكُوْنَ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِى الْعَرَقِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ إِلٰى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّكُوْنُ إِلٰى حِقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَاماً، وَاَشَارَ رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بِيَدِهٖ إِلٰى فِيْهِ﴾

(رواه مسلم، رقم الحديث ۲۸۶۴، باب فى صفة يوم القيامة)

جب اتنی وحشت ناک، خوفناک، خطرناک گرمی ہوگی تو لوگ اپنے اعمال کی مقدار کے برابر پسینے میں ہوں گے چنانچہ فرمایا ''فمنهم من يكون الى كعبيه'' بعضوں کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا ''ومنهم من يكون الىٰ ركبتيه'' اور بعضوں کا

پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا۔ ''ومنهم من يكون إلى حقويه'' اور بعض کا پسینہ حقوین تک ہوگا یعنی اس جگہ تک جہاں ازار، شلوار باندھی جاتی ہے۔ ''ومنهم من يلجمه العرق الجاماً'' اور بعضوں کا پسینہ ان کے منہ تک پہنچا ہوگا ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا کہ منہ میں پسینے نے لگام ڈالی ہوئی ہے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام ڈالی ہوتی ہے تو آدھا منہ اس لگام سے اوپر ہوتا ہے، آدھا منہ اس لگام سے نیچے ہوتا ہے۔ قیامت کے دن بعض لوگوں کا یہی حال ہوگا یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ایک سوال پیدا ہوگا کہ جب سب لوگ ایک جگہ ہوں گے اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ پسینے کا ایک دریا سا ہوگا یعنی اتنا پسینہ ہوگا کہ وہ دریا کی سی شکل اختیار کر جائے گا یا تالاب کی سی شکل اختیار کر جائے گا تو پھر کسی کے ٹخنے تک، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے ناف تک اور کسی کے منہ تک پسینہ کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے دریا میں سطح اونچی نیچی ہوتی ہے، ایسے ہی جن کے گناہ کم ہوں گے وہ ایسی جگہ پر ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا، جن کے گناہ ان سے زیادہ ہوں گے ان کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا وہ ذرا مزید بلندی پر ہوں گے، تو ایک جواب اس طریقے سے بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بات مشہور و معروف ہے اور قوانین قدرت میں سے ہے کہ پانی اپنی اوپر کی سطح بالکل ہموار رکھتا ہے تو اس سے اشکال اور بڑھ جاتا ہے کہ پسینہ بھی پانی ہے تو اس کی اوپر کی سطح بھی ہموار ہوگی۔ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو میں نے ابھی دیا ہے کہ پسینے کی سطح اگرچہ اوپر سے برابر ہے لیکن جہاں کھڑے ہوں گے وہ سطح اونچی نیچی ہوگی یعنی اعمال کے اعتبار سے لوگوں کو جگہ ملے گی، اس لحاظ سے کوئی کم پسینے میں ہوگا، کوئی زیادہ پسینے میں ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے لیکن یہ قانون قدرت تو اس دنیا میں ہے اور دنیا کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں اور دوسرے سیاروں کے قوانین

قدرت کچھ اور ہیں۔ آخرت کے قوانین قدرت کچھ اور ہیں مثلاً یہاں دنیا میں اگر کوئی چیز زمین پر ڈالی جائے تو اس کی زمین تک پہنچنے کی رفتار کچھ اور ہوگی اور اگر چاند پر اتنی بلندی سے چاند کی زمین پر کوئی چیز ڈالی جائے تو اس کی رفتار کم ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں کشش کی رفتار کچھ اور ہے، چاند میں کچھ اور ہے اور جو سیارے دنیا سے بھی زیادہ بڑے ہیں، وہاں گرنے کی رفتار اور زیادہ تیز ہے تو قوانین قدرت مختلف اجرامِ فلکیہ میں بھی مختلف ہیں اور آخرت میں تو بہت ہی مختلف ہوں گے۔

لہٰذا پسینے کی یہ کیفیت کہ اوپر کی سطح یکساں رہے، وہاں یہ قانون نہیں چلے گا، وہاں قانون دوسرا ہوگا اور اعمال کے حساب سے انسانوں کے پسینے کی سطح ہوگی۔

جہنم کی ہولناک گہرائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک یہ روایت مروی ہے:

﴿قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اِذ سَمِعَ وَجْبَةً فقال: "هَلْ تَدْرُوْنَ ماهذا؟" قلنا: اللّٰه وَرَسُوْلُه اعلَمُ، قال: "هذا حجر رُمِيَ بِهِ في النار مُنذُ سَبْعين خَرِيفاً فهو يَهْوِى في النَّارِ الآن حتى انتَهَى إلى قعرها، فَسَمِعْتُمْ وَجْبَتَها﴾

(صحيح مسلم، رقم الحديث ۲۸۴۴، باب جهنم اعاذ ناالله منها)

فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے یہ کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آواز صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنی تھی بلکہ حاضرین نے بھی سنی تھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "اللہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر تھا جو اب سے ستر سال پہلے جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ اب وہ ستر سال کے بعد جہنم کی تہہ میں پہنچا ہے۔ یہ اس پتھر کے

وہاں پہنچنے کی آواز تھی جو سنائی دی گئی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہنم کی گہرائی کتنی ہولناک ہے، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور ہم سب کو جہنم سے بچائے۔

جہنم سے بچنے کا راستہ

یہ ساری باتیں بلاشبہ خوفناک ہیں لیکن ان سے بچنے کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں دے رکھا ہے اور بچنا مشکل نہیں، آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ فرائض ادا کرتے رہو، واجبات ادا کرتے رہو، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو، پھر بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو، توبہ کرتے رہو تو انشاء اللہ یہ سب عذاب دھرے رہ جائیں گے اور معافی ہو جائے گی۔ بس یہ کامیابی کا راز ہے اور جہنم کی ساری خوفناکیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ سے ڈرتے نہیں ہے جو گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ گناہ ہو جائیں تو ان سے توبہ نہیں کرتے، یہ عذاب ان لوگوں کے لیے ہیں اور انشاء اللہ ایمان والے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ فرائض اور واجبات بھی ادا کریں۔ اللہ کے حقوق بھی ادا کریں۔ بندوں کے حقوق بھی ادا کریں پھر بھی بھول چوک ہو جاتی ہے یا نفس و شیطان کے بہکاوے میں آکر جان بوجھ کر کوئی گناہ کر لیتے ہیں تو گناہ پر شرمندہ بھی ہو جاتے ہیں، اللہ سے ڈرتے بھی ہیں، معافی بھی مانگتے ہیں، انشاء اللہ ان کے لیے کچھ نہیں البتہ بندوں کے حقوق کا معاملہ خطرناک ہے۔ کسی کا مال مارا ہو، کسی کی عزت خراب کی ہو، کسی کو ناجائز تکلیف پہنچائی ہو تو جب تک وہ بندہ معاف نہیں کرے گا، اللہ بھی معاف نہیں کرتا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

(سامعین میں سے کسی نے ایک سوال کیا حضرتِ اقدس صدر صاحب مدظلہم نے اس کی وضاحت کر کے جواب دیا) یہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ بعض بچوں کے ہم نے حقوق پائمال کیے، کسی کو گالی دی، کسی کی غیبت کی، کسی پر بہتان لگایا، کسی کو کوئی

تکلیف پہنچائی اور اس کو بیس پچیس سال ہو گئے، اب پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے؟ زندہ بھی ہیں یا نہیں، تو ہم کیا کریں؟ یہ بڑا اہم سوال ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مایوسی کا راستہ پھر بھی نہیں رکھا۔ اس کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کر دیں، کوئی نفلی عبادت کرلیں مثلاً اگر کوئی اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے تو ان کی طرف سے نفلی حج کرلیں، نفلی عمرہ کرلیں یا تلاوت کرلیں اور پھر اس کا ثواب ان کو پہنچا دے اور دعا کرے کہ یا اللہ فلاں فلاں کو میں نے تکلیف پہنچائی تھی، یہ ثواب اس کو پہنچا دے اور اگر نام بھی یاد نہ رہے تو اللہ کو یاد ہے، اس لیے اللہ میاں سے کہہ دے کہ یا اللہ جس جس کی میں نے حق تلفی کی ہے، جس جس کا میں نے حق مارا ہے، جس جس کو ناحق تکلیف پہنچائی ہے، اس کو یہ ثواب پہنچا دیجئے اور میں نے یہ جو جرم کیا ہے اسکو آپ بھی معاف کر دیجئے اور اس سے بھی مجھے معاف کروا دیجئے۔ یہ دعا کرلو انشاء اللہ اپنے پاس سے اللہ میاں اجر عظیم دے کر اس سے معاف کروا دیں گے کیونکہ جب اس کو وہاں اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ دیکھو تمہیں فلاں نے گالی دی تھی، اس کے عوض میں تمہیں اتنا بڑا محل دیتا ہوں، وہ تو چوم چاٹ کے لے گا اور کہے گا کہ ہاں میں نے بالکل معاف کر دیا تو اس طرح کسی کو ناحق تکلیف پہنچائی ہو، اس کے لیے ایصال ثواب بھی کرے اور یہ دعا بھی کرے کہ اس سے معاف کروا کے اس کا اجر اپنے پاس سے اس کو دیجئے، میرے پاس تو اتنا اجر نہیں کہ اس کو دے سکوں۔ آپ اپنے پاس سے دے دیجئے، آپ کے پاس تو کوئی کمی نہیں، اللہ میاں ایسی باتوں سے بڑے خوش ہوتے ہیں، بندہ جب اپنے اللہ میاں پر ناز کرتا ہے، اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ سے مچل مچل کر مانگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اور خوش ہوتے ہیں اور زیادہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ دے اور دیتا رہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

☆......☆......☆

قیامت کی ہولناکیاں

موضوع: قیامت کی ہولناکیاں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿قیامت کی ہولناکیاں﴾

نحمدہٗ و نصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

﴿عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم "يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" ثم قال اتدرون ما أخبارها قالوا الله و رسوله اعلم قال فان اخبارها ان تشهد على كلى عبد أو امة بما عمل على ظهرها تقول عملت كذا و كذا فی يوم كذا و كذا فهذه اخبارها.﴾

ترجمہ ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ''یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا '' (اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی) اور دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو زمین کی وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خبریں بندوں کے وہ اعمال ہیں جوانہوں نے زمین کی پیٹھ پر کیے وہ گواہی دے گی کہ اس نے مجھ پر رہتے ہوئے یہ یہ کام کیے اور فلاں فلاں

دن اس نے یہ کام کیے۔ یہی وہ اخبار ہیں یہ پارۂ عم کی سورۃ ”اذا زلزلت“ کی ایک آیت ہے، پوری سورۃ اس طرح ہے۔

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَ أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا، يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا، يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا، لِيَرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهٗ﴾

ترجمہ ”جب جھنجوڑ دیا جائے زمین کو سخت جنبش سے اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے، اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گی، اس وجہ سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں، سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا: جب زمین کو جھنجوڑ دیا جائے گا اس کے زلزلے سے، مراد یہاں قیامت ہے، اس وقت سب کو موت آجائے گی، یہ یوم قیامت ہے، اس کے بہت عرصہ کے بعد، بہت مدت کے بعد، سالہا سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے سے قیامت آئے گی اور دوسری مرتبہ کے صور پھونکنے سے مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، مردے دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے۔

یہ کون سا زلزلہ ہے؟

یہاں کون سا زلزلہ مراد ہے، دو مرتبہ زلزلے آئیں گے، بظاہر یہاں دوسرا

زلزلہ مراد ہے، یعنی جب میدانِ حساب کیلئے دوسرا صور پھونکا جائے گا اور مردے زندہ ہوں گے تو یہ زلزلہ آئے گا۔

واخرجت الارض اثقالها اور جب زمین الٹ پلٹ ہوگی اس زلزلہ کی وجہ سے تو زمین اپنے اندر کا سارا بوجھ باہر نکال دے گی۔

زمین کے خزائن

اندر کا بوجھ کیا چیزیں ہیں؟ دو چیزیں ہیں، کچھ تو وہ دفینے تھے جو لوگوں نے بچا کر دنیا والوں سے چھپا کر زمین میں دفن کر کے رکھے ہوئے تھے، اب بھی بسا اوقات دنیا میں آثار قدیمہ نکلتے رہتے ہیں۔ صدیوں پہلے کسی نے اپنا مال چھپا کر رکھا تھا اس کے تو کام نہ آیا وہ مر گیا اور مال اندر پڑا رہ گیا، تو اس وقت کوئی دفینہ باقی نہیں رہے گا۔ سارے دفینے باہر آ جائیں گے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ (شخص) اس وقت نکلے ہوئے سونے کو دیکھے گا اور دیکھے گا کہ ڈھیر کے ڈھیر پڑے ہیں، سونے کے، چاندی کے، تو کوئی آدمی کہے گا کہ آہ! میں نے اس مال کیلئے فلاں کو قتل کیا تھا اور کوئی کہے گا کہ میں نے اس مال کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلقی کی اور دشمنی مول لی تھی، کوئی چور دیکھے گا اور افسوس کرے گا کہ آہ! یہ مال اتنا حقیر ہے اور اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کٹے تھے۔ یہ آج پڑا ہوا ہے اب کسی کام نہیں آرہا وغیرہ۔ تو ایک بوجھ تو یہ ہے جو دفینوں کی شکل میں باہر آئے گا اور دوسرا بوجھ وہ انسان ہیں جو زمین میں دفن تھے۔ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان مرے تھے وہ دنیا ہی میں تو تھے۔ اسی زمین ہی میں تو تھے، اسی زمین سے وہ سب باہر نکال دیئے جائیں گے۔ گوشت پوست کے ساتھ، دوبارہ ان کے جسم بنا دیئے جائیں گے اور ان کے جسموں میں روح ڈال دی جائے گی، وہ پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور باہر نکل آئیں گے۔

"وقال الانسان مالها" آدمی اس وقت کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے، کتنا زبردست اس میں زلزلہ ہے اور یہ سب کچھ اس کے اندر سے نکل رہا ہے۔ حیرت میں پڑ جائیں گے دیکھنے والے "یومئذ تحدث أخبارها" اس دن یہ زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور پڑھ کر پوچھا "اتدرون ما اخبارکم" کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین اپنی کیا خبریں دے گی جس کا ذکر اس آیت میں ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو علم ہے تو آپ نے فرمایا:

"وان اخبارها ان تشهد علی کل عبداو امة"

زمین کی گواہی

یہ زمین جو اپنی ساری خبریں بتا دے گی اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ یہ کہ ہر بندہ اور بندی کے بارے میں یہ زمین گواہی دے گی اور اعلان کرے گی کہ اے فلاں بن فلاں! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے اور اے عورت! تو نے میرے اوپر فلاں فلاں کام کیے تھے، سارے اعمال کا کچا چٹھا یہ زمین سنا دے گی، جس زمین کو ہم روندتے ہیں جس زمین پر ہم رہتے اور پھرتے ہیں، جس زمین پر ہم سب کچھ کرتے ہیں، یہ سارا ریکارڈ ہو رہا ہے، یہ زمین ریکارڈر ہے، سب کو ریکارڈ کر لیتی ہے۔ سارے کچے چٹھے کو ریکارڈ کر رہی ہے۔ اس دن یہ ریکارڈ بول پڑے گا، اس کو جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔

"بان ربک اوحی لها" زمین یہ سب کچھ کیوں بتائے گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اس وجہ سے کہ تیرے رب نے اسے یہی وحی کی ہوگی، یہی حکم دیا گیا ہوگا کہ تم یہ کام کرو، سب کا کچا چٹھا بتا دو، اللہ بچائے اس دن کی رسوائی سے، کتنے گناہ انسان چپکے چپکے کرتا ہے، نہ ماں کو خبر نہ باپ کو، نہ شاگرد کو نہ مرید کو، نہ بیٹے کو نہ بھائی کو اور نہ ہی بہن کو لیکن اس دن سارے راز کھل جائیں گے۔

اعمال کا نتیجہ

"یومئذ یصدر الناس اشتاتاً لِیَرَوْا اعمالھم" اب جب حساب کتاب ہو جائے گا، نیکی والوں کی نیکی ظاہر ہوگئی، گناہ والوں کے گناہ ظاہر ہو گئے اور ہر ایک کے ساتھ اعمال تھے، کچھ اچھے، کچھ برے، وہ سب ظاہر ہو گئے تو اب لوگ متفرق سمتوں میں جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ جو جنت والے ہیں، وہ جنت کی طرف جائیں گے اور جو جہنم والے ہیں، وہ جہنم کی طرف جائیں گے تا کہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں یعنی اپنے اعمال کے اثرات اور نتائج کو دیکھ لیں، اچھے اعمال والوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا اور برے اعمال والوں کا نتیجہ بھی سامنے آجائے گا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ہیں زمین کی خبریں۔

﴿عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف انعم و صاحب القرن قد التقم القرن و استمع الإذن متی یؤمر بالنفخ فینفخ، فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال لھم قولوا حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل﴾

(ریاض/۴۱۲)

ترجمہ: "جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے عیش کر سکتا ہوں جبکہ صور پھونکنے والے (فرشتہ) نے صور منہ میں لیا ہوا ہے اور اس کے کان اجازت ملنے پر لگے ہوئے ہیں کہ کب اشارہ ملے اور وہ صور پھونکے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے بہت شاق اور پریشان کن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "حسبنا اللّٰہ

و نعم الوکیل'' (اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)

پڑھو۔

صور سے قیامت برپا ہوگی

قیامت جب آئے گی تو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نفخہ ہوگا، حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، وہ صور سینگ کی شکل کا بنا ہوا ہے مگر کتنا بڑا ہے یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو شروع شروع میں یہ آواز بہت ہلکی سی ہوگی، پھر رفتہ رفتہ بڑھے گی اور دم بدم بڑھتی چلی جائے گی، اب ایک دوسرے سے لوگ پوچھیں گے کہ یہ آواز کیسی ہے مگر کسی کو پتہ نہیں چلے گا، وہ بڑھتی جائے گی، لوگوں میں ہلچل مچے گی، وہ بھاگیں گے، دوڑیں گے اور آواز بڑھتی جائے گی، یہاں تک کہ اب لوگوں کو ہارٹ فیل ہونا شروع ہوں گے، پھر دل پھٹ جائیں گے اور پھر بڑھے گی تو لوگوں کی موتیں واقع ہونا شروع ہوں گی اور بڑھے گی تو زلزلے آئیں گے اور بڑھے گی تو زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوگی، پھر اور بڑھے گی تو کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اس کے بعد پہاڑوں کے ٹکڑے ہوں گے اور پہاڑ اڑنے لگیں گے۔ آسمان کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پھر پوری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، ساری قیامت آواز کے ذریعے آئے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کیسے مطمئن رہوں اور کیسے خوش ہو جاؤں جبکہ صور والے نے صور کو اپنے منہ میں لیا ہوا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اللہ کے حکم کی طرف کہ کب اس کو حکم ملتا ہے کہ صور پھونک دے اور اس سے قیامت آجائے۔

قیامت بہت قریب ہے

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت بہت قریب آچکی ہے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں فرما رہے ہیں کہ قیامت اتنی قریب آگئی ہے کہ

اسرافیل بالکل تیار کھڑے ہوئے ہیں۔ صور کو انہوں نے اپنے منہ میں لے رکھا ہے اور ان کی نظریں اور کان اللہ کی طرف ہیں کہ کب اللہ کی طرف سے حکم آئے اور میں صور پھونک دوں اور قیامت آجائے، قیامت تو اتنی قریب ہے، پھر میں کیسے آرام سے بیٹھ جاؤں۔

ایک سوال

آپ کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب اس وقت قیامت اتنی قریب آچکی تھی اور اب تو چودہ سو سال سے بھی اوپر ہو گئے تو پھر یہ قریب ہوئی یا دور؟

جواب

جواب یہ ہے کہ بہت قریب ہے، اس دنیا کی عمر تو دیکھو، اس زمین کی عمر تو دیکھو، اس نظام شمسی کی عمر تو دیکھو، اس کائنات کی عمر تو دیکھو اتنی عمر ہے کہ گنتی ختم ہو جائے۔ کھربوں سالوں کی مگر ان کی عمر معلوم نہیں ہوسکتی۔ اتنی طویل عمر کے مقابلہ میں ہزار دو ہزار تین ہزار کی مدت تو ایسی ہے جیسے تین چار منٹ کی مدت، تو دنیا کی پوری عمر کے مقابلہ میں یہ مدت تو منٹوں اور سیکنڈوں کی طرح ہے تو اس وقت سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے کیلئے کھڑے ہیں مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کب ملے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرائیل امین نے پوچھا "متى الساعة" کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں جتنی بات پوچھنے والے کو معلوم ہے جواب دینے والے کو اس سے زیادہ معلوم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جتنا تم جانتے ہو اتنا میں جانتا ہوں، جس طرح تمہیں معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں اور اسرافیل کو بھی نہیں معلوم، اس واسطے تو انتظار میں کھڑے ہیں کہ جب حکم ہوگا صور پھونک دوں گا۔

پریشانی کے وقت کی مجرب دعا

"فکأن ذلک ثقل علی اصحاب رسول الله صلی الله علیہ وسلم" جب حضراتِ صحابۂ کرام نے یہ بات سنی تو صحابۂ کرام سہم گئے، ڈر گئے کہ قیامت کا زلزلہ تو بڑا خوفناک ہوگا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم یوں کہو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" گھراہٹ کی حالت میں تسلی کیلئے یہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہی بہترین کارساز ہے، اس سے بہتر کاموں کو بنانے والا کوئی نہیں۔ "حسبنا الله" کے معنی ہیں کہ اللہ ہمیں کافی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہمیں کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ "ونعم الوکیل" وہ اچھا کارساز ہے، وہی اچھا کام بنانے والا ہے: تو ہماری بھی اس سے یہی امید ہے کہ وہی ہمارے کاموں کو بنائے گا تو کہا کرو "حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل" اس سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ جب بھی کوئی گھبراہٹ کی بات ہو یا کوئی پریشانی پیش آئے، کوئی خوف ہو یا دہشت ہو تو دل کی تسلی کیلئے یہ بہترین کلمہ ہے، یہ پڑھنا چاہیے۔ اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔

قیامت کا اجمالی نقشہ

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ صحابۂ کرام کو جو ڈر ہوا شاید اس وجہ سے ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے سامنے آگئی تو کیا حشر ہوگا کیونکہ وہ تو بہت خوفناک زلزلہ ہے، قرآن کریم میں فرمایا:

﴿یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۚ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَ

تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى
وَمَاهُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج/۱)

ترجمہ ”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے، قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، جس روز تم لوگ اس زلزلہ کو دیکھو گے، اس روز وہ حال ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی بہت سخت چیز ہے۔

قرآن کریم نے تھوڑا سا اس زلزلہ کا نقشہ کھینچا ہے، ڈرو اپنے رب سے قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہے، بہت بڑی چیز ہے، ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، دودھ پیتے بچے کو کوئی ماں نہیں بھولتی لیکن وہ خوف اور دہشت کیسی ہوگی کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور جتنی عورتیں حمل سے ہوں گی ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے ”وتری الناس سکاری“ اس وقت تو لوگوں کو دیکھے گا کہ بظاہر وہ نشے میں ہیں، گھبراہٹ کے عالم میں ہیں، مدہوش ہیں، حواس کھو بیٹھے ہیں، لیکن ”وماھم بسکاری“ وہ نشے میں نہیں ہوں گے: ”ولکن عذاب اللّٰہ شدید“ کہ اللہ کا عذاب ہی سخت ہوگا اس کے خوف اور دہشت کی وجہ سے ان کے حواس اڑ جائیں گے۔

ایک وضاحت

تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شاید یہ ڈر ہوا تھا کہ اگر قیامت ہمارے زمانے میں آگئی تو ہمارے اوپر کیا بیتے گی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلا دیا کہ تم ”حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل“ پڑھا کرو، اور بعد میں دوسری روایات میں

آتا ہے کہ آپ نے مؤمنین کیلئے یہ خوشخبری دے دی کہ قیامت سے تقریباً سو سال پہلے ایک ہوا آئے گی، وہ ہوا بڑی نرم اور لطیف ہوگی جس سے لوگوں کو تکلیف نہیں ہوگی اور جتنے مؤمنین ہیں وہ ہوا ان تمام کی ارواح کو قبض کر لے گی۔ اس ہوا سے تمام مؤمنین کی روح قبض ہو جائے گی۔ روئے زمین پر جو جو مؤمن زندہ ہوگا سب کو موت آ جائے گی۔ اب جو دنیا میں باقی رہ جائیں گے، وہ سارے کافر ہوں گے چنانچہ حدیث ہی میں آتا ہے کہ قیامت دنیا کے بدترین انسانوں پر قائم ہوگی اور قیامت اس وقت آئے گی، جب روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا، کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا۔ اس وقت قیامت آئے گی، یہ بشارت ہے مؤمنین کیلئے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یہ خوفناک منظر نہیں دکھائے گا، وہ صرف کافروں ہی کیلئے مقرر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین!

☆......☆......☆

فتح و کامرانی کا پانچ نکاتی فارمولا

موضوع: فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

﴿فتح وکامرانی کا پانچ نکاتی فارمولہ﴾

﴿الحمد للّٰہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُو اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾ (انفال: ٤٦/٤٥)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں کی کسی جماعت سے نبردآزما ہوتو مضبوطی سے جمے رہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور ایسے حالات میں صبر سے کام لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

تہذیبوں کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے

بندگان محترم و برادران عزیز:

اس وقت پورا عالم اسلام ایک عالم کفر کے مقابلے پر کھڑا ہوا ہے اور بعض عالمی طاقتیں تہذیبوں کی جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اگر چہ وہ زبان سے اس کا انکار کرتی ہیں لیکن عملاً تہذیبوں کی جنگ یعنی کفر و اسلام کی جنگ شروع ہو چکی ہیں۔ آپ اس جنگ کے مظاہر افغانستان، فلسطین اور عراق میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور کشمیر میں ہندوستان کو اپنی مغربی طاقتوں سے تقویت مل رہی ہے بوسنیا میں جو ہوا وہ بھی زیادہ دیر کی بات نہیں ہے اور تاجدار کونین ﷺ کی شان اقدس میں جو گستاخی کی گئی جس میں کئی یورپی ممالک شریک تھے وہ ایسی شرمناک بات تھی جو پورے عالم اسلام کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اگر ہمارے اندر کچھ طاقت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے۔

جنگ کا جواب مذاکرات سے نہیں دیا جاتا

ان کفریہ طاقتوں کو کبھی بھی مذاکرات اور گول میز کانفرسوں میں جواب کافی نہیں ہوا ہے یہ لاتوں کے بھوت ہیں جو باتوں سے نہیں مانتے۔ آپ پورے پاکستان کی تاریخ دیکھ لیجئے پاکستان کو کبھی بھی مذاکرات سے فائدہ نہیں ہوا ہے اگر ہمیں کچھ ملا ہے تو جانیں دے کر ملا ہے۔

کشمیر کے جتنے حصے کو ۴۸ء میں مجاہدین نے جان ہتھیلیوں پر رکھ کر فتح کر لیا تھا آج بھی اتنا حصہ ہی ہمارے پاس ہے۔ ہمیں اس کے بعد سے آج تک ایک انچ بھی مذاکرات سے نہیں مل سکا۔ اور یہی نسخہ ہمیں قرآن مجید نے بتایا تھا کہ:

﴿وأعدُّوا لَهُم مَا استَطَعتُم مِن قُوَّةٍ﴾

''تم سے جتنی طاقت بھی ہو سکے تو ان دشمنوں کیلئے تیار رکھو۔''

اللہ تعالیٰ عامر چیمہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند کرے وہ نوجوان تھا اپنے ماں

باپ کا اکلوتا بیٹا تھا پڑھا لکھا، ذہین اور سمجھدار انسان تھا۔ اس کو بھی دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی تمنا تھی اس کے جذبات بھی تھے لیکن وہ ناموس رسالت ﷺ کی خاطر اپنی جان پر کھیل گیا پھر ان مغربی طاقتوں سے جنہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ انسانی حقوق کے دعویدار ہیں اور دنیا کو انسانی حقوق کا درس دینا چاہتے ہیں اپنی خباثت کا اظہار...... اس طرح کیا کہ عدالت کے فیصلے کے بغیر بڑی عیاری کے ساتھ تشدد کر کے اس قابل فخر نوجوان کو شہید کر ڈالا۔ اگر ہمارے پاس قوت ہوتی تو ہم ان کو جواب دیتے اور اس کا جواب فون کے ذریعے یا مذاکرات کی میز پر نہیں بلکہ اس کا جواب میدان جنگ میں دیا جاتا ہے۔ ہمارے اسلام کی پوری تاریخ یہی بتا رہی ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس قسم کے واقعات کا جواب ہمیشہ میدان جنگ میں دیا ہے۔ کیونکہ اس کا علاج ہی یہی ہے آپ ان سے جتنا دبیں گے یہ اتنا ہی آپ کو دباتے جائیں گے اگر ان کے سامنے سینہ تان کے بات کرو گے تو ان کو کچھ سمجھ بھی آئے گا۔

اب امریکہ بھی اپنے سارے معاملات طاقت کے ذریعے سے ہی حل کروا رہا ہے۔ یہ اقوام متحدہ کے ذریعے سے حل نہیں کروا رہا اور نہ ہی قراردادوں کے ذریعے سے معاملات حل کروا رہا ہے وہ واسطہ کے بل بوتے پر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل کر رہا ہے۔ اور دنیا کا کوئی قانون اس کا ساتھ نہیں دے رہا، نہ اخلاقیات اس کا ساتھ دے رہی ہیں اور نہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس کی حمایت کر رہا ہے۔

دین اسلام تو یہ بات نہیں سکھاتا کہ طاقت کے نشے میں آ کر انصاف کو چھوڑ دیا جائے۔ البتہ اتنا ضرور سکھاتا ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ اگر طاقت کا جواب بزدلی سے دو گے تو تم اور دبتے جاؤ گے۔ اور دوسری اقوام تم پر مسلط ہوتی جائیں گی۔

کفر چار محاذوں پر حملہ آور ہے

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر دونوں آمنے سامنے ہیں اور کچھ بیرونی

طاقتیں بغیر اعلان کیے سرد جنگ کا آغاز کر چکی ہیں اور چار بڑے محاذوں پر جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ایک ساتھ چار میدانوں مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ایک میدان، جنگ اور اسلحہ کا میدان ہے۔ دوسرا میڈیا کا میدان ہے تیسرا اکنامک اور معاشیات کا میدان ہے اور انہوں نے چوتھا میدان جو گرم رکھا ہے وہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا راستہ ہے۔

اسلامی ممالک میں کبھی قومیت کی بنیاد پر کبھی شیعہ سنی کے نام پر اور کبھی فرقہ واریت کے نام پر لڑائیاں کراتے ہیں یاد رکھیں لڑائیاں کرانے والے، جو کبھی سنیوں کے مسجد پر حملہ کروا دیتے ہیں کبھی شیعوں کے امام بارگاہوں پر حملہ کرا دیتے ہیں اگرچہ ان کے نام مسلمانوں کے ہوں یہ درحقیقت انہی کفریہ طاقتوں کے ایجنٹ ہیں۔ اور یہ سب ایک ہیں نہ سنی ہیں نہ شیعہ ہیں بلکہ ان سب کے دشمن ہیں جو ان کے اشارے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ابھی جب امریکہ کی عراق میں زبردست پٹائی ہونے لگی تو وہاں شیعہ سنی جھگڑا کھڑا کر دیا'' یہ لڑاؤ اور حکومت کرو'' ان کا بنیادی اصول ہے انہوں نے اس اصول کے ذریعے ہندوستان پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی ہے اور پورے عالم اسلام پر بھی اسی طرح حکومت کی ہے۔

فتح کا پانچ نکاتی فارمولہ

تو اس وقت عالم اسلام اور عالم کفر کے درمیان چار محاذوں پر جنگ جاری ہے تو اس وقت اشد ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے حکم پر عمل کیا جائے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

الصَّابِرِیْنَ﴾

پہلا فارمولہ: ثابت قدمی

یعنی اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کسی طاقت سے ہو تو سب سے پہلے ثابت قدم رہو۔ ڈرو نہیں گھبراؤ نہیں انتشار کا شکار مت ہو جائے اپنے ہوش وحواس قائم رکھو اور جذبات اور جوش میں بہہ جانے کے بجائے سوچو، سمجھو اور منصوبے کرو۔ کیونکہ جذبات اور جوش میں آنے والا کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ جوش کے ساتھ ہوش بھی ہو تو فائدہ ہوتا ہے۔

ہماری شامت اعمال ہے کہ ہمارے یہاں جذباتیت بہت ہے۔ جذباتی باتوں اور جوشیلے نعروں کے پیچھے دوڑنا اور لپکنا ہمارا معمول بن چکا ہے۔ اور جوش میں آ کر ہوش کو کھو بیٹھے ہیں حالانکہ جوش کو ہوش کے تابع ہونا چاہیے۔ ہوش کو جوش کے تابع نہیں ہونا چاہیے اسی لئے قرآن کریم نے دشمن قوتوں کے مقابلے کی پہلی ترکیب یہی بتائی ہے کہ ڈرو نہیں، اللہ پر بھروسہ کرو اور ثابت قدم رہو۔

دوسرا فارمولہ: اللہ تعالیٰ کا ذکر

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

دیکھئے یہ اللہ رب العلمین خود فرما رہے ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ یہ کسی مولوی کا بتایا ہوا نسخہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کامیابی کا دوسرا نسخہ ہے کہ ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

قرآن حکیم کا مزاج

قرآن کریم کی عادت ہے کہ جب کسی مشکل کام کا حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی کسی ایسے کام کا حکم بھی دے دیتا ہے جس سے وہ مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔

مثلاً اب کوئی بڑا طاقت ور دشمن ہے اس کے مقابلے میں ثابت قدم کیسے رہا جائے؟ کیونکہ ہمت ٹوٹ سکتی ہے، دہشت سوار ہونے کا قوی امکان ہے تو نسخہ بتا دیا کہ: واذکروا اللہ کثیرا: یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدم بھی رکھے گا تمہارے قدموں کو جما دے گا تمہیں ہمت اور صبر بھی دے گا اور تمہیں بہادری اور جرأت بھی عطا کرے گا جس سے تمہارے لئے قدموں کو ثابت قدم رکھنا آسان ہو جائیگا۔

تیاری بھی ضروری ہے!

اسی آیت کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ صرف ذکر اللہ کر کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا درست نہیں ہے بلکہ دشمن کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا اور پھر مقابلے کے وقت دشمن کے سامنے ڈٹنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاد سے پہلے جہاد کی تیاری بھی کروائی ہے۔

تو جب تیاری کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ بھی ہوگا تو دلوں کو اطمینان نصیب ہو جائے گا اس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کہ دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ایک عمومی قانون معلوم ہو رہا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ تمام کام کرنے چاہئیں۔ اور جس شعبے کے جو فرائض منصبی ہوں ان کو ادا کرنے کی پوی کوشش کرنی چاہیے۔ مثلاً آپ تاجر ہیں تو تجارت کریں اور ساتھ ہی ذکر اللہ بھی کرتے رہیں اگر آپ مزدور ہیں تو مزدوری بھی کرتے رہیں اسی طرح اگر آپ مبلغ یا مجاہد ہیں تو تبلیغ اور جہاد بھی کرتے رہیں لیکن ساتھ ساتھ اللہ کے ذکر کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ان کاموں کے ساتھ ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ اور جب

کثرت سے ذکر بھی ہوگا تو دل کو قوت ملے گی اور قوت سے اطمینان ملے گا اور اطمینان سے ثابت قدم رہنا اور تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا آسان ہو جائے گا۔

اگر تیاری اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ذکر نہیں ہوگا تو پاؤں اکھڑنے لگ جائیں گے۔ آپ بزدلی کا شکار ہو کر دشمن کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور دشمن کی حکومتیں آپ پر مسلط ہو جائیں گی۔ تو گویا دشمن سے مقابلے کا دوسرا فارمولہ ذکر کی کثرت کو بتایا گیا ہے۔

تیسرا اور چوتھا فارمولہ: اللہ اور رسول کی اطاعت

دشمن قوتوں سے مقابلے کا تیسرا فارمولہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تمہیں جن چیزوں کا حکم دیا ہے انہیں کرو اور جن کاموں سے تمہیں منع کیا ہے ان سے رک جاؤ۔ اسی کا نام اطاعت ہے اور اس ایک مختصر سے جملے کے اندر مامورات اور منہیات داخل ہو جاتی ہیں۔

پانچواں فارمولہ: آپس میں جھگڑے سے بچنا

کامیابی اور غلبے کے لئے پانچواں نسخہ جو بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

﴿ولا تنازعُوا﴾

''آپس میں پھوٹ مت ڈالو اور ایک دوسرے سے جھگڑا مت کرو۔''

کیونکہ اگر تم آپس میں پھوٹ ڈالو گے، اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہو گے تو اس کا نقصان عظیم یہ ہوگا کہ فتفشلوتم کمزور ہو جائے گے۔ ''وتذهب ریحکم'' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے دلوں سے تمہارا خوف نکل جائے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن تم پر غالب آجائے گا۔

تو قرآن کریم کا غلبے اور کامیابی کے لئے بتایا ہوا پانچ نکات پر مشتمل فارمولہ اور نسخہ یہی ہے۔

پانچوں نکات کا خلاصہ: ''صبر''

اور اس پانچ نکاتی فارمولے کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

﴿وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾

اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو گویا ثابت قدمی، ذکر اللہ، اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت اور تنازع نہ کرنا، ان پانچوں کاموں کا خلاصہ صبر ہے۔

کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے میں بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں بھی صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اطاعت میں بہت سارے کاموں کو کرنا پڑتا ہے اور بہت سارے کاموں کو چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی درحقیقت صبر ہی کا ایک حصہ ہے اور جہاں تک تعلق ہے تنازع سے بچنے کا تو وہ بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

غلبے سے محرومیت کا سبب

آج ہمیں کامیابی نہیں مل رہی اور ہم غلبے سے محروم ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ آج ہم نے اس پانچ نکاتی فارمولے کو چھوڑ رکھا ہے اور سب سے پہلا حکم جو ثابت قدم رہنے کا تھا وہ حکم ہم سے ترک ہوگیا ہے تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہماری کمزوری کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی کو آسان بنانے کے لئے حکم دے دیا ہے کہ واذکروا کہ ذکر کرتے رہے اس سے ثابت قدم رہنا آسان ہو جائے گا۔

ذکر اللہ کے آسان طریقے

اب ذکر اللہ کی آسان صورت کیا ہے؟ تو اس کے متعلق ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے۔

وہ یہ کہ چار کاموں کو اختیار کرلیا جائے تو ہر لمحہ ذکر میں مشغول رہنا آسان اور ممکن ہوسکتا ہے۔

پہلا طریقہ: ''شکر''

ان چار کاموں میں سے پہلا کام شکر ہے شکر کی اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں استعمال نہ کیا جائے اور زبان سے شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دل سے اس ذات اقدس کے احسانات کو مانا جائے لیکن شکر کا ایک آسان نسخہ یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہماری روزمرہ کی زندگی میں جتنے کام ہماری مرضی کے مطابق ہوں چاہے وہ کام دین کا ہو یا دینا کا کام ہو تو الحمدللہ کہہ دیا کریں۔

اگر ہم سوچیں گے ایک تو نہیں بلکہ ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہماری مرضی کے مطابق ہوتی ہیں تو ہر دفعہ میں الحمدللہ کہہ کر شکر ادا کرنا چاہیے۔

کتاب اللہ کا آغاز الحمدللہ سے......

اگرچہ ہمارے نزدیک صرف ''الحمدللہ'' کہنا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر اللہ کے نزدیک اس کلمے کی بہت بڑی اہمیت ہے اس بات کا اندازہ اس سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہیں ان میں سب سے آخری اور سب سے عظیم الشان کتاب قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے مثل کتاب کا خلاصہ اور دیباچہ سورۃ فاتحہ کو بنا دیا ہے جو تمام مضامین قرآنیہ کا خلاصہ ہے اور اس خلاصے اور دیباچے کو ''الحمدللہ'' سے شروع فرمایا ہے۔ آخر کچھ تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو اتنا پسند فرمایا ہے کہ اس

سے کتاب اللہ کا آغاز کیا ہے.........؟

اہل جنت اور شکرِ خداوندی

اسی طریقے سے جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو ان کے ذمے سے ساری عبادتیں ختم کر دی جائیں گی لیکن حدیث میں آتا ہے کہ شکر ایک ایسی عبادت ہے کہ جو اہل جنت کی زبانوں پر غیر اختیاری طور پر جاری رہے گا۔ اور اہل جنت بغیر ارادے کے الحمد للہ اور دیگر حمد وثناء کے کلمات سے شکر خداوندی ادا کرتے رہیں گے۔

شکر نعمتوں میں اضافے کا ذریعہ

شکر ایسی چیز ہے جس سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا وعدہ ہے کہ: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔

تو گویا جو انسان یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید نعمتیں عطا فرمائیں تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح جہاں نعمتوں میں اضافہ ہوگا وہاں واذکر اللہ کثیراً پر عمل بھی ہوگا جس سے ثابت قدمی نصیب ہوگی۔

ذکر اللہ کا دوسرا آسان طریقہ: ’’صبر‘‘

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا دوسرا آسان طریقہ یہ بیان فرمایا کہ روز مرہ زندگی میں کئی کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہماری مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو جب بھی کوئی کام ہماری مرضی کے خلاف ہو مثلاً کوئی پریشانی آ جائے، خدانخواستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ کوئی دکھ لاحق ہو جائے الغرض ہماری چاہت کے خلاف کوئی بھی کام ہو تو فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لینا چاہیے۔

قرآن مجید نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ اہل ایمان انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر صبر حاصل کرتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون صرف کسی کے انتقال کے وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر ایسے موقع پر پڑھا جاتا ہے جب انسان کو کوئی ادنیٰ سی بھی تکلیف یا پریشانی لاحق ہو۔

ذکراللہ کا تیسرا آسان طریقہ: ''استغفار''

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا تیسرا طریقہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر ہم غور کریں تو صبح سے شام تک ہمارے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتے ہیں تو جب بھی کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو فوراً استغفر للہ کہہ دینا چاہیے۔

مثلاً راہ چلتے کسی غیر محرم کی طرف قصداً دیکھ لیا یا بغیر ارادے کے نگاہ پڑی مگر نگاہ فوراً نہیں ہٹائی تو گناہ ہوگیا یا دوران گفتگو کوئی خلاف شرع بات زبان سے نکل گئی، یا کسی کو ناجائز طریقے سے چھولیا یا کان بہک گئے اور ناجائز باتیں اور گانے سن لیے یا کبھی دل سے غلط ارادہ کرلیا، یا پاؤں ناجائز کام کی طرف اٹھ گئے الغرض جب بھی کوئی گناہ سر زد ہو جائے تو استغفراللہ کہنے کی عادت ڈال لیں۔ کہ یا اللہ مجھ سے گناہ ہوگیا ہے مجھے معاف فرما دیجئے۔ اگر ہم اس کی عادت ڈال لیں تو ہم معافی مانگتے رہیں گے اور گناہ معاف ہوتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں معافی مانگنے والوں کو معاف کر دیتا ہوں۔

البتہ بندوں کے حق تلفیاں اس سے معاف نہیں ہوتیں۔ ان کی معافی کے لئے صاحب حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو ہمارے صغیرہ گناہ بھی جو ہر روز صبح سے شام تک ہم سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی لاتعداد ہیں۔ تو استغفار کی عادت ڈالنے سے صغیرہ گناہ بھی معاف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کثرت سے ذکر کرنے

والوں میں ہمارا شمار بھی کر لیں۔

ذکر اللہ کا چوتھا آسان طریقہ: ''استعاذہ''

ذکر اللہ کی کثرت اختیار کرنے کا چوتھا طریقہ استعاذہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا۔

یعنی دنیا اور آخرت میں جو مشکل پیش آئے یا کوئی خطرہ لاحق ہو تو فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ذریعے سے مدد مانگ لی جائے۔ کہ یا اللہ مجھے فلاں خطرہ لاحق ہے۔ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اسی طریقے سے شیطان اور نفس کے شر سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے اور انسانوں میں سے بھی جو انسان کے دشمن ہوں ان کے شر سے بچنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے۔ تو جب انسان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی درخواست کرتا رہے گا تو اس کو ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی پناہ ملتی رہے گی۔

خلاصہ کلام

اگر ہم ان طریقوں کو اپنا لیں تو ہمیں ہر وقت ذکر اللہ کرتے رہنے کی توفیق مل سکتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد ہر لمحہ حاصل ہو گی تو پھر دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا اور باقی امور پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائیگا جو اسلام کے غلبے اور کفر کی مغلوبیت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

خوف و رجا

موضوع: خوف اور رجاء

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

ضبط وترتیب: مولانا محمد طلحہ اقبال

﴿خوف اور رجاء﴾

خطبہ مسنونہ!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين!

اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من خاف ادلج ومن أدلج بلغ المنزل ألا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة. (ترمذى)

عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبيى، فاذا امرأة من السبيى تسعى، اذا وجدت صبياً فى السبيى أخذته فألزقته ببطنها فأرضعته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

أترون هذه المرأة طارحة ولدها في النار، قلنا لا واللّٰه،
فقال اللّٰه ارحم بعباده من هذه بولدها. (بخاری و مسلم)

تمہیدی کلمات:

گزشتہ کئی مجلسوں سے خوف اور رجاء کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک حدیث یہ ہے جو آرہی ہے۔

ابتداءِ رات میں سفر کرنے کا فائدہ

جو شخص ڈرتا ہے وہ رات کو جلدی چلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ سفر کرنے میں مجھے کوئی حادثہ یا تکلیف پیش آجائے گی تو وہ دیر نہیں کرتا رات کو جلدی چل پڑتا ہے اور جو کوئی رات کو جلدی چل پڑے وہ منزل کو پہنچ ہی جاتا ہے کیونکہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میں نیند کا غلبہ بھی نہیں ہوتا، اور دشمن کے حملے کے اندیشے بھی کم ہوتے ہیں، جانوروں کے حملوں کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے، برخلاف اخیر شب کے کہ اس میں تھکان زیادہ ہو جاتی ہے لہٰذا جو رات کو جلدی سفر شروع کر دیتا ہے، تو وہ منزل پر عافیت سے پہنچ ہی جاتا ہے، مقصد یہ ہے کہ منزل تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔

مسافر سے تشبیہ دینے کی وجہ

(حدیث میں) مسافر کی یہ بات تشبیہ (مثال) کے طور پر فرمائی ہے کہ جس طرح مسافر راستہ کی مصیبتوں اور برے انجام سے بچنے کیلئے جلدی چلنے کی کوشش کرتا ہے اور مستعدی و چستی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا اور آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو گا وہ بھی نیک اعمال میں مستعدی دکھائے گا اور کوشش کرے گا کہ زیادہ سے زیادہ نیک اعمال ہو جائیں، اس میں سستی نہیں کرے گا۔

اس تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی سفر کے برے انجام سے بچنے کیلئے جس

طرح جلدی سفر شروع کر دیتا ہے اور اس میں سستی نہیں کرتا، اسی طرح آخرت اور قبر کے عذاب سے بچنے کیلئے انسان کو چستی سے کام لینا چاہیے اور اس میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔

ہر کام کیلئے محنت ضروری ہے

چاہے دنیا کا کام ہو یا آخرت کا ہر کام کیلئے تھوڑی سی محنت تو کرنی پڑتی ہے، تھوڑی سی قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں، کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، دنیا کے مقاصد بھی بغیر محنت کے نہیں ملتے، آخرت کے مقاصد بھی محنت کے بغیر نہیں ملتے البتہ دونوں میں اتنا فرق ہے کہ دنیا کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے آدمی زیادہ محنت کرتا ہے اور ملتا کم ہے جبکہ آخرت کے مقاصد کیلئے تھوڑی سی محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت کچھ کما لیتا ہے، بہر حال کچھ نہ کچھ قربانی دینی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سامان مہنگا ہے

آگے فرمایا کہ ''الا ان سلعة اللّٰه غالية '' کہ اللہ کا سامانِ تجارت مہنگا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ جس چیز کو فروخت کر رہے ہیں وہ سستی نہیں ہے، پھر فرمایا کہ وہ چیز جنت ہے، خلاصہ یہ کہ جنت کا سودا نہیں ہو سکتا، قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰـهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

ترجمہ'' کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے معاوضہ میں خرید لیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا سامانِ تجارت جنت ہے، وہ بندوں کو ان کے نیک اعمال کے بدلہ میں جنت دیتا ہے تو نیک اعمال کیلئے کچھ مشقت تو اٹھانی پڑتی ہے، اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

میدانِ حشر میں انسان کے احوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "یحشروا الناس یوم القیامة حفاة عراة غرلاً" قیامت کے دن جب انسان قبروں سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے تو وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہوں گے، خلاصہ یہ کہ جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ نہ پاؤں میں جوتے اور نہ بدن پر کپڑے اور نہ ختنہ ہوئی۔ اسی طرح سے تمام انسان عورتیں بھی ہوں گی اور مرد بھی ہوں گے۔ زبردست ہجوم ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے انسان نیک و بد' مومن و کافر پیدا ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ کیے جائیں گے۔ کتنا بڑا زبردست اجتماع ہوگا۔ کھربوں انسان ہوں گے، وہ سب ننگے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ کا سوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! "الرجال و النساء جمیعا ینظر بعضهم الی بعض" کہ سارے کے سارے مرد وعورت اسی حالت میں ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "الأمر أشد ان یهمهم بذلک اور دوسری روایت میں ہے کہ "الأمر أهم ان ینظر بعضهم الی بعض" وہاں حال ایسا ہوگا کہ اس کی کس کو ہمت ہوگی، اور اس کا کسی کو خیال نہیں آئے گا کہ ایک دوسرے کو دیکھے، نہ دیکھنے کی ہمت ہوگی اور نہ خیال آئے گا، ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی، کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنے کا دھیان نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہولناک دن ہوگا۔

اللہ رب العزت کا غصہ

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اتنا غضبناک ہوگا کہ اس سے پہلے کبھی غضبناک نہیں ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس کے بعد غضبناک ہوگا، جب میدان حساب میں تمام لوگ زندہ کیے جائیں گے تو اس وقت کسی کو کہاں ہوش ہوگا کہ سارے کے سارے ننگے ہیں اور وہ ان کو دیکھے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں آخرت کی صحیح فکر پیدا فرمادے۔ آمین!

میدانِ حساب کی ہولنا کی

میدان حساب بڑا ہولناک ہے لیکن یہ ہولنا کی انہی لوگوں کیلئے ہے جو اس کی ہولنا کی سے دنیا میں ڈرتے نہیں، جو لوگ ڈرتے ہوں گے اور وہاں کیلئے کچھ تیار کرتے ہوں گے، اگر گناہ ہو جائے گا تو معافی مانگتے ہوں گے، توبہ کرتے ہوں گے تو ان کے لیے وہاں (قیامت میں) اللہ کی رحمت استقبال کرے گی۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ میری طرف سے پیغام دے دیجئے کہ:

﴿قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الاية)﴾

کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف (ظلم) کیا ہے یعنی بہت گناہ کیے ہیں تو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہی سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ سے مایوس مت ہو

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مایوس ہونا بھی کفر ہے، کتنے بھی گناہ ہو گئے ہیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، جب تک آدمی کو موت

کے فرشتے نظر نہیں آتے اس وقت تک اس کیلئے توبہ کا موقع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہو جائے اور عزم کرے کہ آئندہ نہیں کروں گا تو یہ توبہ کی حقیقت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ معاف فرما دیں گے۔ توبہ سے معاف ہو جائے گا تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، ڈرنے کی وجہ تو ہے، لہٰذا ڈرنا تو چاہیے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، اللہ کی رحمت سے امید رکھو۔

کچھ کرنا ضروری ہے

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ بلکہ کچھ کرنا پڑے گا جیسا کہ پہلے گزرا کہ جس کو نقصانات کا ڈر ہوتا ہے، وہ پہلے سے چلتا ہے، احتیاط کرتا ہے۔ اسی طریقہ سے جسے اللہ کے عذاب کی فکر ہے، وہ بچنے کی کوشش کرتا ہے، اپنے نیک اعمال کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، پھر بھی اگر کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ و استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا "وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، رحمت کی کمی نہیں ہے، اللہ رب العزت کے پاس مغفرت کی کمی نہیں، ہاں مغفرت مانگنے والا کوئی ہو۔ مانگنے والے چاہئیں دینے والے کے پاس دینے کی کمی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی کا بدلہ

چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" کہ جو شخص کوئی نیکی کا کام کرے گا اس کو دس گنا ثواب ملے گا یعنی اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب دس گنا لکھا جائے گا۔ صدقہ آپ نے

ایک روپیہ کیا، نامۂ اعمال میں دس روپے لکھا جائے گا، سو روپے صدقہ کیے نامۂ اعمال میں ہزار روپے لکھا جائے گا، روزہ ایک رکھا نامۂ اعمال میں دس روزے لکھے جائیں گے، حج ایک کیا تو نامۂ اعمال میں دس حج لکھے جائیں گے، دو رکعتیں پڑھیں تو نامۂ اعمال میں بیس رکعتیں لکھی جائیں گی، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، پھر فرمایا ''أو أزید'' اور ثواب اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک ایک نیکی کا ثواب سات سو گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے اور بعض نیکیوں کے بارے میں فرما دیا کہ ان کا ثواب تو سات سو پر بھی ختم نہیں ہوتا مثلاً روزہ کا ثواب تو اللہ تعالیٰ خود دیں گے، ہم اس کا کوئی حساب نہیں رکھتے، سات سو گنا سے بھی زیادہ دیں دینگے۔ تو اللہ رب العالمین کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ اس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے، نیکیوں کے بارے میں یہ قانون رکھا کہ کم از کم دس گنا لکھا جائے گا اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔

برائی کے بدلہ کا اصول

اور گناہ کے بارے میں یہ اصول رکھا کہ ''فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا'' کہ اگر کوئی شخص گناہ کرے گا تو اس کا گناہ ایک ہی لکھا جائے گا۔ یہ اللہ رب العالمین کی رحمت ہے، کرم ہے، ہم بندوں پر کہ گناہ ہو تو ایک لکھا جائے اور نیکی ہو تو کم از کم دس نیکیاں لکھی جائیں گی، پھر فرمایا کہ ''أو أغفر'' کہ اگر میں چاہوں گا تو اس ایک گناہ کو بھی جو لکھا گیا ہے معاف کر دوں گا۔

اللہ رب العزت کا بندہ سے مغفرت کا معاملہ

فرمایا کہ جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب جاتا ہوں، ''فمن تقرب مني شبراً تقربته منه ذراعًا ومن تقرب مني ذراعاً تقربته منه باعاً'' اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں اس کی طرف دو

ہاتھ بڑھتا ہوں ''ومن اتیته یمشی اتیته هرولة'' اور جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف جھپٹ کر بڑھتا ہوں۔ ''ومن لقینی بقراب أرض خطیئة لایشرک به شیئی لقیته بمثلها مغفرة'' اور جو شخص مجھ سے ملے گا زمین کی بھرائی کے برابر گناہ لے کر (اتنے گناہ ہوں کہ ساری زمین اس کے گناہوں سے بھر جائے) وہ آخرت کے میدان حساب میں میرے پاس آئے گا اس حالت میں کہ وہ میرے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوگا تو میں اس سے اتنی ہی مغفرت کے ساتھ ملوں گا۔

گناہوں کا ازالہ کیسے ہو

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بس یونہی معافی ہو جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کو خوف ہوگا وہ کچھ نہ کچھ کام کرے گا، وہ کم از کم کیا ہے کہ گناہ ہو جائے تو معافی مانگو توبہ کرتے رہو، جب بھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں گے۔

حقوق العباد کی معافی نہیں

یاد رکھئے کہ پہلے بھی اس مضمون کی حدیثیں آئی ہیں اور آگے بھی کچھ اور آیات اور احادیث بھی آئیں گی لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ یہ سارا کا سارا معاملہ حقوق اللہ میں چلتا ہے، بندوں کے حقوق میں نہیں چلتا کیونکہ بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک کہ بندوں سے یا تو معاف نہ کرایا جائے یا ان کو ان کا حق نہ دے دیا جائے، یہ سب کچھ جو ہے کہ سب معاف ہو جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا جبکہ بندوں کے حقوق اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا جب تک کہ بندہ خود ہی معاف نہ کر دے یا اس بندہ کو اس کا حق نہ دلوا دیا جائے۔

اولاد سے ماں کی محبت کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ

سے واپس تشریف لائے اور اپنے ساتھ مردوں اور عورتوں پر مشتمل دشمن کے قیدیوں کو بھی لائے، ان میں سے ایک قیدی عورت دوڑتی ہوئی آئی، اچانک اس نے ایک بچہ کو دیکھا جو قیدیوں کے ساتھ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو پکڑ لیا اور اپنی گود سے چمٹا لیا اور اس کو دودھ پلایا، دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ یوں ہوا تھا کہ جنگ میں اس عورت کا دودھ پیتا تو بچہ گم ہو گیا تھا، تو وہ عورت ان تمام قیدیوں میں اپنے بچہ کو تلاش کرتی بیتاب پھر رہی تھی، تو اس کو ایک بچہ نظر آیا وہ کسی اور عورت کا بچہ تھا، تو اس عورت نے اس بچہ کو اپنی گود سے چمٹایا اور اس کو دودھ پلایا، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **"أترون هذه المرءة طارحة ولدها في النار"** کہ کیا تمہارا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے اس بچہ کو جس کی تلاش میں اتنی پریشان و سرگرداں ہے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔ **"قلنا لا واللّٰه"** (صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ) ہم نے کہا ہرگز نہیں، بخدا ہمارا یہ گمان نہیں کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"لَلّٰه ارحم بعباده من هذه بولدها"** خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر رحم کرتی ہے یعنی جتنی رحمت اس عورت کو اپنے بچہ پر ہے اس سے کہیں زیادہ رحمت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر ہے، لہٰذا وہ اپنے بندوں کو ایسے ہی جہنم میں نہیں پھینک دیں گے، جہنم میں تو وہی جائیں گے جو جری ہوں گے، اپنے گناہوں پر شرمندہ نہیں ہوتے ہوں گے، توبہ واستغفار نہ کرتے ہوں گے اور اگر گناہ ہو جائے تو اس کی تلافی کی کوشش نہ کرتے ہوں گے تو ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم میں کیسے پھینکے گا، اس کو تو ماں باپ سے بدرجہا زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی ہمارے پالنے والے ہیں، وہ ہمیں جہنم میں ایسے ہی تھوڑا پھینک دیں

گے، بہت ہی کوئی مجرم ہوگا تو وہ پھینکا جائے گا۔

سب سے بڑا مجرم کون ہے

سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے، اپنے گناہ پر شرمندہ نہ ہو، اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے لیکن جو شخص ڈرتا رہے اور معافیاں مانگتا رہے تو وہ گناہ بھی کرتا رہے گا اور گناہ معاف بھی ہوتے رہیں گے۔ اسی میں اگر اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو حساب ہوگا۔ اس حساب کے بعد جن کے نیک عمل زیادہ نکلیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے نیک عمل کم نکلیں گے ان کا معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، بخش دیں گے اور جس کو چاہیں گے عذاب دیں گے۔

اللہ رب العزت کی رحمت کے حصے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگائیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو (۱۰۰) حصے کیے، "**فامسک عنده تسعة و تسعين**" پھر اس سے ننانوے (۹۹) حصے اپنے پاس روک لیے۔ "**وانزل فی الأرض جزواً واحدا**" اور ایک حصہ زمین پر اتارا یعنی جتنی رحمت تھی اس کے سو حصے کیے، اس میں سے ننانوے اپنے پاس روک کر ایک کو دنیا میں اتارا۔ "**ومن ذلک الجزئية تراحم الخلائق حتی ترفع الدابه حافرها عن بلدها خشية ان تصيبه**" پس وہ ایک حصہ جو زمین پر اتارا تھا یہی وہ رحمت ہے جو تمام انسانوں اور جانوروں میں ہے، بہائم و حشرات الارض کے اندر جو رحمت کا مادہ ہے یہ وہی ایک حصہ ہے جو ساری مخلوقات میں تقسیم ہوا۔ انسانوں میں، جنات میں حتیٰ کہ جتنے جاندار ہیں ان میں وہ حصہ تقسیم ہوا جس کی بدولت ایک انسان دوسرے انسان پر ایک جانور دوسرے پر رحم کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے اندر

جتنا رحم کہیں پایا جاتا ہے چاہے وہ انسانوں میں ہو یا جانوروں میں وہ سب اسی ایک حصہ میں سے ہے۔ دیکھو ماں اپنے بچہ کی، مرغی اپنے بچہ کی، بکری اپنے بچہ کی کیسے حفاظت کرتی ہے[1] تو کتنی رحمت ماں کے دل میں ہوتی ہے، باپ کے دل میں ہوتی ہے، بھائیوں کے دل میں ہوتی ہے، رشتہ داروں کے دل میں ہوتی ہے، اسی طرح ایک انسان کے دل میں بھی دوسرے انسان کا رحم ہوتا ہے، اسی طرح جو جانوروں کا رحم ہوتا ہے یہ سارا کا سارا ایک وہی حصہ ہے جس کو اللہ نے تقسیم کیا ہے۔ پوری دنیا میں تو اس کے ذریعہ مخلوقات ایک دوسرے پر رحم کر رہی ہیں اور رحمت کے بقیہ ننانوے حصہ اللہ رب العزت نے اپنے پاس اپنے واسطہ رکھے ہوئے ہیں جو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنے بندوں کو دے گا اور دوسری روایت میں ہے **''وأخر اللہ تعالیٰ تسعة و تسعين رحمة''** کہ ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے روک رکھی ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے بندوں پر قیامت کے دن میدان حساب میں اور پھر جنت میں رحم فرمائے گا، اب اندازہ کرلیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ہمیشہ مالا مال رکھے۔ آمین!

قبر کے سوالات

قبر کے اندر کافر ہو یا مسلمان ہر ایک سے تین سوال ہوتے ہیں۔ پہلا سوال **''من ربک؟''** کہ تیرا رب کون ہے؟ تجھ کو پالنے والا کون ہے؟ دوسرا سوال **''وما دینک''** کہ تیرا دین کیا ہے؟ تیسرا سوال **''من ھذا الرجل الذی بعث فیکم؟''** رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے گا کہ جو تمہارے اندر اللہ کا پیغام دے کر بھیجے گئے تھے ان کے بارے میں بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟ یہ تین سوال ہیں جو مؤمن

---

[1] یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچہ سے ہٹا لیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں میرا پاؤں اسے نہ لگ جائے۔ گائے، بکری وغیرہ کو آپ دیکھتے ہیں کہ جہاں اس کا بچہ قریب آیا وہ فوراً اپنا پاؤں ہٹا لیتے ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ وہی رحمت ہے جو ساری مخلوقات کے کام آرہی ہے۔

ہوگا وہ ان تینوں سوالات کے صحیح جوابات دے گا، جو شخص دنیا کے اندر ان تینوں باتوں پر ایمان رکھتا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا تھا، اپنے رب کو ایک مانتا تھا، دین اسلام کو دین حق سمجھتا تھا اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا تھا، ایسے شخص سے قبر کے اندر جب سوال کیا جائے گا تو وہ کلمہ طیبہ ''اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه و ان محمد رَّسُوْل اللّٰه '' پڑھے گا اور گواہی دے گا چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ '' اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، ان کو قولِ ثابت (قولِ حق) کے ذریعہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جو لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ پر ایمان رکھتے ہوں گے اور زبان سے اقرار کرتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سوال و جواب میں ان لوگوں کو ثابت قدم رکھے گا۔ منکر نکیر جب سوال کریں گے، تو وہ جوابات بھی صحیح دے گا۔

کافر کے نیک اعمال کا حساب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ان الكافر اذا عمل حسنة اطعم بها طعمة فى الدنيا '' جب کافر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کے عوض اس کو دنیا ہی میں کوئی نعمت دے دی جاتی ہے کیونکہ کافر بھی نیک عمل کرتے ہیں مثلاً غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، راستہ بھولے ہوئے آدمی کو راستہ بتلا دیتے ہیں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں، مریضوں کی خدمت کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں وغیرہ بے شمار نیکیاں ہیں جو کافر بھی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایمان نہیں رکھتے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے اس لیے اعلان کر رکھا ہے کہ کافر کی نیکی کو بھی بیکار نہیں جانے دیں گے۔

مؤمن کے نیک اعمال کا حساب

دوسری طرف مؤمن کے نیک اعمال کا حساب اس طرح ہوگا ''واما المؤمن

فان اللہ تعالیٰ یدخر له حسناته فی الاٰخرۃ ''کہ مؤمن کی نیکیوں کو اللہ تعالیٰ آخرت کیلئے ذخیرہ کر کے محفوظ رکھتا ہے۔ ''ویعقبه رزقاً فی الدنیا علی طاعته ''اور (مؤمن) کی بندگی، اطاعت و فرمانبرداری پر دنیا میں بھی اس کو رزق دیتا ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ نیک عمل مسلمان کا ہو یا کافر کا کبھی بیکار نہیں جاتا۔ مسلمانوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ اسے نیک عمل کرنے پر آخرت میں بھی ثواب ملے گا اور دنیا میں بھی نیکیاں ملیں گی جبکہ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ آخرت میں تو اس کو کچھ ملنے والا نہیں لیکن جتنی نیکیاں اس نے دنیا میں کیں، اس کا بدلہ اس کو دنیا میں ہی مل جائے گا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حساب بتا دیا ہے کہ کافر کا دنیا میں ہی حساب پورا کر دیں گے تا کہ آخرت میں اس کا کوئی مطالبہ باقی نہ رہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ہمارے مرشد حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت سنائی کہ ایک شخص موت کے بالکل قریب تھا، تو مرتے وقت اس کا زیتون کا تیل یا شہد کا دل چاہا اور وہ شہد اس کمرے کے طاق میں رکھا ہوا تھا، اس کا دل چاہا کہ وہ شہد وہاں سے لے لے، چنانچہ اس نے کسی کو اشارہ بھی کیا کہ وہ مجھے دے دو لیکن ابھی وہ استعمال نہیں کر پایا تھا کہ وہ شہد زمین پر گر گیا۔ جس فرشتہ نے یہ کام کیا کہ وہ شہد گرا دیا وہ جب کام مکمل کر کے جانے لگا تو راستہ میں اس کی ملاقات دوسرے فرشتہ سے ہوگئی۔ ایک فرشتہ نے دوسرے سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو، تو فرشتہ نے کہا کہ زمین پر ایک مسلمان مر رہا تھا، مرتے وقت اس کا دل چاہا کہ وہ شہد کھالے، اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جا کر اس کو گرا دو، تو میں شہد کو زمین پر گرا کر آ رہا ہوں تا کہ وہ پی نہ سکے۔ اس نے پوچھا کیوں؟ فرشتہ نے کہا مجھے ''کیوں'' کی خبر نہیں، مجھے تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھی کہ یہ کام کر کے آؤ، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس کو شہد نہیں پینے دینا

جا کر اس کو گرادو، تو اس کے پینے سے پہلے طاق میں رکھا ہوا شہد گر گیا۔

دوسرے فرشتہ نے اس فرشتہ سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آرہے ہو؟ (فرشتہ نے) کہا کہ عجیب بات ہے! میں ایک یہودی کے پاس سے آرہا ہوں، وہ بھی مرنے والا ہے بلکہ اب تو شاید مر بھی گیا ہوگا، مرتے وقت اس کا دل مچھلی کھانے کو چاہا، اس نے گھر کے اندر ایک حوض بنا رکھا تھا جس میں اس نے مچھلیاں پال رکھی تھیں لیکن اس میں مچھلیاں ختم ہوگئیں۔ گھر والوں سے اس نے کہا کہ ذرا جا کر دیکھو کہ اگر کوئی مچھلی اس میں باقی ہو تو اس کو نکال کر پکا دو، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا تھا کہ اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آجاؤ تا کہ مرتے وقت اسے مچھلی مل جائے تو میں اس کے حوض میں مچھلی ڈال کر آرہا ہوں، اس فرشتہ نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے، فرشتہ نے جواب دیا کہ وجہ تو مجھے معلوم نہیں، مجھے تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ کام کر کے آنا ہے۔

سبب سے متعلق اللہ سے سوال

اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں لیکن ظاہری طور پر بھی ملائکہ رپورٹیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچے تو کسی فرشتہ نے پوچھا کہ یا اللہ! آپ کا کوئی حکم کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اس میں کیا حکمت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حکمت اس میں یہ ہے کہ وہ جو مؤمن مرنے والا تھا اس نے میری بہت سی عبادتیں کی تھیں اور گناہ بھی جتنے ہوئے تھے اس نے سب سے معافی بھی مانگ لی تھی اور توبہ بھی کر لی تھی، البتہ ایک گناہ اس کے ذمہ ایسا باقی تھا کہ نہ اس نے معافی مانگی تھی اور نہ توبہ کی تھی، تو جب اس نے اتنی نیکیاں کر رکھی تھیں، اپنے سارے گناہ معاف کرا رکھے تھے۔ صرف ایک گناہ باقی رہ گیا تھا تو میری رحمت کا تقاضہ یہ ہوا کہ میں اس کو اس ایک گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دوں تو میں نے اس گناہ کی تلافی کیلئے یہ کام کیا کہ مرتے وقت جو وہ شہد پینا چاہتا تھا وہ شہد اس کو پینے نہیں دیا اور اس سے اس کو جو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے اس

کا وہ گناہ میں نے معاف کر دیا۔ اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو اس کے لیے میرے پاس سوائے ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔ سارا ثواب ہی ثواب ہوگا، رحمت ہی رحمت ہوگی۔

دوسری طرف وہ جو یہودی تھا وہ کافر تھا، میرا دشمن تھا، لیکن اس نے بہت سارے نیک کام بھی کر رکھے تھے، میں اس کے بدلہ میں اس کو نعمتیں دیتا رہا، دیتا رہا، چنانچہ میں نے سب کا بدلہ اس کو دے دیا تھا، مال و دولت بھی دیا، عہدہ بھی دیا، بیوی بچے بھی دیئے، رہنے سہنے کا مکان بھی دیا، زندگی دی، عمر دی، سب کچھ دیا البتہ ایک نیکی ایسی باقی تھی کہ جس کا اجر اسے دنیا میں نہیں ملا تھا، تو میں نے چاہا کہ جب اس کی یہ خواہش ہوئی ہے کہ مچھلی کھائے، تو میں نے مچھلی بھجوا دی تاکہ یہ کھالے اور وہ جو ایک نیکی باقی رہ گئی تھی اس کے بدلہ میں اس کو مچھلی دے دی، اب میرے ذمہ اس کا کوئی اجر و ثواب باقی نہیں اور یہ میں نے اس لیے کیا تاکہ جب وہ میرے پاس آئے تو اس کے لیے میرے پاس سوائے عذاب کے اور کچھ نہ ہو۔

دنیا میں نیک اعمال کا فائدہ

تو خوب یاد رکھئے کہ اس حدیث سے بڑی اہم اور زبردست بات معلوم ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں، ان کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہوتا ہے، مؤمن کو اس کے کچھ نیک اعمال کا ثواب دنیا میں مل جاتا ہے اور باقی کا آخرت میں ملے گا اور کافر کو اس کے نیک کاموں کا سارا ثواب دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

دنیا میں کافر ترقی کیوں کر رہا ہے

اس گزشتہ بات سے ایک بہت بڑے اشکال کا جواب بھی سامنے آجاتا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ ہم دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ کافر قومیں بڑی ترقی کر رہی ہیں، بڑے آرام و راحت سے رہتی ہیں، ملک و مال دولت کی ان کے پاس خوب فراوانی ہے، اتنے اونچے اور شاندار محلات، مکانات ہیں، بازار ہیں شہر ہیں، ترقی یافتہ ممالک ہیں جبکہ

مسلمانوں کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ وہ (کافر) بہت سارے نیک کام کرتے ہیں، وہ عام طور سے جھوٹ نہیں بولتے ہیں، عام طور سے وعدہ خلافی نہیں کرتے، تجارت میں دھوکہ نہیں دیتے، ناپ تول میں کمی نہیں کرتے، کسی کو بے وجہ تکلیف نہیں پہنچاتے، اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ پڑوسی کو میری آواز سے تکلیف نہ ہو، ان کا یہ مزاج ہم نے آزمایا ہے اور جاکر دیکھا ہے، ان سے اگر کوئی راستہ پوچھے تو وہ اتنی تفصیل سے راستہ بتاتے ہیں کہ آدمی کو پوری طرح راستہ سمجھ میں آجائے اور جب تک بتانے والے کو اطمینان نہ ہو جائے کہ اس نے سمجھ لیا ہے، وہ جاتا نہیں بار بار پوچھتے ہیں کہ آپ نے سمجھ لیا یا نہیں اور اگر اس کو پتہ چل جائے کہ یہ نہیں سمجھا تو وہ ساتھ جاکر اصل جگہ تک چھوڑ کر آتا ہے، کبھی بے تکے انداز سے جواب نہیں دیتا، یہ میں نے امریکہ، جرمنی اور مختلف ممالک میں آزمایا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، یہ کافر لوگ ہیں چنانچہ اگر یہ سارے نیک کام ہم بھی کرنے لگیں تو ہمیں بھی دنیا میں بہت کچھ مل جائے گا۔

سبق آموز واقعہ

جرمنی میں ہمارے ایک دوست فرینکفرٹ سے ہمیں دریا کے کنارے، پہاڑ کے دامن میں بہت خوبصورت اور چھوٹے سے قصبہ میں ساتھ لے گئے، وہاں ان کے ایک دوست نے ہماری دعوت کر رکھی تھی، وہ ہمیں لے گئے، جب ہم ان کے اس قصبہ میں پہنچے تو وہاں ان صاحب کا مکان تلاش کرنا تھا، عصر کے بعد کا وقت تھا، کچھ بچے کھیلنے جا رہے تھے، ان میں سے جو لڑکا نسبتاً بڑی عمر کا تھا، اس سے ہمارے میزبان نے جرمنی زبان میں پوچھا کہ فلاں صاحب کا مکان کہاں ہے، وہ فوراً دوسرے بچوں سے علیحدہ ہو کر سوچتا رہا، پھر پوچھا کہ آپ نے نام کیا بتایا، پھر گھر کا نمبر پوچھا، دماغ سے سوچنے کے

بعد اس نے پورا راستہ ہمیں سمجھایا، پھر لڑکوں سے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور ہمارے دوست سے پوچھا کہ آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں یا میں آپ کے ساتھ چلوں، ہمارے دوست نے کہا کہ اگر ساتھ چلو تو بہت اچھی بات ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے، میں آگے آگے ان چھوٹی چھوٹی گلیوں میں پیدل چل رہا ہوں، آپ پیچھے پیچھے آ جائیں اور پھر اس گھر پر پہنچا کر وہ فارغ ہوا۔

ان چیزوں کی تربیت ان کو بچپن سے ملتی ہے، تو یہ کتنا بڑا نیک کام ہے کہ کسی کو راستہ بتلایا جائے، تو اس قسم کی نیکیوں کا ثواب اسے دنیا ہی میں مل جاتا ہے، البتہ آخرت میں کچھ ملنے والا نہیں، بلکہ آخرت میں عذاب ہی عذاب ہے، لیکن دنیا میں چونکہ انہوں نے بہت سارے نیک کام کر رکھے ہیں اور کر رہے ہیں اس کا فائدہ ان کو دنیا ہی میں مل رہا ہے، وہی نیک کام اگر ہم بھی کرنے لگیں گے تو ہمیں بھی وہ سارے فائدے دنیا میں ملنے لگیں گے، دراصل بات یہ ہے کہ ہم اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات کو بھلا بیٹھے ہیں، اور یہ کفار جو نیک کام کر رہے ہیں یہ سارے وہی نیک کام ہیں جو حضور اکرم ﷺ نے بتلائے ہیں، چنانچہ اس کا فائدہ وہ تو اٹھا رہے ہیں، لیکن ہم نے چھوڑ دیئے تو ہم فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

پنج وقتہ نمازوں کی مثال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال اس بہتے ہوئے گہرے دریا کی سی ہے جو تمہارے گھر کے دروازے سے ملا ہوا ہے اور وہ گھر والا آدمی اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے، یہ حدیث مختصر ہے، دوسری روایت میں مزید تفصیل ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے گھر کے پاس کوئی بہتا ہوا گہرا دریا ہے اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا، تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ

نہیں رہے گا، آپ نے فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہی ہے، جو شخص پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا رہے گا اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا، یہاں بھی وہی بات ہے کہ اس سے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہوں گے، وہ تو سب کو دینے پڑیں گے لیکن اگر کوئی اور گناہ ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

دریا کا پانی صاف ہونا ضروری ہے

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ اس دریا کی بات ہے جس کا پانی صاف ہو، لیکن اگر آدمی نے اپنے دریا کو ہی گندا کر رکھا ہے اور اس میں پانچ مرتبہ نہاتا ہے تو نہانے کے باوجود اس سے گندگی اور میل کچیل دور نہیں ہوگا۔ غور کیا جائے تو ہمارے بہت سے لوگوں کا حال بھی یہی ہے۔ کمائی حرام ہے، لوگوں کے حقوق تلف کرنا، لوگوں سے لڑائی جھگڑے کرنا، ناشکری کرنا، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، وغیرہ ان سب چیزوں سے اپنے دریا کو خراب کر رکھا ہے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں خضوع وخشوع نہیں اللہ کی طرف دھیان نہیں دنیا کے اندر دماغ الجھا ہوا ہے، دنیا کی ہی گندگیوں میں ذہن لگا ہوا ہے، تو اس کی مثال بھی ایسی ہوگی کہ نہر میں نہاتا تو ہے لیکن نہر کا پانی گندا ہے تو ایسے دریا میں نہانے سے صفائی کہاں ہوگی بلکہ میل کچیل باقی رہ جائے گا۔ اسی طریقہ سے نماز کا معاملہ ہے۔

پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کا انجام

میں نے اس سے پہلے شاید کبھی سنایا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک خاتون کا ذکر کیا گیا کہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات بھر عبادت کرتی ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا سلوک اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہے، لوگوں نے بتایا کہ پڑوسیوں کے ساتھ تو اس کا سلوک بڑا خراب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گی، اب دیکھئے! نماز تو وہ بھی پڑھتی تھی، نفلیں بھی پڑھتی تھی، بلکہ رات بھر جاگ کر

تہجد کی نماز بھی پڑھتی تھی، لیکن اس نے پڑوسیوں کو ستا ستا کر اپنے اس دریا کو گندا کر رکھا تھا، تو جس دریا میں وہ نہایا کرتی تھی جو کہ وہ نمازیں ہیں تو اس نے اسی کو خراب کر رکھا تھا۔

پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کا انجام

ایک اور عورت کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ فلاں عورت پڑوسیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتی ہے، ہر ایک کے ساتھ بہت اچھا معاملہ کرتی ہے، کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ان کے کام آتی ہے، ان کی مدد کرتی ہے، حسن اخلاق سے رہتی ہے البتہ نفلی عبادتیں زیادہ نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عورت جنت میں جائے گی کیونکہ فرائض تو وہ ادا کر رہی ہے اور لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک بھی اچھا ہے، گناہوں سے بھی اپنے آپ کو بچا رکھا ہے تو جنت میں جائے گی۔

مرنے والے کیلئے بخشش کا ذریعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کا انتقال ہو اور اس کے جنازہ پر ایسے چالیس آدمی کھڑے ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس مرنے والے کے بارے میں قبول فرمائے گا، یہاں شفاعت سے مراد سفارش ہے اور سفارش سے مراد وہ دعا ہے جو جنازہ میں پڑھی جاتی ہے یعنی ”**اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا و انسانا ط اللھم من احیتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان**“ تو یہ جو جنازہ کی دعا ہے یہ بھی سفارش ہے، یعنی جو لوگ نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا کے ذریعے اس میت کیلئے سفارش کرتے ہیں کہ یا اللہ! اس کی بھی مغفرت فرما اور ہماری بھی مغفرت فرما۔ تو اس حدیث میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اگر کسی کے جنازہ پر چالیس

آدمی نماز پڑھنے والے ہوں لیکن وہ چالیس کے چالیس ایسے ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول کرے گا اور اس میت کے حق میں اس کی مغفرت فرمادے گا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور قوی درجے کی ہے۔ اس میں بہت ہی اہم خوشخبری ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہیے، اب دیکھئے کہ اللہ کی رحمت کے دروازے کیسے کھلے ہوئے ہیں چنانچہ اگر کوئی بہت ہی گناہگار آدمی ہے لیکن اس کے جنازہ پر چالیس یا اس سے زائد ایسے آدمی شریک ہوگئے کہ وہ شرک نہیں کرتے ہوں اور نمازِ جنازہ بھی انہوں نے سنت کے مطابق پڑھی ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اس مرحوم کی مغفرت فرمادیں گے۔

کھانے کے بعد کی دعاء کا فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک وقت کا کھانا کھائے یا ایک مرتبہ پانی پیئے اور پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی تعریف کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے راضی ہو جاتا ہے، یہ کتنی اہم اور یاد رکھنے کی بات ہے، اس کے پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، اس کو یاد کرنا چاہیے۔ بلکہ ماں باپ کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کروائیں، وہ مسنون دعا یہ ہے "**الحمد للّٰہ الذی اطعمنا و سقانا و کفانا و اعوانا و جعلنا من المسلمین**" تو جس شخص کی یہ عادت ہو کہ ہر کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھتا ہو اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں لہٰذا پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے راضی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر کوئی ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں، تو بندہ تھوڑا سا کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

صرف نفلی عبادتیں کافی نہیں

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا کھانے کے بعد یہ مسنون دعا پڑھ لیں اور پانی پینے کے بعد الحمد للہ کہہ دیں تو بس یہ عمل کافی ہوگیا، اب نہ نماز کی ضرورت اور نہ روزے کی ضرورت، اگر یہ بات تھی اور یہی مطلب تھا تو پھر قرآن کیوں نازل ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں نمازیں کیوں پڑھاتے تھے اور یہ سارے احکامات کیوں نازل ہوئے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ سارے فرائض بھی ادا کرتا ہے اور گناہوں سے بھی بچتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ نفلی کام بھی کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ کا منتظر ہے

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا اب رات میں توبہ کرلے اور اسی طرح دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے۔ یہاں تک کہ آفتاب (سورج) مغرب سے طلوع ہوجائے گا اس کا کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کیلئے ہر وقت ہاتھ پھیلا ہوا ہے، اس لیے کہ کسی جگہ رات ہے کسی جگہ دن ہے، کہیں آفتاب غروب ہورہا ہے تو کہیں طلوع ہورہا ہے لہٰذا جس شخص نے بھی گناہ کرلیا ہے وہ جس وقت چاہے میرے سے توبہ کرلے، میرا ہاتھ پھیلا ہوا ہے، مجھے اپنی توبہ دے دو میں اس کو قبول کرلوں گا۔

توبہ اور ایمان کا دروازہ بند ہونے والا ہے

خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے دروازے کھول رکھے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا تو یہ توبہ کا دروازہ

بھی بند ہو جائے گا، پھر اگر کوئی شخص ایمان بھی لائے گا تو اس وقت وہ ایمان قبول نہیں ہوگا اور اگر کوئی مسلمان تھا، مؤمن تھا لیکن کچھ گناہوں سے اس نے توبہ نہیں کر رکھی تھی تو جن گناہوں سے توبہ نہ کی تھی وہ موت آنے کے بعد کی جانے والی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی، اسی طرح جب مسلمان کو اور بندہ کو موت کے فرشتے نظر آنے لگیں تو اس وقت بھی توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆......☆......☆

فضیلت یومِ عاشورہ

موضوع:　فضیلت یوم عاشورہ

خطاب:　مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام:　جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

موقع:　جمعۃ المبارک

ضبط وترتیب:　مولانا محمد شعیب سرور

فضیلت یوم عاشورہ

الحمد للہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیّہ المجتبی
و علی عبادہ الذین الصطفی اما بعد!

اسلام مکمل ضابطۂ حیات

یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے اور آج چار محرم ہے، اس مہینے کا نام ''محرم'' ہے۔ یعنی حرمت والا اور عظمت والا مہینہ۔

اس مہینہ سے اسلام کا نیا سال شروع ہوتا ہے۔ اللہ رب العلمین نے یہ دین اسلام ایسا مکمل دین دیا ہے کہ اس میں ہمارے لیے سب کچھ ہے۔ ہمیں کسی اور مذہب و دین کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہمیں کیلنڈر بھی اپنا دیا ہے، تقویم دی ہے، ہمارا سال یکم جنوری سے شروع نہیں ہوتا، یکم محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا سال یکم جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں اور ان کے مہینوں کے نام کچھ اور ہیں۔

ان کے دنوں کی تعداد میں اور ہمارے دنوں کی تعداد میں تھوڑا سا فرق ہے۔ اسلامی سال اور شمسی سال میں ۱۱ دن کا فرق ہے۔ ہجری سال میں چاند کے حساب سے ۱۱ دن پہلے پورا ہوتا ہے اور شمسی سال میں ۱۱ دن زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت

ساری چیزوں میں فرق ہے۔

ہم نے اپنی روایات کو بھلا دیا......!

ہم نے اپنی روایات کو بھلا دیا، آج کسی بچے سے پوچھیں کون سی تاریخ ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ وہ یہ تو بتائے گا کہ فروری کا مہینہ ہے اور اتنی تاریخ ہے اگر اس سے پوچھیں کہ چاند کی تاریخ کیا ہے تو اس کو معلوم نہیں ہوگا بلکہ بیشتر بچوں کو تو اس مہینے کا نام بھی یاد نہ ہوگا۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے۔ ہم احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ انگریزوں نے ہم پر ڈیڑھ سو سال حکومت کی ہے اس عرصہ میں جو طبقہ ان کی نوکری چاکری پر لگا رہا ان کے ذہنوں اور دماغوں پر انگریزوں کی غلامی مسلط ہوگئی اور انہوں نے صرف یہ کیا کہ خود اسلامی روایات کو بھول گئے بلکہ ہماری نسلوں کے اندر سے بھی ایک ایک اسلامی روایت کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔

صرف ایک ملک، ''سعودی عرب'' ایسا ہے جہاں اسلامی سال کے اعتبار سے کام ہوتے ہیں اور چاند کی تاریخ سے تمام معاملات ہوتے ہیں لیکن ہم نے اس کو بھلا دیا ہے۔ إنا لله وإنا اليه راجعون۔

محرم الحرام میں کرنے کے اہم کام

اس مہینے میں شرعی اعتبار سے کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام نہ کرنے کے ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ اس مبارک مہینے میں کرنے کے دو کام ہیں۔ پہلا کام نویں اور دسویں تاریخ کو یا دسویں اور گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا۔ محرم کی دسویں تاریخ کو ''یوم عاشورہ'' کہا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کا پس منظر

اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ابھی تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی احکامات اور تعلیمات ایک دفعہ ہی نہیں نازل ہوئیں۔ ۲۳ سال کے

عرصے میں تھوڑے تھوڑے، رفتہ رفتہ اعمال واحکام آتے ہیں۔ ہوا یوں کہ آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہاں یہودیوں کے کئی قبائل آباد تھے۔ بنو نضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ اور دیگر قبائل تھے۔ ان یہودیوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ لوگ دس محرم کو روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے روزہ رکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ آج کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے ظلم وستم سے آزادی عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا گیا تھا۔ اس کے شکرانے کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اور بنی اسرائیل نے روزہ رکھا تھا تو ہم بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء میں شکر کے طور پر اس روز روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو ہم تو زیادہ حقدار ہیں اس بات کے کہ ہم اس دن روزہ رکھیں کیونکہ تم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے اور ہم حقیقی معنی میں ان کو ماننے والے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شبہ پیدا ہوا کہ اس دن یہود بھی روزہ رکھتے ہیں، اگر ہم بھی اسی دن روزے رکھیں گے تو ان کی تہذیب اور رسم ورواج سے مشابہت ہو جائے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صوموا

یہاں "واؤ" "اَوْ" کے معنی میں ہے کہ تم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرو لیکن اس میں یہودیوں کی مخالفت کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ عاشورہ کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ رکھو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھو۔

نویں اور دسویں تاریخ کے روزہ کا حکم

چنانچہ حکم یہی ہے کہ فقہاء کرام نے صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جب تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عاشورہ کا روزہ بطورِ فرض کے رکھتے تھے۔ جب رمضان المبارک کے احکامات آگئے اور رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو پھر عاشورہ کے روزے کی فضیلت منسوخ ہوگئی چنانچہ عاشورہ کا روزہ نفلی اور مستحب کام ہے۔ رکھیں گے تو ثواب ملے گا نہ رکھیں تو گناہ یا مؤاخذہ نہیں ہوگا لیکن یہ روزہ رکھنا اجر عظیم کا باعث اور بہت بابرکت کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص عاشورہ کا روزہ رکھے گا تو یہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا'' لہٰذا یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا جائے اور اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ بھی رکھا جائے۔

یوم عاشورہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

یوم عاشورہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ

''جو شخص اپنے زیر کفالت افراد کے خرچے میں عاشورہ کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں سال بھر برکت عطا فرمائیں گے۔''

لہٰذا دوسرا کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جتنی مالی طور پر وسعت دی ہے اس کے مطابق ہم عام دنوں کی بہ نسبت یوم عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر زیادہ خرچ کریں۔ عام دنوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر کھانا کھلائیں۔ بچوں کو نسبتاً زیادہ پیسے دے دیں اور میں سوچتا ہوں کہ شاید اس کے اندر اپنے گھر کے ملازمین اور کارخانوں کے مزدور بھی شامل ہیں کیونکہ حدیث مبارکہ میں حکم تو زیر کفالت افراد کے بارے میں آیا ہے

چنانچہ چاہے یتیم بچے ہوں یا بیوی، بہن بھائی یا اور کوئی رشتہ دار اس کے زیر کفالت ہوں۔ اس میں اضافہ کر دیں اور اپنے کارخانوں کے مزدوروں کو بھی اس دن کچھ زیادہ دے دیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

انسان جتنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا اس کے مال میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اضافہ اور برکت ہوتی جائے گی لیکن ایسا کرنا فرض یا واجب نہیں ہے اور سنت اور مستحب کام ہے۔ محض برکت کی چیز اور دنیا کا فائدہ ہے اور جب زیادہ کھلائیں پلائیں اور خرچ کریں گے تو اس کا ثواب خود بخود مل جائے گا اور گھر والوں کو کھلانے کا ثواب تو ویسے بھی ملتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"سب سے بہتر مال کا خرچ وہ ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کیا جائے۔"

ہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہیے کہ فضول خرچی نہ ہو بلکہ معروف طریقے پر رواج اور عرف کے مطابق خرچ کیا جائے۔

نوحہ اور ماتم کی شرعی حیثیت

باقی اور بہت سے کام جو اس مہینے میں ہوتے ہیں وہ سب لغو اور خرافات ہیں۔ دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ہماری شامتِ اعمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جو کام کرنے کے تھے وہ نہیں ہو رہے اور جو کام نہ کرنے کے تھے اور آپ ﷺ نے جن کاموں کو کرنے سے روکا تھا وہ ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سینہ کوبی، ماتم کرنے اور بالوں کو نوچنے سے سختی سے منع فرمایا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا تھا تو لوگ سوگ مناتے تھے اور ماتم کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کام عورتیں کرتی تھیں جو ایسے موقعوں پر چیختی چلاتی تھیں۔ بالوں کو نوچتی تھیں، سینہ پیٹتی تھیں اور نوحا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا

اور فرمایا کہ ''میں ایسی عورتوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''جو شخص سینہ کوبی کرے گا یا ماتم کے طور پر اپنے جسم کو نوچے گا تو آخرت میں اس کے جسم پر تارکول کی تہہ چڑھا دی جائے گی اور جس کو جہنم کی آگ سے گرمایا جائے گا۔''

یہ ماتم کرنا اتنا بڑا گناہ ہے جس پر اتنی سخت قسم کے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

اظہار افسوس کا شرعی طریقہ

البتہ شریعت میں کسی عزیز کے مرنے پر تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں میں اظہار تعزیت اور اظہار افسوس کیا جائے اور ایسے کام نہ کیے جائیں جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو۔ اعلیٰ درجے کے کپڑے نہ پہنیں جائیں اور کسی کی وفات پر ان تین دنوں کے اندر بھی چیخنا چلانا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چیخنے چلانے سے منع فرمایا ہے اور صبر پر اجر و ثواب کی بشارتیں سنائی ہیں جبکہ شریعت نے ماتم کی ایک گھنٹے بلکہ ایک منٹ اور ایک لمحہ بھی اجازت نہیں دی ہے۔ ماتم کیا ہے؟ چیخنا، چلانا، واویلا کرنا، سینہ کوبی کرنا، بال نوچنا، گریبانوں کو چاک کرنا اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں ہے۔ حرام ہے، اب دیکھئے عاشورہ کے دن روزہ کتنے لوگ رکھتے ہیں اور ماتم کتنے لوگ کرتے ہیں۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

محرم الحرام اور ہماری ذمہ داری

یہاں یہ بات بھی یاد رکھئے کہ ہم اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ ایک فرقہ یہ کام کرتا ہے اور وہ بقول اپنے مذہبی پیشواؤں اور مذہبی رہنماؤں کے یہ کام کرتے ہیں۔ ہمارا کام ان کو بتا دینا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بھی بتایا ہے، ہمارے ہاں کتابیں چھپی ہوئی ہیں۔ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ وعظ و تقریر میں بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اب

ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم ان سے لڑیں جھگڑیں یا ان کے امام بارگاہوں کو آگ لگائیں اور فتنہ وفساد پھیلائیں۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے، اگر ہمارے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو ہمارا فرض اور ذمہ داری بنتی تھی کہ ہم قانونی طور پر ان ناجائز کاموں کو بند کرواتے۔ ان کو بتایا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں حکومت نہیں ہے اور جن کے ہاتھ میں حکومت ہے ان کو ان ناجائز کاموں کی پرواہ اور فکر نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ان کو بتا دیں، ماننا نہ ماننا یا عمل کرنا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ شیعوں کے جلسوں پر حملہ کرنا اور ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا سوائے فتنہ وفساد پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ شیعہ سنی فسادات کی یہی وجہ ہے، ان کو بھی چاہیے کہ ہمارے بزرگوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ اگر جلوس نکالنے کو مذہبی کام سمجھتے ہیں تو نکالیں جلوس لیکن ان حضرات کی شان میں کسی قسم کی گستاخی نہ کریں، یہ برداشت نہیں کی جاسکتیں، ان کے جتنے بزرگ ہیں، ہم ان سب کی عزت کرتے ہیں، انہیں اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا سرتاج مانتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت ہمارے ایمان کی اساس ہے۔ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہے اور جتنے بھی آئمہ کے یہ نام لیتے ہیں ہم ان سب کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنا مذہبی پیشوا مانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان حضرات کی وہ تعلیمات نہیں ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو ان حضرات کو چاہیے کہ جیسے ہم ان کے مذہبی پیشواؤں کی عزت کرتے ہیں ایسے یہ بھی ہمارے بزرگوں کا احترام کریں اور ان کی شان میں گستاخیاں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

ماتمی جلوس میں شرکت کی ممانعت

دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ لوگ ایک ناجائز کام کرتے ہیں تو ہمارے سنی

مسلمان بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ان کے جلوسوں میں شریک نہ ہوں۔ ایک کام جو کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے اور دین کے خلاف ہو رہا ہے اس میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس سے ان کے ناجائز کام کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی تعداد بھی زیادہ لگے گی۔ نیز یہ کہ اگر ہمارے سنی مسلمان بھائی اس میں نہیں جائیں گے تو وہ لوگ گالیاں کس کو دیں گے اور سب وشتم کس پر کریں گے؟ اس لیے ان کے جلوسوں اور تعزیوں میں شرکت کرنا درست نہیں ہے۔

یوم عاشورہ کی بدعات

پھر ہمارے ہاں بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ہمارے بعض سنی بھائی تعزیئے نکالتے ہیں، پھر شاید یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے جارہے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ کہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اور کہاں یہ لوگ تعزیئے بنارہے ہیں۔ پھر تعزیئوں سے جنہیں خود ہی بناتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ صحت اور رزق کی فراوانی کا سوال کرتے ہیں اور پرچیاں ڈالی جاتی ہیں کہ مجھے اولاد چاہیے اور مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے......!

یہ سب لغویات اور خرافات ہیں اور خلاف شریعت کام ہیں، ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان کو پیار سے سمجھادیں کہ یہ کام درست نہیں ہے۔ ان تعزیئوں سے حاجتیں مانگنا مشرکانہ عمل ہے۔ (معاذ اللہ) یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مشرکین مکہ پہلے اپنے ہاتھوں بتوں کو تراشتے تھے۔ پھر انہی سے حاجتیں پوری کرواتے تھے، ہم سب کو ان خرافات سے بچنا چاہیے۔ یہ مبارک ایام ہیں اور عظمتوں والے دن ہیں۔ ان دنوں میں ہمیں گناہوں اور بدعات کے ارتکاب سے بچتے ہوئے نیک کام کرنے چاہئیں۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں

محرم کا دن بڑی عظمتوں والا دن ہے۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون سے آزادی ملی تھی۔ اس دن آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشکر کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ نواسہ رُسول، سرور دو عالم رحمۃ للعلمین ﷺ کے جگر گوشے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اس دن ہونا یہ بھی ان کے لیے ایک انعام ہے۔ یہ نحوست اور بے برکتی کا دن نہیں ہے اب ایک عقیدہ یہ نکل پڑا ہے کہ محرم کے مہینے میں شادیاں نہیں کرتے کہیں بے برکتی نہ ہو جائے......! امت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے جس دن کو آنحضرت ﷺ نے بابرکت قرار دیا۔ امت اس کو بے برکتی اور نحوست والا دن قرار دے رہی ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہود کی مخالفت کا حکم

عاشورہ کا روزہ یہودی رکھتے تھے، مسلمانوں کو بھی بطور شکرانے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کے مذہبی شعار سے مشابہت نہ ہونے پائے۔ اس سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ ''مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے مذہبی شعار اور مذہبی کاموں میں مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔'' اس کے ناجائز ہونے پر اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں۔

غور کیجئے! اسلام نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ روزے جیسے عمل میں بھی یہود کی مشابہت سے منع کردیا ہے لیکن ہماری شامتِ اعمال دیکھئے کہ ہم نے اپنا سن، اپنی تاریخ، اپنی سالِ نو کی خوشیاں تک بھلا دیں، اپنی جنتری، اپنا کیلنڈر سب کچھ دوسری قوموں کو دے دیا اور اب تو قومی زبان کا جنازہ بھی نکالا جارہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے "Saturday" جانتے ہیں ''ہفتہ'' نہیں جانتے "Friday" جانتے ہیں۔ ''جمعہ'' نہیں جانتے۔ "Ten" اور "Twenty" جانتے ہیں مگر ''دس اور ''بیس'' نہیں جانتے۔

ہمارے بالا طبقات غیروں کی غلامی کرتے ہوئے ہمارے اوپر یہ لعنت مسلط کر رہے ہیں۔

قومی تشخص کی حفاظت

دنیا کی جتنی ترقی یافتہ قومیں ہیں، ان سب کے حالات دیکھ لیجئے، ان سب نے جو ترقی کی ہے اور اب ترقی کے عروج پر پہنچ چکی ہیں، اپنی اپنی زبانوں کے بل بوتے پر کی ہے۔ جاپان لے لیجئے، جرمنی، فرانس اور چائنہ کو دیکھ لیجئے اور اب ''کوریا'' بھی ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل ہو رہا ہے۔ ان سب ممالک میں اپنی اپنی زبانیں رائج ہیں۔ یورپ کے علاقے دیکھ لیجئے ناروے میں اپنی زبان ہے۔ سوئٹزر لینڈ میں اس کی اپنی زبان ہے، بلجیم میں اس کی زبان، سوائے ''انگلینڈ'' کے کہیں بھی انگریزی زبان نہ بولی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے ترقی غیروں کی زبان سے نہیں کی...... لیکن ہم نے، سات سمندر پار رہتے ہوئے انگریزی زبان کو ایسا سینے سے لگایا کہ اپنی زبان ہی کو فراموش کر دیا۔ اب اس ملک میں اردو زبان کو بھی انگریزی رسم الخط میں لکھا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری زبان اتنی ذلیل ترین زبان ہے کہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو بولا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو لکھا جائے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو سمجھا جائے اور انگریزی زبان اس قابل ہے کہ اس کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے۔ اسے بولا جائے، سمجھا جائے اور اپنا معبود بنالیا جائے۔ اس احساس کمتری اور غلامی کے جذبات ہماری نسلوں میں پیدا کیے جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح صورتحال کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، خود اعتمادی کے ساتھ اپنے دین اسلام پر فخر کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆......☆......☆

اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے

موضوع: اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

تاریخ: ۲۳ ربیع الثانی ۲۶ھ بروز بدھ

مقام: جامع مسجد دارالعلوم کراچی

وقت: بعد نماز عصر

ضبط و ترتیب: محمد طلحہ اقبال

﴿اللہ کے راستے میں خرچ کیجئے!﴾

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں۔ یہ عدی حاتم طائی کے صاحبزادے ہیں، حاتم طائی جن کی سخاوت بہت مشہور ہے، بچپن میں ہم نے ان کی بہت سی کہانیاں بھی پڑھی ہیں۔ ان کی ملاقات خود تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہو سکی مگر ان کے صاحبزادے عدی اور اسی طرح عدی کی بہن سفانہ بھی مشرف باسلام ہوئی ہیں یعنی صرف یہ دونوں بہن بھائی مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

میدان حساب اور انسان کے اعمال

حاتم طائی کے صاحبزادے عدی رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿مامنکم من أحد الاسیکلمه ربه، لیس بینه و بینه ترجمان، وینظر ایمن منه فلایری الاما قدم و ینظر أشأم منه فلایری الاما قدم و ینظر بین یدیه فلایری الا النار

تلقاء وجهه، فاتقوا النار ولو بشق تمرة﴾ (الخ)

(ریاض/۴۰۸)

''تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے مستثنیٰ نہیں کہ اس سے اس کا رب ہم کلام ہوگا، (ہر انسان سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا، کب؟ یوم حساب میں! جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی اور اللہ اس سے بات کرے گا، سوال کرے گا۔) اللہ کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا بھی نہیں ہوگا۔ (کوئی واسطہ نہیں ہوگا، براہِ راست اللہ رب العزت سے ہم کلامی ہوگی جب اللہ کے سامنے پیشی کیلئے لے جایا جارہا ہوگا تو اس وقت) وہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ بائیں طرف دیکھے گا تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ (دائیں طرف بھی اس کے اعمال ہوں گے، اور بائیں بھی اس کے اعمال ہوں گے) پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ نہیں دیکھ سکے گا۔ اس آگ کے سوا جو اس کے سامنے ہوگی (جہنم کی آگ) پس تم اس آگ سے بچو۔ اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو۔''

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب کی ہولناکی بیان کی جارہی ہے کہ وہاں کوئی چیز سوائے اعمال کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔ اچھے اعمال سے فائدہ پہنچے گا اور برے اعمال سے تکلیفیں اور عذاب پہنچے گا، تو آدمی کے ساتھ اس کے اعمال ہوں گے۔ دائیں اور بائیں اس کے اعمال ہی نظر آئیں گے۔

ایک سوال کا جواب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کیسے نظر آئیں گے۔ دنیا کے اعمال آپ نے

کیے اور وہ ختم ہوگئے، آپ نے نماز پڑھی اور وہ ختم ہوگئی۔ یہ سب چیزیں تو ہمیں نظر نہیں آرہیں، کسی نے چوری کی تو وہ عمل ختم ہوگیا اب تو وہ چوری کرتا ہوا نظر نہیں آرہا، تو خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ جتنے اعمال انسان دنیا میں کرتا ہے، آخرت میں ان کی ایک شکل ہوگی، ان کا ایک جسم ہوگا، ان کا وزن بھی ہوگا، لمبائی چوڑائی بھی ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے جس کی تفسیر احادیث میں آئی کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اور مال کو روک کر رکھے گا تو اس مال کو انتہائی زہریلا سانپ بنادیا جائے گا۔ ''سیطوقون مابخلوا به ''اور جس مال کا انہوں نے بخل کیا تھا اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ ''شجاع اقرع'' گنجا سانپ گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ اسے ڈسے گا اور کہے گا انا کنزک، انا مالک میں تیرا خزانہ ہوں، میں تیرا مال ہوں جس کو تو نے بچا کر رکھا تھا، زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی، اسی طریقے سے تمام اعمال کی ایک شکل ہوگی۔ تو اس شخص کو اپنے دائیں بائیں اعمال ہی اعمال نظر آئیں گے، اچھے بھی نظر آئیں گے اور برے بھی نظر آئیں گے، ابھی حساب کتاب بھی تو ہونا ہے، پھر پتہ چلے گا کہ اچھے اعمال زیادہ ہیں یا برے اعمال زیادہ ہیں اور سامنے جہنم کی آگ نظر آرہی ہوگی، حساب کتاب ہونے والا ہوگا۔ (یہ صورتحال بیان کرنے کے بعد فرمایا) کہ دیکھو معاملہ خطرناک ہے کہ سامنے آگ ہوگی اور اعمال پر فیصلہ ہوگا، جنت والے اعمال پر جنت ملے گی اور آگ والے اعمال ہوں گے تو جہنم ملے گی۔

گناہوں کی آگ سے بچنے کا ذریعہ

پھر فرمایا کہ ''فاتقوا النار ولو بشق تمرة ''پس تم آگ سے بچو، یعنی ایسے اعمال سے بچو جو تمہیں آگ تک لے جانے والے ہیں، اگرچہ آدھی کھجور کے ذریعہ سے ہو، مطلب یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرو کیونکہ ''ان الصدقة تطفیئ الخطیئة'' کہ صدقہ انسان کے گناہوں کی آگ کو مٹا دیتا ہے، گناہوں کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہ تو آگ ہیں اور

صدقہ اس آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے تو صدقہ، خیرات کرو، یہ ذریعہ بنتا ہے جہنم کی آگ سے بچنے کا، تو آگ سے بچنے کا ایک طریقہ تو حضور اکرم ﷺ نے یہ بتلایا کہ تم صدقہ خیرات کرو۔

صدقہ کرنے کیلئے مال کی زیادتی کا انتظار مت کرو

اگر کوئی یہ سوچے کہ میرے پاس تو مال نہیں صدقہ خیرات کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا ہو سکے دے دو، اگر تمہارے پاس دینے کیلئے ایک کھجور ہے تو ایک کھجور ہی دے دو اور اگر ایک پوری کھجور بھی نہیں ہے تو آدھی دے دو، اللہ رب العزت کے ہاں صرف مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کن حالات میں اس نے اللہ تعالیٰ کیلئے قربانی دی ہے۔ ایک کروڑ روپے رکھنے والا آدمی ایک ایک ہزار روپے نکالے تو اس کا بھی بڑا ثواب ہے لیکن جس کے پاس صرف دس روپے ہیں اور وہ آٹھ آنے نکالے تو اس کا ثواب اور زیادہ ہے کیونکہ وہ تو بیچارہ مفلوک الحال ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے راستہ میں خرچ کر رہا ہے۔ اسی واسطے فرمایا کہ تم صدقہ خیرات کرو اور یہ مت دیکھو کم دے رہے ہیں یا زیادہ، جتنی بھی توفیق ہو جائے دے دو انتظار مت کرو۔ یہ بھی بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ بعض لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ میاں! ابھی جیب میں تو ایک روپیہ ہے ایک روپیہ کیا دیں گے۔ چلو کل پانچ روپے اکٹھے کسی کو دے دیں گے، یا جیب میں پانچ روپے ہیں تو اس انتظار میں ہیں کہ کل سو روپے اکٹھے دے دیں گے، نہیں! شیطان اسی طرح بھلا دیتا ہے، کل تو کوئی اور دھندا سامنے آجائے گا، اپنی کوئی اور ضرورت سامنے آجائے گی، کوئی اور بہانہ سامنے آجائے گا یا ذہن سے نکل جائے گا، بھول جائے گا، میاں! اس وقت جو کچھ توفیق ہو رہی ہے، دے ڈالو۔ شیطان اگر یہ کہے کہ اکٹھے پانچ روپے دینا ایک روپیہ غریب کو دے کر کیا کرو گے تو شیطان سے کہہ دو ٹھیک ہے! ابھی تو میں ایک روپیہ دے رہا ہوں کل کو پانچ روپے پھر

دے دوں گا۔ (شیطان کیلئے سب سے اچھا یہی جواب ہے)، خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

صدقہ، خیرات سے محرومی کی ایک اہم وجہ

بہت سے لوگ صدقہ خیرات کرنے سے اس وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں، سوچتے ہیں کہ میاں معمولی سی چیز ہے کیا صدقہ کریں گے؟ کیا خیرات کریں گے؟ یہ کثرت سے ہوتا ہے مثلاً آپ ریل کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں، کسی سٹیشن پر اترے ہیں یا بس کے ذریعہ سفر کر رہے ہیں اور راستے میں کسی منزل پر اترے ہیں، کسی ہوٹل میں کھانا کھایا ہے، آپ کے پاس کچھ بچ گیا ہے اور باہر راستے میں کوئی غریب بیٹھا ہے تو آپ اپنے بچے ہوئے کھانے کا صدقہ کر سکتے ہیں۔ ریل میں ایسے بھی لوگ مل جاتے ہیں اور اگر ریل میں نہ بھی ملیں تو سٹیشن پر تو ایسے آدمی مل ہی جاتے ہیں، اب اگر ایک روٹی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، آدھی بچی ہوئی ہے تو وہ دے دو، پاؤ بچی ہے تو پاؤ دے دو، صدقہ خیرات کرنے میں زیادہ ہونے کا انتظار مت کرو۔ جتنے کی جس وقت توفیق ہو جائے اس کو غنیمت سمجھ کر دے دو، اصل میں جب جنت کمانے کا شوق ہوتا ہے، جہنم سے بچنے کی فکر ہوتی ہے تو پھر آدمی اس کے راستے نکالتا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلیل القدر محدث بھی تھے اور بڑے اللہ والے بزرگ تھے، ہمارے دادا (مولانا یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے استاد تھے اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ مادر زاد ولی اللہ ہیں۔ گویاں ماں کے پیٹ ہی سے اللہ کے ولی پیدا ہوئے تھے۔ خاندان کے سید تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے مگر شفقت بہت فرمایا کرتے تھے اور دونوں میں بے تکلفی بھی بہت تھی۔ ایک مرتبہ والد

صاحب سے فرمانے لگے کہ کھانا ساتھ کھالو، کھانا کھانے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہوگئے اور دستر خوان سمیٹنے لگے تو والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت! دستر خوان میں سمیٹ لوں، تو فرمانے لگے کہ تمہیں دستر خوان سمیٹنا آتا ہے؟ فرمایا، جی ہاں! آتا ہے، باہر فلاں جگہ جا کر اسے الٹا دوں گا، فرمایا کہ نہیں! تمہیں دستر خوان الٹنا نہیں آتا، میں تو دستر خوان اس طرح الٹتا ہوں، تم دیکھ لو اور سمجھ لو۔ اس کے بعد انہوں نے دستر خوان پر سے ہڈیاں الگ کیں اور کہا محلے میں ایک کتا ہے، وہ کھانے کے بعد میرے انتظار میں رہتا ہے، یہ ہڈی میں اس کو ڈالوں گا اور بچے ہوئے چھیچھڑے سامنے منڈیر پر بیٹھی ہوئی بلی کو دیتا ہوں۔ روٹی کے جو ٹکڑے چھوٹے بچے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ میرے محلہ میں غریب لوگ رہتے ہیں، یہ ذرا ذرا سے بچے گلی کے اندر کھیلتے رہتے ہیں، ان بیچاروں کو روٹی مل جائے تو اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے مالدار بچوں کو بسکٹ ملنے سے خوشی ہوتی ہے، تو یہ روٹی کے ٹکڑے ان بچوں کو دیتا ہوں وہ بڑے خوش ہوتے ہیں، بڑی دعائیں دیتے ہیں اور کچھ روٹی کے ٹکڑے تھے فرمایا! ان کو میں جا کر چھت پر ڈال دیتا ہوں۔ وہاں پرندے آتے ہیں۔ کوے، طوطے، چڑیاں آتی ہیں، وہ ان کو چگ لیتی ہیں اور باقی رہ گئے روٹی کے ذرات جو ایک دو چٹکی کے برابر ہوتے ہیں، ان کو لے کر فرمانے لگے کہ آؤ! ان کے بارے میں بتاتا ہوں کہ ان کو کہاں ڈالتا ہوں۔ باہر کہیں چیونٹیوں کا بھٹ (سوراخ) تھا، وہاں چیونٹیاں آرہی تھیں، وہ ذرات اس بھٹ کے اوپر ڈال دیئے اور فرمایا کہ یہاں ڈالتا ہوں، اب دیکھئے کہ اللہ کے رزق کو اس اللہ کے بندے نے اللہ کی مخلوق میں کہاں تک پہنچایا۔ یہ وہی بات ہے۔ "**اتقوا النار ولو بشق تمرة**" آگ سے بچنے کی کوشش میں لگ جاؤ، اگرچہ وہ کوشش آدھی کھجور کے ذریعے سے ہی کیوں نہ ہو۔ آج کل ایک روپے کے سکہ کی بھی کوئی قدر نہیں رہی لیکن اگر کوئی غریب نظر آرہا ہے اور موقع ہے تو انتظار مت کرو کہ کل دیں گے، یہ سکہ ہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہت اجر و ثواب ہے۔

صدقہ کی برکات

صدقہ کی بڑی برکات ہیں، ایک برکت تو یہ ہے "تطفئ الخطيئة" کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، دوسرے اس سے بلائیں ٹلتی ہیں، دنیا کی بھی بلائیں ٹل جاتی ہیں، بسا اوقات کوئی بلا اور مصیبت آنے والی ہوتی ہے، آدمی صدقہ کرتا ہے، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس بلا سے بچا لیتے ہیں۔

اللہ کے دربار میں حاضری کا موقع

عن ابی برزة رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تزول قدما عبدحتی یسئل عن عمره فیم افناه، وعن علمه فیما فعل فیه، وعن ماله من این اکتسبه وفیم انفق، وعن جسمه فیم ابلاه......الخ

(ریاض/۴۱۰)

ترجمہ: "حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ روایت کررہے ہیں کہ آدمی کے قدم اللہ کے سامنے پیشی سے اس وقت تک نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔ ایک یہ کہ عمر کس کام میں گزاری، دوسرا یہ کہ علم (دین ودنیا کا جو ہم نے تمہیں دیا تھا اس) پر کیا عمل کیا، تیسرا یہ کہ مال کہاں سے کمایا تھا، چوتھا یہ کہ یہ مال (جب تمہیں مل گیا تھا تو) خرچ کہاں کیا، پانچواں یہ کہ جسم کی (جو نعمتیں ہم نے دی تھیں ان) نعمتوں کو کہاں خرچ کیا۔"

تشریح: اس حدیث میں میدان حساب میں ہونے والے سوالات کا تذکرہ ہے۔ آدمی کے قدم اللہ رب العزت کے سامنے پیشی سے نہیں ہٹیں گے، جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت اعمال کا حساب کتاب ہوگا، پرسش اور پوچھ گچھ ہوگی اعمال کی تو وہاں

سے آدمی کے قدم نہیں ہٹیں گے، جب تک پانچ سوال نہ کر لیے جائیں۔

پہلا سوال

یہ کہ اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ عمر کس کام میں گزاری، کس کام میں خرچ کی، ساری عیش وعشرت ہی میں گزار دی، غفلت ہی میں گزار دی یا اللہ تعالیٰ کیلئے بھی کوئی کام کیا تھا اور آخرت کیلئے بھی کوئی تیاری کی تھی یا نہیں، کسی کو چالیس سال عمر ملی، کسی کو پچاس، کسی کو ساٹھ، کسی کو پچپن وغیرہ۔ عمر پوچھی جائے گی کہ تمہاری کتنی عمر ہوئی اور اس کو کس کام میں خرچ کیا، اب بتانا پڑے گا، جھوٹ نہیں بول سکے گا، جھوٹ بولے گا تو اعمال اس کے سامنے کر کے دکھا دیئے جائیں گے کہ یہ ہیں تمہارے اعمال، سارے اعمال دائیں، بائیں اور سامنے ہوں گے، ابھی آپ نے پڑھا کہ وہ اعمال سامنے ہوں گے اور دکھا دیئے جائیں گے لہٰذا جھوٹ نہیں بول سکے گا کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا تھا، فلاں گناہ نہیں کیا تھا، سب کچھ دکھا دیا جائے گا کہ کن چیزوں میں تم نے عمر گزاری تھی۔

دوسرا سوال

وعن علمه فيما فعل فيه اس کے علم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ جو کچھ علم ہم نے تم کو دیا تھا دین کا یا دنیا کا اس علم کے مطابق تم نے عمل کیا کیا؟ جنت والے اعمال کیے یا جہنم والے اعمال کیے؟

تیسرا سوال

وعن ماله من اين اكتسب تیسرا سوال یہ ہوگا کہ مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ مال تو تمہارے پاس بہت تھا مگر یہ بتاؤ کہ کہاں سے لائے تھے؟ کہاں سے کمایا تھا؟ رشوت کا تو نہیں تھا، مال حرام تو نہیں تھا، ناپ تول میں کمی کر کے یہ کام

چوری کر کے کمایا ہوا مال تو نہیں تھا؟ یہ سب بتانا پڑے گا، سارے مال کا حساب دینا پڑے گا کہ کہاں کہاں سے کمایا تھا؟ میزان یہ ہے بتاؤ کہاں کہاں سے لائے تھے؟

چوتھا سوال

وفیم انفق. (چوتھا سوال یہ ہوگا کہ) پھر جب یہ مال تمہیں مل گیا تھا تو خرچ کہاں کہاں کیا؟ جائز کاموں میں کیا یا ناجائز کاموں میں؟ اپنے بیوی بچوں پر اگر خرچ کیا تو ٹھیک کیا۔ اپنے اوپر اگر راحت و آرام کیلئے خرچ کیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ رشتہ داروں کو دیا تو بڑا اچھا کیا، پڑوسیوں کو دیا، دین کے کاموں میں خرچ کیا، مسجد میں لگایا، کسی کا کہیں کنواں بنوا دیا، رفاہی کاموں میں لگا دیا۔ بڑا اچھا کام کیا۔ کہیں حرام کاموں میں تو خرچ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں تو خرچ نہیں کیا؟ غرض یہ کہ سارا حساب کتاب دینا پڑے گا۔ سالانہ حساب کتاب جب تاجروں کا انکم ٹیکس کے موقع پر ہوتا ہے تو سب کو ایک دو مہینے پہلے سے بخار چڑھ جاتا ہے کہ بتانا پڑے گا کہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں گیا؟ بچت کیا ہوئی، وہاں دو دو تین تین حساب کتاب چل جاتے ہیں۔ وہاں دو رجسٹر ہوتے ہیں، ایک اصلی ہوتا ہے، ایک نقلی ہوتا ہے، انکم ٹیکس والوں کو دکھانے کے لئے، دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ یہاں (اصل میں) آمدنی ایک کروڑ لکھی ہے، وہاں (نقل میں) آمدنی کے بجائے ایک لاکھ روپے خسارہ لکھا ہوا ہے، وہاں تو یہ کام چل جاتا ہے، انکم ٹیکس والا اگر غلطی کو پکڑ لے تو اس کو رشوت دے کر کام چلاتے ہیں، وہاں تو نہ رشوت چلے گی، نہ دوہرے رجسٹر کام آئیں گے۔ وہاں تو سب کچھ سامنے ہوگا، کوئی جھوٹ نہیں بول سکے گا، چھپا نہیں سکے گا، سارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا، عمر بھر میں جو کچھ کمایا سب کا حساب ہوگا۔

پانچواں سوال

وعن جسمہ فیم ابلاہ. (پانچواں سوال جسم کے بارے میں ہوگا کہ) جسم

کی جو نعمتیں ہم نے تمہیں دے رکھی تھیں مثلاً آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پیٹھ، گلا، پاؤں، ٹانگیں یہ سب کچھ دے رکھا تھا، ان سارے اعضاء کو تم نے کس چیز میں خرچ کیا۔ یہ زبان تمہیں دی تھی ستر سال تک تم نے اس سے کام لیا۔ کیسی عجیب وغریب چیز ہے، یہ زبان اور کیسا عجیب آلہ ہے، اگر سٹیل کا ہوتا یا سٹیل سے طاقتور کسی دھات کا ہوتا تو گھس کر اب تک ختم ہو چکا ہوتا، مگر یہ چل رہا ہے اور آٹومیٹک چل رہا ہے، نہ اس کو چابی دینے کی ضرورت، نہ اس میں پٹرول ڈالنے کی ضرورت، نہ ہی کسی اور چیز کی ضرورت، دماغ میں خیال آیا اور اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اسی طرح یہ آنکھ ہے...... اللہ اکبر...... آنکھ ایک کارخانہ ہے اور بڑا عجیب وغریب اور حیرت ناک کارخانہ ہے، اس کے اندر بارہ کارخانے ہیں اور آج دنیا میں ہر کارخانے کا الگ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا، جب مجھے اپنی آنکھ کے آپریشن کرانے پڑے مختلف قسم کے کئی آپریشن ہوئے تو پتہ چلا کہ آنکھ کے اندر بارہ حصے ہوتے ہیں۔ ہر حصے کے الگ سپیشلسٹ ہیں۔ اس کے ایک حصے کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر دوسرے حصے کا آپریشن کرنا نہیں جانتا، اس آنکھ میں پورا ایک جہاں ہے، تو اس آنکھ کو کہاں خرچ کیا تھا، اس سے کیا کیا دیکھا تھا، جن چیزوں کے دیکھنے کی ہدایت کی تھی، وہ دیکھی تھیں یا نہیں اور جن چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا تھا، ان چیزوں سے اپنی آنکھ کو روکا یا نہیں؟ یہی سوال ہوگا زبان کے بارے میں، ٹانگوں کے بارے میں، دل کے بارے میں حتیٰ کہ پورے جسم کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں خرچ کیا تھا؟

سوال: سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنا لمبا چوڑا حساب ایک آدمی کی پوری زندگی کا، پوری عمر کا، اس کے پورے علم کا اور اس علم کے متعلق عمل کا اور مال کہاں کہاں سے کتنا کتنا کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔ اس کا اور تمام جسم کے اعضاء کا، تو اتنا لمبا چوڑا حساب کیسے ہوگا؟

جواب: قرآن حکیم نے جگہ جگہ کہا ہے ''ان اللہ سریع الحساب'' کہ اللہ تعالیٰ تو بہت تیز رفتاری سے حساب کرنے والا ہے، ایسی تیز رفتاری سے حساب ہونے کے باوجود کوئی

چیز حساب سے نہیں بچے گی۔ قرآن کریم نے فرمادیا "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ" جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی نیک کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرے کے برابر کوئی برا کام کیا ہوگا وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔

توبہ کا فائدہ

ہاں اگر گناہ سے توبہ کر لی تھی تو وہ نہیں دکھایا جائے گا۔ یہ بھی کرم ہے اللہ رب العٰلمین کا اور وہاں جو اعمال دکھائے جائیں گے ان میں یہ اعمال نہیں ہوں گے، جن گناہوں سے بندے نے توبہ کر لی وہ اعمال نہ آخرت میں دکھائے جائیں گے، نہ لکھے ہوئے پیش ہوں گے اور نہ ہی ان کا سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلامی انقلاب اور ہماری ذمّہ داری

موضوع: اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

﴿اسلامی انقلاب اور ہماری ذمہ داری﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ المجتبیٰ وعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ.

اما بعد!

تمہیدی گفتگو کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

یہ آپ سب کو معلوم ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر بہت کڑا وقت آیا ہوا ہے، مسلمان جگہ جگہ ظلم وستم کا شکار ہیں اور جتنے بھی مسلم حکمران ہیں وہ سب کے سب دباؤ میں ہیں اور اسی دباؤ کی وجہ سے بعض بدنصیب کبھی داڑھی کا مذاق اڑا رہے ہیں اور کبھی پردے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

لیکن یاد رکھئے کہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے جو اخبارات، جرائد، ٹی وی، ریڈیو کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ یہ اوپر کا رخ ہے لیکن ان حالات و واقعات کی تہہ کے نیچے کچھ اور ہو رہا ہے، جیسے سمندر کی لہروں کا ایک ظاہری انداز ہے لیکن ان لہروں کے نیچے کچھ اور طوفان برپا ہوتے ہیں جو سطح کے بالکل مخالف ہوتے ہیں بعض اوقات تو اوپر کا

پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے اور نیچے پانی گرمی سے ابل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح حالات کی اوپر کی سطح میں مسلمان پسپا ہوا اور کمزور نظر آ رہا ہے لیکن اندرونی سطح، اللہ کی قدرت کاملہ سے ایک اسلامی انقلاب آنے کی خبر دے رہی ہے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ شروع ہو چکی ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ انقلاب کون لا رہا ہے؟ کیسے آ رہا ہے؟ یہ سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں، یہ جنگی انقلاب نہیں بلکہ یہ ایک فکری، معاشرتی، اخلاقی انقلاب ہے، مقلب القلوب کا دلوں میں پیدا کردہ انقلاب ہے اور جہاں جہاں اسلامی جہاد ہو رہا ہے، وہ بھی اسی دینی انقلاب کا حصہ ہے۔

یہ خوشگوار تبدیلی پچھلے پندرہ بیس سال سے آئی ہے۔

پچھلے سال جون میں میرا اردن اور شام کا سفر ہوا، میرے ایک دوست جو دنیا میں بہت گھومے پھرے ہیں اور اچھے تجربہ کار ہیں، جب انہوں نے مجھ سے سنا کہ میں اردن اور شام جا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ وہاں جا کر کیا کریں گے، وہاں تو بالکل مغربی تہذیب ہے۔ امریکی سیاست مسلط ہے، عورتوں میں پردہ نہیں، اسلامی معاشرہ دور دور تک نظر نہیں آتا، فحاشی و عریانی کا دور دورہ ہے اور بالکل یہی بات ہم مصر کے بارے میں بھی سنتے تھے۔

اسی سال ہمارا جاپان اور امریکہ کا بھی سفر ہوا، اُردن، شام اور ایران کے سفر بھی ہوئے۔ اور اب سعودی عرب اور مصر کا سفر ہوا، ان تمام سفروں میں سنی ہوئی باتوں کے برعکس صورتحال نظر آئی، اب تو وہاں ایک انقلاب سا آتا نظر آ رہا ہے۔

جن مسلم ممالک کا اس سال سفر ہوا ان میں اول تو بازاروں میں عورتیں کم نظر آتی ہیں، اور جو نظر بھی آتی ہیں ان میں بھی پردے کا اہتمام ہے، جب کہ عرب ممالک کے بارے میں تو یہ بات مشہور تھی کہ وہاں خواتین پردے کا اہتمام نہیں کرتیں، لیکن یہ سب شہرت پرانی صورتحال کی بناء پر ہی ہے، ورنہ اردن میں، مصر میں، سعودی عرب میں،

شام میں اور ایران میں اب عورتیں پردے میں نظر آتی ہیں، مساجد آباد ہیں، جن میں امام بڑی حد تک تعلیم یافتہ قاری ہیں۔ تبلیغی کام بھی بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ یہ تبدیلی پندرہ بیس سال میں آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے پہچانا نہیں جاتا تھا کہ آپ اسلامی ملک میں آئے ہیں یا کسی مغربی ملک میں آگئے ہیں۔

علمِ دین کی پیاس

دین کی طلب کا یہ حال ہے کہ میں اردن اور شام سیاحت کے لئے گیا تھا لیکن احباب نے پکڑ لیا کہ آج فلاں جگہ بیان ہے اور کل فلاں جگہ اور باقاعدہ مجلسیں منعقد کی گئیں کہ پاکستان سے مفتی صاحب آئے ہوئے ہیں، اہم مسائل اُن سے پوچھیں گے۔

اُردن میں

ایک دن عمان (اردن) میں باقاعدہ اعلان کر کے علمائے کرام کو جمع کیا گیا کہ اہم مسائل مفتی صاحب سے پوچھے جائیں گے، جمع ہونے والوں میں مرد بھی تھے خواتین بھی، مصنف بھی تھے، ادیب بھی، عالم بھی تھے، قاری بھی، اور بعض مفتی صاحبان بھی تھے۔ (الحمد للہ اردن میں یہ مشہور ہے کہ ہندو پاک کے علماء ٹھوس علم رکھنے والے صاحبِ کمال ہوتے ہیں،) میں نے ان کو مجلس کے آغاز ہی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا یہ ارشاد سنا دیا کہ:

> ''الحمد للہ میرے پاس ایک ایسا گُر ہے کہ میں ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔''

حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد سن کر سب علماء جو حاضر تھے حیران رہ گئے کہ یہ کیا فرما رہے ہیں، ایسا دعویٰ تو کسی نبی نے بھی نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ ''اخبرنی عن الساعۃ'' (قیامت کب آئے گی) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ ''ما المسؤل عنها باعلم من السائل'' یعنی قیامت کے بارے میں

جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور حضرت تھانوی صاحب فرمارہے ہیں کہ ہر مشکل سے مشکل سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔

تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا وہ گُر یہ ہے کہ جس سوال کا جواب معلوم ہوگا بتا دوں گا اور جس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوگا تو کہہ دوں گا ''مجھے نہیں معلوم۔'' یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ یاد رکھئے ''لا اَدری'' (مجھے نہیں معلوم) کہنے سے انسان کی عزت میں کمی نہیں آتی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''لقنو اصحابکم قول لا ادری'' یعنی تم اپنے شاگردوں کو یہ کہنا سکھاؤ کہ ''مجھے نہیں معلوم''۔

شام میں

تقریباً یہی حال شام میں تھا، وہاں تین دن قیام ہوا، وہاں کے علماء چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ہمارے ساتھ گزاریں، عوام میں بھی جس سے بات چیت کی نوبت آئی یہی محسوس ہوا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ الفت ومحبت، انکساری اور خوش اخلاقی ان کا مزاج ہے، اگرچہ خواتین میں پردے کا خاص اہتمام نہیں اور مرد اکثر داڑھی نہیں رکھتے لیکن بات بات پر ذکر اللہ، دعائیں اور درود شریف کی کثرت ان کی عادت ہے۔ مسجدوں کی آبادی اور علماء کی عزت نظر آتی ہے، کچھ دینی مدارس بھی ہیں جو اچھا کام کررہے ہیں، وہاں بھی پندرہ بیس سال پہلے ایسی بات نہیں تھی، وہاں تبلیغ کا کام بنسبت اردن کے بہت کم ہے۔

سعودی عرب میں

سعودی عرب کا حال آپ حضرات کو معلوم ہی ہے، وہاں تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم اچھے خاصے معیار کی ایک حد تک لازم ہے۔ سب سے زیادہ اسلامی قوانین (سو فیصد تو نہیں) نافذ ورائج ہیں، وہاں عدلیہ شریعت کی پابند ہے جس کی وجہ سے آج وہاں امن وامان کا دور دورہ ہے۔ مال وجان، عزت وآبرو، غیرت وناموس

محفوظ ہے۔

مصر میں

اسی طریقے سے مصر کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سن رکھی تھیں کہ وہاں کے لوگ متکبر اور اکھڑ مزاج ہوتے ہیں۔ علماء کے خلاف عوام میں جذبات پائے جاتے ہیں۔ داڑھی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ فحاشی و عریانی ہے، وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی حالیہ سفر میں ہم نے مصر کے دینی اداروں، مساجد، علمی حلقوں، بازاروں بعض تفریح گاہوں اور عجائب گھروں وغیرہ کا دورہ کیا تو پتہ چلا کہ جتنی باتیں سن رکھی تھیں وہ سب کی سب سراسر غلط ہیں۔ حقیقت میں وہ بڑے مہمان نواز اور صاحب مروت ہیں۔ مزاجوں میں شرافت وسادگی غالب ہے۔ قاہرہ کو بھی دیکھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ فحاشی اور عریانی کا مرکز ہے۔ وہاں جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ قاہرہ تو مسجدوں کا شہر ہے۔ نماز کے اوقات میں پورا شہر اذانوں سے گونج اٹھتا ہے اور ہر مسجد کے اندر خواتین کیلئے پردے کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام ہے۔ الحمد للہ میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، ان کے ذریعہ خواتین کا حال بھی وقتاً فوقتاً معلوم ہوتا رہا۔

قاہرہ میں جمعہ کی نماز ''جامع عمرو بن العاص'' میں پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ یہ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم ہے۔ خطیب صاحب نے عربی میں سیرت طیبہ پر ایسا بلیغ اور ایمان افروز خطبہ دیا کہ دل باغ باغ ہوگیا۔

ہمارے ساتھ جو ڈرائیور تھا اس نے بتایا کہ میرے تین بیٹے حافظ قرآن ہیں حالانکہ اس کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی۔ ایک نوجوان جو بازار میں کھلونے بیچ رہا تھا وہ کہنے لگا کہ آپ نے یہاں اسلام کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا جیسا سنا تھا اس سے بہتر پایا تو وہ کہنے لگا کہ ہم اپنے اعمال میں اسلام کی کمی بہت محسوس کرتے ہیں، دعا کریں کہ ہم اچھے مسلمان بن جائیں، اور اسلام کا بول بالا ہو، اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس دوکاندار

یا ڈرائیور یا مزدور یا ہمسفر سے بات کرو تو اولاً تو آپ کے اور اس کے درمیان دیر تک دعاؤں کا تبادلہ ہوتا رہے گا، پھر دورانِ گفتگو وہ بات بات پر ایک دوسرے کو دعائیں دینے کے عادی ہیں، عموماً ان کی تقریباً ہر بات اللہ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ مصر میں اکثریت نماز کی پابند ہے برخلاف پاکستان کے، کہ یہاں نمازوں کے اوقات میں اکثر حضرات بازاروں، ہوٹلوں، کیفوں وغیرہ میں ہوتے ہیں۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔**

''جامع الازھر'' جو''جامعۃ الازھر'' کے زیر انتظام ایک جامع مسجد ہے، ہم نے مغرب کی نماز وہاں ادا کی، امام صاحب جید قاری تھے، مگر ملاقات ہوئی تو داڑھی صاف تھی، ہماے ایک تبلیغی ساتھی نے جو سعودی عرب سے ہمارے ساتھ آئے تھے عرض کیا کہ کیا بات ہے کہ یہاں داڑھی کم نظر آتی ہے، کیا حکومت کی طرف سے پابندی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں، لوگ خود ہی نہیں رکھتے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں، اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم سے انہوں نے ہدایت کی دعاؤں کی درخواست کی اور عرب روایات کے عین مطابق ہم نو واردوں کو مہمان نوازی سے نوازا۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ مصر میں خواتین کی بھاری اکثریت ہر جگہ بُرقع میں نظر آئی، اور جو بغیر بُرقع کے ہوتی تھیں تو ان کا بھی پورا بدن ڈھکا ہوتا تھا صرف چہرہ اس طرح کھلا ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کان، بال اور گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، مجھے تو کم از کم کوئی مسلمان عورت بے پردہ نظر نہیں آئی، کچھ خواتین بے پردہ تھیں، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسلمان عورت بے پردہ نہیں ہوتی، جو بھی بے پردہ خواتین ہیں یا تو وہ عیسائی ہیں، یا یہودی، قاہرہ کے مشہور عالم دین ہمارے دوست جناب حسن الشافعی نے بھی یہ بات بتائی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں یہ پردہ اور یہ تبدیلی بیس پچیس سال سے آئی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہاں تمام برائیاں عام تھیں، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے آئی، کہنے لگے یہ معلوم نہیں، بس اتنا صاف نظر آرہا ہے کہ تبدیلی آئی ہے۔ لوگوں کے دلوں پر

اسلام کا غلبہ اور دین کی طرف میلان ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلانی جماعت سے یہ تبدیلی آئی ہے...... اور یہی کیفیت ایک اسلامی انقلاب آنے کی دلیل ہے۔

غیر مسلم ممالک میں

امریکہ میں اسلام اس قدر تیزی سے پھیل رہا ہے کہ امریکی صدر نے بھی تسلیم کرلیا کہ امریکہ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، دنیا کی کل آبادی کا پانچواں حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ تقریباً ۴۰ سال پہلے امریکہ، جاپان، چین اور یورپ وجنوبی افریقہ وغیرہ میں کوئی عورت برقع میں نظر نہیں آسکتی تھی۔ لیکن اب الحمد للہ ہم وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ برقع عزت وشرافت کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

اس انقلاب کو رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ انقلاب جو آرہا ہے اس کی رہنمائی کون کرے گا؟ اس رہنمائی کے لئے آپ طلبہ کو تیار ہونا ہے، غیر مسلم ممالک میں اس دینی انقلاب کی رہنمائی کے لیے باعمل اور باکردار علمائے دین کی شدید ضرورت ہے۔ اگر کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہوا تو یہ انقلاب نہیں بلکہ فساد فی الارض ہوگا۔ ضرورت اس وقت اس انقلاب کو سنبھالنے کی ہے، منظم کرنے کی ہے، رہنمائی کرنے کی ہے اور صحیح قیادت کی ضرورت ہے تاکہ یہ انقلاب خیر کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے، ظلم کا خاتمہ کرکے عدل و انصاف قائم کرے۔

رہنما بننے کے لیے رہنمائی اور تربیت لینے کی ضرورت ہے

یاد رکھئے کوئی عالمگیر اسلامی تحریک محض کسی ایک فرد کا کارنامہ نہیں ہوا کرتی، قائد محرک ورہنما ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ باصلاحیت مخلصین کی ایک بڑی تعداد

ہوتی ہے جن کی وہ رہنمائی کرتا ہے اور ان کو منظم کرتا ہے۔ عالم اسلام کو اس وقت صحیح قیادت کی بھی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ باصلاحیت اور باکردار مخلصین کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت ہے مگر اس کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ اب صلاحیت پیدا کیے بغیر ہر ایک امام بننا چاہتا ہے، مقتدی بننے کے لیے کوئی تیار نہیں، جس سے قیادت تو کیا سامنے آتی، نزاعات اور فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے قیادت کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے مقتدی بننے کی ضرورت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ **لن يصلح آخر هذه الامة إلا ماصلح به اولها**. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سب سے پہلے صبر وتقویٰ اختیار کیا اور ۱۳ سال تک تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ مشکلات سہنے کی طاقت تیار کی۔ عدل و انصاف اور عبدیت اپنے اندر پیدا کی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت دلوں میں بٹھائی، جب اس تیاری کے بعد تلوار اٹھائی تو دنیا میں ان کا مقابلہ کوئی نہ کرسکا کیوں؟ اس لیے کہ یہ تلوار معاشرہ کے بہترین افراد کے ہاتھوں میں تھی، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان احد میں اعلان فرمایا تھا کہ میری تلوار اس شخص کو ملے گی جو اس کا وعدہ کرے کہ وہ اس کا حق ادا کرے گا۔ آخر میں تلوار ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو ملی کہ اس سے عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور بے گناہ لوگ محفوظ رہیں۔

عزیز طلبہ! ان مذکورہ صفات سے متصف ہوکر اپنے آپ کو اس آنے والے انقلاب کے لیے علمی اور اخلاقی طور پر تیار کرو اور باہمی اتحاد واتفاق کی عادت ڈالو۔

انکساری، حسن اخلاق اور نرم مزاجی اختیار کرو

حضرت والد صاحب (حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ دو متکبروں میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا، اتحاد تو تواضع کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور نرمی کو بیان کیا گیا ہے اور اعلان کر

دیا گیا: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین. یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے اور قرآنِ حکیم ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ: ''لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ''یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج سخت ہوتا تو لوگ آپ سے بیزار ہو کر منتشر ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنِ اخلاق اور نرمی ورأفت سکھلائی اور فرمایا کہ (بعثت لأتمم مکارم الأاخلاق) ''یعنی میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نرمی کو عملاً کر کے دکھایا اور قولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ: یسّرا ولا تعسّرا بشّرا ولا تنفرا یعنی تم لوگوں کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا مشکل برتاؤ نہ کرنا، ان میں شوق پیدا کرنا انہیں بیزار نہ کرنا۔

ان صفات کے بغیر آپ امت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اپنے اندر حصول علم اور اس میں رسوخ کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی پیدا کرو، خود کو مقتدی (فرمانبردار) بناؤ۔ پھر امت خود ہی تم میں سے باصلاحیت قیادت کا انتخاب کر لے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

☆......☆......☆

طلباء کو اہم نصیحتیں

موضوع: طلباء کو اہم نصیحتیں

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

موقعہ: افتتاح درسِ بخاری

ضبط و ترتیب: مولانا طلحہ اقبال صاحب

طلباء کو اہم نصیحتیں

الحمد للّٰہ و کفی و الصلوٰۃ و السلام علی نبیہ المجتبیٰ

و علی عبادہ الذین الصطفی. اما بعد!

حاضرین و سامعین گرامی قدر! ہمارے لیے یہ بڑی سعادت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مرتبہ پھر افتتاح بخاری سے نیا تعلیمی سال شروع کرنے کا موقع عطا فرمایا کیونکہ آج کی یہ مجلس افتتاح بخاری کی بھی ہے اور نئے تعلیمی سال کے آغاز کی بھی اور اس افتتاح کے لیے بدھ کا دن اس لیے منتخب کیا گیا ہے کہ صاحبِ ہدایہ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک حدیث روایت کرتے تھے کہ:

﴿قال رسول الله ﷺ مَامِن شَیٌٔ بُدِئَ فِیْ یومِ الْاَرْبَعَاء إِلَّا وَقَدْتَمَّ﴾ (تعلیم المتعلم ص ۴۳)

ترجمہ ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کام بھی بدھ کے دن شروع کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور اس میں خیر و برکت عطا فرماتے ہیں۔''

جو اسمائے گرامی اس حدیث مبارکہ کی سند میں پڑھے گئے ہیں، ان سے ایک ایک شخصیت علم و عمل کا ایسا پہاڑ ہے کہ ان جیسی علمی شخصیات بہت کم ہوتی ہیں اور ایسے اونچے درجے کے اولیاء اللہ ہیں کہ ان کے ناموں میں بھی برکت ہے۔ ہمیں بہت امید

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ تمام برکتیں عطا فرمائیں گے۔

صاحب کتاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب کا آغاز اس حدیث مبارکہ سے کیا ہے:

﴿إنّما الاعمال بالنیّات وإنّما لامرئ مانوی﴾ (الخ)

ترجمہ "اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔" (الخ)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کا عنوان تو قائم کیا:

﴿کیف کَانَ بدءُ الوحی إلی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم﴾

یعنی اس باب میں اس بات کا بیان ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آنے کا طریقہ کیا ہے؟ لیکن اس کے ذیل میں حدیث لائے۔

﴿إنّما الا اعمال بالنیّات﴾

"یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"

ظاہر نظر میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ بہت کوشش کر کے کوئی نکالنا چاہے تو ممکن ہے نکال لے لیکن بظاہر اس حدیث کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ ایسا کرتے ہیں اور عام طور پر یہ کام اپنے شاگردوں کو توجہ دلانے اور چونکانے کیلئے کرتے ہیں تو یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا ہے کہ باب:

﴿کیف کان بدءالوحی﴾

قائم کیا، لیکن حدیث لائے۔

﴿إنّما الاعمال بالنیّات﴾

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "آگے بڑھنے سے پہلے اپنے دل کا جائزہ لے لو، اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ لو، اپنی نیت

ٹھیک کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اس لیے پہلے قدم پر اپنی نیت ٹھیک کرلو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے آج کا سب سے پہلا درس جو طلبہ دورہ حدیث، دیگر تمام درجات کے طلبہ، اساتذہ اور خدام دار العلوم کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ آج تعلیمی سال کا آغاز ہورہا ہے اور ایسا مقدس عمل شروع ہورہا ہے جو اس امت کے اجتماعی کاموں اور نفلی عبادتوں میں بالاتفاق سب سے افضل عمل ہے اس کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے کر انہیں ٹھیک کرلو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ:

﴿تدارس العلم ساعة من الليل خير من احياء ها﴾ (مشكوٰة)

”رات کی کسی ایک گھڑی میں تعلیم و تعلم کا مشغلہ اختیار کرنا اس پوری رات کو عبادت میں گزارنے سے افضل و بہتر ہے۔“

لہٰذا اس مقدس عمل کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت کو درست کرلو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

چونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اس لیے اگر نیت خراب ہے تو بعض اعمال تو صحیح نیت کے بغیر ادا ہی نہیں ہوتے مثلاً نماز ادا نہیں ہوتی، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی نیت پر موقوف ہے اور بعض اعمال ادا تو ہو جاتے ہیں جیسے وضو لیکن ان اعمال کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا تو بہت سے اعمال کا وجود اور بہت سے اعمال کا ثواب بغیر نیت صحیحہ کے حاصل نہیں ہوتا۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ اصل نیت دل کی ہوتی ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے نیت کرنا ضروری ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اگر زبان سے نیت نہ بھی کی مگر دل سے نیت کرلی تو کافی ہے۔ اس کے برعکس اگر زبان سے تو نیت کرلی مگر دل سے نہیں کی تو نیت شمار نہ ہوگی۔

کس چیز کی نیت کی جائے؟

نیت سب سے پہلے اس بات کی کرنی چاہیے کہ ہم جو کچھ پڑھیں گے یا پڑھائیں گے، چاہے تفسیر قرآن کریم ہو، چاہے احادیث ہوں، چاہے فقہ ہو یا کوئی اور فن؟ ان میں سے جن جن چیزوں کا تعلق ہمارے عقیدے سے ہوگا اس کے ذریعہ ہم اپنا عقیدہ ٹھیک کریں گے اور جن کا تعلق ہمارے عمل کے ساتھ ہوگا ہم ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔

خوب سوچ لیجئے! ہم جو کچھ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں، سب سے پہلے یہ ہمارے اپنے لیے ہے، یہ پڑھنا پڑھانا دوسروں کے لیے ہی ہے لیکن وہ ثانوی درجہ ہے لہٰذا سب سے پہلے خود عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

کوئی بات یاد رکھنے کا سب سے بڑا اور بہترین طریقہ اس پر عمل کرنا ہے۔ رٹنے سے بھی کوئی چیز اتنی یاد نہ ہوگی جتنی عمل سے یاد ہوگی لہٰذا اگر آج سے ہم اس حدیث پر عمل شروع کردیں گے تو ہمیں یہ حدیث بھی یاد رہے گی۔

ہمیں دوسری نیت یہ کرنی ہے کہ ہم سنت کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے یہ علم حاصل کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا دونوں جہانوں کی کامیابی ہمیں مل سکے۔

اس نیت کو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیجئے اور دل کی گہرائیوں میں اتار لیجئے۔ طلبہ، اساتذہ اور خدام سب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ایک اہم نکتہ

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر ایک احسان عظیم یہ بھی ہے کہ انسان جب کوئی کام، نیک نیت سے شروع کردے اور بعد میں کام کرتے ہوئے اس نیت کی طرف خیال نہ جائے

اوراس کے مخالف بھی کوئی نیت نہ کرے تو اس نیت کا ثواب اور حکم باقی رہے گا کیونکہ اس نیت کو ہر وقت مستحضر رکھنا ضروری نہیں ہے۔

نیت فاسدہ کا نیت صحیحہ کے معارض آنا

اب مخالف نیت کیا ہوسکتی ہے؟ مثلاً یہ نیت کرنا کہ ہم عالم بنیں گے، شہرت ہو جائے گی یا کوئی بڑا عہدہ مل جائے گا، کوئی بڑی ملازمت مل جائے گی یا علامہ کہلائیں گے اوراس زمانے میں فلاں فلاں لقب مل جائے گا۔ یہ تمام نیات فاسدہ ہیں۔ جب ان میں سے کوئی نیت پائی گئی تو اس صورت میں پہلی نیت معدوم ہو جائے گی اور وہ عمل عبادت نہیں رہے گا بلکہ معصیت بن جائے گا۔ (اللھم احفظنا منه) ہمیں ساتھ ساتھ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درست نیتیں کرنے اوران پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اتنی بات تو حدیث کے متعلق عرض کردی، باقی تفصیلات انشاء اللہ درسگاہ میں آئیں گی، اب کچھ باتیں اپنے طالب علم ساتھیوں سے کرنا چاہتا ہوں۔

دین کی بقاء اسی سے ہے!

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمیں افضل ترین عمل میں لگنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جس کی افضلیت میں فقہاء کرام اور محدثین عظام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر بھی ہے کیونکہ دین کا بقاء اسی سے ہے۔

وہ دین مٹ جایا کرتا ہے جس کا علم باقی نہ رہے۔ عیسائیت کا دین مٹ گیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے کیونکہ اس کا علم باقی نہ رہا۔ رب العلمین نے اس دینِ اسلام کی بقاء کی ضمانت دی ہے۔ وہ لوگ خوش قسمت ہوں گے جو اس کے برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں گے اور بقائے دین کی سب سے پہلی کڑی "تعلیم" دین ہے۔

تعلیم دین کا فریضہ عمومی اعتبار سے سب سے افضل فریضہ ہے۔ اگرچہ جہاد اور

تبلیغ کے بھی بہت زیادہ فضائل ہیں لیکن خوب یاد رکھئے! کہ عمومی لحاظ سے تعلیمِ دین کا فریضہ ان دونوں سے افضل ہے اگرچہ بعض خصوصی حالات میں ان کی فضیلت علم دین سے بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک غزوہ کے موقع پر ایک شخص مشرف باسلام ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا عمل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جہاد ہو رہا ہے اس میں شریک ہو جاؤ" عرض کیا: اگر میں اس میں مارا جاؤں تو میرا کیا ہوگا؟ فرمایا "جنت میں جاؤ گے۔"

یہ فرمان سن کر وہ صحابی (رضی اللہ عنہ) جہاد میں شریک ہوگئے۔ لڑے اور خوب بہادری سے لڑے حتیٰ کہ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

سیدھے جنت میں گئے، اس وقت انہیں حدیث پڑھنے، علم دین حاصل کرنے یا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ نماز کا وقت نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خصوصی حالت تھی لیکن عمومی حالات میں سب سے افضل مشغلہ تعلیم دین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دین کی خدمت کرنے کے ساتھ ساتھ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شکر کی حقیقت

شکر کی حقیقت میں یہ بات بنیادی طور پر داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہم ان نعمتوں کو اس ذاتِ اقدس کی نافرمانی کے کاموں میں استعمال نہ کریں اب جبکہ اللہ رب العلمین نے ہمیں اپنے کرم سے تعلیم دین کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کے حصول میں ہمہ تن گوش ہو کر لگے رہیں اور اپنے اوقات کو معصیت اور گناہ کے کاموں سے بچانے کی پوری کوشش کریں۔

ہمارے اکابر کی قربانیاں

دیکھئے! آج حدیث مبارک کی سند میں جن بزرگوں کے اسمائے گرامی پڑھے

گئے ہیں، ان کے حالات اٹھا کر پڑھیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دیکھیے، کیسی کیسی مشقتیں، مصیبتیں اور کیسی کیسی، جفاکشیاں اس علم دین کے حاصل کرنے میں برداشت کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا، ایک مرتبہ بیمار ہوگئے۔ اطباء نے ان کا پیشاب دیکھ کر کہا کہ: یہ پیشاب کسی عیسائی راہب کا لگتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''میں نے چالیس سال سے سالن نہیں کھایا۔'' اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا لیکن انہوں نے سالن کھانے سے انکار فرما دیا اور جب علماء و مشائخ نے بہت اصرار کیا تو اس پر راضی ہوئے کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرلوں گا۔[1]

زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک سبق میں آنا چھوڑ دیا، ان کے ہم درس ساتھیوں کو تشویش لاحق ہوئی کہ وہ تو تاخیر سے کبھی نہیں آئے، آج غیر حاضر کیسے ہوگئے؟ جب اگلے دن بھی امام رحمۃ اللہ علیہ سبق میں حاضر نہ ہوئے تو ان کے ساتھی خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کے حجرے کے پاس گئے۔ دروازہ کھٹکایا، مگر کوئی جواب نہ آیا، بالآخر بلند آواز سے کہا: ''بخاری! اگر تم زندہ ہو تو جواب دو، ورنہ ہم تمہارا دروازہ توڑ کر تمہاری حالت دریافت کریں گے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اندر سے جواب دیا: ''الحمد للہ میں خیریت سے ہوں، درس میں اس لیے حاضر نہ ہوسکا کہ میرے پاس ایک ہی جوڑا تھا، اس کو زیب تن کیا کرتا تھا اور پھٹنے پر پیوند لگالیا کرتا تھا مگر اب وہ اتنا خستہ ہوگیا ہے کہ پیوند کے قابل نہیں رہا۔''

ایسے ہی حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کا مطالعہ کیجیے، کتنے بڑے امام اور جلیل القدر محدث ہیں، ان کا شمار مذہب شوافع میں اصحاب الترجیح میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اولیاء کرام میں بھی بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا مگر عمر صرف پینتالیس

---

[1] ھدی الساری (ص ۴۸۱) و تہذیب الاسماء (ج ۱)

سال تھی۔ شادی بھی نہیں کی۔ ساری زندگی دو سالن ایک ساتھ نہیں کھائے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے اور باقی سارا وقت عبادت میں، ذِکرِ الٰہی میں اور علم دین کے مشغلہ میں گزارتے تھے۔

اتنے بڑے بڑے کام صرف پینتالیس سال کی عمر میں سرانجام دیئے اور وہ بھی مصائب و آلام کی وادی سے گزر کر، اور فاقوں کو برداشت کر کے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مشقتوں میں نہیں ڈالا اور ان قربانیوں کا ہم سے مطالبہ نہیں کیا۔ ہمارے لیے سہولتوں کا اتنا سامان مہیا کر رکھا ہے کہ اگر ہمارے دور کا اس دور سے موازنہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے ہمیں شہزادہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ہر چیز مہیا کر رکھی ہے۔ اس دور میں احادیث کا پڑھنا کتنا آسان ہو گیا ہے جبکہ اس زمانے میں حدیث کا پڑھنا انتہائی مشکل تھا۔ تمام احادیث ایک جگہ رہتے ہوئے نہیں پڑھی جاسکتی تھیں۔ کچھ حدیثیں بصرہ سے ملیں، کچھ شام سے ملیں۔ کچھ عراق سے ملیں، کچھ احادیث کیلئے حجاز کا سفر کرنا پڑا اور وہ بھی بے سروسامانی کے عالم میں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مجاہدے ہم سے نہیں مانگے اور ہمارے لیے اتنے آسان انتظامات فرما دیئے ہیں۔ رہائش کے، رہن سہن کے، کھانے پینے کے، طلبہ یہیں موجود ہیں، اساتذہ کرام یہیں موجود ہیں، ہر نعمت موجود ہے لہٰذا ہم پر اس محسن ذات کا شکر لازم ہے۔

شکر کا بنیادی درجہ یہ ہے کہ اپنے اوقات کو اس کی نافرمانی سے بچایا جائے۔ تقویٰ اختیار کیا جائے اور وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ یہ وقت آپ کے پاس امانت ہے۔ قوم نے آپ پر خرچ کرنے کیلئے دارالعلوم کو پیسہ دیا ہے۔ اپنی دن رات کی کمائی اور گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ کی ہے تاکہ آپ اپنے اوقات کو صرف حصول علم میں لگائیں اور اس دین کی تبلیغ کو آگے پھیلائیں۔ یاد رکھئے! کوئی تبلیغ اس وقت تک کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کو عمل کے زیور سے آراستہ نہ کیا جائے۔

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب جہاں والوں کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے اور اس نمونے کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تیار ہوئے ہیں۔ جب ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اصحابِ صفہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے آئے ہیں تو ہمیں ایک ایک عمل اور ہر ہر ادا میں ان کی مثال کو اپنانا چاہیے اور عمل سے جو دین پھیلتا ہے وہ زبان سے نہیں پھیلتا۔ اس لیے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ جب آپ اپنے اوقات کار کو معصیت اور گناہوں سے بچائیں گے۔

قوانینِ دارالعلوم پر عملدرآمد

اسی طریقے سے ہمیں قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے میں بھی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اپنانا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ہر کام ضابطے سے کیا جاتا ہے اور یہاں قانون سے کوئی شخص بالاتر نہیں ہے۔ ایک چپڑاسی سے لے کر صدر تک سب قوانین کے پابند ہیں اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو وہ کوتاہی ہی شمار ہوتی ہے، رخصت شمار نہیں ہوتی اور ہر کام کے ذمہ دار اور امراء مقرر ہیں۔ آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہوگا اگر نہیں معلوم تو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص کسی شعبے کا امیر یا ذمہ دار ہے تو اس کی اطاعت اس معاملے میں واجب ہے کیونکہ امیر کی اطاعت، معصیت کے علاوہ ہر چیز میں واجب ہے اور یہاں معصیت کا کوئی حکم دے گا نہیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی دے بھی تو پھر اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اس کی مخالفت واجب ہے۔

پابندیٔ نظم کا فائدہ

یہاں رہتے ہوئے آپ کو قوانین وضوابط کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا ہے۔ یہ آپ کے لیے بیش بہا نعمت ہے۔ اس سے جہاں آپ کو اور بے شمار فوائد حاصل ہوں

گے وہاں یہ عظیم فائدہ بھی ہوگا کہ آپ کو اس بات کی تربیت ملے گی کہ ''منظم زندگی'' کیسے گزارنی ہے......؟

نظم وضبط کی پابندی اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے، اس کی مثال اطاعت امیر کا واجب ہونا ہے کیونکہ نظم وضبط برقرار رکھنے کیلئے اطاعت امیر انتہائی ضروری ہے۔

دارالعلوم کے قوانین جگہ جگہ لکھے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر، بینروں پر اور کاغذوں میں بھی لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں تاکہ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہو۔

چند توجہ طلب امور

نظم وضبط پر عمل کرنے سے ہر انسان کو راحت میسر آئے گی۔ اس لیے اجتماعی نوعیت کی جگہوں میں بالخصوص نظم وضبط کا خیال رکھنا چاہیے مثلاً مطبخ ہے مسجد ہے اور ایسے مقامات جہاں ایک وقت میں کئی افراد جمع ہوجاتے ہیں۔

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوچکی ہو تو اس کے قریب سنتیں پڑھنا کسی صورت میں بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے تو جماعت کے قریب سنتیں پڑھنے سے منع کیا ہے اور جن حضرات نے اس کی اجازت دی تو انہوں نے بھی شرائط و قیود لگائی ہیں کہ جماعت سے جتنی دور ہوکر سنتیں پڑھنا ممکن ہو اتنی دور پڑھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض طالب علم اس کی پابندی نہیں کرتے۔

اسی طرح جماعت کی صف بندی میں یہ ترتیب ہے کہ صف بیچ سے شروع کی جائے جبکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو دائیں طرف سے صف بننا شروع ہوجاتی ہے اور اگر بائیں طرف سے طالب علم آتے ہیں تو بائیں طرف سے صف بننا شروع ہوجاتی ہے۔ ان باتوں کو آپ زمانہ طالب علمی میں نہیں

سیکھیں گے تو بتائیں کب سیکھیں گے......؟

اسی طریقے سے مطبخ کا مسئلہ ہے، وہاں کھانے کے لیے لائن لگتی ہے اور باقاعدہ ایک استاذ کو نگران بنانا پڑتا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے، جن کی عمر مدرسوں میں گذری ہو، قال اللہ اور قال الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فضا میں رہنے والے ہوں ان کو تو اتنا مہذب ہونا چاہیے تھا کہ کسی نگران کی ضرورت نہ پڑتی لیکن افسوس کہ اس پر پورا عمل نہیں ہو پاتا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ایسی ''ارضِ مباح'' جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہے، تو اس کا وہی حقدار ہوگا جو سب سے پہلے آئے گا، دوسرے شخص کو اسے ہٹانے کا حق نہیں ہے۔

مثلاً آپ مسجد میں نماز کے لیے آئے اور اگلی صف میں بیٹھ گئے، اب کسی کو یہ حق نہیں کہ آپ کو اٹھا کر خود بیٹھ جائے۔ اسی طریقے سے مطبخ میں لائن کو توڑنا اور ساتھی کو دھکا دے کر آگے نکلنا سراسر ناجائز اور ظلم ہے۔ یہ مدرسے کے قانون کے بھی خلاف ہے اور شریعت کی حدود کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے آپ پر لازم ہے کہ لائن میں اس طریقے سے کھڑے ہوں کہ کسی دوسرے ساتھی کو کوئی ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچنے پائے۔

ہم حکومتِ وقت سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک میں اسلامی نظام اور اسلامی معاشرت نافذ کرے۔ یہ مطالبہ حق بجانب ہے، ان پر بھی لازم ہے کہ ہمارے اس مطالبے کو پورا کریں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ ایک چھوٹی سی ریاست، ایک چھوٹا سا شہر اور ایک چھوٹی سی دنیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کی صورت میں عطا فرمائی ہے۔ ہم اس میں اسلامی قانون نافذ کریں تاکہ ہر آنے والا دیکھے اور مشاہدہ کرے کہ اسلامی نظام کیسا ہوتا ہے؟

آج جب ہم اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں کہ اسلامی نظام نافذ کرو، تو وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں کہیں اسلامی نظام کا کوئی نمونہ اور مثال ہے جو آپ ہمیں دکھا سکیں تو جواب یہی ہوتا ہے کہ نہیں! ہمیں چاہیے کہ ہم اس ادارے میں اسلامی

قوانین نافذ کریں اور اسلامی قوانین میں سے یہ بھی ہے کہ لائن نہ توڑی جائے بدنظمی نہ پھیلائی جائے، لوگوں کو تکلیف نہ دی جائے۔

آدابِ مصافحہ

اسی طرح میں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مصافحہ بلاشبہ بہت اچھی سنت ہے لیکن ہر عبادت کے کچھ آداب، کچھ شرائط اور کچھ طریقے ہوتے ہیں۔ مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ سلام سے ابتداء کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن آج حال یہ ہے کہ سلام کو تو ضروری نہیں سمجھتے البتہ مصافحہ لازم سمجھتے ہیں، چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ چاہے دوسروں کو دھکے دے کر، کہنیاں مار کر آگے نکلنا پڑے۔ مصافحہ بازی کا ایک نہ تھمنے والا طوفان ہے۔ نماز چھوٹ جائے، سلام چھوٹ جائے، جواب چھوٹ جائے، کوئی پرواہ نہیں لیکن مصافحہ نہیں چھوٹنا چاہیے۔

ایک مرتبہ میں نماز پڑھنے آرہا تھا، جماعت کھڑی تھی ایک طالب علم نے مجھے دیکھا تو صف میں کھڑا ہونے کے بجائے مجھ سے مصافحہ کرنے لگا، اب اس بیوقوف کی حماقت کو دیکھیے، اس سے کوئی پوچھے، مصافحہ کا یہ کون سا وقت ہے؟

دوسروں کو اذیت سے بچائیں

تو بھئی مصافحہ ضرور کریں لیکن ان چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسے مصافحہ کریں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسی طرح سے طلبہ ایک ساتھ رہتے ہیں تو سب ساتھیوں کا خیال رکھیں کہ کسی کو کوئی ناگواری یا اذیت نہ پہنچے اور اگر کبھی کسی کو ناگواری محسوس بھی ہو جائے تو برداشت کرے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ''نصف شعبان کی شب آنحضرت ﷺ قبرستان تشریف لے جانے کے لیے اٹھے تو صرف چارپائی کی پائتی کی جانب سے راستہ باقی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سمجھا کہ میں سو رہی ہوں

حالانکہ میں جاگ رہی تھی، فرماتی ہیں کہ: ''آپ ﷺ آہستہ سے اٹھ کر پائتی کی طرف سے چارپائی سے نیچے اترے اور دھیرے دھیرے قدم رکھے، آہستگی سے دروازہ کھولا اور بہت آہستہ دروازہ بند کیا پھر آپ ﷺ ''جنت البقیع'' میں تشریف لے گئے، لمبا تفصیلی واقعہ ہے۔

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیوی ہیں اور بیوی بھی ایسی جاں نثار کہ اگر کوئی تکلیف پہنچتی تو خوشی سے قبول کرلیتیں لیکن رحمت عالم ﷺ چاہتے ہیں کہ ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو اس لیے پائتی کی طرف سے نیچے اترے اور بہت دھیمے اور ہلکے قدموں سے باہر تشریف لے گئے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے ساتھیوں کا پورا خیال رکھیں، ساتھی آرام کر رہے ہوں تو بتی نہ جلائیں، اگر ضرورت ہو تو بقدر ضرورت ہی جلائیں، کوئی شور شرابا اور کھٹکا نہ ہو، حاصل یہ کہ جتنے بھی حقوق معاشرت ہمارے ذمہ ہیں، ان تمام کا خیال رکھا جائے اور اسلام میں تو حقوق معاشرت کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ حسن معاشرت کا لب لباب اور تمام کے تمام اخلاق حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ اس ایک حدیث مبارکہ کے تحت داخل ہیں:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده﴾

اس ایک اصول کو یاد رکھئے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس سے معاشرت کے سارے مسائل خود بخود سمجھ آجائیں گے۔

ادب کسے کہتے ہیں؟

میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ ہم سے پوچھا کہ ادب کی تعریف کیا ہے؟ ہم خاموش رہے، پھر خود ارشاد فرمایا:

''ادب کی تعریف یہ ہے کہ تمہارے کسی فعل یا قول سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے''۔

ہر جگہ ادب کا تقاضا ایک سا نہیں ہوتا مثلاً آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلنا ادب ہے، ان کے برابر یا ان سے آگے چلنا بے ادبی ہے حالانکہ یہ کوئی قائدہ کلیہ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی بڑے کے ساتھ چلتے جارہے ہیں اور باتیں کر رہے ہیں، اب اگر آپ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس کو جواب دینے کے لیے بار بار پیچھے مڑنا پڑے گا۔ تو یہ بدتمیزی میں شمار ہوگا، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ ساتھ چلا جائے۔ اسی طریقے سے اگر دو طالب علم ہوں تو ادب کا تقاضہ ہے کہ ایک طالبعلم استاد کے دائیں طرف ہو، دوسرا طالب علم استاد کے بائیں طرف ہو اب استاد دونوں کی بات بھی سن سکتا ہے اور جواب بھی دے سکتا ہے۔

کبھی ادب کا تقاضہ ہوتا ہے کہ بڑے سے آگے چلا جائے مثلاً آپ اپنے والد، شیخ یا استاد کے ساتھ اندھیری رات میں جارہے ہیں اور راستہ بھی خطرناک ہے تو یہاں یہ کہیں گے کہ ابا جان آپ آگے چلیں میں پیچھے پیچھے چلتا ہوں، یہاں ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ عرض کرے کہ میں آگے آگے چلتا ہوں، آپ میرے پیچھے چلیں۔

زمانہ طالب علمی میں سیاسی یا غیر سیاسی جلسوں میں شرکت کی ممانعت

ایک اور اہم بات جو دارالعلوم کے قوانین کے ضمن میں آچکی ہے، وہ یہ ہے کہ دارالعلوم میں پڑھتے ہوئے آپ کو کسی سیاسی یا غیر سیاسی جلسے میں جانے کی اجازت نہیں ہے اگر غیر سیاسی اور خالص مذہبی ہے تو اس میں جانے کے لیے بھی مدرسے کی اجازت لینا شرط ہے۔

یاد رکھئے! آپ کے والدین نے ہمارے اوپر اعتماد کیا ہے جبھی تو آپ کے والدین نے آپ کو اتنی دور سے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ آپ کہاں کہاں سے سفر کر کے آئے ہیں؟ چترال سے آئے ہیں؟ بلوچستان سے ہمارے پاس آئے ہیں، دیگر صوبوں اور علاقوں سے آئے ہیں، سفر کی مسافت اور مشقت بھی برداشت کی ہے اور مجھے معلوم

ہے کہ داخلے کے سلسلے میں بھی آپ کو خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہ بھی آپ حضرات کے فائدے اور نظام تعلیم درست کرنے کے لیے ہے تا کہ حقدار کو اس کا حق مل سکے۔ اس لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے اساتذہ کو بھی خاصی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب ایک درجے میں چھ طالب علم رکھنے تھے اور دو سو سولہ طلبہ پرچہ دینے والے تھے تو ان اساتذہ نے ان چھ طلبہ کی خاطر دو سو طلبہ کے پرچوں کو چیک کیا۔

تو آپ کے لیے ان مشقتوں کو برداشت کرنے میں بھی بہتری ہے اور بڑی برکات ہیں کیونکہ دین کے جس کام میں جتنی مشقت ہوگی، اس میں اتنی زیادہ برکت ہوگی۔ علمِ دین کے لیے مشقت برداشت کرنا نامعلوم آپ کو کتنے بلند مقام پر فائز کرے گا۔ تو آپ کے والدین نے اسی مقصد کے لیے آپ کو ہمارے پاس بھیجا ہے تا کہ ہمارے بچوں کی دینی اور اخلاقی تربیت کی جائے اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کراچی شہر کی بدامنی کا کیا عالم ہے۔ دینی مدارس کے طلبہ کے تو نامعلوم کتنے دشمن ہیں۔ ساری دنیائے کفر دینی مدارس کے طلبہ کی دشمن ہے۔ اس لیے بھی آپ کو دارالعلوم سے باہر نہیں جانا چاہیے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے نوازا ہے۔ مدرسے سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ہر چیز یہاں موجود ہے۔ اساتذہ یہاں موجود ہیں، کتابیں اور درسگاہیں موجود ہیں۔ مسجد اور نماز جمعہ یہیں ہے، مطبخ یہیں ہے۔ کھیل کے میدان یہیں ہیں۔ ڈاکٹر بھی موجود ہے، ٹیلیفون کی سہولت بھی موجود ہے، ڈاکخانہ اور کینٹین بھی موجود ہے۔ اس لیے بلا اجازت دارالعلوم سے باہر جانے کی اجازت بالکل نہیں ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ چند سال پہلے چند طلبہ کا اخراج اسی بناء پر ہوگیا تھا کہ انہوں نے بغیر اجازت ایک جلسے میں شرکت کی تھی اور یہاں کسی قانون پر عملدرآمد کے لیے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سال کا آغاز ہے یا اختتام...... کسی بھی وقت قانونی کاروائی ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں ایسے طلبہ کی بھی کمی نہیں کہ جن کی محنتوں کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے اور دل سے ان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ الحمدللہ ہر سال دورہ حدیث کے طلبہ کی ایسی بہت بڑی تعداد ہوتی ہے کہ جن کی پورے سال میں کسی دن کی کیا کسی گھنٹے کی بھی رخصت یا غیر حاضری نہیں ہوتی اور رخصت تو دور کی بات کسی گھنٹے میں تاخیر سے نہیں آتے۔ کوئی حدیث ان کی نہیں چھوٹتی۔ ایسے طلبہ کی بہت سی تعداد بخاری شریف میں، ایک بڑی تعداد مسلم شریف میں، اور بہت سی تعداد ابوداؤد شریف اور دیگر کتب میں ہوتی ہے۔

غور کیجئے! یہ معمولی مشقت نہیں ہے، اس کے پیچھے بہت بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ محنت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری دعا بھی ہے اور خواہش بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اور زیادہ اضافہ فرمائے۔ (آمین)

تحصیل علم کے تین اہم اصول

تحصیل علم کے لیے ہمیں ان تین اصولوں پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

۱۔ پیشگی مطالعہ۔ ۲۔ سبق میں حاضری۔ ۳۔ تکرار کی پابندی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جو طالب علم ان تین باتوں کا خیال رکھے گا اور پوری محنت سے ان پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ ایسے طالب علم کو علم سے کبھی محروم نہیں فرمائے گا۔''

پیشگی مطالعہ کے دو بنیادی فائدے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے کتاب کو سمجھنے اور حل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس سے سبق اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے اور مطالعہ کے لیے یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ مکمل سبق سمجھ میں آجائے بلکہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مطالعہ کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ معلومات کو مجہولات سے جدا کرلیا

جائے۔‘‘

عبارت پڑھی اور یہ معلوم کرلیا کہ کون سی بات سمجھ میں آئی ہے اور کون سی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ سبق میں حاضری اور اس پر دوام اختیار کرنے میں بے انتہا برکات ہیں۔ ایک طالب علم خواہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو اگر سبق میں حاضر ہوئے بغیر اپنی استعداد کے بل بوتے پر کتاب کو پڑھے گا تب بھی اس کو سبق میں حاضری کی برکات حاصل نہ ہوں گی اور وہ ان سے محروم رہے گا۔ اس لیے ہمیں اسباق میں باقاعدگی سے حاضر ہونا چاہیے تاکہ ہم دورانِ سبق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی رحمت و برکت سے محروم نہ رہیں۔

علم میں رسوخ پیدا کرنا اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک انسان اپنے آپ کو تکرار کا پابند نہ بنالے۔ تکرار سے زبان میں فصاحت پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے اور تکرار کا عمل ایسا بے مثال اور بے نظیر عمل ہے کہ آج دنیا کے بین الاقوامی تعلیمی ادارے بھی اس تکرار کے عمل کو اپنے ہاں رائج کرنے کی فکر میں ہیں۔

جو طالب علم ان تین باتوں پر عمل کرے گا انشاء اللہ اللہ رب العزت سے بہت امید ہے۔ وہ قدردان ذات اس طالب علم کو علم نافع سے محروم نہیں فرمائے گا۔

تحصیل علم اور تقویٰ

تحصیلِ علم کے لیے ان باتوں کو اپنانے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کا اہتمام بھی لازم ہے کہ جس پر تمام باتوں کا انحصار و مدار ہے اور وہ ہے ’’تقویٰ‘‘ ہمیں تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ تقویٰ کے بغیر علم نہیں آتا۔ علم ایک نورِ الٰہی ہے جو دل تقویٰ سے عاری ہو اس دل میں یہ نورِ الٰہی کیسے داخل ہوسکتا ہے......؟۔

حصولِ تقویٰ کے لیے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کے ساتھ اپنے کو منسلک کیا

جائے۔ طلبہ مدرسوں سے فارغ ہوکر خانقاہوں کا رخ کرتے ہیں، ہم ان دینی مدارس ہی کو خانقاہ بنادیں۔

ہمارے دادا حضرت مولانا یٰسین صاحب نور اللہ مرقدہ جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق اور دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر ہیں۔ جس سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی، اسی سال ان کی پیدائش ہوئی فرماتے ہیں کہ:

''میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر ایک چپڑاسی تک سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی یہی تو خصوصیت تھی کہ جہاں وہ ایک مثالی درسگاہ تھی وہاں خانقاہ بھی تھی۔ اساتذہ بزرگوں کے تربیت یافتہ تھے۔ طلبہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں رہتے تھے اور اس خدمت سے وہ دین سیکھتے تھے اور اپنی اصلاح کروا کر تقویٰ کے اعلیٰ درجات پر ہوتے تھے تو ہمیں دارالعلوم کی معطر و مقدس فضاء کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے اساتذہ سے اصلاح اور تزکیہ نفس بھی کروانا ہے تاکہ ہمیں تقویٰ کی دولت نصیب ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نیتوں کو خالص کرنے اور علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆......☆......☆

تعلّق مع اللہ کا آسان طریقہ "ذکر اللہ"

موضوع:	تعلق مع اللہ کا آسان راستہ "ذکر"

خطاب:	مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام:	جامع مسجد دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب:	مولانا محمد شعیب سرور

تعلق مع اللہ کا آسان راستہ ”ذکر“

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضلل فلاھادی لہ نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ونشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم الرحمن الرحیم. ”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اُذْکُرُو اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً وَ سَبِّحُوْ بُکْرَۃً وَاَصِیْلاً صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ (احزاب ۴۱،۴۲)

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کیا کرو۔“

بزرگان محترم و برادران عزیز!

ہماری اندرونی حالت زار:

اس وقت پاکستان کے مسلمان بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمان فتنوں کے طوفان کا سامنا کر رہے ہیں، طرح طرح کی پریشانیاں ہماری زندگیوں میں داخل ہوگئی ہیں۔ پاکستان کا حال تو کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔ اندرونی طور پر بدامنی ہے۔ عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا، سرکاری دفاتر سے لوگوں کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ تعلیمی اداروں

میں بچوں کو ایسی تعلیم و تربیت نہیں ملتی جو ان کے مستقبل کیلئے حقیقت پسندانہ ہو۔ نظام حکومت ڈاواں ڈول ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حکومتیں اب تمام سرکاری اداروں کو چلانے سے تھک گئی ہیں۔ اس لیے اب ان سے کوئی ادارہ سنبھلتا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا ملک عطا فرمایا تھا کہ جس کی دنیا میں نظیر ملنا مشکل ہے لیکن یہاں کی زندگی بے چینی کی زندگی ہے، سکون نہیں ہے، بجلی کا بحران ہے، بدامنی کا بحران ہے، قتل و غارت گری کا بحران ہے، رشوت ستانی کا بحران ہے، سیاسی بحران ہے، چوریاں اور ڈکیتیاں معمول بن چکی ہیں، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں رہا، بھائی کو بھائی پر بھروسہ نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کے لیے تیار ہیں ذرا سا کسی کو پیسہ کمانے کا موقع ملتا ہے تو بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو حلال و حرام کی تمیز کرتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

حرام مال کا خمیازہ

پھر ناجائز طریقوں سے حاصل کیا ہوا حرام مال جو جو مصیبتیں لاتا ہے وہ بھی ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ پھر کبھی وہ مصیبتیں بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور بیماریاں بھی ایسی کہ کبھی کسی نے سنی تک نہیں ہوتیں۔ پھر کچھ وہ مصیبتیں ہم پر حادثات، مشکلات، آسمانی آفات، زلزلوں، خشک سالی اور قحط کی شکل میں مسلط ہوتی ہیں۔ یہ سب حرام مال کے نتائج ہوا کرتے ہیں جو ہم سب بھگت رہے ہیں۔ یہ تو ہمارے اندرونی حالات ہیں۔

ہماری بین الاقوامی حالت زار

ہمارے بیرونی اور عالمی حالات نہایت دردناک ہیں۔ اس وقت تمام مغربی طاقتیں پورے عالم اسلام پر حملہ آور ہو چکی ہیں اور وہ مسلمانوں کا بیج مار دینا چاہتی ہیں اور اسلام کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا چاہتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے عالمی اقتدار کے لیے

اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے جو ہمیں ظالمانہ اقتدار قائم رکھنے سے روک رہا ہے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ اقدام کر رہے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ۔ سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گھناؤنی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں جلسے جلوس کر لیے بیانات دے دیئے البتہ اتنا تو الحمدللہ ہوا کہ پوری دنیا کے مسلمان بے چین ہوئے ہیں۔ لیکن ہم کوئی عملی اقدام نہ کر سکے۔ کم از کم اتنا تو ہو جاتا کہ جو ممالک اس گھناؤنے فعل میں شریک تھے ان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جاتا تو ان کو خبر ہو جاتی۔ ان پر دباؤ ڈالنے کے دسیوں طریقے ہو سکتے تھے۔ ان کے اوپر سرکاری طور پر دباؤ ڈالا جا سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ کچھ جلسے اور جلوس ہو گئے اور ان میں بھی الٹا ہم نے اپنی ہی املاک کو آگ لگا کر شیطان کو خوش کیا۔ کتنی گاڑیاں، کتنی عمارتیں اور کتنی املاک کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔ توہین دشمنوں نے کی اور ہم نے ان کے بجائے اپنے ہی بھائیوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ ہماری افراتفری کا عالم ہے۔ ہمارا معاشرہ انتشار کا شکار ہے۔ قیادت کا فقدان ہے کوئی دائیں طرف جا رہا ہے کوئی بائیں طرف جا رہا ہے۔ ہر طرف ایک اضطراب کی سی کیفیت طاری ہے اور جو لوگ حکومت پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ مغرب کے غلام ہیں اور آزاد سوچ سے ہی محروم ہیں۔ اگر یہ آزاد ہو کر سوچنے کی کوشش کریں تو کچھ حرص و لالچ کی وجہ سے کچھ محکومانہ غلامی اور محکوم ذہنیت کی وجہ سے اور کچھ بزدلی کی وجہ سے آزاد ہو کر سوچ ہی نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ کفار کی طاقتیں مسلمانوں کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہیں۔ افغانستان میں، عراق میں، فلسطین، کشمیر اور بہت سی جگہوں میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ جہاں مسلمان اپنے آزاد ملکوں میں رہ رہے ہیں۔ وہاں انہوں نے حکمرانوں کو عوام کے اوپر مسلط کر دیا ہے جو مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈھا رہے ہیں۔

دشمن ہماری تاک میں ہے:

لیکن خوب سمجھ لیجئے! کہ یہ مسلمانوں کے خلاف اقدامات کرنے والے ان پر

ظلم وستم ڈھانے والے تو ہمیشہ سے ظلم وستم کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں جنگ تو شروع سے چل رہی ہے۔ دشمن تو آپ پر وار کرنے کے لیے تاک میں ہے جب بھی اس کو موقع ملے گا وہ آپ پر وار کرے گا آپ لاکھ اس کو برا بھلا کہیں۔ اسے گالیاں دیں۔ اسے کوسیں مگر وہ تو اپنا کام کرے گا۔

ہم کیا کر رہے ہیں؟

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ ہم قومی دولت کو لوٹ رہے ہیں، ہم نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر کام چوری اور حرام خوری ہمارے اندر نہ ہوتی تو بجلی آنکھ مچولی نہ کھیلتی، پانی کا یہ بحران نہ ہوتا، یوں گلیاں اس طریقے سے بدبو سے نہ سڑتیں، سڑکیں اس طریقے سے بے یارومددگار نہ پڑی ہوئی ہوتیں لیکن ہماری حالت جوں کی توں ہے جس کو لوٹنے کا موقع ملتا ہے وہ لوٹ لیتا ہے۔ وہ رشوت لے لیتا ہے حالانکہ یہ مسلمانوں کے کام تو نہیں ہیں یہ تو منافقوں اور کافروں کے کام تھے اسلام نے ہمیں ان تمام باتوں میں سے کوئی بھی بات نہیں سکھائی تھی۔ اسلام نے تو ہمیں اعلیٰ درجے کا مہذب وشائستہ مسلمان بنایا تھا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور تکلیف سے بچانے والا بنایا تھا۔

تمام خرابیوں کی اصل وجہ! تعلق مع اللہ میں کمزوری

ہمارے اس قسم کے تمام اعمال بد جن کی وجہ سے تمام مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ ان کی اصل وجہ کیا ہے؟ اگر ہم غور کریں تو ان ساری چیزوں کی جڑ یہ ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی کمزور ہوگیا ہے اگر اپنے رب سے اپنے خالق و مالک سے، اپنے معبود حقیقی سے ہمارا تعلق کمزور نہ ہوتا تو ہمارے یہ حالات نہ ہوتے۔

اللہ ہم سے ناراض ہے!

جب ہزارہ ڈویژن میں قیامت خیز زلزلے آئے تو ان علاقوں کا دورہ کرنے

کے لیے وفاق المدارس کا اعلیٰ سطحی وفد جس میں میں بھی شامل تھا وہاں گیا۔ ہم نے جگہ جگہ دورے کیے تو وہاں مسلمانوں میں ہزارہ ڈویژن کے فوجی جنرل کا مسلمانوں کی مصیبت زدگی میں مدد پہنچانے کے لیے کیمپ لگا ہوا تھا۔ وہ فوجی جنرل اچھے مسلمان اور نمازی آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے اور ترقی عطا فرمائے۔ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو ہمیں سارے حالات بتا رہے تھے کہ مسلمانوں پر کیا گزری۔ دوران گفتگو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ان کی آواز بھر آئی اور کہنے لگے کہ ''اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے ہم سے خوش نہیں ہیں۔''

یہ بات اس علاقے کا انتظام کرنے والا ایک فوجی جنرل کہہ رہا ہے اور حالات بھی یہی بتا رہے ہیں وہاں بارش آئی تو تباہی مچا دی اور یہاں لوگ بارش کو ترس رہے ہیں۔ صلوۃ الاستسقاء پڑھ رہے ہیں یہ سب اس بات کی علامتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق انتہائی کمزور ہو گیا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق صحیح معنی میں جڑا ہوتا تو ہم اپنے گناہوں کے بارے میں اتنے بے خوف نہ ہوتے۔ اس بے فکری کے ساتھ کام چوری اور دغا بازی نہ کر رہے ہوتے اور اس جرأت کے ساتھ رشوتیں اور سود نہ لے دے رہے ہوتے۔

اچھے کاموں کا ثمرہ مل کر رہتا ہے:

خوب یاد رکھیے! اللہ رب العلمین انصاف کرنے والا ہے۔ کافر دنیا میں جو نیک کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں اس کا پھل دے دیتا ہے۔ مثلاً تجارت میں دھوکہ بازی نہیں کرتے، سیاست میں دوسری قوموں کے ساتھ تو بڑی خباثتیں، عہد شکنیاں اور دھوکہ بازیاں کرتے ہیں اور سفاکی کے اندر چنگیز خان سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن اپنے ملکوں کے اندر اپنے عوام کے ساتھ یہ دھوکہ بازی نہیں کرتے۔ جھوٹ نہیں بولتے، عوام کی خدمت کرتے ہیں اور ذمہ داریاں پوری طرح انجام دیتے ہیں۔ یہ سب نیکیاں ہیں اور ان کو دنیا میں ان کا پھل مل رہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی

نیکی کو بیکار جانے نہیں دیتا۔

جزائے اعمال میں مومن اور کافر کا فرق:

لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا پھل دنیا میں ہی مل جاتا ہے تاکہ آخرت میں ان کو کچھ دینا نہ پڑے لہٰذا آخرت میں ان کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ سوائے عذاب کے جو ان کے کفر وفسق کا وبال ہوگا۔

اور مومن کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بہت سارے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے دیتے ہیں تاکہ آخرت میں اس کے گناہ کم رہ جائیں اور عذاب سے بچ جائے۔

خوب یاد رکھیے! کہ کافر تو میں جتنی بھی عیاشیاں، بدکاریاں کر رہی ہیں، شراب نوشی کا طوفان ہے اور کفر وشرک ہے۔ ان کی سزا ان کو آخرت میں بھگتنا پڑے گی اور جہاں تک مسلمان کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مسلمان کو اس کے گناہوں کی سزا آخرت میں نہ ملے جہاں تک ممکن ہو اسے بچا دیا جائے اور اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جائے۔

مسلمان کو گناہ موافق نہیں آتا:

یہی وجہ ہے کہ مسلمان کو کبھی گناہ موافق نہیں آتا کوئی گناہ کرتا ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی مصیبت آجاتی ہے کوئی پریشانی یا کوئی خسارہ آپکڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ بعض لوگوں کو گناہ موافق آجاتا ہے۔

گناہ موافق آنے کی صورتیں:

گناہ موافق آنے کی مثال یہ ہے مثلاً بعض لوگ سود کھانے یا رشوت لینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی نیا آدمی یہ کام کرے گا تو فوراً کوئی پریشانی آئے گی تو سمجھ

جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ آ گئی ہے۔ لیکن جو لوگ ان وارننگوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان تنبیہات پر نہیں چونکتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے اس کو "استدراج" کہتے ہیں اور یہ ڈھیل کافروں کو بھی دی جاتی ہے اور مسلمانوں کو بھی دی جاتی ہے کہ باز نہیں آتے۔ اچھا پھر کرو گناہ! پھر اس آدمی کے لیے گناہ کے اسباب آسان کر دیتے ہیں۔ سود کھا رہے ہو اچھا کھاؤ، چوری کر رہے ہو اچھا کرتے رہو، ڈکیتیاں ڈال رہے ہو، لوگوں پر ظلم کر رہے ہو کرتے رہو، اسے پکڑتے نہیں اور وہ بے خوف ہو کر گناہ کرنے لگتا ہے اور اس کو گناہ موافق آ جاتے ہیں یہ اس کی بدبختی کی علامت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ممکن ہے دنیا میں بھی پکڑ لیں ورنہ آخرت میں تو چھوڑے گا ہی نہیں۔

گناہ کے ناموافق ہونے کی صورتیں:

البتہ جس مسلمان کو گناہ موافق نہ آئیں یہ اس کی خوش نصیبی کی بات ہے۔ چنانچہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو گناہ موافق نہیں آتے، کوئی پریشانی آ گئی، راز کھل گیا، گناہ کرنا چاہ رہا تھا۔ پہلے سے ہی پتہ چل گیا یا گناہ کر لیا تھا فوراً کوئی ایسی بات پیش آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رو کر گڑگڑا کر گناہ معاف کروالیا۔ تو یہ سب گناہ کے ناموافق ہونے اور مسلمان کی خوش قسمتی کی دلیل ہیں۔

گناہ کے موافق اور ناموافق آنے کی حکایت

ہم نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے گناہ کے موافق آنے اور موافق نہ آنے کے بارے میں ایک حکایت سنی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں عائد کر رکھی ہیں۔ ایسے ہی دو فرشتے دنیا میں اپنی ذمہ داری ادا کر کے اوپر جا رہے تھے کہ اتنے میں ان کی آپس میں ملاقات ہوگئی ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو اور کیا ذمہ داری ادا کی ہے؟

یہودی کی خواہش پوری فرمادی:

اس نے جواب دیا کہ میں ایک عجیب ذمہ داری ادا کر کے آرہا ہوں وہ یہ کہ ایک یہودی مرنے والا تھا اور شاید مر بھی گیا ہو۔ اس کو مچھلی کھانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ مچھلی کھانے کو مل جائے۔ پتہ کروایا تو پورے بازار میں کہیں مچھلی نہیں تھی۔ تو مجھے حکم ہوا کہ کوئی اچھی سی زندہ مچھلی اس کے حوض میں جا کر چھوڑ دوں چنانچہ میں نے جا کر اس کے حوض میں زندہ مچھلی ڈال دی۔ اور اس کے گھر والے اس مچھلی کو بنا رہے تھے۔ سوال کرنے والے فرشتے نے حیرت سے کہا اچھا یہودی کی مرضی پوری کر دی۔

مسلمان کو عمل بد کی سزا دنیا میں:

دوسرے فرشتے نے پہلے فرشتے سے پوچھا کہ تم کیا کر کے آرہے ہو اس نے کہا کہ میں بھی ایک عجیب کام کر کے آرہا ہوں وہ یہ کہ ایک نہایت نیک مسلمان تھا۔ اس کا آخری وقت تھا۔ اس کے سامنے کی الماری پر شہد کی شیشی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ شہد پی لے اتنے میں مجھے حکم ملا کہ جا کر وہ شہد کی شیشی گرا دو تا کہ شیشی ٹوٹ جائے اور وہ شہید نہ پی سکے چنانچہ میں نے جا کر شہد کی شیشی گرادی اور وہ شہد نہ پی سکا اور اسی تمنا کو لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

آخرکار دونوں فرشتے اسی حیرانگی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ فرشتوں نے اپنی روداد پیش کی اور عرض کیا کہ ہمیں ان دونوں واقعات کی وجہ سمجھ نہیں آئی کہ کیا وجہ ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ جو کافر یہودی تھا اس کے تمام نیک کاموں کا بدلہ میں نے دنیا میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو مال و دولت، ہر قسم کا ساز و سامان دیا اور اس نے خوشیوں بھری زندگی گزار دی ہے لیکن اس یہودی کی ایک نیکی ایسی رہتی تھی جس کا بدلہ اسے ابھی تک نہیں ملا تھا لہٰذا اس

باقی ماندہ نیکی کا بدلہ اس مچھلی کی صورت میں دے دیا ہے تاکہ اب میرے ذمے اس کا کوئی بدلہ باقی نہ رہے۔ اب جب وہ آخرت میں میرے پاس آئے گا تو میرے پاس سوائے عذاب کے کچھ نہیں پائے گا اور جہاں تک مومن کا تعلق ہے وہ میرا نیک بندہ تھا۔ میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے تھے لیکن ایک گناہ ایسا تھا جس کی اس نے معافی نہیں مانگی تھی اور کوئی نیک عمل بھی ایسا نہیں کیا تھا جو اس کا بدل بن سکے تو میں نے اس تکلیف کے ذریعے اس گناہ کی تلافی کر دی ہے جو اس کو شہد کے نہ ملنے کی صورت میں پہنچی ہے اب جب وہ میرے پاس آئے گا تو میرے پاس اس کے لیے سوائے رحمت و ثواب کے کچھ نہیں ہوگا۔

تکلیف مومن کے لیے رحمت ہے:

الغرض مومن کو تکلیف پہنچنے سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور تکلیف بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کو جو پھانسی چبھتی ہے یا بخار ہوتا ہے اس سے بھی مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور برائیاں دھل جاتی ہیں۔

اس حدیث مبارک سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ گناہوں سے آتی ہیں اور چونکہ گناہوں سے توبہ کرنا اپنے اختیار کی بات ہے تو ہمیں گناہوں سے توبہ استغفار کرتے رہنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کو دوسری مصیبتیں نہ بھیجنی پڑیں اگر ہم گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کو نہیں چھوڑیں گے تو مصیبتیں آرہی ہیں اور آتی رہیں گی۔

گناہوں سے بچنے کا طریقہ:

اب گناہوں سے بچنے کا طریقہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان اور خیال رکھنا ہے اور دھیان کیسے رکھا جائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے جس وقت اور جس طرح بھی ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

کائنات کی بقا اللہ کے ذکر سے ہے:

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر وہ چیز ہے جو اس پوری کائنات کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے جب تک اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا رہے گا یہ کائنات بھی موجود رہے گی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ختم ہو جائے گا قیامت آ جائے گی۔

آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟ احادیث میں صراحت ہے کہ قیامت آنے سے پہلے یمن کی جانب سے ایک نرم ہوا چلے گی جو مسلمانوں کی روحوں کو بڑے آرام سے قبض کر لے گی تاکہ قیامت کے ہولناک اور وحشتناک مناظر کا ظہور ان کے سامنے نہ ہو اور وہ ان سے محفوظ رہ سکیں۔

چنانچہ سو سال تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا حتیٰ کہ قیامت قائم کر دی جائے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بدولت اس کائنات کا وجود ہے اور یہی ذکر اللہ پوری کائنات کی روح و جان ہے۔

تمام عبادات کا حاصل، ذکر اللہ:

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی تمام عبادتوں کا حاصل اور مقصود ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا اصل مقصد اللہ کا ذکر اور اس کی یاد ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کے ہر ہر حصے میں کوئی نہ کوئی ذکر رکھا ہے۔

ذکر اللہ کا امتیازی وصف:

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمارے شیخ اور مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ بہت اہم باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے اور خاص طور پر ذکر اللہ کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے تھے کہ

''قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے کثرت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہو حتیٰ کہ نماز جو کہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ آخرت میں سب سے پہلے اسی کا حساب ہوگا اور اسلام کا اہم رکن ہے لیکن نماز کے بارے میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ کہا گیا ہو نمازیں کثرت سے پڑھو۔ اس طرح دیگر عبادات کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا کہ حج کثرت سے کیا کرو، اس طرح روزوں کے بارے میں کہیں یاد نہیں پڑتا کہ قرآن مجید میں آیا ہو کہ روزے کثرت سے رکھا کرو۔''

اگرچہ نمازیں کثرت سے پڑھنا، روزے کثرت سے رکھنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نفلی نمازیں مثلاً تہجد وغیرہ اور نفلی روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے لیکن قرآن کریم میں ان کی کثرت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ ان عبادات کے علاوہ اور بھی کسی کام کے بارے میں کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ مثلاً جہاد اور زکوٰۃ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کثرت سے کرو یا زکوٰۃ کثرت سے دیتے رہو لیکن ذکر اللہ کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾

''کہ اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔''

پسندیدہ مسلمانوں کی خاص صفت:

''سورۂ سبا'' میں پسندیدہ مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان میں سے ایک صفت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِیْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْراً وَالذَّاکِرَاتِ﴾

ہمارے بزرگوں کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ ہروقت ان کی زبانیں ذکر اللہ سے تر رہتی تھیں کوئی ضروری بات ہوتی تو کر لیتے تھے اس کے بعد جتنا وقت بھی فارغ ملتا اس میں کوئی نہ کوئی ذکر ہوتا رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ذکر اللہ کی کثرت:

علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صحیح البخاری کے شارح ہیں اور بلند پایہ کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں ان کے بارے میں آتا ہے کہ کتابیں لکھتے لکھتے جب قلم گھس جاتا اب قلم کو دوبارہ بنانے کی ضرورت درپیش ہوتی تو قلم کو دوبارہ بناتے ہوئے جو تھوڑا سا وقت گزرتا تھا (تو وہ اس وقت بھی کوئی نہ کوئی ذکر شروع کردیتے تھے اور جب قلم بن جاتا تو لکھنا شروع کردیتے تھے۔ اس طرح حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قلم بنانے کے تھوڑے سے وقت کو بھی ضائع ہونے سے بچاتے تھے بلکہ اس میں بھی سہولت کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

ذکر اللہ آسان ترین کام ہے:

اب چونکہ قرآن و حدیث میں جابجا کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تو اس لیے ذکر کو نہایت آسان بھی بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا ذکر اللہ میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان سارے کام کرتا رہے۔ پھر بھی ساتھ ساتھ ذکر کرسکتا ہے۔ مثلاً آپ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جارہے ہیں تو اگر تسبیح پاس ہو تو تسبیح کے ذریعے اور اگر تسبیح نہ ہو تو انگلیوں پر کرسکتے ہیں کوئی سورت یاد ہو تو وہ پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اگر آپ سائیکل پر جارہے ہیں تو اب چونکہ انگلیوں اور تسبیح کے ذریعے ذکر کرنا مشکل ہے تو صرف زبان کے ذریعے

کوئی دوسرا ذکر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ پڑھ سکتے ہیں دعائیں کر سکتے ہیں۔ درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو صرف اللہ اللہ تو کر سکتے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ کیا کوئی مشکل پیش آ رہی ہے؟ کوئی محنت خرچ ہو رہی ہے؟ کوئی مخصوص وقت نکالنا پڑھ رہا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اپنے روز مرہ کے کام بھی ہو رہے ہیں اور نہایت آسانی کے ساتھ اتنی عظیم الشان عبادت بھی سرانجام پا رہی ہے کہ ہم جس کی عظمت و شان کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔

شریعت کی رو سے آسانیاں

شریعت نے اللہ کے ذکر میں کوئی کڑی قیود و شرائط نہیں لگائیں مثلاً ذکر اللہ کے لیے مخصوص وقت نکالنا، قبلہ رخ بیٹھنا، باوضو ہونا وغیرہ شرط نہیں ہے بلکہ ہر حالت میں ذکر ہوسکتا ہے حتی کہ جنبی ہونے کی حالت میں بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اتنی بات ضروری ہے کہ بے وضو قرآن کو چھو کر پڑھنا اور جنابت کی حالت میں قرآن مجید کو چھونا اور پڑھنا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اسی آسانی کے پیش نظر ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"مولوی صاحب! اللہ کا ذکر کرنے کے لیے اس بات کا انتظار نہ کرو کہ مسجد جائیں گے باوضو ہوں گے قبلہ رخ بیٹھیں گے پھر ذکر کریں گے...... نہیں نہیں...... بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت چپکے چپکے اپنے اللہ میاں سے باتیں کرتے رہا کرو۔"

اس بات کو یوں سمجھئے کہ مثلاً گاڑی، ریل یا ہوائی جہاز میں کہیں جا رہے ہیں اور دل میں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں کہ یہ کام بھی ہے یہ بھی کرلوں، فلاں کام ہے وہ بھی کرنا ہے...... تو چپکے سے اللہ سے عرض کر دیجئے کہ باری تعالیٰ میرا یہ کام بھی

کر دیجئے۔ فلاں کام بھی پورا کر دیجئے۔''

یا مثلاً آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں اور خیال آ رہا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں تو چپکے سے اللہ میاں سے درخواست کر دیجئے کہ ''یا اللہ مجھے بتلا دیجئے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں اور جس کام میں خیر و بھلائی ہو مجھ سے وہی کام کروا دیجئے۔''

آپ یہ کام کرنا شروع کریں اور رفتہ رفتہ کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی طرح عمل کرتے کرتے ایسا وقت بھی آئے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جائیں گے۔

ذکر اللہ کے فوائد

پہلا فائدہ' ہر لمحہ یادالٰہی میں:

اللہ والا کسے کہتے ہیں؟ اللہ والا وہ آدمی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سمائی ہو۔ وہ گناہوں سے بچتا ہو اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ فرائض و واجبات بھی ادا کرتا ہو۔

اور یہی ذکر اللہ کا بڑا فائدہ ہے کیونکہ جب انسان ہر لمحہ اپنے رب العلمین کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ پروردگار عالم کی عظمت و محبت اور اس کا دھیان انسان کے دل میں جگہ کر لیتا ہے اور انسان کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر گناہ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ اگر ایسا شخص گناہ کرے گا بھی تو اسے گناہ میں لذت نہیں آئے گی اور اس کا دل ہر وقت ایسے کاموں کا طالب رہے گا جو کام رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنتے ہوں۔

دوسرا بڑا فائدہ: رقت قلب:

ذکر کا ایک دوسرا بڑا فائدہ دل کی نرمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

محفوظ فرمائیں بعض لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہیں بھی کہ کوئی نیک کام کرلیں۔ یا کوئی نیک اور اچھی بات سن کر سمجھ لیں تو بھی ان کا دل اس طرف چلتا نہیں ہے اس طرح کوئی نصیحت کرے تو وہ دل میں نہیں اترتی۔ حالانکہ عقل اس نصیحت کو درست قرار دے رہی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود دل کی سختی کی وجہ سے کسی بھلائی کی نصیحت انسان کے دل پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

تو دل کی سختی دور کرنے اور اس میں نرمی پیدا کرنے کا آسان طریقہ ''ذکر'' ہے جب انسان کثرت سے ذکر کرتا ہے تو دل کی سختی کم ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگتی ہے اور آدمی نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

تیسرا بڑا فائدہ: گناہوں سے حفاظت

ہمارے مرشد حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ جب کثرت سے ذکر کروگے تو پھر کیفیت یہ ہوگی کہ گناہ کرنا بھی چاہو گے تو گناہ نہ کرسکو گے اگرچہ آپ نے اس کا عزم اور ارادہ کرلیا ہو کوئی نہ کوئی ایسی رکاوٹ آجائے گی۔ کہ گناہ نہ ہوسکے گا۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ گناہوں سے بچا کر آخرت کے عذاب سے بچالے۔ کیونکہ اصل میں ہم یہاں رہنے تھوڑا آئے ہیں۔ درحقیقت اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ہم اس دنیا میں امتحان دینے آئے ہیں۔ اور ہم اس وقت امتحان گاہ میں بیٹھے۔ امتحان دے رہے ہیں۔ ہمارا ہر قول وفعل ریکارڈ ہو رہا ہے اور ہم یہاں جو کچھ بھی کہیں گے یا کریں گے اس کا حساب وہاں آخرت میں ہوگا اور رزلٹ وہیں آؤٹ ہوگا۔ اگر ہم اس امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ تو بس پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔ انشاء اللہ پھر جنت میں پہنچ جائیں گے جو کہ ہماری اصل منزل ہے۔

چوتھا بڑا فائدہ: سکون قلب:

''ذکر'' کی برکت سے جہاں آخرت میں ابدی کامیابی اور دائمی راحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کثرت سے ذکر کرتے رہنے سے انسان کو دنیا کی زندگی کا لطف بھی آنے لگتا ہے اور اس کو دنیا میں بھی قلبی سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

﴿اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تطمَئِنَّ القُلوبُ﴾

''اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے انسان کو قلبی سکون مل سکتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوگا تو سکون نصیب ہوگا۔ جب سکون ملے گا تو راحت حاصل ہوگی اور جب راحت حاصل ہوگی تو نیند بھی آئے گی۔ کھانا پینا بھی اچھا لگے گا، گھر کی زندگی بیوی، بچے، عزیز واقرباء غرض کہ ساری دنیا اچھی لگنے لگے گی۔ لیکن جب چین و سکون ہی نصیب نہ ہو تو پھر انسان کہاں جائے؟ کیا کرے؟ ہر چیز سے نفرت ہو جائے گی۔

فرانس میں خودکشیوں کی وجہ:

چند سال پہلے کی بات ہے کہ جب میں فرانس گیا تو ہمارے دوستوں نے جو وہاں مقیم تھے ہمیں بتایا کہ یہاں خودکشی کا اس قدر رجحان ہے کہ اوسطاً ہر چار سے پانچ منٹ میں ایک خودکشی ہوتی ہے۔ میں نے ان سے اس المناک صورتحال کی وجہ پوچھی کہ کیا وجہ ہے؟ کہیں اس کا سبب غربت و بے روزگاری تو نہیں ہے؟ یا بیماریاں زیادہ ہیں یا کچھ اور مسائل ہیں۔ تو وہ حضرات کہنے لگے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امن وامان قائم ہے موسم بھی ایسا بہتر ہے کہ جو صحت کے لئے مفید ہے اور بے روز گاری بھی نہیں ہے بلکہ لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔

البتہ خودکشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو قلبی سکون میسر نہیں ہے ہر کسی کو بے

چینی لاحق ہے اور زندگیوں سے راحت وسکون ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر یہ راحت وسکون حاصل ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ ارشاد فرمایا دیا گیا ہے کہ ''الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب''.

معلوم ہوا کہ انسان کو مال ودولت، خوشیوں راحتوں اور لذتوں کے اسباب مل سکتے ہیں۔ اچھا مکان، اچھی گاڑی، اچھی ملازمت، اور بڑا عہدہ مل سکتا ہے لیکن راحت، چین، اور قلبی سکون کی دولت اللہ کی یاد کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

پانچواں بڑا فائدہ: تقویتِ قلب

پھر اس ذکر اللہ کی بدولت دل کو قوت ملتی رہتی ہے اور اس قوت کی وجہ سے انسان مصائب، تکلیف ومشکلات اور پریشانیوں میں گھبراتا نہیں ہے بلکہ اس کی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کمر پر کسی نے ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ تو ذکر اللہ کے باوجود بھی پریشانی آئے تو قوت وڈھارس بندھی رہنے سے صبر کی توفیق مل جاتی ہے۔ جو درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور پھر اسی ذکر کی بدولت تکالیف ومصائب میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور زندگی میں راحت ولطف پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔

بے توجہی سے ذکر کرنے کا حکم

بہت سے حضرات یہ سوچتے ہیں کہ ایسے ذکر کا کیا فائدہ؟ کہ توجہ کسی اور طرف ہے اور ذکر کر رہے ہیں گویا بے توجہی اور بلا استحضار ذکر کرنا غیر مفید ہے۔ اس قسم کے سوالات حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت آتے تھے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ان سوالات کا جواب یوں دیا کرتے تھے کہ:

اگر زبان نیک کام میں لگی ہوئی ہے تو آپ کا کیا حرج ہو رہا ہے۔ اگرچہ دوسرے اعضاء ذکر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہیں لیکن زبان تو لگی ہوئی ہے ناں! تو میاں بس اسی کو غنیمت جانو کیونکہ اس کا بھی تو ثواب ملتا ہے۔ اور یہ سوچنا کہ ایسے وقت میں ذکر

کروں گا جب کوئی مصروفیت نہ ہوگی اور مکمل توجہ ذکر کی طرف رکھنا ممکن ہوگا تو یہ شیطان کا دھوکہ ہے شیطان ذکر سے روکنے کے لئے اس قسم کے وساوس سے انسان کو بہکانا چاہتا ہے اس لئے جب بھی موقع ملے تو دل اور دماغ کی توجہ کسی اور طرف ہو تو بھی ذکر کرنا چاہیے اور جب ذکر اللہ کی عادت پڑ جائے تو پھر ذکر کے بغیر چین وسکون نہیں آئے گا۔

ہماری دادی مرحومہ کے کثرتِ ذکر کا عالم

ہماری دادی مرحومہ رحمہا اللہ جو کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں اور سید خاندان سے تھیں لیکن بے چاری پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ تقریباً ۹۰ یا ۹۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا اور دارالعلوم میں سب سے پہلی قبر انہی کی بنی تھی۔ ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب بھی خاموش ہوتیں تھیں خواہ جاگ رہی ہوں یا سو رہی ہوں ان سے اللہ، اللہ، اللہ کی آواز سنائی دیتی رہتی تھی۔

وجہ یہی تھی کہ جب ذکر اللہ کی عادت بن جاتی ہے اور یادِ الٰہی دل میں سما جاتی ہے تو پھر ذکر کے بغیر انسان کو قرار نہیں آتا۔ زبان خود بخود ذکر کرنے لگتی ہے اور دل بھی پوری طرح متوجہ رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لئے کثرت سے ذکر کرنا چاہیے۔ جو کوئی مشکل کام نہیں ہے بلکہ آسان ترین کام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت افضل کام ہے۔ جب کثرت ذکر سے ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو جائے گا تو انشاء اللہ ہمارے سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

اللہ رب العزت ہمیں کثرت سے اپنا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

☆☆☆

سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنیؒ

موضوع: سانحہ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

سانحۂ ارتحال حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للّٰه و کفی والصلٰوۃ والسلام علی نبیه المجتبی
و علٰی عباده الذین الصطفٰی اما بعد!

وفات کی خبر

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ہمیں تاخیر سے ملی۔ آج کل اخبار دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ ہمیں یہ خطاب کل کرنا چاہیے تھا لیکن اطلاع نہ ملنے کے بسبب یہ خطاب آج ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر تمام مسلمانانِ برصغیر کے لیے عموماً اور تمام دینی حلقوں کے لیے خصوصاً بڑی المناک خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے ان کو درجاتِ عالیہ سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو فلاح دارین اور صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے رخصت ہونے سے دینی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس خلاء کو بھی آسانی کے ساتھ پورا فرمادیں اور ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے باہمی تعلقات

مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دل پر متعدد وجوہ سے بہت سارے غم جمع ہو گئے ہیں کیونکہ ان سے ہمارا تعلق مختلف وجوہ سے تھا۔

پہلا رشتہ

ہمارا ان سے ایک رشتہ یہ ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے بھائی جان جناب محمد ذکی کیفی مرحوم کے ہم سبق تھے کیونکہ انہوں نے کافی عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھا ہے۔

دوسرا رشتہ

ہمارا دوسرا رشتہ ان سے یہ ہے کہ ہم ایک علاقے کے رہنے والے ہیں، وہ بھی دیوبند کے رہنے والے تھے اور میں بھی دیوبند کا باشندہ ہوں۔

عظیم باپ کے عظیم فرزند

ہمارا تیسرا رشتہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم باپ کے ایک عظیم فرزند تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے ولی اللہ اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں۔ علماء دیوبند اور بزرگانِ دیوبند میں ان کا ایک ممتاز مقام تھا۔ ان کے صاحبزادے ہونے کی نسبت سے بھی ہمارا ان سے گہرا تعلق ہے کیونکہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ہمارے براہ راست استاد نہیں ہیں لیکن ہمارے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ ہیں۔

چنانچہ ہم نے ہمیشہ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے ادب و احترام کرتے دیکھا جیسے ایک شاگرد اپنے ایک عظیم استاد کا ادب و احترام کرتا ہے۔

تحریکِ پاکستان اور بزرگانِ دیوبند کی آراء

جب پورے ہندوستان میں ''تحریکِ پاکستان'' چل رہی تھی تو آپ کو معلوم

ہے کہ اس میں بزرگانِ دیوبند میں کچھ رائے کا اختلاف ہوا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ "پاکستان بننا چاہیے، مسلمانوں کی الگ حکومت ہونی چاہیے اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ اس طرح شریک نہیں ہونا چاہیے کہ تحریک میں وہ بالادست ہوں اور مسلمان زیردست ہوں، وہ اکثریت میں ہوں اور مسلمان اقلیت میں ہوں۔"

اور جبکہ شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ:

"تحریک پاکستان کے سرکردہ لوگ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر اگر تحریکِ پاکستان چلائی جائے گی تو پاکستان بنانے کے مقاصد حاصل نہ ہوں گے۔ اس لیے ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کی جائے اور مخلوط حکومت قائم کی جائے۔"

یہ دونوں رائے ہمارے بزرگوں کی تھیں، ایک جانب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے زیر نگرانی حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات تھے۔

دوسری جانب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے دیگر رفقاء تھے۔

حامیان تحریکِ پاکستان کا دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونا

اختلافات کا دور تھا، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ دور دیکھا ہے، جب پاکستان بنا اور ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت ہماری عمر کا بارہواں سال چل رہا تھا۔ ساری تحریک پاکستان ہمارے سامنے تھی۔ میں دارالعلوم دیوبند میں حفظ کرتا تھا۔ عین اس اختلافات کے دور میں جبکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دیگر رفقاء کار جو تحریکِ پاکستان چلا رہے تھے، وہ سب دارالعلوم دیوبند سے

مستعفی ہو چکے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تا کہ دارالعلوم دیوبند سے دو متضاد فتاویٰ جاری نہ ہو سکیں۔ دارالعلوم جو سب کی مشترکہ متاع ہے اس کی عزت و مقام میں کمی نہ آئے۔ تو اس لیے یہ حضرات دارالعلوم سے مستعفی ہو چکے تھے اور بڑے زور و شور سے تحریک پاکستان چلا رہے تھے اور حضرت شیخ العرب رحمتہ اللہ اور ان کے دیگر رفقاء حسبِ سابق دارالعلوم دیوبند میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات

انہی اختلافات کے زمانے میں حضرت مولانا حسینؒ احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کر لیا تھا۔ پھر کافی عرصہ بعد جب وہ رہا ہو کر آئے تو میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیا۔ مجھے آج تک حضرت کے دستِ مبارک کا گداز یاد آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، تو یہ ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تیسرا رشتہ تھا کہ وہ ایک عظیم باپ کے بیٹے اور وہ باپ بھی کیسا عظیم جو ہمارے والد صاحب رحمتہ اللہ کے اساتذہ کے درجے کے تھے۔

چوتھا رشتہ

ہمارا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چوتھا رشتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے والد صاحب رحمتہ اللہ کی صفات کو صحیح معنی میں امین بنایا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دو خصوصی صفات

حضرت مولانا حسینؒ احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات یوں تو بہت ہیں۔ علمی و عملی کمالات، زہد، تقویٰ ورع بہت سی صفات کے حامل تھے لیکن خاص طور سے دو صفتیں ان

میں بہت نمایاں تھیں۔ ایک انتہا درجے ''تواضع'' اور دوسری انتہا درجے کی جفاکشی اور اعلیٰ درجے کی ریاضتیں اور مجاہدے۔

تواضع اور خدمتِ استاذ کی مثال

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود حضرت مدنی کی تواضع اور جفاکشی کے واقعات سنے ہیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دیوبند میں حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بچپن سے ہی بہت صحبت ملی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رمضان المبارک میں نفلوں میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا۔ ہمارے والد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شریک ہوتے تھے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد رشید تھے تو ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہم بھی خدمت کی غرض سے حاضر تھے میں نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص سر پر بڑا سا مٹکا اٹھائے چلا آرہا ہے۔ جب وہ شخص قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ یہ اس وقت کا زمانہ ہے جب وہ ''شیخ العرب و العجم'' تھے۔ یہ خدمت یہ فدائیت اور جانثاریت ان کا طرہ امتیاز تھی۔

''مالٹا'' کی جیل اور خدمتِ استاذ

ایک اور واقعہ سنا کہ عالمگیر تحریک ''تحریک ریشمی رومال'' جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے چلائی تھی۔ جس کا طویل واقعہ ہے۔ راز کھل گیا اور انگریزوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے مالٹا بھیجنے کا فیصلہ کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ جزیرہ مالٹا میں چلے گئے۔ ان حضرات کو نظر بند کیا گیا۔ سردیوں کا موسم تھا، پانی ٹھنڈا ہوتا تھا گرم کرنے کا کوئی انتظام بھی نہیں تھا اور ویسے بھی قیدیوں کے لیے کہاں انتظام ہوتا ہے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کو وضو کرانے کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر

اپنے لحاف میں لے کر لیٹ جاتے تاکہ لحاف اور جسم کی گرمائش سے پانی کی ٹھنڈک کم ہو جائے اور شیخ کے وضو کے لیے گرم پانی میسر آسکے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی شادی کا واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کافی مہمان آئے ہوئے تھے۔ اس دور میں فلش سسٹم تو ہوتا نہیں تھا۔ کھڈی کے بیت الخلاء ہوتے تھے اور ان کی صبح و شام صفائی ہوتی تھی۔ رات کے وقت معلوم ہوا ان میں بدبو اور گندگی پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر کچھ پریشانی کے اثرات ظاہر ہوئے اور بولے بھی نہیں۔ گویا سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے؟ اسی مجلس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے کچھ دیر بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر دیکھا تو بیت الخلاء بالکل صاف ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف کر دیئے تھے۔ اس تواضع، للّٰہیت اور فنائیت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا تھا۔

اختلافِ رائے اور راہِ اعتدال

عین اسی زمانے میں جب تحریک پاکستان کے حقوق میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فتوے جاری ہو رہے تھے کہ علماء اور مسلمانوں کو اس تحریک کی مدد کر کے اس میں حصہ لینا چاہیے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے بالکل برعکس بات کہی جارہی تھی لیکن اس شدید اختلاف میں بھی آپ ان بزرگانِ دیوبند کی عظمت کو دیکھئے بالکل اسی زمانے میں جمعیت علماء ہند کے سرکردہ علماء حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حافظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرات تحریکِ پاکستان کو مناسب نہیں سمجھتے تھے ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ کے پاس جانا چاہیے اور ان سے ان اختلافات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ اب دیکھئے کہ اختلافات اپنی جگہ پر ہیں اور ان حضرات کی باہمی تعظیم و تکریم

اپنی جگہ پر ہے چنانچہ ان حضرات نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اب ہوا یوں کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک خاص نظام تھا جو ان کے پاس آتا تھا وہ چند دن پہلے اطلاع کر دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے حسب معمول کھانے اور رہائش کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ اب حضرات آنے سے قبل تھانہ بھون اطلاع نہ کر سکے اب جب یہ حضرات تھانہ بھون پہنچے تو عشاء کے بعد کا وقت ہو چکا تھا اور خانقاہ اندر سے بند ہو چکی تھی اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر جا کر سو چکے تھے۔ تھانہ بھون کی بستی ایک چھوٹا سا قصبہ تھی۔ بجلی بھی وہاں نہیں پہنچی تھی۔ سڑکیں بھی کچی تھیں اور کہیں کہیں اینٹوں کی سڑک بنی ہوئی تھی۔

اب ان حضرات کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ نہ خانقاہ کھلوائی اور نہ ہی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی بلکہ وہیں خانقاہ کے دروازے کے سامنے کچی سڑک پر اپنی چادریں بچھا کر لیٹ گئے۔ کیسے کیسے بزرگ اکابرین ہیں، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمت اللہ علیہ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ''قصص القرآن'' کتاب کے مصنف۔ سب حضرات رات بھر وہیں لیٹے رہے۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے مطابق اذان کے وقت یا اذان سے پہلے خانقاہ تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں ٹارچ تھی، جلائی تو معلوم ہوا کہ یہ تو علماء ہیں۔ ان حضرات کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ یہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت مفتی کفایت اللہ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہیں۔ فوراً بغل گیر ہو گئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ حضرات نے یہ غضب کر دیا۔ آپ یہاں کیوں لیٹ گئے۔ فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی خانقاہ کے قانون معلوم تھے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس وقت رات دس بجے کے بعد خانقاہ کھلوائیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا گھر تو موجود تھا۔

مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ فرمایا کہ ہم آپ کو بھی تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے چنانچہ پھر آپس میں مشورہ ہوا۔ اختلاف اپنی جگہ پر رہا وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور یہ اپنی رائے پر قائم رہے۔

”سید القوم خادمہم“ کے مصداق

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ سنایا کہ ہم ایک دفعہ حضرت مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ریلوے اسٹیشن پہنچنے پر حضرت نے فرمایا کہ ہمیں سنت کے مطابق اپنا ایک اور امیر مقرر کر لینا چاہیے۔ ہم نے عرض کیا کہ حضرت والا ہمارے امیر مقرر ہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ جب ریل گاڑی آئی تو حضرت خود سب کا سامان اٹھا اٹھا کر رکھنے لگے۔ کسی کا سامان ہاتھوں میں، کسی کا سامان کندھوں پر، کسی کا سامان سر پر اٹھا رہے ہیں اور کسی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دے رہے۔

والد صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ دیکھو اطاعت الامیر واجب ہے، مجھے سامان اٹھانے دو چنانچہ سارا سامان حضرت نے خود اٹھا اٹھا کر ریل میں رکھا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ کا باہمی تعلق

ہمارے بزرگ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ کی باہمی خط و کتابت چھاپی ہے اور اسی طرح سے جو واقعات اور ملاقاتیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ ان کو بھی طبع کروایا ہے۔ ان کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ سب حضرات اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر کیسے فدا تھے؟ اور کیسے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے......؟

آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جائیں

اسی طرح بیعت کے سلسلے میں دیکھ لیجئے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بعض لوگوں کو خود بیعت کر لیتے تھے اور بسا اوقات فرماتے کہ تم جا کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جاؤ۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحبؒ سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو جائیں۔ عرض کیا کہ: مجھے آپ سے مناسبت ہے۔ فرمایا: تم انہی سے بیعت کرو اور اگر کوئی مشورہ وغیرہ کرنا ہو تو مجھ سے کر لیا کرو۔ چنانچہ ان کے سلسلے میں دونوں حضرات کے آپس میں مشورے ہوتے رہتے تھے۔

ہمارے اکابر گروپ بندیوں سے بالاتر ہیں

یہ ہمارے بزرگوں کے واقعات ہیں، حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے یہ واقعات دوبارہ تازہ ہوگئے ہیں اور ان کو پھیلانے کی ضرورت بھی ہے کیونکہ ہمارے پاکستان میں دو لفظ ''بڑے گندے'' استعمال ہونے لگے ہیں۔ بالخصوص ہمارے مدارس ایک ''تھانوی گروپ''۔ دوسرا ''مدنی گروپ'' یہ اتنے گندے اور بدبودار الفاظ ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ ایسے ہی گندے اور نازیبا الفاظ ہیں کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا ایک انصاری اور مہاجر کا جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے اپنی مدد کے لیے انصار کو بلایا ''یا للانصار'' اے انصار میری مدد کرو اور مہاجر نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو بلایا ''یاللمهاجرین'' اے مہاجرین میری مدد کو آؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا ''دعُوھا فانّھا ممتنه'' یہ کلمات چھوڑ دو اس لیے کہ یہ بدبودار کلمات ہیں۔ ان کے اندر زمانۂ جاہلیت کی اور تعصبات کی بدبو پائی جاتی ہے، اب سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

اسی طریقے سے یہ تھانویؒ گروپ اور مدنیؒ گروپ کے کلمات بھی ہیں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی یہ الفاظ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس استعمال کرتا تو وہ دونوں حضرات اس کو اپنے پاس سے نکال دیتے کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے، اس لیے کہ یہ دونوں بزرگ تو ایک دوسرے پر جانیں نچھاور کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرنے والے تھے، ایک دوسرے کو سر آنکھوں پر بٹھانے والے تھے، ان کے ہاں یہ گروپ بندیاں نہیں تھیں وہ حضرات ان گروپ بندیوں کو نہیں جانتے تھے۔

یاد رکھئے! میں آپ سے کہہ رہا ہوں، ان لفظوں کو کبھی بھی استعمال ہونے نہ دیا جائے۔ یہ ہمارے بزرگوں کی توہین ہے کیونکہ یہ حضرات ان گروپ بندیوں سے بالاتر تھے۔ ہم تو ان حضرات کے تقویٰ، عظمت اور ورع کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔......!

میرے رفیقِ سفر

حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارا ایک رشتہ یہ بھی ہے کہ ہمارا اور ان کا اچھا خاصہ سفر ایک ساتھ ہوا ہے۔ ایک غیر ملکی سفر میں ہم ایک ساتھ اکٹھے رہے ہیں۔ تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر تھا۔ یہ "بغداد" کا واقعہ ہے کہ ہم ایک ساتھ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے اور صبح کے وقت ان کا معمول بھی گھومنے کا تھا اور میرا معمول بھی ہے تو بساء اوقات ہم ساتھ گھومنے جایا کرتے تھے۔ الحمد اللہ ہمارا ان کے ساتھ قلبی اور قریبی تعلق تھا۔ وہ دار العلوم تشریف لایا کرتے تھے بارہا ان سے ملاقات ہوئی۔ جب ہمارا دار العلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے بھائی مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم ہم سے کچھ عرصہ عمر میں چھوٹے ہیں اور ہم سے ایک دو سال بعد فارغ ہوئے ہیں۔ ہجرت پاکستان کے تقریباً ۱۳ سال بعد حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دار العلوم دیوبند جانا ہوا تو وہاں ان سے ملاقات ہوئی تو وہ اس وقت غالباً موقوف علیہ یا

دورہ حدیث کے سالمیں تھے۔ ہم لڑکپن میں ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ایک کنارے پر کھیلتے رہے ہیں۔

یہ ہمارے ان حضرات سے گوناں گوں رشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے عظیم والد کی صفات کے امین

حضرت مولانا اسعد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی اللہ تعالیٰ نے تواضع اور مجاہدہ کی صفات خوب عطا فرمائی تھیں اور اپنے والد ماجد (رحمۃ اللہ علیہ) کی صفات میں سے بالخصوص ان دو صفات میں سے حصہ وافر اور کثیر عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے مسلمانانِ اسلام خصوصاً ہندوستان کی بہت خدمت کی ہے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ان ہندوستانی مسلمانوں میں ہوتا ہے جو حضرات بین الاقوامی مسائل کے حل میں پیش پیش رہے ہیں۔

ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ

میری آپ سب حضرات سے درخواست ہے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت کا اور ایصال ثواب کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے البتہ اجتماعی طور پر قرآن خوانی تداعی کے ساتھ درست نہیں۔ اس بارے میں ہمارے بزرگوں کا فتویٰ ہے کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے اور اس کے بدعت ہونے کا قوی امکان اور خطرہ ہے۔ اس لیے یہاں دارالعلوم میں تداعی کے ساتھ قرآن خوانی نہیں کی جاتی اس لیے ہر ایک کو اپنے اپنے طور پر جس قدر ہو سکے ایصال ثواب کرنا چاہیے اور ایصال ثواب کے علاوہ کسی میت کی طرف سے مالی صدقہ کے ثواب میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آج نہیں کر سکے تو کل بھی نہ کریں بلکہ جب بھی یاد آئیں کچھ نہ کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں اور کچھ نہیں ہو سکتا تو تین دفعہ ''سورۂ اخلاص'' پڑھ کر ایصالِ ثواب کر

دیجئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا ثواب پورے قرآن مجید کے ثواب کے برابر مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے متعلقین اور وارثین کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆......☆......☆

دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت

موضوع: دینی مدارس کے لئے آزمائش کا وقت

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامعہ دارالعلوم کراچی

موقعہ: ختم بخاری شریف

ضبط و ترتیب: مولانا شعیب سرور

﴿دینی مدارس کیلئے آزمائش کا وقت﴾

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

اما بعد!

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم.

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

"وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ."

بزرگان محترم، حضراتِ علماءِ کرام، عزیز طلبہ، ہونہار طالبات ومعلمات!

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا انعام وکرم ہے کہ آج ہمارے تعلیمی سال کا بخیر وخوبی اختتام بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس پر ہورہا ہے۔ آج ۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ کے اجلاس کے بعد طلبہ امتحان کی تیاری میں مشغول ہوجائیں گے۔ پھر امتحان کے بعد وہ کڑا وقت آئے گا جب یہ طلبہ بھیگی پلکوں بلکہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ ہم سے جدا ہو رہے ہوں گے۔

ان جدا ہونے والے طلبہ میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو بالکل بچپن ہی میں یہاں آئے تھے، قرآن مجید بھی یہاں حفظ کیا اور اب درس نظامی کی تکمیل کے بعد واپس

جارہے ہوں گے، کچھ طلبہ دس سال بعد، کچھ بارہ سال بعد اور کچھ چودہ پندرہ سال بعد ہم سے جدا ہورہے ہوں گے۔

رخصت کے وقت ان طلبہ پر اس مادر علمی کی جدائی اور ان مشفق اساتذہ سے فراق کا کیا اثر ہوتا ہے، اس کا اندازہ اللہ رب العالمین اور ان اساتذہ وطلبہ کے علاوہ کوئی بھی پوری طرح نہیں لگا سکتا۔ اللہ رب العالمین نے دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے درمیان محبت کا جو لذیذ اور مستحکم رشتہ رکھا ہے۔ اس کا اندازہ صرف وہی کرسکتا ہے جس کو یہ رشتہ نصیب ہوا ہے۔

غیر ملکی طلبہ:

آج ہمارے دل جہاں اس بات پر خوشیوں سے لبریز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمی سال کا یہ پر مشقت، کٹھن سفر خیروخوبی کے ساتھ پورا کروادیا ہے، وہیں یہ المناک اور پریشان کن احساس دل کو زخمی کررہا ہے کہ شاید اس تعلیمی سال کے اختتام کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سارے غیر ملکی طلبہ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ہم سے جدا ہوجائیں گے جو بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے وطن کو چھوڑ کر اور گھر کے آرام وراحت کو تج کر برسوں سے یہاں تعلیم حاصل کررہے تھے، پاسپورٹ بھی ان کے پاس ہیں، ویزے بھی اور این اوسی بھی ملا ہوا ہے، مگر ان کا جرم یہ ہے کہ یہاں یہ دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں، ان میں بہت سے طلبہ ایسے ہیں جو آٹھ آٹھ، دس دس سال سے گھر نہیں گئے۔ ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ سالانہ دو مہینے کی تعطیلات میں اپنے ماں باپ سے جاکر مل سکیں اور انہیں یہ خدشہ بھی ہوتا تھا کہ اگر چلے جائیں گے تو پھر نجانے واپسی میں ان کو ویزا مل سکے گا یا نہیں؟۔ ان طلبہ کی جدائی کے تصور سے دل چھلنی ہورہا ہے کہ یہ اپنی تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر شاید رخصت ہوجائیں گے اور ہم بھی دل پر پتھر رکھ کر ان کو رخصت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ان غیر ملکی طلبہ کو پاکستان کے دینی مدارس سے جو دینی اور علمی فوائد حاصل ہو رہے تھے، وہ تو اپنی جگہ پر ہیں ہی' ان طلبہ کی وجہ سے خود پاکستان کو بھی پوری دنیا میں یہ اعزاز نصیب ہوتا تھا کہ یہ مفت کے سفیر بن کر پاکستان کی عالمی ساکھ میں اضافہ کرتے اور پاکستان کی بہترین نمائندگی کرتے تھے، لیکن یہ سلسلہ بظاہر اب رکتا نظر آ رہا ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

اب یہ اعزاز بھی چھینا جا رہا ہے:

اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں بہت سارے اعزازت حاصل تھے، پاکستان دنیا کا سب سے بڑا مسلمان ملک تھا، عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، جوہری توانائی کا امین تھا، اور ایک اعزاز یہ ہمارے غیر ملکی طلبہ تھے جو باہر ممالک میں ہماری نیک نامی کا باعث بنتے تھے، لیکن ہماری شامت اعمال کہ ایک ایک کر کے یہ اعزازات ہم سے چھن گئے۔

۱۹۷۱ء میں اس ملک کے دو ٹکڑے ہو گئے، جس کی وجہ سے یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک نہ رہا' پاکستان عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب تھا، پاکستان دو قومی نظریئے پر بنا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دنیا کے سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، لیکن آج ہماری روش یہ کہہ رہی ہے کہ عالم اسلام سے آنکھیں بند کرلو، خود غرض بن جاؤ، کنویں کے مینڈک بن جاؤ اور صرف اپنی خبر لو اور ترکی کی طرح اپنے ہی اندر گم ہو جاؤ۔

پاکستان جوہری توانائی کا امین تھا لیکن مؤمنانہ جذبات رکھنے والے جن مسلم سائنسدانوں نے دن رات ایک کر کے پاکستان کو ایٹمی توانائی سے مضبوط کر کے عالم اسلام کو اعزاز بخشا، ان کو ٹی وی پر لا کر پوری دنیا کے سامنے ذلیل کیا گیا۔ اس طرح یہ سارے اعزازات ہم سے چھن گئے۔

اب مدارس کے غیر ملکی طلبہ کی صورت میں ایک اعزاز باقی رہ گیا تھا، یہ اعزاز بھی ہم سے چھینا جا رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو پاکستان کے کسی

اعزاز سے دلچسپی نہیں، وہ ایک ایک کرکے ہمارے سارے اعزازات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتے جارہے ہیں، اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت کے ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جنوبی افریقہ میں دینی انقلاب:

ابھی میں افریقہ کے کچھ ممالک سے ہوکر آیا ہوں، میں اب سے ۳۹ سال پہلے ۱۹۶۶ء میں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ گیا تھا، اس وقت وہاں کی مذہبی حالت یہ تھی کہ پورے ملک میں صرف چار علماء تھے، کوئی مدرسہ نہیں تھا، حافظ قرآن کوئی شاذ و نادر ہوتا تھا اور نماز پڑھانے والے امام قرآن کریم صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے، تبلیغی جماعت کا کوئی تصور نہیں تھا، کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، فسق و فجور کا دور دورہ تھا، علماء کرام بھی اپنی عورتوں کو برقعہ نہیں پہنا سکتے تھے، داڑھی رکھنے والے شاذ و نادر تھے۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں اپنے بیانات میں جگہ جگہ لوگوں کو تلقین فرمائی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ بیٹے دیئے ہیں، وہ اپنے ایک بیٹے کو پاکستان یا ہندوستان کے دینی مدارس میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجے تاکہ یہ بچے علم دین کے زیور سے آراستہ ہوکر یہاں دینی مدارس قائم کریں۔

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بھی میرا وہاں جانا ہوتا رہا، ہر مرتبہ دینی ترقی نظر آئی اور اب اس سفر میں تو میں نے دیکھا کہ وہاں دینی انقلاب انہی دینی مدارس کے غیر ملکی طلبہ کا مرہون منت ہے، وہاں کے لوگوں نے اپنے چہیتے بچوں کو یہاں بھیجا۔ یہ علم حاصل کرکے وہاں پہنچے، دینی مدارس قائم کیے تبلیغی جماعت کا کام بھی شروع ہوا۔ اب وہاں کی مذہبی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہاں مسجدیں آباد ہیں، بلکہ مساجد کا نظام دنیا میں سب سے بہتر وہاں پایا جاتا ہے۔ وہاں کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا خواہ

مزدور ہو یا صنعت کار، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، جو کم از کم ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہوا نہ ہو۔ سو فیصد مسلمان ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان میں ۵۰ فیصد بھی ناظرہ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں۔ حالیہ سفر میں، میں وہاں ایک ہفتہ رہا، اس عرصے میں مجھے کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ جلسوں میں بھی جانا ہوا، بازاروں میں بھی اور مختلف اداروں میں بھی گئے۔ لیکن کہیں بھی کوئی مسلمان بغیر داڑھی کے نہیں ملا۔ اور داڑھی بھی پوری سنت کے مطابق تھی، کوئی عورت پردہ کے بغیر نظر نہیں آئی۔ اگرچہ وہ عورتیں چہرہ مکمل طور پر نہیں چھپاتیں لیکن اتنا برقعہ ضرور ہوتا ہے کہ سر کا کوئی بال نظر نہیں آتا، گلے کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا اور کلائی اور پنڈلی کا بھی کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ ڈربن شہر کے ایک محلے میں جانا ہوا، وہاں سرسری طور پر حفاظ کی تعداد گنی گئی تو معلوم ہوا کہ اس محلے میں چالیس حفاظ قرآن ہیں۔

لمحہ فکریہ:

البتہ ایک تبدیلی آئی ہے، وہ یہ کہ پہلے وہاں پاکستان کے پڑھے ہوئے علماء کی بھی کثرت تھی، لیکن اب وہاں پاکستان کے فارغ التحصیل علماء کی کثرت نظر نہیں آئی، یہی حال ہم نے کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ میں بھی دیکھا کہ اب وہاں پاکستان سے تعلیم حاصل کرنے والے علماء کم نظر آتے ہیں کیونکہ ہماری حکومتوں کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں اور ویزا کی بے جا پریشانیوں کی وجہ سے ہمارے ہاں غیر ملکی طلبہ کی تعداد مسلسل کم ہوتی جارہی ہے۔

اور چند روز قبل تو حکومت کی طرف سے یہ حکم سنا دیا گیا ہے کہ مدارس کے تمام غیر ملکی طلبہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں، بلکہ شروع میں تو یہ آرڈر آ گیا تھا کہ دس دن کے اندر اندر یہ طلبہ واپس چلے جائیں۔ یہاں مجرم رہ سکتے ہیں، چور اور ڈاکو رہ سکتے ہیں،

دہشت گرد رہ سکتے ہیں، لیکن وہ مسکین طلبہ جنہوں نے اپنی زندگیاں دین اور دینی تعلیم کیلئے وقف کر رکھی ہیں، ان پر زندگی حرام کی جا رہی ہے۔ ان کا جرم یہ ہے کہ یہ **قال اللّٰہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم** پڑھنے کے لیے آ گئے ہیں۔

دینی مدارس کے خلاف شور وغوغا:

دینی مدارس کے ان بے گناہ طلبہ کی طرف دہشت گردی کی نسبت کی جاتی ہے، مغربی میڈیا ان کے خلاف زہر اگل رہا ہے اور سرکاری میڈیا بھی ان کا ہم نوا ہے، دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دینے کے لیے اور ''مولوی'' کا لفظ گالی بنانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔ ہر دہشت گردی کے واقعے کے ساتھ دینی مدارس کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن امریکہ کی ایف بی آئی، پاکستان کی آئی ایس آئی، انٹیلی جنس ادارے اور میڈیا کے ادارے بتلائیں کہ انہیں دنیا میں دینی مدارس کا کوئی طالب علم کہیں دہشت گردی میں ملوث ملا ہے؟ امریکہ میں جو واقعہ پیش آیا، اس میں کوئی دینی مدرسے کا پڑھا ہوا طالب علم نہیں تھا، وہ سیکولر تعلیمی اداروں میں پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ برطانیہ کے واقعے میں بھی کسی دینی مدرسے کے طلبہ نہیں تھے، وہ بھی سیکولر اداروں کے تعلیم یافتہ تھے اور پاکستان میں بھی دہشت گردی کے جتنے واقعات پیش آئے ہیں، ان میں بھی سرکاری تعلیمی اداروں کے لوگ تھے۔ پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے والے کون تھے؟ وہ دینی مدرسوں کے علماء نہیں تھے، وہ سرکاری کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے، پرلے درجے کے مجرم ہیں وہ لوگ جنہوں نے غداری کر کے پاکستان کے دو ٹکڑے کیے لیکن ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی اور جنہوں نے **قال اللّٰہ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم** کے لیے اپنی جانیں وقف کر رکھی ہیں، ان کا جینا حرام کیا جا رہا ہے۔

دین کو مٹایا نہیں جاسکتا:

یہ المناک صورتحال ہے لیکن یاد رکھیئے! دین ان ہتھکنڈوں سے ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ دین قیامت تک رہنے کے لیے آیا ہے، یہ پھیل رہا ہے اور پھیلتا جائے گا۔ آپ نے جنوبی افریقہ کا حال سن لیا، اگر پاکستان میں غیر ملکی طلبہ کے آنے پر پابندی لگائی گئی تو جنوبی افریقہ میں اللہ کے فضل سے بڑے معیاری دار العلوم قائم ہوچکے ہیں جو ہندو پاکستان ہی کے فیض یافتہ ہیں اور اب وہاں معیاری دارالافتاء قائم ہو رہے ہیں وہاں یہ طلبہ دینی علم کی پیاس بجھا سکیں گے اور اگر وہاں پابندیاں لگاؤ گے تو کہیں اور جا کر یہ اپنا کام جاری رکھیں گے۔ ان کے کام کو مٹایا نہیں جاسکتا۔

روس نے ان کو مٹانے کے لیے بہتر سال تک کون سا ہتھکنڈا استعمال نہیں کیا۔ قرآن کریم کی اشاعت پر پابندی لگائی گئی، داڑھیاں مونڈ دی گئیں، مسجدوں کو اصطبل میں تبدیل کردیا گیا، اور نماز کو جرم قرار دیا گیا، مجھے ازبکستان (تاشقند) میں ایک صاحب ملے انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ اذان دیدی تھی جس کی وجہ سے مجھے چھ سال جیل میں رہنا پڑا۔

غرضیکہ روس نے اپنے دور میں دین کو مٹانے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کیں، لیکن ۷۲ سال بعد جب اس کا تسلط ختم ہوا تو گھروں سے حفاظ قرآن بھی نکل آئے اور قاری بھی علماء بھی مل گئے اور عربی بولنے والے بھی۔ بھائی! تم کہاں سے آگئے؟ تمہیں تو روس نے فنا کرڈالا تھا اور خندقوں میں چونا ڈال کر تمہیں زندہ درگور کردیا تھا، سائبیریا کے قبرستانوں میں موت کی نیند سلادیا تھا، اب تم کہاں سے آگئے؟ انہوں نے بتایا کہ دن بھر ہم سے مشقت لی جاتی تھی، ہم کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے تھے لیکن رات کو چھپ چھپ کر حجروں کے اندر قرآن وحدیث سیکھتے تھے۔

روس جو اس وقت سپر پاور تھا وہ اپنی ۷۲ سالہ ان تھک کوششوں کے باوجود علم

دین کو مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اب کون ہے جو اسے مٹا سکے گا، اس دین کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے لیکن یہ دین زندہ رہے گا۔ مدارس کے غیر ملکی طلبہ کو نکالنے والے یہ یادرکھیں کہ ان پر ان معصوم طلبہ کا صبر پڑے گا، جب یہ غیر ملکی طلبہ مایوس ہوکراور اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر یہاں سے جائیں گے تو خطرہ ہے کہ ان کے منہ سے کہیں بددعا نہ نکل جائے، یہ مظلوم ہیں اور حدیث میں ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو، مظلوم کی بد دعا کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ اپنے اوپر رحم کریں اور ان مظلوموں کی بد دعاؤں سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے اور انہیں اپنے اوپر رحم کرنے کی توفیق دے ورنہ ان کے لیے دردناک صورتحال کا اندیشہ ہے۔

مدارس میں اعلیٰ عصری تعلیم:

مدرسوں پر ایک طعنہ یہ ہے کہ یہاں دنیاوی علوم نہیں پڑھائے جاتے، ان مدرسوں سے ڈاکٹر، انجینئر اور ماہر قانون کیوں تیار نہیں کیے جاتے۔ یہ کیسا عجیب اعتراض ہے؟ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ انجینئرنگ کے طالب علم کو ڈاکٹر بنایا جائے، قانون پڑھنے والے کو کامرس کا ماہر بنایا جائے اور میڈیکل کے طالب علم کو قانون کا ماہر بنایا جائے، جب وہاں ایسا سوال نہیں اٹھایا جاتا تو یہ بے ہودہ اعتراض ہم پر کیوں کیا جاتا ہے؟

جہاں تک بنیادی عصری تعلیم کی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر آج کل آدمی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تو اس کا ہمیں بھی انکار نہیں بلکہ یہ عصری مضامین ہمارے ہاں پڑھائے بھی جاتے ہیں، چنانچہ ہمارے ہاں کسی کو اس وقت تک درس نظامی میں داخلہ نہیں ملتا جب تک اس میں میٹرک کی استعداد پیدا نہ ہوجائے، اور

جن مدارس میں کم از کم مڈل کا پاس کرنا لازمی ہے۔ اب وفاق المدارس نے ان پر لازم کردیا ہے کہ وہ بھی عصری مضامین میں میٹرک تک کی استعداد کے بغیر درس نظامی میں داخلہ نہ دیں۔

میٹرک کے بعد ہر علم وفن کا یہی قاعدہ ہے کہ جو جس علم وفن میں اور جس شعبے میں مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے اس شعبے میں چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی انجینئر بننا چاہتا ہے تو وہ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرتا ہے، ڈاکٹر بننے کا خواہشمند میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتا ہے، کچھ طلبہ کامرس کالجز میں جا کر کامرس کے علوم پڑھتے ہیں، اب اگر کسی شخص کو ان تمام علوم میں مہارت پیدا کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ پاگل پن کے سوا کیا ہوگا؟ کیونکہ اس طرح تو وہ کسی بھی کام کا نہیں رہے گا، یہی حال دینی علوم کا ہے کہ جو شخص دینی علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو دینی مدارس میں جا کر علم حاصل کریگا اگر آپ اس سے یہ توقع رکھیں کہ ماہر عالم دین بننے کے ساتھ وہ ڈاکٹر یا انجینئر بھی بنے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اسے کارآمد انسان نہیں بنانا چاہتے۔

ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں پڑھتا تھا تو اس وقت میں نے یہ نیت کی تھی کہ تعلیم سے فارغ ہو کر دینی کام تو بلا معاوضہ کروں گا اور اپنے معاش کے لیے کوئی ہنر سیکھ لوں گا۔ چنانچہ میں نے تین علم سیکھے۔ طب یونانی پڑھی، خطاطی سیکھی، جلد بندی کا کام سیکھا، لیکن جب عملی میدان میں کام کرنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ دین کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ پھر یہ کام نہیں ہو سکتے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک کسی میدان میں ماہر نہیں بنتا جب تک اس میں اپنی پوری زندگی نہ لگائے۔ کوئی ڈاکٹر اگر یہ کہے کہ میں اپنے روزگار کے لیے تو تجارت کروں گا اور فارغ وقت میں کلینک چلاؤں گا تو یہ شخص کبھی بھی ماہر ڈاکٹر نہیں بنے گا۔ یہی حال ہر علم وفن کا ہے۔

بعض مرتبہ دینی مدارس اور علماء سے محبت رکھنے والے مسلمان بھائی بھی مدارس

کو بڑی خیر خواہی سے یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ آپ مدرسے کے اندر کوئی صنعتکاری کا شعبہ بھی قائم کر دیں تا کہ طلبہ صنعت کاری سیکھ لیں اور ان کے معاش کا سامان ہو۔ وہ یہ بات کہتے تو ہمدردی سے ہیں لیکن ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کو کارخانے میں لگا دیا تو پھر سولہ سال میں ہم نے جو کچھ ان کو پڑھایا، وہ سب بیکار چلا جائے گا۔ ہم نے انہیں اسی لیے پڑھایا ہے کہ دینی خدمات انجام دینے کے علاوہ کوئی کام نہ کریں۔ اسلامی علوم اتنے وسیع اور گہرے ہیں کہ جب تک آدمی اپنی پوری زندگی ان کے اندر نہ لگائے، اس وقت تک ان کے اندر مہارت پیدا نہیں ہو سکتی۔

سرکاری تعلیمی اداروں کا حال

ایک مرتبہ میں ایک اعلیٰ سرکاری کنونشن میں تھا تو وہاں صدر صاحب کہنے لگے کہ آپ کے دینی مدارس میں دنیاوی علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے۔ میں نے کہا کہ آپ کی بات بہت اچھی ہے کہ مدرسوں میں عصری علوم پڑھانے چاہئیں، ہمیں ان سے ہرگز انکار نہیں، بلکہ ہم تو میٹرک تک یہ علوم پڑھاتے بھی ہیں لیکن اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ضروری دینی تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ جو وہاں تقریباً مفقود ہے۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارے وطن عزیز کے سرکاری تعلیمی اداروں میں نہ دنیا پڑھائی جارہی ہے نہ دین پڑھایا جارہا ہے۔ ان اداروں میں استاذ کا کوئی احترام نہیں ہے، طالبات اور معلمات کی عزت محفوظ نہیں۔ ایک یونیورسٹی کا حال تو یہ ہے کہ اس میں سالہا سال سے رینجرز کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم وفاقی سطح کی ایک میٹنگ میں تھے، جس میں وزیر داخلہ، وزیر مذہبی امور اور وزیر تعلیم شامل تھے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا ارادہ دینی مدارس میں کسی

مداخلت کا نہیں ہے، ہم تو صرف اصلاح کے لیے چند اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا آپ کی نیت ماشاء اللہ بہت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزاء خیر دے اور بلاشبہ مدارس کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے اور ہم اصلاح کے طالب بھی ہیں لیکن آپ کا کام تو بہت زیادہ ہے، آپ کے پاس اس وقت لاکھوں اسکول اور تعلیمی ادارے ہیں ان پر پاکستانی خزانے کا اربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اگر آپ انکی اصلاح کر کے ہمیں پیش کش کرتے تو ہم آپ کو خوش آمدید کہتے، لیکن وہاں کا حال میں آپ کو بتاتا ہوں شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ میں نے اپنے نواسے کا واقعہ ذکر کیا کہ دارالعلوم میں میٹرک کے عصری علوم پڑھنے کے بعد کسی سرکاری اسکول میں امتحان دینے کے لیے گیا جو ان کا امتحانی مرکز تھا۔ واپس آ کر اس نے مجھے کہا کہ ابی! وہ کیسا اسکول تھا، وہاں بیٹھنے کیلئے دری، نہ لکھنے کے لیے تپائی، پینے کے لیے پانی نہ ہوا کے لیے پنکھا۔ البتہ ایک چیز وافر مقدار میں دستیاب تھی، وہ تھے پرچہ سوالات کے جوابات۔ کمرہ امتحان میں ۲۵، ۲۵ روپے میں جوابات فروخت ہو رہے تھے۔ یہ سن کر ایک وزیر بولے کہ ہمارے ہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔ ان وزیر صاحب نے وزیر تعلیم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کیا آپ کے سرکاری اسکولوں کا یہی حال ہے تو انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا البتہ سر ہلا کر ''ہاں'' کا اشارہ کیا۔

ہماری سرکاری تعلیمی اسناد کا حال یہ ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کی سندیں پوری دنیا میں کہیں قابل قبول نہیں ہیں، یورپ و امریکہ میں جا کر دیکھئے یا کسی پسماندہ ملک کا دورہ کیجئے، آپ یہی دیکھیں گے کہ کسی بھی ملک میں ہماری تعلیمی یونیورسٹی کی سندیں قابل قبول نہیں ہیں۔

اب سے پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ سندھ کے ایک گورنر صاحب نے جو پورے صوبے کی تمام یونیورسٹیوں کے چانسلر تھے، دکھے دل کے ساتھ مجھ سے خود کہا

کہ پوری دنیا میں ہماری کسی یونیورسٹی کی کوئی سند قابل قبول نہیں ہوتی ہے، سوائے اردن کے۔ صرف اردن میں ہماری سندیں قبول کی جاتی ہیں۔

پچھلے سال اردن میں میں نے بھی دیکھا کہ ہماری یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ لوگ وہاں کام کررہے ہیں وہ پاکستان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور اسی لیے وہاں ابھی تک پاکستانیوں کی عزت ہے۔ ابھی جب میں جنوبی افریقہ سے آرہا تھا تو جہاز میں میرے ساتھ دبئی سے ایک صاحب سوار ہوئے، وہ بھی اردن سے آرہے تھے۔ انہوں نے بھی ازخود مجھ سے یہی بات کہی اور بتایا کہ اردن میں پاکستان کے ڈگری یافتہ عرب حضرات مجھے بڑی تعداد میں ملے، اور دکھی دل سے کہنے لگے کہ اردن کے علاوہ ہمیں اور کہیں عزت نہیں ملتی۔ یہ حال ہے ہماری یونیورسٹیوں کے تعلیمی معیار کا۔

اس لیے ہم اپنی سرکاری مشینری سے دردمندانہ گزارش کرتے ہیں کہ براہ کرم اپنے زیر انتظام اداروں کی خبر لو اور ان کی اصلاح کی فکر کرو کہ وہاں تعلیم وتربیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ امن و امان باقی نہیں رہا، طلبہ اور اساتذہ کے درمیان رشتہ اوراعتماد باقی نہیں رہا، تمہاری سندیں بے وقعت ہورہی ہیں، اگر تم ہماری اصلاح کرکے ہمارا وہی حال کرنا چاہتے ہو جواس وقت سرکاری تعلیمی اداروں کا ہے تو:

بی بلی، چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

طلبہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں نہ رہیں:

اب میں اپنے طلبہ سے دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

غیر ملکی طلبہ سے یہ عرض کروں گا کہ اللہ جل جلالہ سے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو تعمیری سوچ بھی دے اور ایمان کی قوت بھی، اللہ پر بھروسے کی طاقت بھی دے اور انہیں صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اگر ہمارے حکمران غلط فیصلے پر مصر رہے تو میں دکھے دل کے ساتھ آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ غیر قانونی

طور پر پاکستان میں نہ رہیں۔ اللہ کے بھروسے پر یہاں سے رخصت ہو جائیں، دنیا بہت وسیع ہے۔ زخمی دل کے ساتھ کہوں گا کہ اگر آپ کے مقدر میں یہاں علم حاصل کرنا نہیں ہے تو آپ برطانیہ وامریکہ چلے جائیں، یا کینیڈا وافریقہ چلے جائیں، وہاں ہمارے شاگردوں کے قائم کردہ مدارس موجود ہیں۔ انشاء اللہ وہ تمہیں دھکے نہیں دیں گے اور کہیں نہیں تو ہندوستان چلے جانا وہاں بھی دینی مدارس موجود ہیں۔ وہاں کی حکومت تم کو ویزا دیدے گی۔ اگر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں تمہاری دینی تعلیم مقدر نہیں تو کفرستانوں کے اندر تمہیں دینی تعلیم مل جائے گی، وہاں حاصل کر لینا، اپنے اس مشن کو نہ چھوڑنا، اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اور اللہ کے سامنے گواہ رہنا کہ تمہیں قانونی طور پر یہاں رکھنے کے لیے جو کوشش ہمارے بس میں تھی ہم نے اس میں کمی نہیں کی۔

اخلاص اور تقوی کو اپنا زیور بنائیں:

دوسری بات جو سب طلبہ سے کہنے کی ہے، وہ آپ سے کہہ رہا ہوں اور دنیا کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں اور آپ کو بھی میڈیا کے ذریعے حالات کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس وقت عالم کفر کے بدترین دشمن تم ہو، تم ان کا سب سے پہلا ہدف ہو اور شاید پاکستان کے اندر تمہارے اوپر ایسا وقت آ گیا ہے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آیا تھا، وہ وقت قربانیوں اور صبر کا تھا، اس سبق کو یاد رکھنا۔ صبر کے ساتھ، انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو۔ تقویٰ اور اخلاص کو اپنا زیور بناؤ۔ اگر تمہارے اندر تقوی اور اخلاص ہوگا تو اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ:

دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیگا نہیں کر سکے گی، تمہارے مشن کو ناکام نہیں کر سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جانیں چلی جائیں اور جان کس کی نہیں جاتی، موت تو سب کو آنی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا یہ مشن جاری وساری رہے گا، اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اگر خدانخواستہ کوئی ناکامی پیش آئی تو ان دو چیزوں میں کمی کی وجہ

سے آئیگی۔ لیکن اگر یہ دو چیزیں (اخلاص وتقویٰ) ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر ہم کامیاب وکامران رہیں گے۔ قرآن حکیم کا وعدہ ہے کہ:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''تم ہی سر بلند رہو گے اگر صحیح معنی میں مومن رہے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ہماری رہنمائی و دستگیری فرمائے اور ان دینی مدارس کا حامی وناصر ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

موضوع: آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

بمقام: باجوڑ ایجنسی

ضبط و ترتیب: مولانا محمد شعیب سرور

آزاد قبائل سے خصوصی تعلق

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرورنا انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضلل فلاھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان محمد اعبدہ و رسولہ

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم، محترم اساتذہ اور ہونہار طلباء!

اگر چہ صوبہ سرحد میں اور اس کے بعض آزاد قبائل میں پہلے بھی آنا ہوا ہے مگر ''باجوڑ'' میں آنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے۔ جب سے میں یہاں آیا ہوں اس وقت سے میرے جذبات کی جو کیفیت ہے اور جو غیر معمولی مسرت اور سرور مجھے محسوس ہے وہ ناقابل بیان ہے۔

خصوصی تعلق کی وجوہات

ان جذبات اور غیر معمولی مسرت کی بہت ساری وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ آزاد قبائل کے لازوال مجاہدانہ کارنامے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جب سے ہم نے دیوبند میں آنکھ کھولی ہے، میری ولادت دیوبند میں ہوئی ہے اور میرا وطن ''دیوبند'' ہے میں نے ناظرہ قرآن کریم بھی دارالعلوم

دیوبند میں ہی پڑھا تھا۔ اور نصف قرآن کریم بھی وہیں حفظ کیا تھا اور جب ہم ہجرت کر کے پاکستان آئے تو اس وقت میری عمر ۱۲ سال تھی۔ تو ہم نے جب سے دارالعلوم دیوبند میں آنکھ کھولی تو جو لوگ سب سے زیادہ نظر آتے تھے وہ حضرات کوئٹہ، مردان، سوات، دیر، چترال، ایبٹ آباد، بالاکوٹ اور صوبہ سرحد کے دیگر علاقوں کے ہوتے تھے۔ ہم پاکستان بننے سے پہلے بھی یہاں کے لوگوں کے جرات مندانہ واقعات سنا کرتے تھے کہ ان آزاد قبائل نے کیسے ڈٹ کر انگریز کا مقابلہ کیا اسے اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا اور پورے ایمانی جذبے سے انگریز کا مقابلہ کر کے اس کے دانت کھٹے کر ڈالے پھر جب پاکستان بنا تو جہاد کشمیر کا آغاز ہوا تو اس میں بھی آزاد قبائل کے لوگ پیش پیش تھے۔ انہوں نے جہاد کے ذریعے سے کشمیر میں بارامولہ تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا اور چونکہ سری نگر کی بجلی کا پاور ہاؤس بارہ مولہ میں تھا تو یہ سری نگر کو تاریک کر کے اس پر بھی قبضہ کرنے والے تھے لیکن بین الاقوامی سازشوں نے اور پاکستانی فوج کے بعض اعلیٰ عہدیداروں نے............

لیکن میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس وقت میں ان آزاد قبائل کے مجاہدین نے کشمیری بھائیوں کے ساتھ مل کر کشمیر کا جتنا علاقہ آزاد کرا لیا تھا اس کے بعد سے ہم آج تک ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

الحمدللہ ان کارناموں کی وجہ سے مجھے ان آزاد قبائل سے بچپن سے جذباتی لگاؤ اور محبت ہے۔

جہاد کشمیر میں مجاہدین کی بہادری

کشمیر کے جہاد کے دوران وہاں کے ایک عالم دین شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علیہ اور حضرت والد صاحب کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ جہاد کشمیر

کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ آپ بھی کبھی وہاں چلیں اور دیکھیں کہ جب انڈیا کے طیارے بمباری کرنے آتے ہیں اور ہم اپنی فائر گنوں سے فائر کر کے جہاز کو گراتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رگ و ریشے سے لا الہ الا اللہ نکل رہا ہے۔ اور ہمارے روئیں روئیں سے گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہم بھی جہاد کشمیر میں شریک ہوں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کے ایمان افروز حالات دیکھیں۔

آزاد قبائل کا دیگر تحریکات میں نمایاں کردار

جب ہم ذرا بڑے ہوئے اور حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل رحمہما اللہ کی تحریک کے حالات پڑھے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس تحریک میں بھی یہ علاقہ سب سے آگے آگے تھا۔ اسی طریقے سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحریک جو ریشمی رومال'' کی تحریک کے نام سے مشہور ہیں اس میں ان قبائل کا بڑا بنیادی کردار تھا۔ اور جب روسیوں کے خلاف جہاد میں پاکستان اور افغانستان کے مسلمان ڈٹ گئے تھے اس موقع پر بھی پاکستان کی طرف سے سب سے زیادہ جنہوں نے اپنا حصہ ڈالا وہ یہی ہمارے آزاد قبائل تھے۔ پھر انہوں نے روس جیسی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے حتی کہ اس کو نہایت ذلیل وخوار ہو کر افغانستان سے جانا پڑا۔ اور پھر جب طالبان کا دور آیا تو اس میں بھی یہاں کے علماء نے طلبہ نے اور مسلمان عوام نے بڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ تعاون کیا اور ان حضرات نے دوش بدوش لڑ کر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

یہ سب وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے میرا ان علاقوں سے اور یہاں کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور جذباتی لگاؤ ہے۔

خصوصی تعلق کی دوسری وجہ: تعلیم و تعلم کا مقدس رشتہ

ہمارے اس باہمی تعلق کی دوسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جب دارالعلوم کراچی میں درس نظامی کی تعلیم کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی ہمارے سب سے زیادہ ساتھی صوبہ سرحد ہی کے تھے، اور پھر جب ہم نے آج سے تقریباً چھیالیس، سنتالیس سال پہلے سن ۶۱ء میں تدریس شروع کی تو اس وقت سے ہمارے سب سے زیادہ شاگرد اسی علاقے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم یہاں آکر اپنے ان بھائیوں اور ساتھیوں سے ملتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم دارالعلوم کراچی آگئے ہیں۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ "مدینۃ العلوم" بھی دارالعلوم ہی کا فیض ہے اور مجھے یہاں آکر وہی خوشی ہورہی ہے جو خوشی مجھے دارالعلوم کراچی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے بیٹوں نے یہاں جو قال اللہ اور قال الرسول کا مقدس سلسلہ جاری کیا ہوا ہے یہ ہماری تمناؤں کے عین مطابق ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے جن بیٹوں نے دن رات محنت کر کے یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے یہ ہمارے لئے صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنے گا۔

وطنِ عزیز کا بازو و شمشیر زن

یہاں کا علاقہ پاکستان کا بازو و شمشیر زن ہے۔ ہمیں اس علاقے کے مسلمانوں پر، یہاں کے مجاہدین اسلام پر اور یہاں کی اسلام پر مر مٹنے والی عوام پر فخر ہے۔ ہم جب ان کو دیکھتے ہیں تو ہمارے جسم کے خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور ہمارے دل میں جذبہ جہاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس علاقے میں یہ بات دیکھ کر خوشی ہورہی ہے کہ یہاں کے عوام علماء سے جڑے ہوئے اور مربوط ہیں اور علماء کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔ علماء کے ساتھ ربط و تعلق کی بھی بہت خیر و برکات ہوتی ہیں۔

اسی بات کی خیر و برکت ہے کہ یہاں غربت و افلاس دیکھنے کو نہیں ملتی یہاں

ایسی بدامنی اور بے چینی نظر نہیں آتی جیسی بدامنی اور بے چینی دوسرے علاقوں میں ہے۔ یہاں کا امن وامان دیکھ کر وہ سب واقعات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جو لوگوں نے یہاں کے حضرات کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ یہاں کے لوگ ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں ان کے ہاں قتل کرنا معمولی بات سمجھا جاتا ہے اور ان کے ہاں کسی کو مارنا ایسا ہی ہے جیسے مکھی یا مچھر کو مارنا یہ لوگ بے وقوف ہوتے ہیں ناشائستہ ہوتے ہیں تہذیب سے دور ہوتے ہیں پھر لوگوں نے طرح طرح کے لطیفے بھی مشہور کر رکھے ہیں۔

دینی مدارس کا فیض

مجھے یہاں آکر اور یہاں کے حالات دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصے اور یہ باتیں ہمارے دشمنوں نے مشہور کر رکھی ہیں کیونکہ مجھے یہاں آکر شہروں سے زیادہ تہذیب وشائستگی نظر آئی ہے۔ یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ ہیں۔ان کے مکانات صاف ستھرے، اور گندگی سے پاک ہیں یہاں امن وامان ہے آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی پائی جاتی ہے۔

یہ ساری برکت ان دینی مدارس اور ان کے علماء کی ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے علم وعمل میں مزید ترقی عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں کے حضرات کو حفاظت دین کی جو توفیق عطا فرمائی ہے اس میں مزید اضافہ فرمائے۔ (آمین)

علم دین کی اہمیت وفضیلت

یہ مدارس درحقیقت اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں اور ہمارے دشمنوں کو یہ بات بہت دیر سے معلوم ہوئی ہے اگر ان کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو جاتی تو شاید یہ بہت پہلے سے دینی مدارس کے خلاف کاروائی شروع کر دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طاقت کا اصل سرچشمہ یہی مدرسے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ ہے کہ یہ مدرسے اس دین

کے علم کی حفاظت کر رہے ہیں اور جس دین کا علم ختم ہو جائے وہ دین بھی فنا ہو جایا کرتا ہے اور جس دین کا علم باقی ہو تو وہ دین بھی محفوظ رہتا ہے۔

آج دنیا میں کوئی مذہب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کا علم پوری طرح محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ صرف ایک دین کرسکتا ہے اور وہ دین اسلام ہے کیونکہ اس دین کی اصل کتاب جو قرآن مجید ہے وہ لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف محفوظ ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیث طیبہ جو اسلامی شریعت کی بنیاد ہیں وہ بھی جوں کی توں محفوظ ہیں۔

اصح الکتب بعد کتاب اللہ

ان احادیث طیبہ کی حفاظت کی ایک صورت کتب احادیث ہیں اور ان کتب احادیث میں سے ایک کتاب ''بخاری شریف'' ہے الحمدللہ آج ہمیں جس کے اختتام کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ یہ کتاب جو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حیرت ناک کارنامہ ہے اس کتاب میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سات لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تقریباً چار ہزار سے کچھ زائد احادیث جمع کی ہیں۔

اور اللہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو حیرت انگیز حافظہ اور جو مثالی اخلاص دیا تھا اس کی برکت ہے کہ ان کی یہ کتاب آج پوری دنیا میں ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' شمار کی جاتی ہے۔

بخاری شریف کا عرب علماء کے ہاں مقام

ہمارا بیرون ممالک میں جانا ہوتا رہتا ہے اور وہاں عرب علماء سے بھی ملاقاتیں ہوتی ہیں تو ان کے ہاں عام علماء کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ عجمی علماء کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور ان کی بات کو توجہ سے سنتے ہی نہیں ہیں کہ انکے پاس کیا علم ہوگا مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی عجمی ہیں اور بخارا کے رہنے والے ہیں اور عربی زبان میں کوئی بڑے ادیب نہیں

ہیں مگر انہوں نے جن روایات اور احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے میں ان میں سے کوئی حدیث پڑھ کر کہہ دوں کہ ''رواہ البخاری'' یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے تو یہ سن کر بڑے بڑے عرب علماء کی گردنیں بھی جھک جاتی ہیں تو گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث کو اپنی کتاب ''بخاری شریف'' میں جمع کر دیا تو یہی ان کے صحیح ہونے کے لئے حرف آخر سمجھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم یہ ہے کہ آج ہمارے طلبہ کو یہ عظیم الشان کتاب مکمل کرنیکی توفیق مل رہی ہے۔

تین بنیادی کام: تعلیم وتعلم؛ تبلیغ؛ جہاد

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''**لن یصلح اخر ھذا الامۃ الا بما صلح بہ اولھا** اس قوم کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہوگی کہ جس طریقے سے اس امت کے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

چنانچہ ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے عمومی اور اجتماعی حالات کی اصلاح وترقی کے لئے جو بنیادی کام شروع کیے گئے وہ تین تھے۔ پہلا کام تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کا تھا۔ دوسرا کام دعوت تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام تھا، اور جبکہ تیسرا کام جہاد تھا۔

تعلیم وتعلم کا کام تو پہلے دن سے ہی شروع ہو گیا تھا حضرت جبرائیل امین علیہ السلام پہلی وحی ''**اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ**'' کی صورت میں لائے تھے۔

دوسرے کام کا آغاز تقریباً ڈھائی سال کے بعد ہوا اور جبکہ تیسرے کام کا آغاز تیرہ سال بعد شروع ہوا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تینوں کام جاری فرمائے، اور ان کو ہمیشہ رکھنے کی ہدایات دیں اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی یہ تینوں کام جاری تھے، پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم تابعین کرام، تبع تابعین اور امت کے اسلاف واکابر رحمھم اللہ نے جاری رکھا اور آج تک جاری وساری ہے۔

افضل ترین کام: تعلیم وتعلم

اب ان تینوں کاموں کے فضائل بھی بے حد وحساب ہیں حتی کہ اگر تعلیم وتعلم کے فضائل پڑھیں تو جی چاہتا ہے کہ اس میں مشغول رہنا چاہیے دعوت وتبلیغ کے فضائل سنیں تو دل چاہتا ہے کہ یہی کام کرنا چاہیے اور اگر جہاد کے فضائل سنیں تو تمنا ہوتی ہے کہ ساری زندگی جہاد ہی کرتے رہیں۔

لیکن قرآن کریم کے تمام احکامات پورے ذخیرہ احادیث اور سیرت طیبہ کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے اہمیت وفضیلت کے اعتبار سے تعلیم وتعلم کا پہلا درجہ ہے اور دعوت وتبلیغ کا دوسرا اور جہاد کا تیسرا درجہ ہے۔

دین کی بقا علم دین سے ہے!

علم دین کے افضل ترین کام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بقاء ہی علم دین سے ہے۔ مثلاً اگر علم دین نہیں ہے تو تبلیغ کیسے کریں گے؟ اور کس چیز کی کریں گے؟ اور اسی طرح سے جہاد بھی اگر علم کے بغیر ہوگا تو وہ فساد فی الارض بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں علم کی روشنی سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے کچھ قوانین وضوابط ہیں جنکا پابند ہو کر مجاہد کو جہاد کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مجاہدین علماء کی طرف رجوع کریں اور علماء سے پوچھ پوچھ

کر جہاد کریں اور خوب سمجھ لیجئے کہ اگر مجاہدین علماء سے راہنمائی حاصل کر کے جہاد نہیں کریں گے تو کبھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکیں گے اور انکی ساری محنت نہ صرف یہ کہ بیکار چلی جائے گی بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں ان امور کی وجہ سے دینی مدارس کی اہمیت تمام دینی اداروں سے بڑھ کر ہے۔

دینی مدارس اور مسلمانوں کی ذمہ داری

اب چونکہ دینی مدارس دین کے اہم ترین ادارے ہیں اس لئے انکی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر میں یہاں کے تمام مسلمانوں سے درخواست کروں گا کہ حسب سابق ان مدرسوں سے جڑے رہیں اور اپنے بچوں اور خواتین کو بھی ان مدرسوں سے جوڑے رکھیں تا کہ یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہ سکے۔ اور اس میں کمی نہ آنے پائے۔

یاد رکھئے! اگر یہ دینی مدارس کمزور ہو جائیں گے تو دین کمزور ہو جائے گا اس لئے ان مدارس کی حفاظت آپ کی بڑی اہم اور فضیلت والی ذمہ داری ہے۔

انگریزوں کی مسلمانوں اور دینی مدارس کے خلاف سازشیں

انگریزوں نے مسلمانوں کی ایک ہزار سال سے زائد قائم رہنے والی حکومت کا خاتمہ کر کے ہندوستان پر زبردستی اپنا قبضہ جما لیا تو پھر انہوں نے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے مختلف حربے استعمال کیے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں بالخصوص اہل دین پر حملے کیے۔

پہلا طریقہ: عیسائی مبلغین کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ

انگریز نے ان مقاصد کے لئے پہلا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اپنی تبلیغی مشنری بھیجی چنانچہ یہاں ان کے تبلیغی مشنری آئی اور انہوں نے لوگوں کو مال ودولت کا لالچ دے کر اپنے مذہب عیسائیت کی طرف دعوت دینا شروع

کی۔

جب انہوں نے ہندوؤں کو رام کرلیا اور ہندوؤں نے انگریز کی حکومت کو قبول کرلیا تھا حالانکہ ہندوؤں کی اکثریت تھی تو ہندوؤں کے دب جانے کے بعد انہوں نے کچھ ہندوؤں کو کھڑا کیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دو۔ تو انگریزوں کے عیسائی مشنریوں اور ہندوؤں کے ذریعے مسلمانوں کے دین وایمان کو چھیننے کے لئے یہ پہلا حربہ استعمال کیا۔

دوسرا حربہ: فارسی زبان ختم کر کے انگریزی کا نفاذ

دوسرا بڑا خطرناک کام انگریز نے یہ کیا کہ فارسی زبان جو اس وقت کی سرکاری اور دفتری زبان تھی اس کو ختم کرا کے انگریزی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کیا اور اس انگریزی زبان سے انکا مقصد یہ تھا کہ دینی مدرسوں میں پڑھنے والے لوگ جو کہ فارسی زبان جانتے تھے وہ سرکاری اور دفتری ملازمتوں میں نہ آسکیں اور صرف وہی لوگ آگے آئیں جو انکے سکولوں کے پڑھے ہوئے ہوں اور انہوں نے سکولوں میں بھی دینی تعلیم کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ انگریزوں کی ذہنی غلامی پیدا کرنے والا نصاب شامل کر دیا تھا تا کہ جو مسلمان سکولوں میں داخلہ لیں وہ بھی انگریز کے ذہنی طور پر غلام بن جائیں۔

دارالعلوم دیو بند کا قیام

انگریز نے ان دو بڑے طریقوں سے مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ کیا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے حربے اس مقصد کے لئے استعمال کیے۔ تو ان حالات میں شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کا دین وایمان محفوظ نہیں رہے گا اور مسلمان اس کی حفاظت نہیں کرسکیں گے۔ اس خطرے کو بھانپ کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے دیو بند کی بستی میں جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس میں

دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی۔ اور پھر اس مدرسے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسے اللہ والے جمع ہو گئے کہ جن میں سے ایک ایک فرد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نمونہ تھا۔ پھر ان حضرات نے دینی تعلیم کا انتظام کر کے درس و تدریس کا آغاز کیا اور اس دارالعلوم دیو بند میں ایسے علماء تیار کیے جو ماہر اور متبحر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیز گار بھی تھے اور بزرگوں اور اللہ والوں کے تربیت یافتہ تھے۔

دارالعلوم دیو بند کا سنہری دور

میرے دادا حضرت مولانا محمد یاسین رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیو بند کے ہم عمر تھے جس سال دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی گئی اس سال انکی ولادت ہوئی پھر وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ہم سبق بھی تھے اور دونوں حضرات نے دورہ ایک ساتھ کیا تھا۔

تو ہمارے دادا فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے دارالعلوم دیو بند کا وہ دور بھی دیکھا ہے کہ جب دارالعلوم کے صدر مدرس سے لے کر ایک چپڑاسی اور دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے۔''

تو اس وقت دارالعلوم دیو بند کا سارا ماحول اولیاء اللہ کے زیر اثر تھا۔ انسان ان بزرگوں کے حالات سنانے لگ جائے تو دل پگھل جائیں مگر انکے حالات ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو جیسی صلاحتیں اور جیسا بلند اخلاق دیا تھا اس کی مثالیں ملنا مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کا عالم

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ کے اخلاص کا کیا عالم تھا

اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کانپور میں جا کر مدرسہ شروع کیا۔ کانپور میں کچھ اہل بدعت بھی تھے لیکن اس وقت کے اہل بدعت آجکل کے اہل بدعت کی طرح متشدد نہیں تھے۔ ان کے ہاں معقولات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی اور قرآن وسنت کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ علماء دیوبند معقولات کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس خیال سے کانپور میں بیان کے لئے دعوت دی کہ جب اہل بدعت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان سنیں گے تو یہ لوگ بھی علماء دیوبند سے مانوس ہو جائیں گے۔ اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے بزرگ معقولات کے ایسے زبردست ماہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور جب بیان شروع فرمایا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معقولات ومنقولات کے علوم ومعارف کے دریا بہا دیئے۔ مجمع پر سناٹا طاری ہوا تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بڑے انشراح قلب کے ساتھ جاری تھا کہ اتنے میں اہل بدعت کے بڑے اور مشہور علماء بھی آگئے اور آکر سٹیج کے قریب بیٹھ گئے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ ان پر پڑی تو خاموش ہو گئے۔ حالانکہ ابھی جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا اور آدھا جملہ باقی تھا۔ لوگ سمجھے کہ حضرت کو کوئی تکلیف لاحق ہو گئی ہے اور کسی نے پانی دیا کسی نے پنکھا جھلا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بھی پریشان ہو گئے اور پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ نے بیان کرنا چھوڑ دیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''بیان نہیں ہوگا'' حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت اب تو بیان کرنے کا وقت آیا تھا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ ''ہاں یہی بات میرے دل میں بھی آگئی تھی'' کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا مگر جب یہ لوگ آئے دل میں خیال آیا کہ اب ان کو بھی پتہ چل جائے

گا کہ ہمارا بیان کیسا ہوتا ہے اور ہمارے پاس بھی کیسا علم ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی تو سمجھ آ گیا کہ پہلے بیان اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور اب اگر بیان کیا تو یہ دکھلاوا ہوگا۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کو چھوڑنے کی وجہ:

یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک یہودی نے تاجدار دوعالم، سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں گالی دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود امیر المومنین تھے اور پھر بہادر تھے فاتح خیبر تھے تو انہوں نے فوراً اس یہودی کو زمین پر پٹخا اور خنجر نکال کر وار کرنے ہی والے تھے کہ اس یہود نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دیر کیلئے کچھ سوچا اور پھر خنجر ہٹا کر ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ اب یہودی بھی حیران ہے کہ میری تو جان جا رہی تھی اور دیکھنے والے بھی حیران تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ کو کیوں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

پہلے میں اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور شریعت کی تابعداری میں قتل کر رہا تھا کیونکہ شریعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے اور زیادہ غصہ آیا اور دل نے چاہا کہ جلدی سے اس کو قتل کر دوں۔ مگر فوراً اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور خیال آ گیا کہ اگر اب میں اس کو قتل کروں گا تو یہ خالص اللہ کے لیے قتل نہیں ہوگا بلکہ اپنے نفس کے لیے بھی قتل ہوگا۔

یہودی نے جب یہ بات سنی تو فوراً اسلام لے آیا کہ جس نبی کے غلاموں کا یہ مرتبہ ہو کہ ان کو اپنے نفس پر اتنا قابو ہے تو اس نبی کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ تو ہمارے بزرگ تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے تھے۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بلند اخلاقی اور احساس ہمدردی کا حیرت انگیز واقعہ:

حضرت مولانا اصغر علی حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز بزرگ اور استاد تھے جو ہمارے دادا کے شاگرد تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ وہ بہت بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سارے بزرگ ان کی عزت کیا کرتے تھے اور ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے پاس کثرت سے جایا کرتے تھے۔ ہم بھی اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلے جایا کرتے تھے لیکن ہمارے جانے کی ایک وجہ تو یہ ہوتی تھی کہ ان کے پاس کوئی بچہ جاتا تھا تو وہ اس کو مٹھائی دیتے تھے تو ہم جب ان کے پاس جاتے تھے تو وہ ہمیں بھی مٹھائی دیتے تھے۔

میں نے ان کے بارے میں ایک واقعہ سنا تھا کہ ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اپنے گھر جارہے تھے ان کے گھر کے راستے میں ایک گلی پڑتی تھی۔ اس گلی کو پار کر کے کچھ آگے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا گھر تھا۔ تو جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس گلی میں پہنچے تو آپ نے اپنے جوتے اتار لیے اور ننگے پاؤں چلنے لگے اور جب گلی پار کرلی تو جوتے دوبارہ پہن لیے اور گھر چلے گئے۔

جب ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اس گلی میں جوتے کیوں اتار دیئے تھے تو فرمایا کہ بس اتار لیے تھے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ آخر بتایئے کیا بات ہے تو کہنے لگے کہ:

”دیکھو اس گلی میں ایک گھر ہے اس میں ایک پیشہ ور فاحشہ عورت رہتی ہے جب وہ جوان تھی تو اس کے پاس بہت گاہک آتے تھے لیکن اب وہ بوڑھی ہوگئی تو اس

کے پاس کوئی گاہک نہیں آتا۔ اب اگر میں جوتے پہن کر گلی سے گزروں گا تو جوتوں کی آواز کو سن کر اس کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ کوئی گاہک آرہا ہے اور اس کو امید لگ جائے گی لیکن جب میں گزر جاؤں گا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا تو میں کیوں اللہ کی ایک بندی کا دل توڑوں۔ اسی واسطے میں اس گلی سے جوتے اتار کر گزرتا ہوں۔"

جب حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فاحشہ کے ساتھ اخلاق کا یہ عالم ہے تو ان کا عام مسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونہ تھے

یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو زندہ کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں خود سنت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ تھیں۔ تو ان علماء دیوبند نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو اپنایا تو ایک ایک بزرگ تقویٰ اور ورع میں، اخلاص میں، فنائیت اور للہیت میں اور تواضع و انکساری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا نمونہ ہو گیا۔ ان حضرات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو تو کچل ہی ڈالا تھا اور اپنے نفس کو بالکل مار دیا تھا۔

اختلاف رائے میں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے:

یہی وجہ ہے کہ ان حضرات میں اگر کبھی اختلاف رائے ہوا بھی تو ان لوگوں نے اس کو اپنے وقار کا مسئلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کا اختلاف نفس کے لیے نہیں تھا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ تو ایسا اختلاف ممنوع اور مضر نہیں ہے۔

اب اختلاف ہونے کی وجہ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہر فن کی طرح اسلامی فقہ میں بھی ماہرین فن کا اختلاف ہوا ہے جیسے کہ انجینئرنگ میں انجینئروں کا، سائنس میں سائنسدانوں کا کسی مریض کے مرض کے بارے میں ڈاکٹروں کا، اور کسی قانونی مسئلہ میں قانون دانوں اور عدالتوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھی کوئی ایسا مسئلہ جو

کہ نص قطعی اور واضح دلیل سے ثابت نہ ہو اور اس میں ماہرین فقہ غور وفکر کریں تو اس میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ و قانون میں بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف ہوا ہے۔

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس مسئلہ کے بارے میں قرآن کریم اور حدیث متواتر میں کوئی واضح حکم نہیں آیا ہے تو اس میں دو رائے ہو سکتی ہیں اور اجمال کی وجہ سے اختلاف رائے اور دو احتمال ہو سکتے ہیں۔''

پس اختلاف رائے فی نفسہ کوئی بری بات نہیں ہے جبکہ ماہرین فن میں ہو لیکن اس اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کے بارے میں بدگمانی کرنا یا بدزبانی کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اس اختلاف رائے کو اپنی انا اور عزت و وقار کا مسئلہ بنا کر علیحدہ گروہ، نیا فرقہ، علیحدہ جماعت بندی کرنا امت میں انتشار پیدا کرنا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اختلاف رحمت ہے اور امت میں تفریق پیدا کرنا (رحمت) نہیں ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف حق و اعتدال پر مبنی تھا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف ہوا مگر انہوں نے اختلاف کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے ان کا باہمی اختلاف دشمنیوں کا سبب نہیں بنا۔ مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنگ صفین لڑی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہم مقابل تھے لیکن اس کے باوجود ایک دوسرے کی عزت و احترام میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا کیوں کہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے واسطے مد مقابل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے پوچھا کہ کل جنگ میں ہم مارے گئے تو ہمارا کیا حکم ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم شہید ہو گے۔ پھر پوچھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی مارے گئے تو ان کا کیا حکم ہوگا۔ فرمایا وہ بھی شہید ہوں گے۔

اور یہی سوال جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے حامیوں نے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اگر تم لوگ مارے گئے تو تم بھی شہید اور اگر تمہارے ہاتھوں وہ لوگ مارے گئے تو وہ بھی شہید ہوں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف حقانیت کی دلیل:

وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات دلائل شرعیہ کی بناء پر لڑ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے ڈٹے ہوئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دلائل کی وجہ سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اب اس بات کی دلیل کہ یہ حضرات محض اللہ تعالیٰ کے لیے اور دلائل شرعیہ کی وجہ سے لڑ رہے تھے یہ ہے کہ:

دوران جنگ قیصر روم ''ہرقل'' نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا جس میں اشارہ تھا کہ وہ آپ کی نصرت کرنا چاہتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''ہرقل'' کو تاریخی دھمکی:

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہرقل کے اس ارادے کا پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط لکھا جس میں ہرقل روم سے کہا گیا تھا کہ:

''اگر تو نے اپنے ارادے کو پورا کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھ! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ان سے مل جاؤں گا اور ان کے لشکر میں ان کا سپاہی بن کر شامل ہو جاؤں گا اور تجھ پر حملہ آور ہو جاؤں گا اور لشکر اسلام کا وہ پہلا سپاہی جو تیری گردن کو گاجر کی طرح کاٹے گا وہ معاویہ ہوگا۔''

یاد رکھ اگر تو نے اپنے ارادے کو ترک نہ کیا تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل کر تجھ پر لشکر کشی کروں گا اور تیرے دارالحکومت قسطنطنیہ کو جلا کر کوئلہ بنا دوں گا اور تو خنزیروں کا چرواہا بن کر ریوڑ چراتا پھرے گا اور در در ذلیل وخوار ہوگا۔''

دیکھئے اگر یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوتی بلکہ آپس کے بغض وعناد اور دشمنی

وعداوت کی بنا پر ہوتی تو فریق مخالف کو نقصان پہنچانے کا اس سے اچھا موقعہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ عیسائی قوت کو ساتھ ملا سکتے تھے مگر اس کے باوجود انتہائی سخت جواب دے کر ہرقل کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

علماء دیو بند اختلاف رائے میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متبع تھے:

ہمارے اکابرین چونکہ ہر ہر چیز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے تھے چنانچہ اختلاف رائے میں بھی ہمارے بزرگوں کا یہی حال تھا کہ ان کا آپس میں اختلاف رائے ہوا لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کی باہمی عزت وتکریم میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

علماء کرام سے خصوصی گزارش:

تو یہاں کے تمام علماء کرام کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے علماء دیو بند کے نام کو روشن کیا ہے۔ اور علمائے دیو بند کے نام کو روشن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام کو روشن کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور سنت کو روشن کرنا ہے۔

اختلاف رائے کو افتراق کا ذریعہ بنایا جائے:

یقیناً آپ حضرات نے اس سلسلے میں اپنی بھرپور کاوشوں کو بروئے کار لایا ہوگا اور انتھک محنتوں اور جدوجہد سے اس کار خیر کو سرانجام دیا ہوگا۔ بس میری آپ سے یہی گزارش ہے کہ جیسا کہ مولانا ذاکر اللہ صاحب نے بتایا کہ الحمد للہ یہاں کے علماء کرام میں بہت اتحاد ہے یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر کبھی خدانخواستہ اختلاف ہو بھی جائے اور وہ شرعی حدود و قیود اور دلائل کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن گزارش یہ ہے کہ اس اختلاف کو باہمی اختلاف و رنجش اور بدزبانی و بدگمانی کا ذریعہ

نہ بنایا جائے اور دشمنی اور گروہ بندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے کیونکہ گروہ بندی کی شریعت میں بالکل اجازت نہیں ہے۔

امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی ممانعت ہے:

شریعت مطہرہ میں حالت اضطراری میں خزیر کا گوشت کھانے، شراب پینے اور میت و مردار کھانے کی تو بقدر ضرورت اجازت دی گئی ہے لیکن امت مسلمہ میں افتراق پھیلانے کی اجازت کبھی بھی اور کسی بھی موقع پر کسی کو نہیں دی گئی۔

آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں اتحاد امت کی اہمیت:

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو افتراق کی ممانعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارت کو نئے سرے سے تعمیر کیا تو انہوں نے خالص حلال کمائی سے اس کی تعمیر کی او جب ان کے پاس خالص حلال پیسوں کی کمائی ختم ہوگئی تو انہوں نے اس کی لمبائی اور اونچائی میں کمی کردی چنانچہ حطیم کا وہ حصہ جسے حجر بھی کہتے ہیں اس میں تقریباً چھ سات ہاتھ تک کی زمین کا حصہ دراصل بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس حصے کو قریش نے خالی چھوڑ دیا تھا۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے او انکو اس عمارت اور اس کے پتھروں سے بڑی عقیدت ہے ورنہ میں اس عمارت کو گرا کر نئے سرے سے ''قواعد ابراہیمی'' پر تعمیر کر دیتا لیکن اس کو گرانے میں لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی اور بعض شر پسند لوگ اس بات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ شریف کو قیامت تک کے لیے نامکمل چھوڑ دیا حالانکہ بیت اللہ شریف قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے پانچ وقت کی نمازوں اور حج اور عمرہ وغیرہ کے قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی عبادات کا مرکز ومحور ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے صرف اور صرف مسلمانوں کے درمیان افتراق اور اختلاف پیدا ہونے کے ڈر سے اس عظیم گھر کی تعمیر کو نامکمل چھوڑ دیا۔ چنانچہ آج تک وہ ایسے ہی چلا آرہا ہے۔

اتحاد کو کسی قیمت پر توڑا نہیں جاسکتا:

اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی جاتی ہے اور معمولی باتوں پر جھگڑے کیے جاتے ہیں۔

یاد رکھیۓ! مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو کسی بھی قیمت پر توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس اتحاد کو قائم رکھنے کے واسطے بڑی سے بڑی قربانیاں دی جاسکتی ہیں لیکن اس اتحاد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اتحاد کے لیے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تعلیم قرآن کریم عظیم ترین کام ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ الحمد للہ یہاں تعلیم قرآن کریم کے بہت سے مکاتب قائم ہیں اور مزید مکاتب قرآنیہ قائم کیے جارہے ہیں۔ ایک اللہ کے بندے ہیں جو اس کام میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں اور جگہ جگہ مکاتب اور مساجد بنوارہے ہیں۔ یہ بڑا عظیم بابرکت اور باعث خیر وبرکت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور میں ان کے کارناموں پر جن کی تفصیل مجھے مولانا ذاکر اللہ صاحب سے معلوم ہوئی ہے ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان

کے مال ودولت ان کے علم وعمل اور ایمان وتقویٰ سب میں برکت عطا فرمائے۔

کیونکہ یہ سب سے عظیم کام ہے جس کے بارے میں فرمان ہے کہ:

﴿خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ﴾

''یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم پڑھے اور پڑھائے۔''

تو تعلیم قرآن سب سے عظیم کام ہے اور تعلیم قرآن میں قرآن پاک کے الفاظ سیکھنا یعنی ناظرہ اور حفظ کروانا بھی شامل ہے اور قرآن کریم کے معانی یعنی درس نظامی وغیرہ کی تعلیم دینا بھی شامل ہے۔ اس لیے جو درجہ درس نظامی کے اساتذہ کا ہے وہی درجہ حفظ وناظرہ کے اساتذہ کا بھی ہے۔

میں وہاں کراچی کے لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم لوگ کچھ تو شرم کرو۔ تم جو تنخواہ اپنے ڈرائیوروں اور چپڑاسیوں کو دیتے ہو اس سے بھی کم تنخواہ تم نے قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔

بچوں کو گھر میں ٹیوشن پڑھانے کے لیے کسی ٹیوٹر کو بلاتے ہیں تو اس کو فی مضمون پچاس روپے دیتے ہیں اور مولوی صاحب کو قرآن کریم پڑھانے کے لیے بلاتے ہیں تو سو پچاس روپے میں ٹرخا دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا قرآن کریم کی قدر و قیمت اور اہمیت نعوذ باللہ سکول و کالج میں پڑھائی جانے والی کتابوں سے بھی کم ہے۔

خدارا آپ اس سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیجئے گا اور حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو بھی معقول تنخواہ دیجئے گا ورنہ کل کو ان کے بچے ان سے شکایت کریں گے کہ دیکھو تم نے قرآن کریم پڑھا پڑھایا ہے لیکن تمہیں کیا ملا؟ چھوٹا سا مکان، پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑے ہی تو ملے ہیں نہ عزت ہے نہ اچھا کھانا میسر ہے۔

لیکن فلاں شخص نے انگریزی پڑھی پڑھائی اور آج اس کے پاس عزت بھی ہے اچھا کھانا، اچھا کپڑا اور اچھا مکان سب کچھ ہے۔

تو اس طعنے سے قرآن کریم کی بے توقیری اور بے حرمتی ہوگی۔ اس لیے حفظ و ناظرہ کے اساتذہ کو اتنی تنخواہ دیں کہ ان کے دل میں احساس کمتری پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق دے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

☆☆☆

تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

موضوع: تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ

خطاب: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

مقام: جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب: مولانا عبدالتواب

﴿تعلیم و تعلّم ایک اہم فریضہ﴾

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد!

عزیز طلبہ!

میری خواہش بھی رہتی ہے، ضرورت بھی ہے اور اصولی طور پر یہ بات بھی ہے کہ طلبہ سے ہمارا خطاب ہر ہفتہ یا کم از کم دو ہفتے میں ایک مرتبہ ہو جایا کرے، لیکن مشاغل بڑھتے جارہے ہیں، خواہش و کوشش کے باوجود وقت نکالنا آسان نہیں رہا، طلبہ بھی یاد دہانی کراتے رہتے ہیں، اس بات سے خوشی بھی ہوتی ہے کہ طلبہ کو اپنی اصلاح کے لیے باتیں سننے کا شوق اور اس کی فکر ہے۔

میں اپنے دل کی بات عرض کرتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ طلبہ سے، طلبہ کے طبقے سے ایک خاص قلبی تعلق ہے، چاہے وہ میرے پاس پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، میرے دل میں ان کی محبت ہے اور جو طلبہ مجھ سے براہ راست پڑھتے ہیں ان کی محبت تو ایسی ہو جاتی ہے جیسے اولاد سے، پہلے بھی میں نے بار بار یہ بات سنائی ہے کہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دعا فرماتے تھے کہ ''یا اللہ! مجھے طلبہ کے ساتھ زندہ رکھ، طلباء ہی کے ساتھ میری موت ہو اور طلبہ ہی کے ساتھ میرا حشر ہو'' اور درحقیقت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے ماخوذ ہے۔

﴿اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین﴾

ہماری یہ طلبہ کی برادری بھی مساکین کی برادری ہے، انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی زندگیوں کو اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے، اللہ ہی کے واسطے اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں اور الحمد للہ ان میں بھاری اکثریت مخلصین کی ہے، جو دنیا کے لیے نہیں آئے، دین سیکھنے، اس پر عمل کرنے، اسے پھیلانے اور دوسروں تک اسے پہنچانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم اور اس کا بڑا احسان ہے۔

طلبہ کا حلقہ تمام مسلمانوں میں ممتاز ترین حلقہ ہے:

ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اور والد صاحب کی اس بات کی بنیاد پر میں بھی کہتا رہتا ہوں کہ یہ طلبہ ایک اعتبار سے پوری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ممتاز ترین حلقہ ہے۔ انہوں نے اپنی پوری کی پوری زندگی اللہ کے راستے میں لگا رکھی ہے، جب سے ہوش سنبھالا تھا الف، ب پڑھنی سیکھی تھی اور اب داڑھیاں نکل آئیں اسی وقت سے تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے تقریباً سولہ سترہ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کہیں مدرس ہو جائیں گے یا امام و خطیب بن جائیں گے، یا کہیں تصنیف و تالیف کا یا فتویٰ کا یا قضاء کا کام کرنے لگیں گے، یہ سارے کام دین کی عظیم الشان خدمت و محنت کے کام ہیں، یہاں تک کہ ان ہی مشاغل میں الحمد للہ موت آجاتی ہے۔ "طلب العلم من المھد الی اللحد" فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی طلب علم کا سلسلہ جاری رہتا ہے کیونکہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب کوئی استاذ بنتا ہے تو درحقیقت اس کے ذہن میں دوسروں کو پڑھانے کی نیت ثانوی درجے میں ہوتی ہے، اول درجہ میں خود اپنے علم کو بڑھانے اور پختہ کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ تاکہ جو پڑھا ہے وہ یاد رہے، اضافہ ہو اور استحکام پیدا ہو۔

طلب علم کا منصب بہت اونچا ہے:

یاد رکھیئے! طلب علم کا منصب بہت ہی اونچا منصب ہے، طالب علم پر اللہ کی خاص توجہ وعنایت ہوتی ہے، اللہ سے مانگنے والا ہر طالب علم ہر وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ میری دینی معلومات میں اضافہ ہو، یہ عمل اللہ کو بہت پسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ''**من سلک طریقا یلتمس فیه علماً سهل الله له به طریقا الی الجنة**'' اور سچے طالب علم کے قدموں تلے فرشتے پر بچھاتے ہیں، پانی میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں، اللہ ہمیں ان میں سے بنادے۔ (آمین)

کوئی شخص استاذ بن جائے یا محدث وفقیہ بن جائے لیکن وہ طالب علم ہی رہتا ہے، طالب علمی ختم نہیں ہوسکتی، کیونکہ علم کی کوئی انتہا نہیں، ارشاد باری ہے کہ ''**وفوق کل ذی علم علیم**'' جتنا علم بڑھتا جائے گا اتنا ہی علم کی کمی کا احساس بڑھتا جائے گا۔

بوعلی سینا کی حکایت

شیخ ابوعلی سینا کی ایک حکایت ہم نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی اور شاید طلبہ سے خطاب ہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی۔

''ابن سینا کے علم وحکمت کا پوری دنیا میں طوطی بولتا تھا وہ کسی ایسے ملک میں پہنچے جہاں ان کی بڑی شہرت تھی، وہاں پہلے آنا نہیں ہوا تھا، اس لیے شاندار استقبال ہوا، وہاں ایک کتب خانہ تھا جس میں نادر کتابیں نظر آئیں تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ ساری خاطر تواضع اپنی جگہ اب میں اس کتب خانہ سے اسی وقت نکلوں گا جب ساری کتابیں پڑھ لوں گا میرے مطالعہ میں کوئی خلل نہ ڈالے، ہاں نماز اور دوسری ضروریات کے کام کروں گا، اس کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں ہوگا، سوائے ان کتابوں کے مطالعہ کے۔''

بڑے عرصے تک لوگوں کو انتظار رہا کہ ان کے نئے مطالعہ سے ان کے علم میں

خوب اضافہ ہوا ہوگا، چنانچہ حکماء علماء عقلا جمع ہو گئے اور جب وہ اس کتب خانے سے باہر آئے تو ان اہل علم نے ان سے درخواست کی کہ اس مطالعے سے آپ کو جو نیا علم حاصل ہوا براہ کرم ہمیں بھی بتا دیجئے، فرمایا مجھے بہت بڑا علم ملا ہے، جو پہلے نہیں تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ علم تمام علوم پر بھاری ہے اور وہ علم یہ ہے نیا علم مجھے یہ ملا کہ میں کچھ نہیں جانتا، پہلے یہ بات بھی معلوم نہیں تھی، پہلے جہل مرکب میں مبتلا تھا، پہلے میں سمجھتا تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں، اب پتہ چلا کہ میں کچھ نہیں جانتا، تو علم کی کوئی حد و انتہاء نہیں، جتنا آدمی آگے بڑھتا جاتا ہے اپنی کم علمی کا احساس بڑھتا جاتا ہے، علم کی زیادتی کا احساس جاہلوں کو ہوا کرتا ہے جس کو یہ احساس ہو کہ میں بڑا عالم بن گیا تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہی سب سے بڑا جاہل ہے۔ جس کو اپنے جہل کا علم نہ ہو وہ جہل مرکب میں مبتلا ہے۔

اور یاد رکھیے کہ علم محنت و قربانیاں مانگتا ہے، اس کے بغیر نہیں آتا، علم بڑا غیور ہے۔ آسانی سے ہاتھ نہیں آتا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ **اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰى تُعْطِيَهٗ كُلَّكَ**۔ ترجمہ: یعنی علم اپنے ذرا سا بھی حصہ تم کو نہیں دے گا جب تک تم اپنا سب کچھ اس کو نہ دے دو۔

الحمد للہ ہمارے مدارس کا یہ طبقہ ایسا ممتاز طبقہ ہے جن کی پوری زندگی علم کے لیے وقف ہوتی ہے۔

تعلیم و تعلم سب سے مقدم ہے:

میں کہا کرتا ہوں کہ جہاد بھی الحمد للہ بہت عظیم الشان عبادت ہے اس کے اتنے فضائل ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ سارے کام چھوڑ کر بس جہاد ہی کیا جائے، اسی طرح تبلیغ بھی ایک عظیم عبادت ہے، جہاد انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور دعوت الی اللہ فرائض انبیاء میں داخل ہے اور تعلیم دین بھی عظیم الشان کام ہے لیکن ان میں ترتیب آپ

دیکھیں کہ جب غار حرا میں نزول قرآن کا آغاز ہوا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوگیا۔ اقرا باسم ربک۔ کی ابتدائی آیات حضرت جبریل امین علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ تک پہنچائیں اور آپ ﷺ نے یہی آیتیں حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو سنا دیں اس طرح تعلیم دین کا سلسلہ پہلے دن سے ہی شروع ہو گیا۔ دعوت الی اللہ کا سلسلہ تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب سورہ مدثر کا نزول ہوا ہے اس وقت سے شروع ہوا۔ اور بہت بڑے پیمانے پر ہوا اور شب و روز کے مشاغل میں یہ بھی شامل ہوگیا۔

مدینہ آنے کے بعد جہاد کی فرضیت بھی آ گئی، لیکن آپ ترتیب دیکھیں سب سے پہلے تعلیم و تعلم ہے، اس کے بعد دعوت و تبلیغ اور پھر جہاد۔ اور یہ تینوں کام آپ ﷺ اپنی وفات تک انجام دیتے رہے ہیں، یہی تینوں ذمہ داریاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کر کے گئے ہیں، جیش اسامہ تو اس وقت تیار ہی کھڑا تھا تھا وہ جہاد کے لیے گیا، مبلغین اپنی تبلیغ کا کام کرتے رہے، اور تعلیم و تعلم والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا کام کرتے رہے اور یہ تینوں سلسلے آج تک چلے آ رہے ہیں۔

لیکن جہاد ہو یا تبلیغ، ان میں سے کوئی بھی ہو علم کے بغیر نہیں ہوسکتا؟ اگر جہاد علم کے بغیر ہو تو وہ جہاد نہیں رہے گا بلکہ فساد فی الارض بن جائے گا، اور اگر تبلیغ علم کے بغیر ہو تو وہ الحاد اور بے دینی پھیلانے والا کام بن جائے گا، دین پھیلانے والا کام نہ رہے گا تو علم کی ضرورت جہاد و تبلیغ دونوں کیلئے ہے۔

پھر یہ کہ جہاد، پوری زندگی نہیں ہوتا، ایسا شاذ و نادر ہی کوئی ملے گا جس کی پوری زندگی جہاد میں لگی ہو۔ تبلیغی جماعت میں بھی کوئی تین روز لگائے، کوئی چالیس، کوئی چار مہینے اور کوئی سال لگائے، پھر واپس گھر تو آجائے گا اور اپنی تجارت وزراعت یا ملازمت و مزدوری وغیرہ کے کام کرے گا۔

ہمارے طالب علمی کے زمانے میں ہمارے ایک دوست جو تبلیغ کے راستے میں

ماشاء اللہ بہت سرگرم تھے، ہم نے ساتھ ہی قرآن حفظ کیا تھا، پھر وہ سکول اور کالج کے راستے پر چل پڑے اور میں دارالعلوم کراچی کورنگی میں درس نظامی کا طالب علم تھا، ہم والدین سے ملنے کیلئے ہفتے بعد گھر آتے تو یہ دوست پہنچ جاتے اور کہتے کہ مکی مسجد چلو گے، ہم کہتے کہ اپنے والدین سے ملنے ابھی تو آئے ہیں، تو یہ کہتے کہ بھئی اللہ کے راستے میں نہیں چلو گے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ یار کبھی تو اللہ کے راستے میں نکلو؟ میں نے کہا کہ بھئی! میں اللہ کے فضل سے پورا ہفتہ اللہ کے راستے میں لگا کر آرہا ہوں اور یہ ایک دن ہے جس میں والدین بھی انتظار میں ہوتے ہیں اور بہن بھائی بھی، تم عجیب آدمی ہو کہ ہر وقت اللہ کے راستے میں ہو حالانکہ تم کالج میں پڑھتے ہو اور تجارت بھی کرتے ہو، تبلیغ میں ایک ہفتہ میں سے صرف ایک رات کا کچھ حصہ لگاتے ہو۔ اور ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے شب و روز اپنے راستے میں لگا رکھا ہے۔

والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے تبلیغی بھائی، صرف اسی کو تبلیغی بھائی کہتے ہیں کہ مکی مسجد اور رائے ونڈ میں آئے، اور اگر وہ وہاں نہ آئے تو تبلیغی بھائی نہیں بنتا۔ فرماتے کہ میں نے تو پوری زندگی اللہ کے راستے میں دے رکھی ہے مگر میں تبلیغی بھائی نہیں، حالانکہ میں تبلیغ ہی کا کام تو کر رہا ہوں، تصنیف و تالیف کرتا ہوں، بیان کرتا ہوں، فتوے لکھتا ہوں، میں نے پوری زندگی لگا دی ہے مگر میں ان کے نزدیک تبلیغی بھائی نہیں ہوں۔ اگر میں چلہ لگا لیتا تو میں تبلیغی بھائی بن جاتا تو یہ کیا بات ہوئی؟

یہ سب باتیں ہم اس لئے نہیں کر رہے کہ خدانخواستہ اس تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دلوں میں نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کام کی اہمیت سے بخوبی واقف اور قدر دان ہیں یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ کہ خدانخواستہ.......... خدانخواستہ تبلیغی کام کی اہمیت ہمارے دل میں نہیں ہے یا کم ہے۔ الحمد للہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تبلیغی کام شروع کیا تھا اللہ نے اس میں بہت خیر و برکت رکھی ہے، اللہ کے فضل سے اس کا فائدہ پوری دنیا میں ہو رہا ہے۔ اللہ کا پیغام اس کام کی برکت سے دنیا کے گوشے

گوشے میں پہنچ رہا ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ ہر چیز کے درجات ومراتب ہوتے ہیں، یہ بھی عظیم الشان کام ہے، یہ سب ہمارے ہی کام ہیں تبلیغی کام ہو رہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے، جہاد ہو رہا ہے تو وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے۔ اور جہاں درس وتدریس کا کام ہو رہا ہے وہ بھی ہمارا ہی کام ہو رہا ہے۔

درس وتدریس کے کام میں اللہ رب العزت نے ہمیں یہ نعمتیں دے رکھی ہیں کہ ہمیں باہر جانا نہیں پڑتا، کوئی ہمیں دھتکارتا نہیں ہے۔ ہم قال اللہ وقال الرسول میں یکسوئی سے مشغول ہوتے ہیں، ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اس کام میں لگا رکھا ہے یہ کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ نے کتنا فضل فرمایا ہے۔

یہ مدارس کے طلبہ اور اہل علم کے لئے ایک نعمت ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے قلعے ہیں۔

طالب علمی کا یہ زمانہ بڑی نعمتوں والا زمانہ ہے، اس میں صحت بھی ہے کہ اس سے اچھی صحت آپ کو پھر نہیں ملے گی، اس میں علم حاصل کرنے کے لیے فرصت اور یکسوئی بھی ہے آپ یہاں فارغ ہوں گے اور باہر نکلیں گے تو زندگی کے مسائل آپ کو گھیر لیں گے۔

عزیز طلبہ! آپ ہمارا مستقبل ہیں، آرزو ہیں، تمناؤں کا مرکز ہیں، ہم نے آپ سے بہت امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں، ہماری کشتی تو کنارے پر لگنے والی ہے، اب یہ ذمہ داریاں آپ کو سنبھالنی ہے۔ بس علم وتربیت حاصل کریں۔ اپنے علم کو مضبوط ومستحکم بنانا ہے اور اپنے عمل کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت وسنت کے ڈھانچے میں ڈھالنا ہے۔ بس پھر تم ہی میر کارواں ہوں گے۔ کیا تم نے صحابہ کو نہیں دیکھا کہ پہلے کیا تھے اور تیئس سال حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے پوری دنیا کے امام بن گئے، عظیم انقلاب آ گیا، ان کا علم وحکمت، اخلاق وکردار، ان کی صلاحیتیں جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل

گئیں۔

کسی نے کیا خوب کہا کہ صحابہ کرام جب جزیرہ نمائے عرب سے نکل رہے تھے تو اونٹوں کی مہاریں ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن دنیا نے دیکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے قوموں کی باگ ڈوران کے ہاتھوں میں آ گئی۔

یہ اعجاز تھا حضور ﷺ کی تربیت کا کہ ایک ایک صحابی کو ایسا بااخلاق انسان بنا دیا گیا تھا کہ ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی کے تمام شعبوں میں حضور ﷺ کی سنت پر عمل کرتے تھے، سنت تو وہ ہے جو آدمی کو مٹی سے سونا بنا دے، سنت کیمیا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھو کہ جب سنت کا لفظ آتا ہے تو ہمارے ذہنوں میں چند محدود سنتیں آتی ہیں۔ لیکن یہ بہت محدود مفہوم ہے۔

سنت کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کرو۔ بوقت ملاقات آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم ہوتا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی آپ ﷺ سے ملا ہوں اور آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو۔ خندہ پیشانی یہ ہے کہ آپ ایسے انداز سے ملاقات کریں کہ سامنے والا یہ سمجھے کہ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ اور چہرے پر مسکراہٹ ہو یا کچھ مسکراہٹ کے آثار ہوں، یہ بھی تمہارے واسطے صدقہ ہے، پیسے نہیں دیئے تم نے لیکن ''ادخال السرور فی قلب المؤمن'' (یعنی کسی مومن کے دل میں سرور پیدا کرنا) یہ ایک مستقل اور زبردست عبادت ہے۔ یہ معمولی سنت نہیں، سلام وکلام اور کھانے پینے کی سنتیں اور ان کے آداب کی رعایت رکھنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ'' کسی نے آپ کو راستہ بتا دیا تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے جواب میں ایسا کلمہ کہیں کہ جس سے اس کا شکریہ ادا ہو۔

شکر کی تعریف بزرگوں نے یہ لکھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیں تو دل میں دھیان ہو کہ یہ نعمت اللہ نے دی ہے، زبان سے اس پر خوشی کا اظہار ہو، اور پھر خاص

طور پر اس کا خیال رکھا جائے کہ معصیت الٰہی میں اس کا استعمال نہ ہو۔

ہماری تہذیب وثقافت آج یہودیوں نے اپنالی ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ظاہری نظر میں وہ ترقی پذیر ہیں۔

جتنے مہذب شائستہ ممالک ہیں ان میں صفائی کے لئے عملہ نہیں ہوتا، جاپان جانا ہوا پورا شہر صاف تھا، معلوم ہوا کہ یہاں خاکروب بھی نہیں ہوتے، محلے دار خود صاف کرتے ہیں، ہر گھر والا سامنے کی جگہ صاف کر لیتا ہے، ہر ہفتہ کچرا اٹھانے والی گاڑی آتی ہے اور گھروں کے سامنے رکھے ہوئے ڈسٹ بن سے کچرا اٹھا کر لے جاتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی صفات ہیں جو انہوں نے اپنالی ہیں۔ آج لوگوں کے ذہن بدل گئے وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص جتنا زیادہ میلا کچیلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ زاہد ہے۔

ایک انگریز مسلمان ہوگیا، اس نے مسجد کی نالیاں گندی دیکھ کر صاف کرنی شروع کردیں تو ایک بڑے میاں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ میاں! تم مسلمان تو ہوگئے مگر ابھی تک تمہارے ذہن سے انگریزیت نہیں نکلی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ایسے شخص پر جو مدینہ کے درختوں کو نقصان پہنچائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستے سے گذر جاتے وہ آپ کی خوشبو سے مہک جاتا۔

ہم نے یہ سنتیں چھوڑ رکھی ہیں۔ کپڑوں میں پیوند عیب نہیں، ہاں گندے ہونا عیب ہے، یہ سستی کی علامت ہے۔، سب چیزوں میں سنت کو زندہ کیجئے، رہائش کے کمروں میں، مطبخ کی قطاروں میں، ہر جگہ سنتوں کو زندہ کیجئے۔

کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے ادنیٰ ناگواری کسی کو ہو، آپ اس بنیادی اصول کو اپنالیں، اس کو حرز جاں بنالیں تو ہزاروں سنتوں پر عمل ہو جائیگا، آپ کی زندگی خوشگوار اور نمونہ بن جائے گی۔ کمروں میں بتیاں بے ضرورت نہ جلائیں، مریض کا خیال رکھیں۔ دروازہ آہستہ بند کریں وغیرہ وغیرہ۔

جو مسلمانوں کے کرنے کے کام ہیں وہ آج غیر مسلم اقوام کر رہی ہیں، مہذب

ممالک میں اگر کوئی شخص سڑکوں پر کچرا پھینکے تو اس پر جرمانہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے والد صاحب بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور باطل کبھی غالب نہیں ہوتا اگر اس کے برخلاف دیکھو گے تو وہاں ضرور یہ ہوگا کہ کوئی باطل حق کے ساتھ شامل ہوا ہوگا تو وہ حق باطل کی وجہ سے مغلوب ہوگا اور اگر باطل غالب آیا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حق اس کے ساتھ مل جائیگا۔

ہمارے پاس اگرچہ ایمان ہے، لیکن پھر بھی ہم مغلوب ہیں ایک وقت ایسا تھا کہ ہماری بات پوری دنیا مانتی تھی اور اب جو کچھ ہو رہا ہے آپ سب اس سے واقف ہیں۔ پہلے زمانے کے یہودیوں کی عادت تھی کہ گندگی پھیلاتے تھے۔ ہم نے کافروں کی برائیاں لے لیں تو باطل نے ہمیں مغلوب کر دیا۔ نماز، روزے کا بنیادی فائدہ تو آخرت کا ثواب ہے۔

ایمان اور عمل صالح پر حکمرانی کا وعدہ ہے، اور عمل صالح میں پورا دین شامل ہے، صحابہ کرام نے پورے دین پر عمل کیا اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، تو عمل صالح حکومت اور اقتدار کے لئے شرط ہے۔ آج کا سبق یہ ہے کہ سنت کو زندہ کیجئے اور سنت تقریروں سے زندہ نہیں ہوتی، بلکہ سنت عمل سے زندہ ہوتی ہے۔ اور سنت کا مفہوم زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق ہے، اور اس کی بیشمار جزئیات ہیں اور اس کا لب لباب یہ حدیث ہے کہ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده."

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين